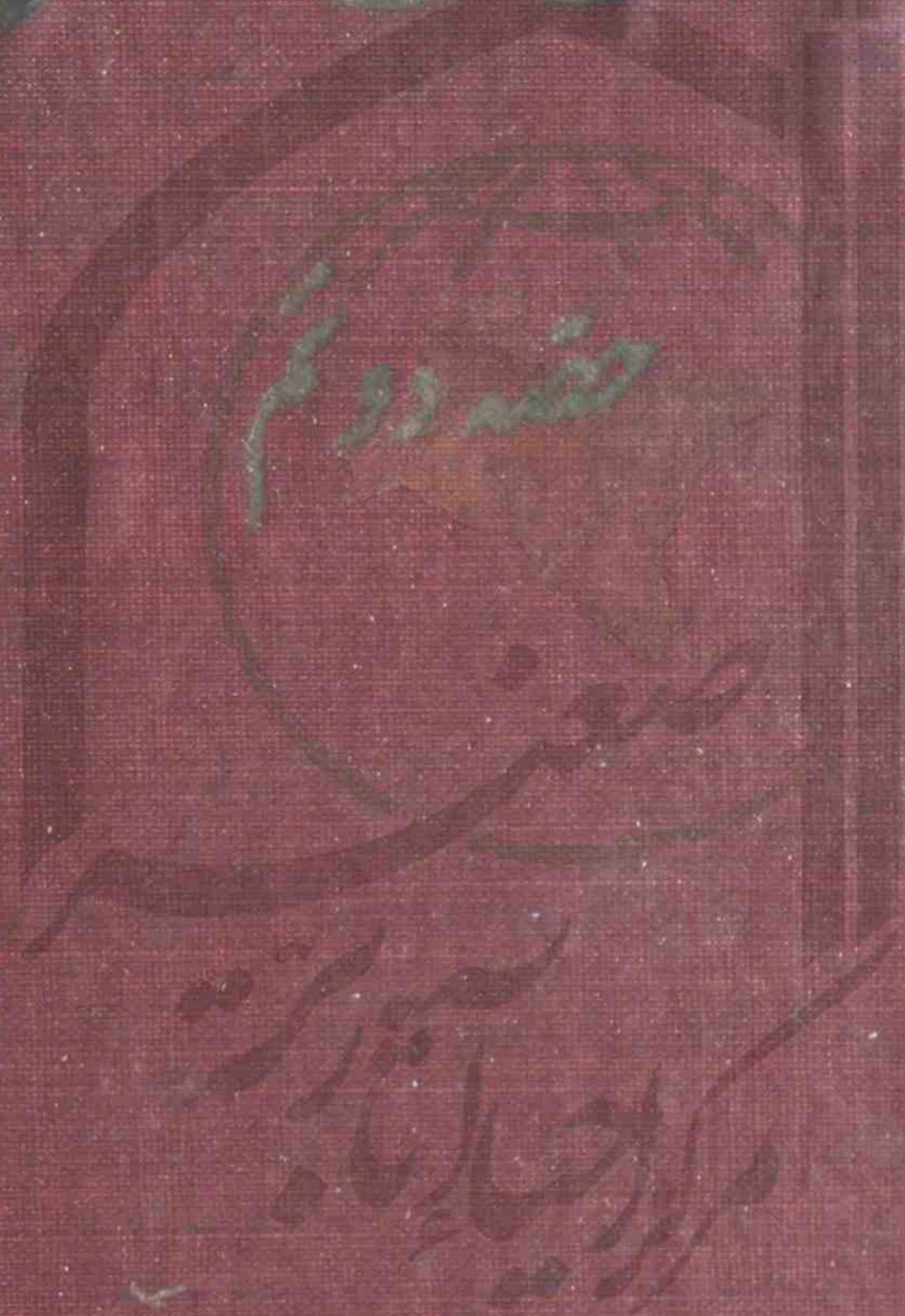


اخلاق محمد



MAAB LIBRARY

maablib.org

سینین

انسان کامل

المعروف به

اخلاق محمد

حصه دوم

maablib.org

مصنف

ایم ایچ حسینی

MAAB 1431

جملہ حقوق بحق مصنف
محفوظ ہیں

مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی

ناشری

MAAB 1431

مركز حيا انما
maablib.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة (قرآن) انك لعلى خلق العظيم (قرآن)
سیرت پیغمبر اسلام حیات انسانی کیلئے بہترین دستور العمل ہے۔ اے محمد! یقیناً آپ خلق عظیم پر نفاذ ہیں
الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (قرآن)
آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے لئے پورا کر دیا اور میں تمہارے دین اسلام کو رضی ہوا

انسان کامل

المعروف بہ

اخلاق محمد

حصہ دوم

اخلاق پیغمبر اسلام کو تاریخی واقعات کتب مستندہ و معتبرہ سے پیش کیا گیا ہے۔

مصنف

الحاج سید مجاور حسین رضوی المعروف بڈاکٹر حسینی

قصر حسینی طارق روڈ سوسائٹی کے اچھی

انتساب

اس کتاب کو

ان ذوات مقدس ، کے نام پر معنون کیا جاتا ہے ، جو اسوہ حسنہ پیغمبر اسلام پر عمل کر کے قد افلح المؤمنون کے مصداق ہو چکے۔ اور نیز ان افراد کے نام پر انتساب کیا جاتا ہے جن کے کردار میں اس اسوہ حسنہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اور وہ افراد معاشرہ انسانی کیلئے مشعل راہ اور منارہ ہدایت ہیں۔

حسینی

maablib.org

باب عرفت عفت

تعریف عفت بہ الفاظ حکماء

انسان جب اپنی قوت شہوی پر پورا قابو حاصل کر لیتا ہے

(۱) اور وہ قابو اس درجہ کا ہو کہ وہ اکتسابِ حصول

ضروریات زندگی کے جذبہ سے بے قابو نہ ہو سکے اور جبکہ انسان نقطہ اعتدال کا یکتا کوپا لیتا ہے اور اسی نقطہ کے مطابق اس کی قوت شہوی میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو وہ صفت عفت کا مالک بن جاتا ہے

(۲) اخلاق ناصری ص ۱۳۱ مطبوعہ نو لکھنؤ ۱۹۰۶ء

تعریف عفت :-

جبکہ نفس بہمی و قوت شہوی کے حرکات میں

اعتدال ہو اور وہ نفس عاقلہ انسانی کی طاقت

کرے اور جو نفس عاقلہ کا اقتضا ہو اسی کو وہ

کافی سمجھے اور اپنی خواہشات سے مخالفت

کرے اس حرکت نفس انسانی سے فضیلت

عفت پیدا ہوتی ہے اور فضیلت سخاوت اس

کے نتیجہ میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

پس فضائل بھی صرف چار ہیں، اول تہذیب قوت

نظری سے حکمت پیدا ہوتی ہے، دوم تہذیب قوت

عملی و آل عدالت پیدا ہوتی ہے، سوم تہذیب

قوت غصنی سے شجاعت حاصل ہوتی ہے، چہارم

تہذیب قوت شہوی سے عفت پیدا ہوتی ہے

ہر گاہ کہ حرکت نفس بہمی باعتدال بود و مطاوعت

نماید نفس عاقلہ را و اقتضای کند ہر آنچه نفس

عاقلہ نصیب او نہد و اتباع ہوائے تنویش

مخالفت ادکنہ از ازاں حرکت فضیلت عفت

حادث شود و فضیلت سخا بہ تبعیت لازم

آید۔۔۔

(۳) اخلاق ناصری ص ۱۳۳

پس فضائل نیز چہار ہوں، یکے از تہذیب قوت

نظری و آل حکمت بود، دوم از تہذیب قوت

عملی و آل عدالت بود، سوم از تہذیب قوت

غصنی و آل شجاعت بود، و چہارم از تہذیب

قوت شہوی و آل عفت بود۔

(۴) اخلاق ناصری ص ۱۳۹

فضیلتِ عفت کے تحت یہ بارہ فضائل ہیں

(۱) حیا (۲) رفق (۳) حسن ہدی (۴)

مسالمت (۵) دعوت (۶) صبر (۷)

قناعت (۸) وقار (۹) ورع (۱۰)

انتظام (۱۱) حریت (۱۲) سخاوت۔

الواع کہ در تحت جنس عفت است دوازده

است، اول حیا، دوم رفق، سوم حسن

ہدی، چہارم مسالمت، پنجم دعوت، ششم

صبر، ہفتم قناعت، ہشتم وقار، نہم ورع

دہم انتظام، یازدہم حریت، دوازدهم سخا،

مندرجہ عبارات سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی انسان میں صفت عفت بدرجہ کمال موجود ہے تو یقیناً اس کے نفس

میں وہ بارہ صفات و فضائل بھی موجود ہوں گے۔ جو تحت فضیلتِ عفت تسلیم کئے گئے ہیں۔ یعنی صاحبِ عفت

مالکِ صفاتِ سخاوت، حیا، رفق، وقار، صبر، قناعت، ورع و حریت ہوا کرتا ہے۔ گویا صفت

عفت ایک ایسی جامع صفت ہے کہ جب وہ نفسِ انسانی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو خود بخود اس انسان کا دل کو

باقی بارہ صفات از خود حاصل ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص نقطہ کمال صفتِ عفت پر فائز ہے تو یقیناً وہ صاحبِ

وقار بھی ہے اور صاحبِ حیا بھی ہے۔ وہ صاحبِ قناعت بھی ہے اور صاحبِ صبر بھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ صفت جو انسان کو تمام مخلوقات خصوصاً حیوانات سے ممتاز کرتی ہے، حقیقت میں وہ صفت عفت

ہی ہے۔ انسان کا فطری جذبہ شہوانی ہی اسکو ایسا مغلوب بنا لیتا ہے کہ پھر ان اپنے پرانے، حلال و حرام،

جائز و ناجائز، ظلم و جور، کسی چیز کے کرنے میں بھی باک نہیں کرتا، بلکہ اس کی یہی قوت اس کو بدترین حیوانات سے

بھی پست تر بنا دیتی ہے، کیونکہ ہر حیوان اپنی فطری خواہش کو ہی پورا کر کے بس کرتا ہے، مگر انسان کی ہوس و حرص

و خود غرضی و نفس پرستی کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اگر انسان کو ایک قسم کی دولت مل جاتی ہے، تو وہ دوسری قسم کی

دولت چاہتا ہے، اور اسکی طلب کا سلسلہ لامتناہی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اور اسی مرضِ روحانی میں تمام عالم

مبتلا نظر آتا ہے۔ افراد، اقوام، اہل ممالک آج اسی قوتِ شہوانیہ کا شکار ہیں، اگر وہ سائنسدان ہیں

مگر ان کا سائنس ان کو ذرائعِ استبداد سکھاتا ہے، اگر سپروہ فلسفی ہیں، مگر فلسفہ کی تمام و کمال طاقت صرف

تدابیر سفالی و خون ریزی پر مرکوز ہے۔ اگر سپروہ مدبران ممالک ہیں، مگر ان کی عقلیں صرف ذرائعِ حصول

حکومت وسیع تر کرنے پر مصروف ہیں، گویا ہر طبقہ کے انسانوں کی عقل و فہم کا مرکز جہاہ طلبی، نفس پرستی

اور استبداد ہے۔

اس طرح وہ انسان جو تعمیر کیلئے پیدا ہوا تھا تخریبی کارروائی میں اپنی خداداد قوتوں کو صرف کر رہا ہے

اس کا سبب کیا ہے، صرف یہی کہ انسان نے اپنے بچوں کو تعلیم تہذیبِ اخلاق کا درس دینا چھوڑ دیا، اور اس

طرح معاشرہ انسانی یکساں بد نما و بد صورت ہو گیا، اب انسانوں کی دنیا، بنظر عمیق دیکھیے، تو حیوانوں،

درندوں کی دنیا سے بھی مہیب تر و خوفناک تر ہے، آج کل کا انسان نہیں جانتا۔ کہ قدرت نے اس کو ظاہری جسم کی قوتوں اور ظاہری جسم کے اعضاء کے علاوہ کچھ باطنی قوتیں و پاک جذبات بھی عطا کئے تھے۔ حکماء مشفقین و مصلحین متاخرین نے ضرور انسان کے اس تاریک پہلو پر غور کیا، مگر وہ کوئی تذبذب یا سلسلے نہ کر سکے کہ ان کے سامنے جسمانی و مادی شکل میں کوئی تمثیل کامل نظر نہ آتی۔ تاکہ وہ ہر عہد کے انسان کو اس مجسمہ فضا کی مثال دیتے اور اس کی تقلید و پیروی کی تاکید کرتے، مذاہب کے اختلاف اور صاحبان مذاہب کے تعصب نے ان کی دلی آنکھوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ کسی کامل انسان کی ذات و صورت کو نہ پہچان سکے۔ **قرآن نے اعلان کیا:-**

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين -

آے وہ انسانوں جو خدا پر ایمان لایچکے ہو خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔
قرآن کا یہ اعلان تمام انسانوں کیلئے عام تھا اور یہ صرف اتنی ہدایت تھی کہ اگر انسان اپنے کمالات انسانی پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ یا وہ اپنے کمالات انسانی پر باقی رہنا چاہتا ہے۔ تو وہ صادقین کی تلاش کرے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلتا رہے۔ یہ صادقین بلا اختلاف مذاہب ہر مذہب کے پیشوا تھے۔ کم از کم انسانوں کو سہی چاہیے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانہ کے نبی یا رسول یا رشی یا اوتار کے ہی پیرو رہتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کی حالت آج حیوانوں اور درندوں سے بدتر نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد قرآن نے دوسرا اعلان کیا:-

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة -

یقیناً رسول خدا محمد مصطفیٰ اہل عالم کیلئے نمونہ اعلیٰ ہیں۔

اہل عالم کا فرض تھا کہ وہ محمد صلعم کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کرتے اور اس کا تعاقب سابقہ پیشوایان مذاہب سے کرتے اور یہ دیکھتے کہ تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء، وغیرہ کے تمام صفات ذات محمد صلعم میں موجود ہیں، اور ان میں سے ہر ایک سے زیادہ فضائل و صفات ذات محمد صلعم میں موجود ہیں۔ تو یقیناً اہل عالم کو محمد صلعم کو اپنا رہبر مان لینا چاہیے تھا۔ اور ان کے نقش قدم پر چل کر تمام کمالات انسانی کو پایا ہوتا۔۔۔

مگر ایسا سلسلے نہیں کیا کہ ہر زمانہ انسانوں میں نفس پرستی، پناہ طلبی اور قوت استبداد و ظلم بدرجہ کمال موجود تھی، محمد صلعم کی اطاعت امن و امان عالم کی طرف لے جاتی تھی۔ اور ان انسانوں کی طبائع ان کو غلبہ حاصل کرنے اور فساد فی الارض کی دعوت دے رہی تھیں۔

۱۶۱۔ عرب میں محمد صلعم نے اعلان نبوت کیا۔ محققین، مدبرین و مصلحین جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جنکو علوم قدیمہ کا علم حاصل تھا۔ وہ بوق در بوق حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے آپ کی نبوت یا کمالات انسانیہ کا اعتراف کیا۔ اور جو نفس پرست حکومت طلب تھے۔ و نیز جاہل تھے وہ نہ سمجھ سکے اور انہوں نے پیغمبر اسلام کو بھی مثل اپنے سلطنت طلب سمجھا اور برسراپکار ہو گئے۔ اور آخر میں حق کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر مغلوب و مفتوح ہوئے۔

بہر حال یہ بتانا تھا کہ دنیائے انسانیت کے سامنے کوئی تمثیل و نمونہ کمالات انسانی موجود نہ تھا۔ اسلئے وہ علوم جن کا تعلق انسان کے ارتقاء تو ائے باطنیہ سے تھا۔ وہ تو فنا ہو گئے۔ یا صرف کتاب ہی ان کی قبر بن گئی۔ چونکہ میری اس تصنیف کا مقصد ہی یہی ہے۔ کہ میں تمام روئے زمین کے انسانوں کے سامنے فضائل اخلاق و درجات کمالات انسانی کا صحیح مرقع و تمثیل پیش کروں۔ اسلئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محمد صلعم کی ذات میں اعلیٰ نمونے کمالات انسانی کے موجود ہیں اور بجز ذات محمد صلعم اتنا کامل نمونہ اہل عالم کو نہ مل سکے گا۔

صفت عفت ہی وہ اعلیٰ صفت ہے۔ جو انسان کے کمالات کو انسانی روپ میں پیش کر سکتی ہے۔ اور جہاں یہ صفت موجود نہیں ہے۔ وہاں انسان درندہ ہے۔ نفس پرست ہے، عیار مکار ہے ظالم و جاہل ہے اور ہر صفت مذموم کا موصوف ہے۔ اتنا لکھنے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کے ہر دور حیات طفلی، جوانی، پیری و ہر عہد رزم، ہنرم، خانہ داری، سمبائیگی وغیرہ میں صفت عفت کو دیکھوں اور اس کے اعلیٰ نمونے اہل عالم کے سامنے رکھ دوں، تاکہ وہ اور ان کے بعد کی آنے والی نسلیں، اس منارہ ہدایت سے صحیح راستہ پاسکیں۔

قبل اس کے کہ میں اصل موضوع کو بیان کروں، یہ ضروری ہے کہ یہ بھی بتانا چلوں کہ انسان میں کچھ تو اوصاف خلقی، ذاتی، پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔ اور کچھ اوصاف بذریعہ ماحول و تربیت و اکتساب کے پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ عہد طفلی و عہد جوانی یا عہد شعور، عہد پیری ہی میں انسان کی عادات و فضائل بدل جاتے ہیں۔ اگر وہ بچپن میں شریر تھا تو جوانی میں سلیم الطبع اور بڑھاپے میں نیکو کار و مستعمل مزاج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شریر الطبع بچہ کو بہتر ماحول اور اچھی تربیت دی جاتی ہے۔ تو اس میں خصائل حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اوصاف حمیدہ ترقی کرتے ہوئے ارتقاء درجات عمر کے ساتھ بہتر سے بہتر ہو جاتے ہیں۔ اور آخر عمر میں وہ ایک اعلیٰ اخلاق کا انسان بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ بچپن میں اگر کسی بچہ کو اچھا ماحول مل گیا اور جوانی تک اس کی صحیح تربیت و تعلیم جاری رہی تو وہ اوصاف حمیدہ کا موصوف بن جاتا ہے۔

مگر جیسے ہی وہ ماحول بگڑ جاتا ہے اور اس کی نگرانی ختم ہو جاتی ہے تو وہ جوانی سے تا عہد پیری بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اور تمام اس بنا س رذائل کا ایک پیکر مہیب بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات، خاندان، قوم و ملک کے لئے سب ننگ بن جاتا ہے۔

اس مذکورہ قاعدہ و کلیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے ہم کو پیغمبر اسلام کے عہد طفلی سے تا عہد پیری حالت و عادات و خصائص کا جائزہ لینا ہے۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ ماحول، تربیت، تعلیم و نگرانی آبا و اجداد کے باقی رہنے اور باقی نہ رہنے کی حالت میں، پیغمبر اسلام کی صفت عفت میں کیا فرق پیدا ہوا۔ آیا وہ بہتر سے بہتر ہی ہوتے گئے۔ یا کہیں ان میں سمجھول بھی پڑ گیا تھا۔ میرے خیال میں انسان کو فضیلت عفت پر رکھنا اور اس کی ابتدائی و انتہائی عمر کا جائزہ اس صفت عفت کی روشنی میں لینا نہایت ہی دشوار کام ہے۔ اور کسی شخص کا اس معیار پر کامل اترنا آسان تو کیا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر میرے اس قول پر ناظرین کو عدم اعتماد ہے تو وہ ہر عہد کے پیشوایان مذاہب، مدبران ممالک، مصلحین اقوام، صاحبان کمال، فلاسفوں اور حکماء کا جائزہ لیکر خود فیصلہ کر لیں میرے قول کی تصدیق ہو جائے گی۔ اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ:۔

از آدم تا محمد مصطفیٰ تمام انبیاء انسان تھے۔ اور ان کے ہر عہد۔ طفلی، جوانی، پیری میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ہر صفت محمود سے آراستہ اور صفات مذموم سے پاک و صاف تھے۔

اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ ان تمام انبیاء سے کامل ترین نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ تھے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال خلقی، پیدائشی، ذاتی، ہر فرد عالم سے اعلیٰ و برتر تھا۔ اسی دعوے کو تاریخی روشنی میں ثابت کر دینا اس کتاب کا مقصد و موضوع ہے۔ ملاحظہ ہو۔

واقعہ اول عفت و حیا | ۱۱ | بحار الانوار جلد ششم و ترجمہ عبارت عربی - ۱ -

حلیہ دانی سے روایت ہے کہ محمد کے واسطے اس سے زیادہ کہ وہ برہنہ ہو جائیں کوئی بات زیادہ غضب ناک کرنے والی نہ تھی۔ اور جب میں ان کو برہنہ کرنا چاہتی تھی تو آپ سچیں مارتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھ کو ان کا جسم ڈھانک دینا پڑتا تھا۔ تو وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ اور جب آپ کی عمر ایک سال کی ہوئی تو شب کو جب میری آنکھ کھل جاتی تھی تو میں دیکھتی تھی کہ محمد جاگ رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔

لا اله الا الله قدوسا قدوسا وقد نمت العيون والرحمن لا تاخذ الا سنة ولا نوم۔

خدا واحد ہے، پاک ہے پاک ہے۔ جبکہ تمام مخلوق سو رہی ہے اس وقت بھی خدا واحد کو نہ

غنودگی ہے نہ خواب ہے۔

حدیدہ فرماتی ہیں کہ جب محمد کچھ بڑے ہوئے تو آپ جب بچوں میں باہر نکل جاتے تھے تو نبی بچے آپ کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو کھیل کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس وقت آپ اپنے رضاعی بھائیوں کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ :-

انالم مخلوق لهذا - ہم کھیل کیلئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ ابو طالب نے ایک روز اپنے بھائی عتبہ بن عباس بن عبدالمطلب سے کہا کہ اے عباس میں تم کو ایک بات کی خبر دیتا ہوں۔ میں ہمہ وقت محمد کو اپنے ہمراہ رکھتا ہوں اور رات دن میں کسی وقت ان کو اپنے سے جدا نہیں کرتا اور محمد کو ان کے بارہ میں راجہ خطرہ جان کسی پر اطمینان نہیں ہے۔ جب تک کہ میں اس کو اپنے ہمراہ اپنے بستر پر نہیں سلا لیتا ہوں۔ لیکن ایک عجیب بات قابل ذکر یہ ہے کہ جب سوتے وقت میں محمد سے کہتا ہوں کہ اپنے کپڑے اتار ڈالو تو وہ میرے چہرہ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں۔ چچا جان آپ اپنا منہ پھیر لیجئے تاکہ میں اپنے کپڑے اتار کر بستر میں لیٹ سکوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے جسم پر کسی کی نظر پڑے۔ میں اپنی نظر کو اس سے پھیر لیا کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی میں جب ان کو بستر میں دیکھتا ہوں تو ایک بار ایک کپڑا پھر بھی ان کے جسم پر پاتا ہوں۔

۴ کتاب مناقب ص ۱۱۰ :-

ابن عباس سے روایت ہے۔ ابو طالب نے اپنے بھائی سے کہا اے عباس میں محمد کے بارہ میں ایک بات کہوں کہ میں محمد کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں اور کسی وقت بھی جدا نہیں کرتا ہوں۔ مجھ کو کسی پران کے بارہ میں اعتماد نہیں ہے۔ حتیٰ کہ میں ان کو اپنے بستر میں اپنے ساتھ سلاتا ہوں۔ ایک بار میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے لباس کو اتار دیں اور میرے ساتھ سو جائیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ نظر کر اسبت سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے

ابن عباس۔ قال ابو طالب لا خبیہ یا عباس اخبرک عن محمد انی ضمیتہ فلما افارقہ ساعة من لیل ونهار فلم اتمن احدل احدثی لو متہ فی فراشی۔ فامرته ان یخلع ثیابہ وینام معی فراشی فی وجہ کسر ہدیة فقال یا عماہ اصررف و جھک عنی حتی اخلع یشابی و ادخل فراشی فقلت له ولم ذاک فقال لا ینبغی لاحد ان ینظر الی جسدی فتعجبت من قوله و صرفت بصری

عنه حتى دخل فراشه فاذا دخلت
انا الفرائش اذا بيني وبينه ثوب والله
ما دخلت في فراشي فامتته فاذا
هو الين ثوب ثم شمتته كانه غمسه
في مسك وكننت اذا اصبحت فقلت
الثوب فكان هذا ادا بي ودا به -

بعد اس نے کہا اے چچا جان میری جانب
سے اپنا منہ پھیر لیجئے تاکہ میں اپنے لباس
کو اتار سکوں اور بستر خواب میں لیٹ جاؤں
میں نے اس سے کہا یہ کیسے؟ جواب دیا اس نے
کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی نظر میرے جسم
پر پڑے۔ محمد کو اس کے ایسا کہنے پر تعجب

ہوا اور میں نے اپنی آنکھیں اس کی طرف سے پھیر لیں۔ وہ بستر میں لیٹ گیا۔ جب میں بستر
میں لیٹا تو میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان میں ایک کپڑا ہے۔ جب میں نے اس
اسکو دیکھا تو وہ باریک کپڑا تھا۔ جب میں نے سونگھا تو وہ مشک سے لسا ہوا تھا۔ جب
صبح ہوئی تو وہ کپڑا غائب ہو گیا۔ یہ تھا اس کے اور میرے درمیان میں طریقہ وادب و عادت
مذکورہ ہوا لجات سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام وقت ولادت سے ہی فضیلت عفت کے
مالک تھے اس حیا و وقار عفت بحالت رضاعت ہی موجود تھا۔ اور جوں جوں عمر بڑھتی گئی۔ یہ حال
اور بھی بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب عبدالمطلب جد پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام کی عمر ۸
سال کی تھی۔ اور عبدالمطلب نے محمد کو ابو طالب کے سپرد کیا تھا۔

ابو طالب نے اپنا چشم دید واقعہ عباس بن عبدالمطلب (اپنے بھائی) سے بیان کیا ہے۔ اور وہ
یہ کہ جب عمر ۸ سال ابو طالب نے اس بچہ کو اپنے بستر میں سونے اور لباس اتارنے کا حکم دیا تو پیغمبر اسلام
نے اس حکم کو بنظر کرامت دیکھا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے جسم پر کسی کی نظر
پڑے اور چہنچہ ابو طالب کو بچہ کم سن کی اس بات پر تعجب ہوا اور یہ تعجب صحیح بھی تھا۔ کیونکہ یہ بات
عمومیت کے لحاظ سے عام بچوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔

پیغمبر اسلام کے عہد طفلی کے یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ محمد میں صفت عفت فطری طور پر موجود
تھی نہ کہ ماحول و اکتساب سے پیدا ہوئی تھی۔ اور جب صفت عفت فطری تھی تو یہ مانتا پڑے گا کہ جب
غیر مکلف ہونے کے زمانہ میں عفت کا یہ عالم تھا تو بعد شعور و کمال عقلی خلاف عفت کوئی فعل سرزد بھی
ہو ہی نہیں سکتا اور اسی صفت کو حیا کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ تو عصمت کہا جاتا ہے اور اسی اصول
و قانون کے ماتحت پیغمبر اسلام معصوم سمجھے جاتے ہیں۔

عفت واقع دوم خطبہ خدیجہ

ترجمہ کتاب بحار الانوار جلد ششم :-

صاحبان علم و واقفان تاریخ آگاہ ہیں۔ کہ خدیجہ بن خویلد عرب کی مشہور تاجرہ و ملکہ تھیں۔ ابو طالب نے محمد کو خدیجہ کا مال تجارت دلویا تھا اور محمد صلعم لعمر ۲۰ تا ۲۵ سال کئی بار مال و اسباب تجارت لیکر غیر ملکوں کو بغرض تجارت گئے تھے۔

ایک بار پیغمبر اسلام خدیجہ کا بہت سا مال لیکر ملک شام کی طرف بغرض تجارت گئے اس سفر میں خدیجہ نے اپنے معتمد غلام میسرہ کو بھی ہمراہ کر دیا تھا۔ جب سفر سے واپسی ہوئی تو میسرہ نے تمام حالات سفر و منافع تجارت و طرز تجارت محمد صلعم کو بیان کیا۔ خدیجہ نے جب یہ سب کچھ سنا تو بے اختیار زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے :-

”فقلت حسبک یا میسرہ لقد ذرتنی شوقاً لی محمد اذ هب فاننت حراً لوجه الله خدیجہ نے میسرہ سے کہا کہ اے میسرہ تو نے یہ سب صفات محمد بیان کر کے میرے شوق کو محمد کے بارہ میں اور بھی زیادہ کر دیا۔ جا میں نے تجھ کو راہ خدا میں آج سے آزاد کیا۔“

اس کے بعد خدیجہ نے اس کو بہت سا روپیہ انعام دیا اور عمدہ خلعت عطا کئے۔ اس محفل میں خویلد پدر خدیجہ بھی موجود تھا۔ یہ عالم علوم سابقہ تھا۔ اور محمد صلعم بھی موجود تھے۔ خدیجہ نے محمد سے مخاطب ہو کر کہا :-

”اے محمد میں آپ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوئی۔ آپ کا مجھ پر بہت حق ہے۔ آپ کو اگر کوئی حاجت ہو تو بیان فرمائیے میں اس کو پورا کرنے کو تیار ہوں۔“

محمد صلعم نے فرمایا :-

”کہ میں مکان سے واپسی پر اپنے مدعا کو کہہ سکوں گا۔“

اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے چچاؤں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ابوطالب کے پاس آئے تو ابوطالب نے دریافت کیا :-

”اے بیٹا تم کو خدیجہ نے کیا دیا۔“

آپ نے فرمایا کہ :-

”جو کچھ قرار دیا تھا اس سے زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔“

اس پر ابوطالب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اے نور چشم میری دلی آرزو بس اتنا ہے کہ

جب میں دنیا سے جاؤں تو تمہارے واسطے دو عمدہ نسل کے اونٹ پھوڑ جاؤں۔ تاکہ تم ان پر سفر کر سکو اور دو عمدہ گھوڑے۔ تاکہ تمہاری شان و شوکت ان کی سواری سے دو بالا ہو اور اتنے سونے چاندی کی ضرورت ہے کہ تمہاری شادی عرب کے بہترین خاندان کی کسی لڑکی سے ہو جائے اور اس کا مہر دے دیا جائے۔ اور جب یہ سب کچھ ہو جائے۔ تو مجھ کو اپنی کوئی پرداہ نہیں ہے۔ ابو طالب کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم لا ابانی بالموت حیث اتی و کیف نزل۔

پھر مجھ کو موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کیونکر آئے گی اور کیسے نازل ہوگی۔ بعد ازاں محمد نے آرام کیا۔ اور دوسرے روز بعد غسل لباس فاخرہ پہن کر دو تئکدہ خدیجہ پر تشریف لے گئے۔

خدیجہ نے بہت اکرام و اعزاز سے ایک آنسو کی کرسی پیش کی اور عرض کی کہ آج تو آپ اپنی حاجت بیان فرمائیں گے۔

محمد صلعم نے یہ سنکر اپنی گردن جھکائی اور آپ کی پیشانی سے سینہ کے قطرے ٹپکنے لگے اور جب خدیجہ کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ یہ سنکر خدیجہ مسکرائیں اور کہنے لگیں :-

یا محمد اگر تم تمہارے واسطے ایک ایسی عورت تلاش کر دیں کہ جو مال و جہاں میں بہترین ہو اور نسب میں تمہارے قریب ہو تو کیا تم راضی ہو جاؤ گے۔

محمد نے دریافت کیا کہ وہ عورت کون ہے۔ مجھ کو بتائیے تاکہ میں اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کروں اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ کروں۔

خدیجہ نے عرض کیا :-

اے محمد خدیجہ خود اپنے کو آپ کی کنیزی میں دنیا چاہتی ہے۔ خدا نے تمہاری محبت کو میرے دل میں ڈال دیا ہے اور یہ الفاظ بھی کہے۔ واتی علمت انک موید من رب السماء۔ میں خوب جانتی ہوں کہ آپ پروردگار عالم کی جانب سے موید ہیں۔

جب محمد صلعم نے خدیجہ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ نے سر کو جھکالیا۔ اور بوجہ شرم و حیا کے آپ کی پیشانی پر سے سینہ کے قطرات ٹپکنے لگے۔

محمد صلعم نے جب خدیجہ کا یہ ارادہ معلوم کیا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ نور اسلام خدیجہ کے

قلب صوفشانی کمر رہا ہے۔ تو آپ وہاں سے اٹھ کر اپنے چچا کے پاس آئے اور آپ نے ابو طالب سے عرض کیا کہ آپ تولد کے پاس جائیے۔ جب ابو طالب نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بیٹا تمہاری بات کی میرے دل میں عزت و توقیر ہے۔ میں اس کام کے کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم جانتے ہو کہ اول تو خدیجہ بیوہ ہے اس کے دو شوہر ہو چکے ہیں۔ علاوہ ہرمیروساء عرب اس کے خواستگار ہیں۔ اور پھر وہ متمول ترین ہے۔ ایسی صورت میں وہ ہرگز رضامند نہ ہوگی۔ بہر حال میں کوشش کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اقرباء کو جمع کیا۔ اور ان سے اپنی خواہش کو بیان کیا۔ اس وقت ابو لہب نے سخت مخالفت کی۔ اس کی مخالفت دیکھ کر عباس ابن عبدالمطلب کھڑے ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ :-

اے ابو لہب تو نہیں جانتا کہ محمد کے کیا کیا شرف ہیں۔ اگر خدیجہ اپنے مال پر نازاں ہے اور اس کا مہر زیادہ ہوگا تو اس کی مجھ کو مطلق پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں رب کعبہ کی قسم اپنے اسپ بادشاہ پر سوار ہو کر شاہان وقت کے پاس جاؤں گا اور جتنا مہر وہ چاہے گی میں لاکر اس کے اور اس کے باپ کے سامنے رکھ دوں گا۔

اس کے بعد جناب صفیہ بنت عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ :-
میرے بھتیجے کی جو خواہش ہے میں اسے ضرور پورا کروں گی۔ اور کوئی نہیں جانتا تو کچھ وہ جانتا ہے۔
بعد ازاں عمدہ لباس زیب تن فرمایا اور خدیجہ کے مکان پر تشریف لے گئیں۔ اور انہوں نے اٹھائے گھنگو میں اپنی خواہش کو بیان فرمایا۔ جب خدیجہ نے سنا تو کہا :-

بیشک میں نے محمد سے خود خطبہ کی خواہش کی تھی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ محمد خدا کی جانب سے موبد ہیں۔ پھر خدیجہ نے یہ الفاظ کہے جو بخارا انوار سے پیش کئے جاتے ہیں :-

خطبت محمد لنفسی فلا تکن لہ ان کان قد ذکرکم بشئ وانی علمت انه

موید من رب السماء۔

میں نے اپنے لئے محمد سے خود خطبہ کیا ہے۔ اگر محمد نے کوئی بات اس بارہ میں کہی ہے تو اس کو نہ جھٹلاؤ اور میں خوب جانتی ہوں کہ محمد من جانب خدا موید ہیں۔

جس وقت جناب صفیہ بنت عبدالمطلب نے واپسی کا ارادہ کیا تو خدیجہ نے ایک خلعت فاخرہ ان کو پہنایا گلے لگایا اور رخصت کیا۔ جناب صفیہ نے تمام واقعہ ابو طالب سے بیان کیا۔ جناب ابو طالب نے تمام اقرباء اعزاء کو جمع کیا اور محمد صلعم کو نہایت قیمتی اور عمدہ خلعت پہنایا، تلوار پہلو میں باندھی، عمدہ عربی گھوڑے پر بٹھایا۔ برات اس طرح چلی کہ محمد صلعم مثل ماہ چہارم درمیان میں تھے اور شجاعان بنی ہاشم اور اقرباء محمد

صلعم مثل نجوم درخشاں ان کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔۔

جب یہ حضرات مکانِ خویلد پر پہنچے تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ جب مجمع مکان پر پہنچ گیا اور وہاں بیٹھ چکا تو جناب ابوطالب نے خویلد کو مخاطب کر کے اور اپنے اکرام و شرافت منصوبی و منسی کو بیان کرتے ہوئے کہا "اے خویلد قدر جئنا معا طہین انبتک خدیجہ لسیدنا محمد و نحن لہما راغبون ہم اے خویلد تمہاری لڑکی کا پیغام لیکر آئے ہیں اور خدیجہ کا خطبہ اپنے سردار محمد کے کرنا چاہتے ہیں" خویلد نے جب یہ سنا تو اس نے کہا کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ خدیجہ خود عاقل و دانا ہے۔ وہ اپنے امور کا کلی اختیار خود رکھتی ہے۔

خویلد نے ان بہانہ بازیوں سے چاہا کہ یہ لوگ واپس چلے جائیں۔ یہ سنکر مجمع واپس ہوا۔ یہ خبر خدیجہ کو پہنچی تو اس نے اپنے چچا ورقہ بن نوفل کو بلایا۔ یہ عالمِ علوم کتب سابقہ تھا۔ اور اس سے کہا کہ آپ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیجئے۔

ورقہ نے کچھ دیر کیلئے سر جھکا لیا اس کے بعد بولا:-

"اے خدیجہ میں نے مصحفِ انبیاء کو پڑھا ہے۔ ان کی رود سے اگر میرا اندازہ علم سچا ہے۔ تو محمد ضرور نبی آخر الزمان ہونے والا ہے۔ علاوہ اس کے ان کی اصل پاک و طاہر ہے۔ ان کا خاندان بڑا ہے صورت و شکل بہت اچھی ہے۔ ان کی ندرگیوں اور فضائل کے سبب ہی قاتل ہیں۔ ان کی بخشش سب کے واسطے یکساں ہے ان کی گفتگو بہترین اور دلچسپ ہے ان کی سیرت اعلیٰ ہے اور فضائل میں وہ یکتائے روزگار ہیں۔"

اس کے بعد ورقہ نے یہ شعر پڑھے:-

لقد علمت کل القبائل والملاء بان حبیب اللہ اظہر ہم قلباء

واصدق من فی الارض قولاً و موعداً و افضل خلق اللہ کلہم قریباء

کل قبائل اور کل لوگ جانتے ہیں کہ محمد صلعم خدا کے حبیب ہیں اور ان کا قلب پاک ہے اور روئے

زمین کے انسانوں میں سب سے زیادہ صادق ہیں۔ اور خلق اللہ میں سب سے افضل ہیں۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل خویلد کے مکان پر پہنچے اور فرمایا کہ اولاد عبدالمطلب تم سے سخت ناراض

ہیں۔ خویلد نے کہا کہ میں نے اولاد عبدالمطلب کا کیا بگاڑا ہے۔ ورقہ نے کہا۔ میری رائے میں تو ہم کو

اولاد عبدالمطلب سے بگاڑنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی باپ آگئے تو وہ شیرِ غضبناک ہیں۔ علاوہ بریں

خدیجہ کی رضا بھی معلوم ہوتی ہے۔

اور پھر درقہ تولید کو سمراہ لیکر خانہ ابوطالب پر پہنچا دق الباب کیا۔ اس وقت جناب ابوطالب اور جناب حمزہ شریف فرماتے۔ کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔ تولید نے محذرت چاہی اور محذرتا کہا۔

مَا كَانَ ذَلِكَ مَنِيَّ يَا سَيِّدِي وَإِنَّمَا تَعْلَمُونَ
 أَن خَدَّيْجًا وَافْتَرَاةَ الْعَقْلِ مَالِكًا لِنَفْسِهِمَا
 وَإِنَّمَا تَكَلِّمْتَهُ بِهَذَا الْكَلَامِ حَتَّى اسْمَعْتَهُمَا
 تَقُولُ وَاللَّانِ عَرَفْتِ أَنَّ الْمُنَى فَنِيكُم
 رَاغِبَةٌ فَلَا تَوَا انْخَرِذُونِي بِمَا حَبَرْتُمَنِي

اے میرے سردار میں نے جو کچھ کہا اپنی جانب سے نہیں کہا۔ آپ جانتے ہیں خدیجہ خود کامل عقل مالک نفس خود ہے، ہم نے یہ باتیں کہیں تاکہ سمجھ سکیں کہ خدیجہ خود کیا چاہتی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ خود اس امر پر راضی ہے۔ پس آپ

لوگ مجھ کو مورد الزام نہ بنائیں اور جو کچھ تو چکا ہے اس کو قطر انداز کریں۔

اور پھر تولید نے درقہ بن توفیل کو دکھیل کیا۔ قریب کعبہ مجمع عام میں جبکہ اشرف مکہ مجمع تھے خدیجہ کا عقد محمد صلعم سے ہوا۔ وقت نکاح محمد صلعم کے جسم پر یہ لباس تھا۔ :-

عمامہ سیاہ سرمبارک پر۔ اور عبدالمطلب کی قمیص جسم پر تھی، حضرت الیاس کی چادر دوش مبارک پر تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا عصا دست اقدس میں تھا۔ عقیقہ سرخ کی انگشتری انگشت مبارک میں زیبادے رہی تھی۔ آپ کے اعمام برہنہ شمشیریں کھینچے ہوئے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اور محمد صلعم کرسی زرنگار مرصع کار پر جلوہ افروز تھے۔

مہر خدیجہ - آپ کا مہر معجل علاوہ مہر موعبل کے یہ قرار پایا۔ چار لاکھ دینار نقرہ و ایک لاکھ ناقہ سیاہ و سرخ زنگ، دس خلعت قیمتی، اٹھائیس غلام، -

اس کے بعد نکاح ہوا اور حضرت حمزہ نے دو لہا پر درم نمچا اور کٹے اور برات والپس آگئی۔ دوسرے روز جناب ابوطالب نے دعوت دلیمہ میں تمام اہل مکہ کو بلایا۔ اور یہ دعوت دلیمہ تین دن تک جاری رہی، پیغمبر اسلام کے چچا مہانوں کی تواضع و خاطر داری میں شبانہ روز مصروف رہے۔

پیغمبر اسلام کی عفت و حیا کا نقشہ واقعہ مذکورہ نے پیش کر دیا۔ پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور جناب خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی اور پھر دوشوہرہی کر چکی تھیں اور بیوہ بھی ہو چکی تھیں۔ اور محمدؐ اسی بچہ تھے بالکل نوجوان تھے۔ مگر واقعات شلوی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے نفس پاک میں عفت و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپ کے جتنے بھی افعال اس معاملہ میں ہیں وہ عفت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ خدیجہ خود خطبہ نکاح کرتی ہیں۔ اور پیغمبر اسلام بجائے اترار کرنے کے اور اس موقع کو غنیمت سمجھنے کے فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندگوں سے مشورہ کر لوں، پھر اتنا ہی نہیں بلکہ خدیجہ کی زبانی عقد نکاح کا نام سنتے ہی آپ کی پیشانی سے پسینہ

کے قطرات ٹپکنے لگتے ہیں۔ گویا آپ مجھ پر عفت و حیا بن جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ عقد کے معاملات میں آپ وہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں جو اعلیٰ نمونہ عفت و حیا ہے۔ انسانی دور زندگی میں تمام مراحل سے زیادہ اہم مرحلہ نکاح و شادی ہے۔ انسان کی پوشیدہ نفسیاتی خواہشات جا بے جا کے اظہار کا ایک ہی موقع ہوا کرتا ہے اور انسان کسی نہ کسی صورت سے اپنی منشاء کو اس موقع کیلئے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا اظہار بھی کر دیتا ہے۔ اگر اس میں مادہ حیا کچھ بھی موجود ہے تو اس کو درپردہ ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ سو میں ننانوے تو اس موقع پر حیا و عفت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ارادہ کو پورا کر لیتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں وہ بزرگوں حتیٰ کہ والدین کی رائے کی بھی پروا نہیں کرتے ہیں۔۔۔

علاوہ بریں ہر مرد و عورت کے معاملہ میں چند امور کو ضرور پیش نظر رکھنا ہے۔ اول یہ کہ وہ صاحب جمال ہو، دوم یہ کہ وہ کم سن ہو۔ سوم یہ کہ وہ کنواری ہو چہاں یہ کہ وہ شریف خاندان سے ہو، پنجم یہ کہ وہ عاقل و فرزندانہ ہو، ششم یہ کہ وہ ایسی عمر کی عورت ہو کہ اس سے اولاد کثیر پیدا ہو سکے تاکہ اس کا نام و نشان باقی رہے۔۔۔

خدیجہ میں اس میں سے بہت سی باتیں موجود نہ تھیں، اول تو خدیجہ کا سن قریب سن یا اس کے پہنچ چکا تھا اور ان میں اولاد ہونے کی صلاحیت کے صرف چند سال باقی رہ گئے تھے۔ عموماً عورت ۵۰ سال اور زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے بعد بچہ جنمنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ لہذا خدیجہ اس لحاظ سے نقص رکھتی تھیں۔ علاوہ بریں دو شوہر رکھنے کے بعد بیوہ ہو چکی تھیں۔

لہذا اصولی طور پر کسی کم سن اور شریف خاندان اور اعلیٰ نسب انسان کیلئے وہ کسی طرح موزوں نہ تھیں صرف ایسے ہی لوگ ان کے خواستگار تھے جو مال دنیا کے لحاظ سے شادی کرنا چاہتے تھے اور وہ اپنا زمانہ شباب دیگر عورتوں کے ساتھ گزار چکے تھے۔ اور اب اپنی بچی کھچی عمر میں ایک دو متمند عورت کرنا چاہتے تھے۔ اور آجکل بھی ادھیڑ عمر کے لوگ اسی قسم کے رشتہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ایسے عقد ہوتے بھی رہتے ہیں مگر اس وقت کا نوجوان بھی چاہے وہ غریب ہو، کم خاندان یا کم علم ہو۔ ایسی عمر رسیدہ عورت سے شادی پسند نہیں کرے گا۔ مگر پیغمبر اسلام کا اس رشتہ کو قبول کر لینا اور خدیجہ کی خواہش کا احترام کرنا ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام میں بدرجہ اتم اور بمرتبہ کمال عفت و نفس موجود تھی۔ لہذا آپ نے اپنی قوت نفس کا دخل نہ ہونے دیا۔ اور اپنی عقل و ادراک کو اس پر غالب رکھا اور خدیجہ سے اپنا عقد کر لیا۔ اور صرف عقد ہی نہیں کیا۔ بلکہ تاحیات خدیجہ دوسرا عقد نہیں کیا۔

خدیجہ اور پیغمبر اسلام کا ساتھ ہم ۲ سال رہا۔ خدیجہ نے بعثت کے آٹھ سال بعد وفات پائی اور ان کا

عمر ۶۵ سال کی ہوئی، پیغمبر اسلام کے ساتھ حب عقد ہوا تھا تو ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی، اور وقت وفات خدیجہ پیغمبر اسلام کی عمر قریب پچاس سال کی تھی، گویا پیغمبر اسلام نے اپنی پوری عمر خدیجہ کے ساتھ بہ محبت کامل گزار دی اور اس طرح خدیجہ کے لہن سے پیغمبر اسلام کے بیٹے قاسم، طاہر یا عبد اللہ اور ایک بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی۔

آپ نے خدیجہ سے ایسی محبت کی جو بعد کو دوسری زوجات کیلئے سبب حسد و رشک ثابت ہوئی۔ اور پیغمبر اسلام تا آخر عمر خدیجہ کی محبت و خلوص کے معترف رہے، ان تمام باتوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو اپنے تو اپنے نفس پر پورا قابو تھا۔ اور کبھی آپ نے خلاف قوانین عفت کوئی فعل نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک واقعہ بیان کر دینا بجا نہ ہوگا۔ اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہو گا کہ عفت پیغمبر اسلام میں کس حد تک تھی۔ اور آپ نے خدیجہ کے ساتھ کس محبت سے زندگی بسر کی تھی۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۶۔

قال ابن ہشام حدثنی من اثنی بہ
ان جبرئیل اتی رسول اللہ فقال
اقرا السلام من ربہا فقال رسول
اللہ یا خدیجہ ہذا یقریک السلام
من ربک فقالت خدیجہ اللہ السلام
ومنہ السلام وعلی جبرئیل السلام
اور اس کی جانب سے سلامتی ہے اور جبرئیل پر بھی میرا سلام ہو۔

ترجمہ۔ ابن ہشام اپنے معتبر ذریعہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر اسلام پر جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کی کہ خدیجہ کو ان کے خدا کا سلام پہنچا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے خدیجہ یہ جبرئیل ہیں تم سے تمہارے خدا کا سلام کہہ رہے ہیں۔ خدیجہ نے جواباً کہا اللہ سلام ہے

(۲) خلاصۃ السیر محب الدین احمد بن عبد اللہ الطبری المتوفی ۴۶۴ھ فصل العاشر۔

عن عائشہ قالت کان رسول اللہ اذا ذکر خدیجہ لم یکدر لیسیم من ثناء علیہا و استغفار لہا فذکر ہا ذات الیوم فاجملنی الغیرۃ فقلت لقد عسرک اللہ من کبیرۃ السن قالت فرایت رسول اللہ غضب غضباً شدیداً و سقت فی جلدی فقلت اللہم

عائشہ ناقل ہیں کہ پیغمبر اسلام خدیجہ کا ذکر فرماتے تھے تو ان کی تعریف اور ان کے لئے طلب مغفرت سے رکتے ہی نہ تھے۔ ایک روز مجھے رشک و غیرت آیا اور میں نے کہا کہ اب تو آپ کو خدا نے اس بڑھیکے عوض ایک کم سن دلہن دیدی۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر شدید غیظ و غضب طاری ہوا اور میں لرز کر دل میں کہنے

ان اذہبت غضب رسولک لم اعد
 اذکرہا لبسوا بالیقیت وقال کیف قلت
 واللہ لقد امننت بی اذ ترکنی الناس
 وادلتنی اذ رفضنی الناس وصدقنی
 اذ کزبنی الناس ووزقت الولد حیث
 حجتہ متموہ -
 چلے تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی جب لوگ مجھ کو تھملا رہے تھے۔ خدا نے ان سے مجھ کو اولاد
 مرحمت کی اور تم کو محروم رکھا۔

(۳) اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۸ :-

عن عائشہ ما عرفت علی احد من ادواج
 النبی ما عرفت علی خدیجہ و مالی ان
 اکون اور کتھا و ما ذاک الا کثرة
 ذکر رسول اللہ لها وان کان مما تدبج
 الشیاطین علی خدیجہ فیہا
 اگر آپ ایک بکری ذبح کرتے تھے تو خدیجہ کی سپیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بدلتے گوشت بھیج دیتے
 تھے۔ ...

مذکورہ توالہ جات تاریخی سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کبیر السن بیوی خدیجہ کو بہت چاہتے
 تھے اور ان کی یہ محبت نوجوان حسین زدہ کے متوجہ کرنے کے بعد بھی کم نہ ہوئی اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ
 پیغمبر اسلام کو اپنے نفس اور قولے خواہشات پر اتنا کامل تصرف و قبضہ تھا کہ کسی حالت و کسی زمانہ میں بھی اس
 میں کمی و فرق پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی نظر شقائق، مصالح پر تھی۔ یہی تو وہ تھی کہ آپ نے بعد وفات خدیجہ بھی
 عائشہ کو ٹوک دیا۔ اور اظہار غیظ و غضب کیا۔ کیونکہ کلام عائشہ پر اگر پیغمبر اسلام اظہار رخصت مندی کرتے تو
 یقیناً یہ الزام آجاتا کہ پیغمبر اسلام بھی خواہشات ذاتی سے مغلوب ہو جاتے تھے اور اقتضای وقت سے کام
 لیتے تھے۔ مگر آپ کی بر محل نا اہلی نے دامن پیغمبر اسلام کو اس الزام سے صاف بچالیا اور معلوم ہو گیا کہ
 آپ کا ہر فعل مطابق عقل و حکمت تھا۔ اور قوانین عفت و سیا کے ماتحت تھا۔

پیغمبر اسلام کا عائشہ کے اعتراض و الزام کے جواب میں یہ کہنا کہ خدیجہ نے میری اس وقت تصدیق کی

جب لوگ مجھ کو اور میرے دین کو جھٹلا رہے تھے، خدیجہ نے اس وقت میری مدد کی جبکہ لوگ مجھ کو چھوڑ چکے تھے۔ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام پر کبھی تو اسبشات کا غلبہ نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے خدیجہ سے صرف اس لئے عقد کیا کہ وہ اول مومن و مصدق توحید و نبوت تھیں۔ چونکہ پیغمبر اسلام کو ایک دائمی دین کی تبلیغ کرنا منظور تھی لہذا آپ کیلئے عندالعقل و حکمت ہی ضروری تھا کہ اس ذات کو اپنا کر لیا جائے۔ جو آپ کے ہر کار تبلیغ میں معاون و مددگار ہو سکے اور اس طرح کار تبلیغ کو تقویت حاصل ہو۔

چونکہ خدیجہ نے سب سے پہلے تصدیق توحید و نبوت کر دی تھی اور نور ایمان ان کے دل میں عنون گن ہو چکا تھا لہذا پیغمبر اسلام کو ان کی ہر ممکن عزت و احترام کرنا ہی تھا۔ خدیجہ مالدار ترین عرب تھیں۔ مگر خدیجہ نے اپنے کل مال کو تبلیغ دین میں کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے تاسیس بنیاد اسلام میں اس کل مال و متاع کو صرف کر دیا۔۔۔

اس لحاظ سے بھی خدیجہ کا احسان اسلام پر تھا اور اس طرح باقی اسلام بھی زیر بار احسان خدیجہ تھے۔ اگر اس کا حق ادا نہ کیا جاتا اور پیغمبر اسلام حسب رائے و اعتراض عائشہ نوشنودی عائشہ کیلئے ترک ذکر و تعریف خدیجہ کر دیتے تو بیشک پیغمبر اسلام کا یہ فعل کسی طرح بھی مطابق حکمت نہ ہوتا۔ بلکہ نوشنودی زور بہ شوشر و وجوان پیغمبر اسلام کیلئے خلاف قانون و اصول عفت ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے سخت ترین لہجہ اختیار فرمایا اور انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کر کے اپنے دامن عفت کو الزام نفس پرستی سے صاف بچا لیا۔

عفت واقعہ سوم خصائل | چونکہ فضیلت عفت کے تحت۔ حیاء، رفق، حسن ہدی، مسامت، دعت، صبر، قناعت، وقار، ورع، انشطام، حرمت اور سخاوت بارہ اجناس فضائل ہیں۔ لہذا ناظرین کے سامنے ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو ان سب پر عباد گانہ روشنی ڈالتے ہیں، اور ان سب اجناس کی مطابقت سے فضیلت عفت کا ثبوت حاصل ہوگا۔

(۱) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۰۰ :- جب آپ سرور ہوتے تھے تو اپنی انگلیں بند کر لیتے تھے۔ اور خوب اطہار مسرت فرماتے تھے لیکن بیشتر آپ کا ہنسا صرف تبسم و مسکراہٹ ہوتا تھا اور آپ باواز بلند کبھی نہیں ہنستے تھے۔۔۔

(۲) وچوں بنمانہ می رفت اوقات شریف تو دورا سر قسمت می نمود و بیچ کار دیگر نمی پرداخت

اور جب آپ اپنے گھر میں آتے تھے تو اپنے وقت کے تین حصہ کرتے تھے۔ ایک حصہ تو عبادت

خدا میں صرف فرماتے تھے اور دوسرا حصہ
اپنے اہل و عیال میں خرچ کرتے تھے۔ اور
تیسرا حصہ اپنی ذات کیلئے مخصوص تھا۔
مگر اسی حصہ میں دوسرا فرد کا بھی کام کرتے تھے۔
اگر کسی سے کوئی مسخ یا بھرم سرزد ہو جاتا تھا
تو اس سے مواخذہ کی بات نہیں کرتے تھے۔

آپ کے تمام کام اعتدال پر مبنی و منحصر تھے
افراط و تفریط اور اختلاف آپ کے کاموں میں
نہ تھا اور آپ ہمہ وقت لوگوں کے کاموں سے
باخبر رہتے تھے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔

۵۔ پیغمبر اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ
قابل عزت و بزرگ شخص وہ تھا جو دوسروں
کے ساتھ غم خواری، امداد و احسان اور
نصرت زیادہ سے زیادہ کرتا ہو۔

۶۔ پیغمبر اسلام کا خلق عام سب کیلئے عام
تھا آپ کے نزدیک سب حق میں مساوی
تھے آپ کی مجلس صرف بردباری، حیا و
سچائی، اور امانت داری کی مجلس ہوتی تھی
اس میں شور نہیں ہوتا تھا۔ اس میں کسی

کی برائی نہیں کی جاسکتی تھی، کسی سے اگر خطا ہو جائے تو اس کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا، تمام
حاضرین باہم مقام عدالت و انصاف و احسان میں رہتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی بھتیجی سے کسی کو ضرر نہیں پہنچتا
تھا۔ نہ آپ کی عادت بری تھی نہ آپ سخت
مزاج تھے۔ کبھی با آواز بلند زور سے نہیں
بولتے تھے۔ کبھی فحش بات زباں پر نہیں لاتے

بڑی برائے عبادت حق تعالیٰ و بڑی برائے
زنان و اہل خود و بڑی برائے خود و بڑی
کہ برائے خود گذارستہ بود مردم قسمت می
نمود۔۔۔

(۳) و کسے را با بر مش و خطا سخن مواخذہ کنی فرمود
صفت :-

(۴) و امورش ہمہ معتدل بود و افراط و تفریط
و اختلاف در کار و مالش نہ بود و ہرگز غافل
انہ احوال مردم نمی شد۔

(۵) بزرگ ترین مردم تہد او کسے بود کہ مواضات
و معاونت و احسان و یاری بہ مردم بیشتر
می کند۔۔۔

(۶) و خلق عظیم اش ہمہ خلق را گرفتہ بود و ہمہ کس
تہد او در حق مساوی بودند مجلس شریفی مجلس
بردباری و حیا، راستی و امانت بود، صدانا
در اہل بلند نمی شد و بد کسے در اہل گفتہ نمی شد
و اگر از کسے خطائے صادر می شد نقل نمی کردند
ہمہ با ہم دیگر در مقام عدالت و انصاف و
احسان می بودند۔۔۔

(۷) کسے از ہم نشین او متضرر نمی شد و زشت
خود و زشت گو نبود و صد بلند نمی کرد
و فحش نمی گفت و عیب مردم نمی کرد کسے
از او نا امید نبود با کسے مجادلہ نمی کرد و بسیار

کبھی کسی کے عیب بیان نہیں کئے۔ کوئی بھی
ان سے ناامید نہیں ہوتا۔ کسی سے وہ ہتھکڑا
نہیں کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی خاموشی چار وجہ سے ہوتی
تھی۔ یا تو بوجہ حلم کے جبکہ کوئی جاہل انسان
کلام نامناسب کرے۔ یا کسی کے ضرر پہنچانے
کے خیال سے۔ یا بلحاظ حفظ مراتب انسانی
یا کسی معاملہ اور اندازہ کے غور و فکر کی وجہ سے
پیغمبر اسلام میں حلم و صبر جمع ہو گیا تھا۔ کوئی
بات انکو غضبناک نہیں کرتی تھی۔ اور کسی وجہ
سے بھی ان کے استقلال میں فرق نہیں آتا تھا۔

سخن نمی گفت.....

.....

(۸) حیات القلوب ص ۲۸ :-

سکوت آنحضرت برتہا وجہ بود یا بوجہ
حلم بود کہ در برابرہ جاہلے کہ ناملام گوید از
وے برد یا بری یا ساکت شود یا از برائے
خدر از ضرر بود یا برائے اندازہ قدر ہر کس
بود یا برائے تفکر اندازہ.....
برائے آنحضرت جمع شدہ بود حلم و صبر پس
بیچ اصے اور البغضب نمی آورد و از بیچ
پھیراز جاہد نمی آمد۔۔۔

ناظرین نے عبارت مذکورہ پر غور کیا ہوگا۔ یہ تمام صفات ایسے ہی انسان میں جمع ہو سکتے ہیں۔ جو
اپنے نفس اور قوائے شہوانیہ و غضبیہ پر کامل تصرف رکھتا ہو۔ نہ اس کو کوئی خواہش نفسی مغلوب کر سکے
نہ کوئی غصہ کی بات نا جائزہ کام پر آمادہ کر سکے۔ نہ کسی کے حق کو غصب کرنے کا خیال اپنے فائدہ کی غرض سے
اس کے دل و دماغ میں آئے۔ اس کا سلوک اور بہ تاؤ ہر صنف کے انسان کے ساتھ عادلانہ و مساد یا نہ ہو اس
کو اپنے نفس و قلب و دماغ پر اتنا قابو کہ اسکو نہ سحر میں، نہ غصہ، نہ سخط نفس، نہ اقتدار جاہ طلبی، نہ ملک
گیری کا جذبہ کوئی شے بھی راہ اعتدال سے قدم نہ ہٹا سکے۔

عفت، قناعت و اقعہ چہارم

(۱) حیات القلوب جلد دوم ترجمہ :-

امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام کا لباس پرانا ہو گیا تھا۔ ایک شخص خدمت
میں حاضر ہوا اور اس نے بارہ درہم ہدیہ کے طور پر پیش کئے۔ پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب
سے فرمایا۔ اے علی یہ درہم لے جاؤ اور میرے لئے لباس خرید لاؤ۔ علی نے کہا کہ میں بازار گیا اور
بارہ درہم میں ایک پیرا من خرید کیا۔ جب میں خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا تو آپ نے لباس کو دیکھا
اور فرمایا کہ اے علی اس سے کم درجہ کا لباس میں پسند کرتا ہوں۔ اے علی یہ ممکن ہے کہ تم دوکاندار
سے کہو کہ یہ واپس لے لے۔ علی نے عرض کیا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ دوکاندار واپس لیگا یا
نہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا اچھا جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ لباس واپس ہو جائے۔ بہر حال میں

دوکاندار کے پاس واپس گیا اور اس سے کہا کہ خدا کا رسول اس لباس کو نہیں چاہتا تم واپس لے لو وہ دوکاندار راضی ہو گیا اور اس نے روپیہ واپس کر دیا۔ جب وہ روپیہ آپ کو مل گیا تو آپ وہ روپیہ لیکر میرے ساتھ بازار آئے اثنائے راہ میں دیکھا کہ ایک کینز راستہ میں بیٹھی رو رہی ہے۔ آپ نے کینز سے دریافت کیا کہ کیوں رو رہی ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مالک خانہ نے مجھ کو چار درہم دیئے تھے کہ میں بازار سے سودا خرید کر لاؤں۔ وہ درہم کھوٹے میں اب میری محنت نہیں ہوتی کہ گھر واپس جاؤں۔ پس آپ نے اپنے بارہ درہم سے چار درہم اس کو عطا فرمادئے اور کہا کہ تو اپنے گھر واپس چلی جا۔ پھر آپ بازار تشریف لائے اور چار درہم کا ایک لباس خرید کیا اور شکر خدا ادا کیا۔ جب آپ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں ایک برہمنہ انسان کو دیکھا اور اس کی درخواست سنی تو آپ نے لباس خرید کر وہ اس کو عطا فرما دیا۔ اور بازار واپس ہو کر باقی چار درہم کا دوسرا لباس خریدا اور شکر خدا کیا اور آپ پھر واپس ہوئے راستہ میں پھر اسی کینز کو دیکھا کہ راہ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اب راہ میں کیوں بیٹھی ہے کیوں اپنے گھر نہیں گئی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ گھر سے نکلے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ اب گھر جاؤں گی تو مار پڑے گی آپ نے فرمایا کہ آگے آگے چل اور مجھے بھی ساتھ لے چل۔ کینز آگے آگے اور پیچھے اسلام اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ درخانہ پہنچ کر پیچھے اسلام نے فرمایا۔

”سلام علیکم اے صاحبان خانہ“ مکان کے اندر سے کوئی جواب نہیں آیا پھر آپ نے -
 ”سلام علیکم یا اہل خانہ“ فرمایا پھر جواب آیا پھر آپ نے سلام کیا۔ پھر جواب آیا علیک السلام یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ نے اہل خانہ سے فرمایا کہ میرے پہلے اور دوسرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ صاحبان خانہ نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ ہم جانتے تھے کہ آپ کے بار بار سلام کرنے سے ہمارے گھر کی سلامتی و برکت زیادہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری کینز کو راستہ میں دیر زیادہ ہو گئی ہے اس کو کچھ نہ کہنا اور مواخذہ نہ کرنا۔ صاحبان خانہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہم نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔۔۔

پیچھے اسلام نے شکر خدا ادا کیا اور فرمایا کہ ایسے بارہ درہم کبھی نہیں دیکھے تھے۔ کہ جن کی برکت کا یہ حال ہے کہ دو برہمنہ اشخاص کو اس سے لباس پہنایا گیا اور ایک کینز کو ان کے ذریعہ سے آزاد کر دیا گیا۔

(۱) حیات القلوب جلد دوم
صفحہ ۲۱۵ :-

عفت (فتاعت) واقعہ پنجم نان گندم

ترجمہ :- حدیث صحیح میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے پیہر گوار سے روایت ہے کہ حضرت رسول صلعم نے کبھی گپھوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ پیچیر اسلام نے گپھوں کی روٹی تو ہرگز نہیں کھائی اور جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی

در حدیث صحیح منقول است کہ از حضرت صادق علیہ السلام پرسیدند کہ روایت کنند از پدر شما کہ حضرت رسول صلعم ہرگز از نان گندم سیر نہ شد، فرمود نہ چنین است بلکہ نان گندم ہرگز نخورد و از نان جو ہرگز سیر نہ شد۔۔۔

واقعہ قرض خواہ (۲) صفحہ ۲۱۵ :-

امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہے کہ ایک بار ایک یہودی نے پیچیر اسلام سے چند دینار طلب کئے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس نہیں ہیں۔ اس کا اصرار پڑھتا گیا حتیٰ کہ اس نے کہا کہ میں جب تک آپ کو کہیں نہ جانے دوں گا جب تک آپ مجھ کو زر مطلوبہ نہ دینگے پیچیر اسلام اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء اور دوسرے روز نماز صبح آپ نے وہیں پڑھی اصحاب رسول جمع ہو گئے اور انہوں نے یہودی کو ڈرایا دھمکایا۔ تو رسول نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا کام ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس یہودی نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ اور آپ کو کہیں جانے نہیں دیتا ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اس لئے

از حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام منقول است کہ یہودی از حضرت رسول صلعم چند دینار می طلبید، روزے آمد و مطالبہ ال نمود۔ حضرت فرمود کہ اے یہودی نذر م کہ بدتم۔ یہودی گفت از تو جہانہ شو م تا بدی فرمود کہ پس می نشینم در اینجا تو۔ آنحضرت باں یہودی در اں موضع نشست تا نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء تمام اور اور اں موضع کرد اصحاب آنحضرت یہودی را تہدید و وعید می نمودند پس آنحضرت متوجہ ایشان شد و فرمود کہ سپہ کار دارید باد۔ گفتند یا رسول اللہ یہود ترا سبس کردہ است و نمی گذارد کہ بجاء روی۔ حضرت فرمود کہ حق تعالیٰ مرا سبوت نگرہ دانید است کہ ستم کنم بر کسی کہ در امان است یا غیر اوس چوں

روز بلند شد یہودی گفت :-
 اشهد ان الا اله الا الله واشهد ان
 محمد عبد الله ورسوله -
 مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں اس پر ظلم و ستم کروں
 جس کو امان دی جا چکی ہے یا اس کے علاوہ
 کسی اور پر ستم کروں۔ جب دوسرے روز
 صبح ہو گئی تو اس یہودی نے پیغمبر اسلام کو دیکھ کر اسلام قبول کیا اور کلمہ شہادت خدا اور رسول زبان
 پر جاری کیا۔

عفت (صبر) واقعہ ششم | (۳) حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۱۵ ترجمہ :-

امام موسیٰ بن جعفر سے منقول ہے کہ بستر پیغمبر اسلام ایک عباتھی اور آپ کا مکبہ ایک چمڑہ تھا۔
 جس میں لیف تر یا بجا ہوا تھا، ایک شب ایسا ہوا کہ بہ نظر ترجم گھر والوں نے آپ کے اس بستر کو دوڑ
 کر دیا تھا۔ تاکہ وہ نرم ہو جائے اور آپ کو زیادہ آرام مل جائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا۔
 آئندہ کبھی میرے بستر کو دوڑتے نہ کرنا کیونکہ اس کی نرمی کی وجہ سے میں بیدار ہوا اور نماز صبح
 کیلئے آج میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے دیر سے اٹھ سکا۔

عفت (وسع) واقعہ ہفتم | (۴) حیات القلوب ص ۲۱۶ جلد ۲ :-

امام جعفر صادق نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام ایک شب اپنی زوجہ ام سلمیٰ کے مکان میں تھے
 نصف شب کے قریب ام سلمیٰ نے دیکھا تو پیغمبر اسلام کو بستر پر نہ پایا۔ ام سلمیٰ نے ہر طرف تلاش
 کیا۔ آخر دیکھا کہ آپ ایک گوشہ مکان میں کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھ دعا کیلئے اٹھائے ہوئے
 ہیں اور آپ رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ :-

اے خدا مجھ سے سلب کرنا ان چیزوں کو جو تو نے مجھ کو عطا کی ہیں۔ اور عاصد و دشمن کو مجھ پر
 خوش و نرم ہونے کا موقع نہ دے۔ اے خدا مجھ کو اس برائی کی طرف نہ لوٹانا جس سے تو مجھ
 کو نجات دے چکا ہے اور اے خدا مجھ کو ایک لحظہ کیلئے بھی نہ چھوڑ۔

جب ام سلمیٰ نے پیغمبر اسلام کے یہ الفاظ دعا سنے تو آپ باواز نہ بلند رونے لگیں۔ اور دماغ سے
 داپس آئیں۔ جب پیغمبر اسلام نے ام سلمیٰ کے گمہ کی آواز سنی تو فرمایا کہ ام سلمیٰ کیوں روتی ہو۔
 ام سلمیٰ نے عرض کیا اے خدا کے رسول میرے ماں باپ آپ پر نذا ہوں۔ میں کیونکر نہ روؤں کہ
 جب کہ آپ اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ خدا نے آپ کے اکلے پچھلے گناہ معاف کر دئے ہیں تو آپ ایسے الفاظ
 کہہ رہے ہیں اور آپ گمہ کہہ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا اے ام سلمیٰ میں کیونکر ایمن ہو جاؤں جبکہ خدا نے صرف ایک لحظہ کیلئے یونس پیغمبر کو چھوڑ دیا

تھا کہ ان سے صادر ہوا ہو صادر ہوا۔

عفت (سنا) واقعہ ہشتم | (۵) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶ :-

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایک بار پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک سائل آیا اور کچھ سوال کیا۔ آپ نے اسی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

”کوئی ہے جو مجھ کو قرض دیدے۔ بس ایک شخص انصار میں سے اٹھا اس نے کہا کہ میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چار وسق روغن عرب ماخر ما اس سائل کو دیدو۔ وہ خرے سے سائل کو دیدے گئے اور ایک زمانہ گزر گیا وہ صحابی خدمت رسول میں آیا اور اس نے خرے سے طلب کئے آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ جب میرے پاس آجائیں گے دیدوں گا۔ کچھ روز کے بعد پھر وہ آیا اور قرض طلب کیا آپ نے فرمایا کہ جب ہو گا دیدوں گا۔ انشاء اللہ، پھر آیا، پھر یہی جواب سنا، پھر آیا پھر یہی جواب سنا۔ تو آخر اس نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ آپ بار بار کہہ چکے ہیں کہ انشاء اللہ آئے گا دیدوں گا۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔“
پیغمبر اسلام بالفاظ حیات القلوب حضرت در برابرہ سخن ناملائم اور تبسم فرمود (اس کی نامناسب گفتگو پر مسکراتے رہے اور فرمایا کہ کوئی ہے جو مجھ کو قرض دے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس ہے آپ نے پوچھا کتنا ہے اس نے کہا جتنا آپ چاہیں آپ نے فرمایا کہ آٹھ وسق خرما اس مرد کو دیدو۔ اس انصاری نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے تو صرف چار وسق خرما آپ کو دیا تھا آپ نے فرمایا کہ چار وسق مزید میں نے تجھ کو بخشا۔

عفت (قناعت) واقعہ نهم | (۶) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶ :-

امام جعفر صادق نے دوسری حدیث معتبر میں فرمایا کہ جب پیغمبر اسلام دنیا سے رحلت فرمائے تو آپ نے نہ کوئی درم نہ دنیا نہ غلام نہ کنیز نہ کوئی بکری نہ اونٹ بجز سواری کے اونٹ کے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا۔ اور جب آپ کا وقت وفات آیا تو اس وقت آپ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اس کو رہن کر کے آپ نے بیس صاع جو اپنے اہل و عیال کے

در حدیث معتبر دیگر فرمود کہ چوں حضرت رسول از عالم دنیا برفت نہ گذاشت در ہم دو دنیا سے دو نہ غلامے و نہ کنیزے و نہ گوسفندے و نہ شترے بجز از شتر سواری خود و چوں بر حمت البی و اصل شد زرہ اش در گردی بود نزد یہودی از یہودان مدینہ برائے بست صاع جو کہ از برائے نفقہ عیال خود از زو بقرض گرفتہ بود و فرمود کہ در زمان آنحضرت فقرا در مسجد

میں خواہیں دیکھیں کہ بائیں اظفار کر دتر دمبر
خورد در دیگ سنگے و سی نفر ازال خوردند
و سیر شدند و بقیہ آنرا از برائے زمان خود
آورد کہ ہمہ سیر شدند۔

لئے قرص لٹے تھے۔ امام جعفر نے فرمایا کہ
پیغمبر اسلام کے زمانہ میں فقراء مسجد میں سوتے
تھے۔ ایک رات ان کے ساتھ کھانا کھایا۔
ایک پتھر کی دیگ میں کھانا پکایا تیس افراد

اس سے سیر ہو گئے باقی کھانا پیغمبر اسلام اپنے اہل و عیال کیلئے لیگئے اور وہ بھی سیر ہو گئے۔

عفت (قناعت) واقعہ دوم

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۷ :-

حضرت سررا بسوئے آسمان بلند کرد و گفت
پروردگارا می خواہم یک روز سیر باشم و ترا
حمد کنم و یک روز گرسند باشم و از تو سوال
کنم و فرمود کہ آنحضرت سہ روز از زمان گندم
سیر نشد تا بر حمت الہی واصل شد۔

پیغمبر اسلام نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا
اور کہا اے رب میں چاہتا ہوں کہ ایک روز
سیر ہو کر کھاؤں اور تیرا شکر و ثنا کروں۔ اور
ایک روز بھوکا رہوں اور تجھ سے سوال کروں
امام صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے تین روز

گیہوں کی روٹی سیر ہو کر کھائی اور خدا کی رحمت سے واصل ہو گئے۔ وفات ہو گئی۔

عفت (روع) واقعہ یازدہم

حیات القلوب ص ۲۲۹ ترجمہ عبارت :-

ایک شخص خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا

دیکھا کہ آپ ایک پٹائی پر سو رہے ہیں اور پٹائی پر سونے سے اس کے نشانات جسم پر ابھر
آئے ہیں اور آپ کے سر کے نیچے لیف خرم کا تکیہ رکھا ہے کہ اس کے نشانات آپ کے رخسار
پر پڑ گئے ہیں۔ پس اس شخص نے کہا کہ عجم دروم کے بادشاہ رشیم و دریا کے بستروں پر سوتے
ہیں، آپ ایسے بستر و تکیہ پر سوتے ہیں۔؟

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ قسم بخدا میں ان سے بہتر ہوں اور خدا کے نزدیک ان سے بہتر و معزز تر ہوں، مجھ کو
دنیا کی چیزوں سے کیا کام ہے۔ دنیا کی مثال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک سوار کسی درخت کے
پاس سے گزرے اور کچھ اس درخت کے سایہ میں آرام کرے اور جب اس درخت سے ہٹ جائے
تو وہ سامان اٹھا کر روانہ ہو جائے۔

عفت (روع) واقعہ دوازدہم

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۳۳ :-

اصل عبارت فارسی :-

پیغمبر اسلام بہت ہی معمولی غذا کھاتے تھے۔

پست ترین طعام ناگاہ می داشت مانند جو

مثل جو وہ نہ ما۔ اور آپ سے جو کچھ مانگا جاتا
 تھا آپ عطا فرمادیتے تھے، آپ زمین پر بیٹھتے
 تھے زمین ہی پر کھانا کھاتے تھے، آپ زمین ہی
 پر سوتے تھے۔ اپنے چوتے دلہاس کو خود سی لیتے
 تھے۔ مکان کا دروازہ خود کھولتے تھے، اپنی
 بکری کو خود دوتے تھے، اپنے شتر کو خود
 بانڈھتے تھے، جب لوگوں کی چلانے سے تھک
 جاتا تھا تو خود اسکی مدد کرتے تھے، وصو کا
 پانی رات کو خود بھرتے تھے۔ آپ کا سر
 ہمیشہ بھکا رہتا تھا۔ آپ لوگوں کی موجودگی
 میں تکیہ نہیں لگاتے تھے، اپنے گھروالوں کی
 خود خدمت کرتے تھے، آزاد یا غلام جو دعوت
 میں بلاتا تھا شرکت کرتے تھے اگرچہ وہ دعوت
 ایک پارچہ گوشت پر ہی کیوں نہ ہو، پیر
 کو قبول کرتے تھے اگرچہ وہ ایک چمچ شیر ہی
 کیوں نہ ہو، صدقہ نہیں کھاتے تھے۔ تادم
 لوگوں کی طرف نہیں دیکھتے تھے دنیوی معاملہ
 کیونکہ سے کسی پر غصہ نہیں کرتے تھے، خدا کے
 بھوک کی وجہ سے کبھی کبھی پیٹ پر پتھر باندھ
 لیتے تھے، جو کچھ بھی سامنے لایا جاتا تھا کھا
 لیتے تھے۔ کسی چیز کو رو نہیں کرتے تھے۔
 یعنی چادر اوڑھتے تھے ان کا جبہ اور موٹا لباس
 کتان یا سوتی پہنتے تھے۔ اکثر آپ کا لباس
 سفید ہوتا تھا، عمامہ سر پر باندھتے تھے لباس
 سفید ہی طرف سے پہلے پہننا شروع کرتے تھے

و خرماد ہر چہ می طلبیدند عطای فرمود بہ
 زمین می نشست و بہ زمین طعام می خورد
 و بہ زمین می خوابید و نعل و جامہ خود را
 پنبہ می کرد و در خانہ خود می کشود و گو سفند
 را خود می پوشید و پائے شتر خود را خود بست
 و چون خادم از گردانیدن آسیا ماندہ می شد
 مدد او می کرد و آب و صنوبر بدست خود حاضر
 می کرد و در شب و پیوستہ سرش در زیر بود
 و در حضور مردم تکیہ نمی نمود و خدمت پائے
 اہل خود را می کرد و آزاد و بندہ کہ آن حضرت
 را البصیافت می طلبیدند اجابت می نمود۔
 اگرچہ از پائے گو سفند بود و بدیہ را قبول
 می نمود اگر یک چمچ شیر بود و تصدق را نمی
 خورد و نظر بر دئے مردم بسیار نمی کرد و برگز
 از پائے دنیا بخشش نمی آمد و از پائے خدا غضب
 می کرد و از گرسنگی گاہے سنگ بر شکم می بست
 و ہر چہ حاضر می گردند تناول می فرمود و بیچ
 پذیرا رد نمی فرمود و برومی می پوشید و جبہ
 پشم می پوشید و جامہ پائے گندہ از پنبہ
 و کتان می پوشید و اکثر جامہ پائے آنحضرت
 سفید بود و عمامہ بر سر می بست و ابتدائے
 پوشیدہ جامہ را از جانب راست می نمود
 و جامہ فاخرے داشت کہ مخصوص روز جمعہ
 بود و چون جامہ نو می پوشید جامہ کہنہ را می کند
 و می بخشید و عبا پائے داشت کہ ہر جا کہ می

رفت دوستی می کرد و تبریر خود می افکند و انگشت نقره در انگشت کوچک دست راست می کرد -

و با قصه مدینه می رفت برائے تشیع بنابر عیادت بیماریاں و با فقراء و مساکین می نشست و با ایشان طعام می خورد و صباں علم و صلاح و اخلاق حسنه را دوست می داشت و شریف هر قوم را تا لیف قلب می نمود و خویشاں خود را احسان می کرد و آداب

هر کس را رعایت می کرد و هر که عذر می طلبید قبول عذر می نمود و تبسم بسیار می کرد و در وقت نزول قرآن و موعظه و هر گز صدا خنده اش بلند نمی شد و در خورش و پوشش بر بندگان خود زیادتی نمی کرد و هرگز کسی را دشنام نداد و هرگز زنان و خدمت گاران خود را نفرین نه کرد و دشنام نه داد و هر آزاد و غلام و کنیز که برائے حاجتی می آمد بر می خواست دیا او می رفت و درشت ثونه بود و در خصوصت صدا بتندی کرد و بد با بینی جهامی داد و هر که می رسید ابتدا السلام می کرد و ابتدا بمصافحه می نمود و هر محلی که می نشست یاد خدای می کرد و اکثر نشستس آنحضرت روبه قبله بود و هر که نزد او می آمد او را گرمی می داشت و کعبه

آپ کالیاس فائزه بھی تھا مگر وہ صبح کو پہنتے تھے۔ جب نیا لباس پہنتے تو پرانا لباس خیرات کر دیتے تھے، اپنی عباد کو بچھا لیتے تھے سید سے ناقد کی چھنگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ اطراف مدینہ میں مشایعت جنازہ و عیادت مرصنا کیلئے جاتے تھے، فقراء و مساکین کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ان کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے۔ صاحبان علم و صلاح و اخلاق حسنه کو دوست رکھتے تھے، ہر قوم کے شرفاء کی تالیف قلوب کرتے تھے۔ اپنے عزیزوں پر احسان کرتے تھے۔ ہر شخص کے آداب کا لحاظ رکھتے تھے۔ جو عذر پیش کرتا تھا عذر قبول کرتے تھے و حی و موعظہ کے اوقات کے علاوہ آپ تبسم زیادہ کرتے تھے۔ آپ کے پہننے کی آواز گھبی بلند نہیں ہوتی تھی، لباس و خوراک کے معاملہ میں اپنے غلاموں پر زیادتی نہیں کرتے تھے، کبھی آپ نے کسی کو گالی نہیں دی، کبھی آپ نے خد متگا اور عورتوں کو برا نہیں کہا، کبھی گالی نہ دی جب کبھی کوئی آزاد یا غلام اپنی ضرورت سے آپ کے پاس آتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کے ساتھ جلتے تھے۔ آپ سخت مزاج نہ تھے، غصہ سے کبھی صدا بلند نہیں کرتے تھے برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے تھے۔ جب کسی سے ملاقات ہوتی تو پہلے خود سلام کرتے تھے

ردائے خود را برائے او پہن می کرد و اور

ایشان می نمود و شکار

نمی کرد اما گوشت شکار می خورد۔

(ابن شہر آشوب)

دیتے تھے اور اس پر ایشا کرتے تھے آپ شکار نہیں کرتے

تھے۔ مگر شکار کا گوشت کھاتے تھے۔ (ابن شہر آشوب)

اور خود مصافحہ کرتے تھے۔ جب کسی مجلس

میں بیٹھتے تو ذکر خدا کرتے تھے۔ آپ رُو بہ

قبلہ بیٹھتے تھے جو آپ کے پاس آتا اس کی

عزت کرتے تھے۔ اور اس کیلئے اپنی عبا بچھا

دیتے تھے۔ آپ شکار نہیں کرتے

تھے۔

(۳) حیات قلوب :-

عفت مسامحت و اقرار و ہم

شیخ طبرسی گفتہ است :-

شیخ طبرسی نے کہا ہے :- ایک شخص آپ

کی خدمت میں آیا کچھ بات کر رہا تھا مگر کانپ

رہا تھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا تو مجھ سے کیوں ڈرتا

ہے۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔

انس سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا اور پیغمبر

اسلام کی ردا کو اس زور سے کھینچا کہ ردا کا کنارہ آپ

کی گردن میں رہ گیا اور کہا کہ مال خدا سو مجھ کو کچھ دو۔

پیغمبر اسلام نے لطف سے اس سے بات کی

اور آپ ہنسے اور آپ نے کہا کہ اسکو کچھ دیدو

دے دیا گیا اس پر خدا نے آیت تازل کی

کہ :-

یقیناً اے محمد تم خلاق عظیم پر فائز ہو۔

روزے یا حضرت شخصے سخن می گفت و

می لرزید و فرمود کہ چرا از من می ترسی کہ من

بادشاہ نیستم

صبر و حلم و اقرار و ہم

از انس منقول است کہ گفت روزے

اعرابی آمد و ردائے آنحضرت را بعنف

کشید بجدے کہ در گردن مبارکش کنار ردا

ماند پس گفت از مال خدا چیزیے بمن دہ

آنحضرت از روعے لطف باد التفات

فرمود و شنید و فرمود کہ باو عطا دادند

بس حق تعالیٰ فرستاد انک لعلی خلق

عظیم۔

عفت سخاوت و اقرار و ہم

کتاب امیدیل پرائٹ خراجہ کمال الدین مطبوعہ

لندن ص ۲۱ بحوالہ تہذیبی۔ ترجمہ :-

ابو ہریرہ اہل صفحہ میں تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں بہت بھوکا تھا کہ چل نہیں سکتا تھا

سڑک کے کنارہ بیٹھ گیا تھا۔ ابو بکر کا ادھر سے گذر ہوا، میں نے اپنا حال کہا اور قرآن کی ایک آیت پڑھی تاکہ میری بھوک پر شائد کچھ توجہ کرے مگر وہ چلے گئے اس کے بعد عمران بن خطاب گذرے میں نے ان کے سامنے بھی قرآن کی آیت پڑھی وہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام ادھر سے گذرے۔ ابو ہریرہ کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ میرے ساتھ گھر چلو پیغمبر اسلام نے گھر پہنچ کر ایک طرف میں دودھ رکھا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ تحفہ آیا ہے آپ نے ابو ہریرہ سے کہا کہ سب اہل صفہ کو بلاؤ اس کے بعد آپ نے ابو ہریرہ سے دودھ تقسیم کرایا اور سب سیر ہو گئے

۱۳ - کتاب مناقب ص ۲۲۔

سحاوت بعمر ۷ سال

قالت ام علی علیہ السلام وکان فی صحن داری شجرۃ وقد

یہیبت وخالست ولہا زمان یا لبسة علی صبیان بنی ہاشم

علی ابن ابی طالب کی والدہ گرامی نے فرمایا کہ میرے مکان کے صحن میں ایک درخت خرماتھا۔

جو خشک ہو گیا تھا اور اس کو خشک ہوئے زمانہ دراز گذر چکا تھا۔ ایک روز محمد لعمرکم سنی

اس کے پاس آئے اور اس کو مس کیا اس کے بعد وہ درخت سرسبز ہوا اور اس میں رطب

آنے لگے۔ میں اس درخت کے رطب ایک تھیلی میں محمد کیلئے جمع کر رکھتی تھی۔ جبکہ وقت

دوپہر ہوتا تھا تو محمد میرے پاس آتے اور کہتے کہ اے چچی جان مجھ کو رطب دیدیجئے اور میں

ان کو رطب کا تھیلہ دیدیا کرتی تھی اور وہ اس کو باہر لے جا کر بنی ہاشم کے بچوں پر تقسیم کر دیا

کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔

عفت قناعت واقعہ شانزدہم

۱۴ کتاب مناقب ص ۲۹۔

وقال اهل مکہ ترکت ملت قومک

وقد علمنا من اغنانا۔

قریش مکہ نے پیغمبر اسلام سے کہا کہ تم نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا اور ہم کو معلوم ہوا

ہے کہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ مگر صرف فقر و غربت کی وجہ سے۔ اگر ایسا ہے تو ہم تمہارے

لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تمہارا شمار بھی ہمارے اغنیا اور امراء میں ہونے لگے گا۔ تو

پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

اغیر اللہ اتخذ ولیا۔ کیا غیر خدا کو میں اپنا ولی بنا لوں؟۔ معنی یہ ہیں کہ مجھ کو تمہارے

مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا یہ کام تبلیغ دین متین ہے اور میرا وارث حقیقی یا ولی

صرف اللہ کافی ہے۔

عفت، صبر و قار و واقعہ ہشتادہم

۱۵ مناقب ص ۳۳ :-

ونہی ابو جہل رسول اللہ عن

الصلوة وقال عن رایت محمد الصلی لاطان عنقه الخ -

ابو جہل نے پیغمبر اسلام کو نماز ادا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اگر اب نماز ادا کرتے دیکھ لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔

مگر پیغمبر اسلام نے برابر نماز ادا کی اور جان کی پروا نہ کی۔

عفت، صبر و قار و واقعہ ہشتادہم

۱۶ - مناقب ص ۳۳ :-

تاریخ طبری و بلاذری انہ لہما نزل

فاصدع بما تو مرصدع البنی و نادى قومہ واسلم لبعض الناس

ترجمہ :- طبری و بلاذری نے آیت فاصدع بما تو مر کی تفسیر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ مطابق حکم

قرآن جب پیغمبر اسلام نے ارادہ تبلیغ کیا اور اپنی قوم کو ندائے خطاب دی تو اہل مکہ مخالفت

پیغمبر اسلام پر آمادہ ہوئے اور سب نے اجماع کیا تو ابوطالب نے بہ نرمی معاملہ کو سلجھایا مگر

فقام عتبه و الولید و ابو جہل و العاص الی ابی طالب فقالوا - پس عتیبہ و ولید اور ابو جہل

و عاص وغیرہ نے ابوطالب کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ابوطالب تمہارے بھتیجے نے ہمارے

خداؤں کو گالیاں دی ہیں۔ ہمارے دین کو عیب لگائے ہیں۔ ہمارے عقلا کو بو قوف

قرار دیا ہے۔ ہمارے نذرگوں اور آباء کو گمراہ کہا ہے۔ آپ یا تو محمد کو ایسا کرنے سے باز

رکھیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے بٹ جائیں۔ ہم خود سمجھ لیں گے۔

فقال لہم ابوطالب قولاً رفیقاً و دہم رداً جمیلاً - ابوطالب نے ان کے جواب میں

بہ نرمی گفتگو کی اور بہت خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو واپس کیا اور پیغمبر اسلام اپنے

خدا کے دین کی تبلیغ اسی طرح کرتے رہے اور دین اسلام کو اہل مکہ پر پیش کرتے تھے اور

آپ نے بعض اہل مکہ کو مسلمان بنا لیا۔۔۔

عفت، حسن ہدی و قار و نیل و واقعہ نوزدہم

۱۷ - مناقب ص ۳۴ :-

قال ابن اسحاق ان ابوطالب قال لہ

صاحب مناقب نے بحوالہ ابن اسحاق لکھا کہ

فی السر لا تحمائی من الامر مسالا
 کہ ایک روز ابو طالب نے تنہائی میں پیغمبر اسلام
 اطیق نظر رسول اللہ سے کہا کہ بیٹا مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کے
 لو اللہ ما اخذ لك ابدًا - برداشت کی مجھ میں طاقت نہ ہو۔ پیغمبر اسلام
 نے جب سنا تو اپنے گمان کیا کہ شاید چچا ابو طالب دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کو تنہا
 تھوڑا دینا چاہتے ہیں یا وہ اپنے کو میری نصرت کرنے میں کمزور و ضعیف محسوس کیتے ہیں تو
 پیغمبر اسلام نے چچا سے فرمایا :-

یا عماکلو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی ما ترکت هذا القول الخ
 اے چچا جان اگر میرے دست راست میں سوزج رکھ دیا جائے اور دست چپ میں چاند
 رکھ دیا جائے تو بھی میں تبلیغ تو حید کو ترک نہ کروں گا یہ کہہ کر پیغمبر اسلام اٹھ کھڑے ہوئے اور
 روتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ پس ابو طالب نے بھتیجے کو تسلی دی اور کہا اے محمد جو تم چاہو
 کرو واللہ میں تم کو ہرگز تنہا نہیں تھوڑوں گا۔ اس کے بعد ابو طالب نے چند شعر پڑھے
 جن میں دو شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

اشعار ابو طالب

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم

حتی اوسد فی التراب دفینا

وعرضت دینا قد عرفت بانہ

من خیر ادیان البریة دینا

۱ - ترجمہ :- بخدا اہل مکہ کی جماعت کبھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جب تک کہ ہم کو زمین میں
 دفن نہ کر دیا جائے۔

۲ - اے محمد تم نے دین مبین پیش کیا ہے اور میں جانتا ہوں تمام دنیا کے دینوں میں سب سے
 بہتر دین اسلام ہے۔

عفت، صبر و ثیل واقعه بستم

۱۸ - مناقب ص ۳۵ :-

ابن عباس دخل النبی الکعبہ و

افتح الصلوٰۃ والقی علیہ

پیغمبر اسلام کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ نے نماز شروع کی۔ ابو جہل نے لوگوں سے خطاب

کہتے ہوئے کہا۔ کون ایسا ہے جو اس شخص کی نماز کو ناسد و خراب کر دے پس ابن الزبیری
کھڑا ہو گیا اور وہ خون اور گوبر سرگین شتر، وغیرہ لایا اور اس نے حالت نماز میں پیغمبر اسلام پر
لا ڈالا۔ اتنے میں ابو طالب عم رسول آگئے اور آپؐ یہ حالت دیکھتے ہی تلوار نیام سے کھینچ لی مگر
مشرکین بھاگ گئے۔ ابو طالب نے کہا قسم سجدان میں کا کوئی کھڑا رہتا تو میں اس کے ٹکڑے
کر ڈالتا۔ اس کے بعد ابو طالب نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا:-

یا ابن اخی من الفاعل بک هذا۔ اے بھتیجے بتاؤ کہ کون تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ پیغمبر
اسلام نے فرمایا کہ عبد اللہ نے یہ حرکت کی تھی۔ ابو طالب نے وہ سرگین اور خون جمع کیا اور
اس کو اٹھا کر عبد اللہ کے اوپر ڈال دیا۔

عفت، صبر و نیل واقعہ لبت و لیم

مناقب ص ۳۱۔

لما توفی ابو طالب لم یجد النبی علیہ

السلام ناصر و نثر و اعلیٰ راسہ تزاب۔

جب ابو طالب عم رسول کی وفات ہو چکی تو پیغمبر اسلام کا کوئی مددگار و ناصر نہ رہا۔ اور لوگ
پیغمبر اسلام کے سر پر خاک ڈال دیتے تھے۔

عفت، عفو، واقعہ لبت و دوم

مناقب ص ۳۹ ترجمہ۔

جاہر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ پیغمبر

اسلام ایک درخت کے نیچے پہنچے آپ نے اپنی تلوار شاخ درخت میں لٹکائی اور خود زہن پر سو گئے
ایک اعرابی آگیا اور اس نے تلوار اٹھالی اور پیغمبر اسلام کے سر تلے بہ ارادہ قتل کھڑا ہو گیا
اتنے ہی میں پیغمبر اسلام کی آنکھ کھل گئی۔ یہ دیکھتے ہی اعرابی نے کہا:-

یا محمد من یصمک الان منی۔ اے محمد تم کو کون بچائے گا۔ پیغمبر اسلام نے اس
کو جواب دیا۔ خدائے یگانہ بچائے گا۔ اتنا کہنا تھا کہ رعب پیغمبر اسلام سے اس کے ماتھے سے
تلوار چھوٹ کر گر گئی۔ پس پیغمبر اسلام نے تلوار اٹھالی اور آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے کہا
اے اعرابی اب مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا۔ ؟ اعرابی کانپ گیا اور کہا:-

لا احدا وانا عہد ان لا اقتلک ابدا۔

مجھ کو اب کوئی نہیں بچا سکتا ہے اور میں عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا۔
پس پیغمبر اسلام نے یہ سنتے ہی بہ نظر کرم عفو فرمایا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس کی جان بخشی کی

عفت، عفو، لبت و سوم

مناقب آل ابی طالب ص ۲

پیغمبر اسلام یہودیوں کے قلعوں میں سے کسی قلعہ میں

بیسرہ کو ہمراہ لئے ہوئے داخل ہوئے تاکہ کھانے کیلئے روٹی وغیرہ خرید کریں۔ یہودی نے کہا کہ ماں میرے

پاس آپ کی مطلوبہ شے موجود ہے۔ اور اس کے بعد وہ گھر میں چلا گیا۔ اور اپنی زوجہ سے کہا کہ میں

کوٹھے پر جاتا ہوں۔ جب یہ شخص داخل ہوگا تو میں ادب سے اس پر پتھر پھینک دوں گا۔ وہ یہودی

یہ کہہ کر کوٹھے پر چلا گیا۔ اور چکی کا پاٹ ساتھ لے گیا۔ اور اس نے پیغمبر اسلام پر وہ پتھر پھینکا

مگر قدرت خدا سے وہ پتھر اسی کی گردن میں حلقہ بن گیا۔ اور وہ بیہوش ہو گیا۔ جب اس کو

بیہوش آیا تو چینیس ماڑ کر رونے لگا۔ پیغمبر اسلام نے اس سے پوچھا کہ کیوں روتا ہے۔ تو یہ

بتا کہ کس نے تجھے ایسا کرنے کو کہا تھا۔

یہودی نے کہا، اے محمد مجھ کو مال دنیا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ میں تو صرف تجھے قتل کرنا چاہتا

تھا۔ و انت معدن الکرم و سید العرب و عجم اعین عنی۔ مگر اے محمد آپ تو

معدن کرم ہیں اور سردار عرب و عجم ہیں میری خطا معاف کر دیجئے۔

پیغمبر اسلام نے اس کو دیکھا اور معاف کر دیا اور اس پتھر کو جو اس کی گردن میں پھنسا ہوا

تھا نکال دیا۔

کتاب مناقب ص ۶۶ مولفہ محمد

عفت، جامع الصفات لبت و ہمارم

بن عی مانذرائی مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۷ھ

پیغمبر اسلام قبل بعثت کے بیسی ایسی خصلتوں سے

موصوف تھے جو حصال انبیاء تھیں اور اگر ان

میں سے ایک خصلت سے کوئی شخص موصوف

ہوتا تو اس کی جلالت کیلئے کافی ہوتا۔ پھر بیسی

بیسی ایسی صفات جمع ہو گئی ہوں تو اس کی جلالت

وقدر کا کیا مرتبہ ہوگا۔ پیغمبر اسلام نبی تھے امین،

صادق، حاذق، اذیل، نبیل، مکین، فصیح

عادل، فاضل، عابد، زاہد، سخی، شجاع

قانع، متواضع، حلیم، رحیم، غیور،

وکان ابنی علیہ السلام قبل البعثت

موصوفاً لعشرین خصلۃ من

خصال الانبیاء لو الفرد واحد

یا احد ہا لدل علی جلالہ فکیف من

اجتمعت فیہ کان نبیاً، امیناً،

صادقاً، حاذقاً، اذیلاً، نبیلاً،

مکیناً فصیحاً۔ عاقلاً۔ فاضلاً

عابداً، زاہداً، سخیاً، کمیلاً

قانعاً، متواضعاً، حلیماً، رحیماً

صابر، حامی، مددگار، کبھی آپ کسی
منجم اور کاہن و فال گیر وغیرہ سے نہیں
ملے۔۔۔

کتاب مناقب آل ابی طالب مولفہ محمد بن علی
مازندرانی ص ۶۷۔

جب وقت وفات پیغمبر اسلام میں شک
ہوا کہ وفات ہو گئی یا نہیں تو آسمان بنت
عمیس نے اپنے ماتھے کو آپ کے دو شانوں
کے درمیان رکھا اور کہا کہ پیغمبر اسلام نے
یقیناً وفات پائی ہے۔ پھر آپ کے شکم مبارک
کا ٹپکا اٹھایا گیا تو آپ کے شکم پر بوجہ گرسنگی
پتھر بندھا ہوا تھا۔

مناقب آل ابی طالب ص ۶۷۔

پیغمبر اسلام جب پیدا ہوئے تو آپ مسرور
اور محزون تھے۔ آپ کو تمام زندگی کبھی

استلام نہیں ہوا۔ کیونکہ سوسہ شیطان سے ہوتا ہے۔

کتاب مناقب آل ابی طالب ص ۷۹۔

پیغمبر اسلام سب سے بہتر حاکم سب سے
زیادہ عاقل، سب سے زیادہ شجاع
سب سے زیادہ عادل و مہربان تھے
آپ نے کسی غیر محرم عورت کو کبھی ماتھے سے
نہیں چھوا۔ آپ سب سے زیادہ سخی تھے۔

آپ کے پاس درہم و دینار باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ سب تقسیم کر دیتے تھے۔

مناقب آل ابی طالب ص ۸۱۔

پیغمبر اسلام نے ابو ہریرہ کو مزاج عرب سے منع فرمایا۔ پس ایک دفعہ ابو ہریرہ نے کیا کیا

غیوراً، صبوراً، موافقاً، مرافقاً
لم یخالط، منجماً ولا کاہناً ولا
عیافاً۔

عفت، قناعت، لبت و پیغم

ولما شک فی موت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم وضعت اسماء
بن عمیس یدھا بین کتفیه فقالت
قد توفی رسول اللہ صلعم قد رفع
الحاتم لبطنہ کان شد علیہ الحجر
من العرث۔۔۔

عفت، لبت و ششم

ولد مسروراً مختوناً و ما احتلم قط
لان ذلك من الشيطان۔

عفت، لبت و ششم

وكان النبي احکم الناس و احلیهم
و اشجعهم و اعدلهم و اعطفهم لم
تمس یدہ ید امرؤة لا تحمل و اسخی
الناس لا یثبت عنده دینار و
درهم و ان فضل۔

عفت، وقار، لبت و ششم

کہ پیغمبر اسلام کا جوتا پرا لیا اور اس کو اجوز رطب کے رین کر دیا اور پیغمبر اسلام کے سامنے رطب لاکر کھانے شروع کر دیئے۔ پیغمبر اسلام نے پوچھا۔ ابو ہریرہ کیا کھا رہے ہو؟ ابو ہریرہ نے عرض کیا۔ فقال نعل رسول اللہ۔ میں رسول خدا کے جوتے کھا رہا ہوں۔ آپ خاموش ہو گئے اور آپ نے مزاج عرب کو منع فرمایا۔

مزاج دین۔ ص ۷۰۔ پیغمبر اسلام نے ایک بار ایک عرب عورت جس کا نام اشجعیۃ تھا فرمایا یا اشجعیۃ لا تدخل العجوز الجنة۔ اے اشجعیۃ جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہ ہوں گی وہ عورت رونے لگی۔ بلال نے اس کو روتے ہوئے دیکھا تو پیغمبر اسلام سے اس کے گریہ کا حال بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے بلال ایسے ہی سیاہ رنگ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پس بلال اور وہ عورت دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔ ان کو روتا ہوا عباس نے دیکھا اور پیغمبر اسلام سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ بوڑھا مرد بھی تو جنت میں داخل نہ ہوگا۔ پھر ان تینوں افراد کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کے قلوب کو مس اور خوش کیا۔ اور فرمایا کہ خدا بہترین صورت میں تم کو اٹھائے گا۔ اور فرمایا:۔

انہم یدخلون الجنة مثبانا منورین کہ ایسے لوگ جو ان بنا کر جنت میں داخل کئے جائیں گے اور ان کے جسم و چہرے نورانی ہوں گے۔

عفت، عفو، لبت و نهم | مناقب ص ۱۲۸ پر

پیغمبر اسلام جب صاحب فراش تھے اور سخت بیمار تھے اور اسی بیماری میں آپ نے رحلت فرمائی اسی حالت میں آپ نے فرمایا کہ خدائے قدیر نے فرمایا ہے کہ ظالم کا ظلم معاف نہ کیا جائے گا۔ پس اے حاضرین میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جس کا میرے ذمہ کوئی معاوضہ ہو وہ اس کا بدلہ مجھ سے لے لے۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

”فالقصاص فی دار دنیا احب الی من القصاص فی دار الآخرة علی روس الملائكة والانبیاء۔“

”دنیا میں بدلہ و قصاص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس قصاص و بدلہ سے جو آخرت میں لیا جائے جبکہ تمام مذاک و انبیاء موجود ہوں گے۔“

پس یہ سنکر ایک شخص حاضرین میں سے کھڑا ہو گیا۔ اس شخص کا نام سوادہ بن قیس تھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ طائف کو جہاز ہے تھے اور آپ ناقہ عضباء پر سوار تھے اور آپ کے دست

مبارک میں ایک کوڑا تھا۔ آپ نے اپنے ناقہ پر کوڑا اٹھایا اور مارنا چاہا کہ میرے شکم پر وہ کوڑا لگا
 پیغمبر اسلام نے جب یہ سنا تو بلال کو حکم دیا کہ فاطمہ کے گھر جاؤ اور ان سے وہ کوڑا مانگ لاؤ۔
 جب بلال خانہ سیدہ پر پہنچے اور وہ کوڑا مانگا تو فاطمہ نے کہا کہ اس کو بابا بجالت مرض کیا کریں گے
 بلال نے وجہ بیان کی فاطمہ رونے لگیں۔ وہ کوڑا لایا گیا۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے شیخ اپنا
 قصاص لے لے تاکہ تورا ضعی ہو جائے۔ سوادہ بن قیس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا شکم کھول
 دیکھئے اور مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اپنا چہرہ آپ کے شکم پر رکھ دوں۔ پیغمبر اسلام نے اجازت
 دی اس نے شکم مبارک کے بوسے لئے پیغمبر اسلام نے اس کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی۔

اللهم اعف عن سوادہ بن قیس کما عفا عن نبتک محمدًا۔

اے خدا سوادہ بن قیس کو معاف کر دے جیسا کہ اس نے تیرے نبی محمد کو معاف کیا۔

عفت، ورع، سیام | کتاب صحیح بخاری ترجمہ مرزا سیرت کتاب الصوم۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر رمضان میں

دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ سال آیا جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے تو آپ نے بیس

دن اعتکاف کیا

صحیح بخاری کتاب صیہ ترجمہ پارہ دس۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں

نے عروہ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے بٹیک ہم ایک بلال دیکھتے تھے پھر دوسرا بلال دیکھتے تھے

ایسی طرح دو مہینہ میں تین بلال دیکھ لیتے تھے۔ غرضیکہ دو مہینے کامل گذر جاتے تھے اور رسول

خدا کے گھروں میں آگ نہ جلائی جاتی تھی۔ عروہ نے پوچھا اے میری خالہ تمہاری زندگی کیونکر

ہوتی تھی، عائشہ نے کہا دو چیزوں کے سبب سے سچوارہ اور پانی، مگر ماں رسول خدا صلعم

کے پڑوس میں کچھ انصار رہتے تھے اور ان کے پاس دودھ کے کچھ جانور تھے۔ وہ اپنے گھر سے

رسول خدا کیلئے دودھ بھیجتے تھے۔ تو وہ دودھ ہمیں پلا دیا کرتے تھے۔

عفت، مسامحت، اجتناب، ذائل، سی و دوم | بخاری پارہ ۱۱ کتاب الجہاد

رسول خدا صلعم فرمایا کرتے تھے۔

اللهم انی اعوذبک من العجز والکس والجبن والہدم واعوذبک من الفتنة المحییا

والہمات واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک ان اددا الی ارضل العرو واعوذبک

من فتنۃ الدنیا۔

اے خدا میں پناہ مانگتا ہوں عجز و سستی و ہزدلی و پیری سے اور پناہ مانگتا ہوں زندگی و موت کے فتنہ سے، میں پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں کہ ناقص عمر تک پہنچایا جاؤں اور دنیا کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

عفت، مروت، سی و سوم | صحیح بخاری پارہ ۱۱ کتاب الجہاد

محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ اس حالت میں کہ غزوہ حنین کو واپسی کے وقت وہ رسول خدا کے ساتھ جا رہے تھے اور آپ کے ہمراہ کچھ اور لوگ بھی تھے اثناء راہ میں کچھ اعراب آپ سے لپٹ گئے اور آپ سے کچھ مانگنے لگے یہاں تک کہ وہ درخت کے نیچے آپ کو لے گئے اور آپ کی چادر ان لوگوں نے اتار لی۔ پس نبی اللہ صلعم وہاں ٹھہر گئے اور آپ نے فرمایا کہ :-

مجھے میری چادر دیدو اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر بکریاں ہوتیں تو میں ان کو تم میں تقسیم کر دیتا، اور تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ تھوٹا۔ اور نہ ہزدل۔

عفت، حیا، سی و چہارم | صحیح بخاری پارہ ۱۴ قصہ زید

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمگین تھے جو اپنے پردہ میں رہتی ہو۔

عفت، وقار، حیا، سی و پنجم | صحیح بخاری پارہ ۱۴

عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم اس طرح ٹھہر ٹھہر کے بات کرتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا حرفوں کا شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔

پارہ کتاب الادب صحیح بخاری -

(۱) رسول خدا نے فرمایا ہے۔ تم سب میں اچھا وہ شخص ہے جو خلق میں تم سے اچھا ہو۔

(۲) پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ حیا ایمان کی شانوں میں سے ایک شاخ ہے۔

عفت، قناعت، مواسات، سی و ششم | صحیح بخاری پارہ ۲۷ کتاب الرقاق

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ کہتے تھے قسم خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ بعض دفعہ میں بھوک کی وجہ سے زمین پر پیٹ لگا کر لیٹ جاتا تھا۔ اور بعض دفعہ پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور ایک روز میں پیغمبر اسلام اور اس کے اصحاب کی راہ میں بیٹھ گیا اور وہاں سے ابو ہریرہ گئے

میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت پوچھی اس لئے کہ میرا مقصد سمجھیں اور مجھے کھانا کھلائیں۔ لیکن وہ چلے گئے۔ پھر عمر گزرے ان بھی ایسے ہی کہا وہ بھی چلے گئے پھر ابوالقاسم محمد صلعم ادھر سے گذرے مجھے دیکھ کر سمجھ گئے اور مسکرا کر فرمایا۔ اے ابو ہریرہ۔ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ فرمایا میرے ساتھ آئیں ساتھ ہو لیا آپ مکان میں داخل ہوئے میں نے اندر آنے کی اجازت لی مجھے اجازت دی۔ میں گیا۔ آپ نے ایک دودھ کا پیالہ دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے گھر والوں نے کہا کہ ایک عورت آپ کیلئے دے گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ فرمایا اہل صفہ کو بلا لا۔ ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ اہل صفہ کے نہ رہنے کی جگہ تھی نہ کچھ کھانے کا ٹھکانا تھا۔ مسجد میں پڑے رہتے تھے۔ جب کوئی صدقہ کا مال آتا رسول اللہ خود نہ لیتے انہیں کو بیچ دیا کرتے تھے اور اگر کوئی سختہ آتا تو کچھ اپنے لئے رکھ لیتے اور کچھ انہیں بیچ دیتے اس وقت مجھے برا معلوم ہوا کہ یہ دودھ ان لوگوں کو دیا جائے۔ اور دل میں خیال ہوا کہ یہ دودھ کا پیالہ اہل صفہ کو کیسے کافی ہو سکتا ہے۔ اسے میں پی لیتا تو میری سیری ہو جاتی۔ جب اہل صفہ آئیں گے تو یہ دودھ ان کو دیا جائے گا تو میرے لئے کچھ نہ بچے گا۔ اور اللہ کے رسول کے حکم بحالانے کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں اہل صفہ کو بلا لایا۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ انہیں یہ دودھ پلاؤ۔ میں نے ایک کو دیا اس نے پی کر مجھے دیا پھر میں نے دوسرے کو دیا اس نے پی کر مجھے دیا ایسے ہی سب پی چکے اور رسول کریم کی باری آگئی آپ نے پیالہ ہاتھ پر رکھ کر میری طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا تو اور میں باقی رہ گئے۔ میں نے کہا بیشک آپ نے فرمایا بیٹھ اور پی میں نے بیٹھ کر پیا۔ پھر بااھرار کہا اور پی میں نے اور پیا۔ آپ نے پھر اھرار سے پلایا۔ آخر کار میں نے کہا۔ واللہ اب میرے پیٹ میں جگہ نہیں۔ فرمایا مجھے دے میں نے دیا آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور ہم اللہ کہہ کر باقی بچا ہوا دودھ نوش فرمایا۔

عفت، صبر و قناعت، سی و ہفتم | صحیح بخاری ۲۶ کتاب الرقاق ترجمہ :-

(۱) عائشہ نے کہا اہل و عیال نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب سے آپ مدینہ میں تشریف لائے آپ کی وفات کے وقت تک تین بات متواتر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

(۲) عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ کا بستر چمڑے کا تھا اس میں کترینیں وغیرہ بھری ہوئی تھیں۔

(۳) قتادہ نے بیان کیا کہ ہم انس کے پاس آئے ان کے پاس ان کا بادرچی کھڑا ہوا تھا ہم سے انس نے کہا کہ کھاؤ اور بیان کیا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول خدا صلعم نے وفات کے وقت تک تپلی چپاتی اور

سالم بکری بھنی ہوئی اپنی آنکھ سے بھی دیکھی ہو۔
 (۴) عائشہ نے بیان کیا کہ ہمیں چولہے میں آگ جلائے ہوئے ایک ایک ہینڈ گزر جاتا تھا۔ اور فقط
 چھوڑے اور پانی کھاتے تھے۔ مگر کہیں سے ذرا سا گوشت آجاتا تو وہ لپکالتے تھے۔
عفت، سخاوت و ایثار | کتاب صحیح مسلم کے خواجہ کمال الدین نے اپنی کتاب
 اسٹڈیل پرائٹ میں نقل کیا ہے۔ ترجمہ ص ۲۱۔

مقداد کا بیان ہے کہ فاطمہ نے میری اور میرے رفقاء کی آنکھوں کی روشنی زائل کر دی تھی۔
 ہم نے بہت سے لوگوں سے مانگا اور چاہا کہ روزانہ کا کھانا کہیں مقرر ہو جائے۔ مجبور ہو کر اپنا
 حال پیغمبر اسلام سے عرض کیا۔ آپ ہمکو اپنے گھر لے گئے اور تین بکریاں ہمیں عطا کر دیں اور
 کہا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔

عفت، مساوات بین النساء کا ثبوت

صحیح بخاری پارہ ۲۶ ص ۲۷

(۱) سہیل بن سعد نے روایت

کی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ جو اپنی زبان اور شہرہ گاہ کا ضامن ہو۔ میں اکیلے عفت کا ضامن ہوں

(۲) صحیح بخاری پارہ ۱۰ کتاب الہبہ مترجمہ مرزا اہیرت دہلوی ص ۳۵۶

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب نبی صلعم بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ نے اپنی بیسیوں سے
 اسبات کی اجازت طلب کی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔ چنانچہ سب نے آپ کو اجازت
 دیدی۔ بس آپ دو آدمیوں کے درمیان سہارا دیئے نکلے آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے
 تھے۔ اور آپ عباس کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں تھے۔

عفت - نسخ المتواریح جلد اول ص ۳۴ وصایا رسول بہ علی

(۳) یا علی ثلاثة یحسن فیہن الذب المکیدۃ
 اے علی تین موقعوں پر دروغ گوئی پسندیدہ

فی الحرب وعدتک و جنتک و اصلاح
 ہے۔ جہاد میں دشمن کو دھوکا دینا اپنی زوجہ

کو وعدے و وعید میں رکھنا۔ فتنہ و فساد سے

القلب مجالسۃ الاتراک و مجالسۃ
 لوگوں کو بچانے کیلئے۔ اور تین اشخاص کی

الاغنیاء و الحدیث مع النساء۔
 ہمیشہ بینی دل کو مردہ کرتی ہے۔ حسین ترکوں

کے ساتھ بیٹھنا، دو لٹمنڈوں کے ساتھ بیٹھنا اور عمورتوں سے باتیں کرتے رہنا۔

عضو، نوزدھم - جنگ بدر میں امیہ بن خلف مارا گیا اس کا بیٹا صفوان اور عمیر ابن وہب

جسکا لڑکا مدینہ میں اسیر تھا۔ دونوں نے عہد کیا کہ محمد کو قتل کر دیا جائے۔ عمیر نے تلوار حملوں کی اور مدینہ گیا پیغمبر اسلام مسجد میں تھے عمیر کو شمشیر بکف دیکھ کر فرمایا۔ عمیر کیسے آتا ہوا عمیر نے بتانے سے انکار کر دیا۔ پیغمبر نے خود صفوان اور اس کے معاہدہ کی خبر دی اور فرمایا اے عمیر تمہاری تلوار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، عمیر تادیر سکوت میں رہا اور اس نے عفو و بخشش چاہی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر نے اس کی خطا معاف فرمائی۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۳۲۔

استنباط نتائج | باب عفت پیغمبر اسلام کو واقعات تاریخی سے پیش کیا گیا۔ واقعات مذکورہ سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ تصویر عفت ہے اور آپ کے ہر فعل سے۔

عفت اور اجنباس تحت عفت، حیا رفیق، حسن بدی، مسامت، دعوت، صبر، قناعت، وقار و رع، انتظام، حریت، سخاوت، کرم، ایثار، عفو، مروت، نیل، مواسات، سماحت و مسامت، وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے، اور آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام اجنباس فضائل بہتات کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ باب شجاعت و باب حکمت میں آپ نے غزوات پیغمبر اسلام کو پڑھا۔ اگرچہ وہ سب لڑائیاں تھیں اور سخت ترین دشمنان اسلام، طاقتور ترین اعدائے رسول سے لڑائیاں ہوئی تھیں ایسے مواقع پر جابے جا ہر قسم کا فعل انسان سے سرزد ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جذبہ انتقام اس کو افراط کی جانب مائل کر دیتا ہے اور وہ ایسے مواقع پر ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

مگر آپ کسی ایک واقعہ سے بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ پیغمبر اسلام پر خواہش نفس نے غلبہ پایا ہو۔ اور اپنے اپنے حصول مقصد کے لئے کوئی فعل خلاف قوانین عفت کیا ہو۔ عفت کی تعریف حکماء و فلسفین کے نزدیک یہی ہے کہ انسان قوت شہوانیہ سے مغلوب نہ ہو۔ اور اس کو قوت عقل کے ماتحت رکھتے ہوئے جائزہ افعال کا مرتکب ہو۔ یہ خواہشات دو طرح کی ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اپنے حصول مقصد کے لئے اس کو جنگ کرنا پڑے۔ اور وہ جنگ بڑی بڑی لڑائیوں کی شکل میں تبدیل ہو جائے۔ یا انسان اپنی خواہش نفسانی کی وجہ سے۔ کوئی فعل خلاف قوانین عفت کر بیٹھے۔ ان دونوں صورتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے۔ واقعات حیات پیغمبر اسلام کا مطالعہ کر جائیے۔ آپ کو ہر موقع پر نمایاں طور پر یہی نظر آئے گا کہ پیغمبر اسلام کا ایک ایک لمحہ حیات قوانین عفت کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ اور کسی موقع پر آپ جذبہ شہری سے مغلوب نہیں ہوتے۔ بلکہ جو طریق کار اختیار فرماتے ہیں وہ بلحاظ فعل نمونہ کمال انسانی نظر آتا ہے۔ اس موقع پر یہ ممکن تو تھا کہ میں واقعات غزوات کو پھر نقل کرتا اور اس کے ہر پہلو سے ثابت کرتا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل مطابق قوانین عفت تھا۔ مگر بوجہ طوالت ترک کرتے ہوئے ناظرین کتاب

ہی کو موقعہ دیتا ہوں کہ وہ خود ان واقعات پر نظر ثانی کر کے باپ بچ کر لیں تو وہ میرے قول کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر اسلام جیسی با اقتدار ذات جو ابتدا میں سرداران قریش اور شجاعان بنو ناسم کی اولاد ہو اور قبائل عرب میں اعلیٰ ترین نسب رکھتی ہو جس کے اجداد سیدان عرب صاحب مسند ہوں اور سر زمین عرب کے مشہور معبد کعبہ کے متولی ہوں۔ اور ان کی شجاعت، دولت، ثروت و فضیلت تمام قبائل عرب میں تسلیم شدہ ہو۔ وہی ذات یکتا جب ۲۵ سال کی عمر تک پیچھے اور عرب کی امیر ترین خاتون مخدجہ اس سے شادی کر لے اور مخدجہ عرب کی ستمول ترین شخصیت اور شہرہ آفاق تاجرہ اپنی تمام دولت اس ذات کی تدر کر دے اور اس کی دولت کی کوئی مدد نہ رہے تو اس حالت میں ایک نظر اس ذات والا صفات پر ڈالئے کہ:

(۱) یہ ذات یکتا صفات (محمد صلعم) ایک تو امرا عرب اور سرداران عرب کی اولاد ہے۔

(۲) دوسرے ۲۵ سالہ عالم شباب کا سن ہے۔

(۳) عرب کی امیر ترین تاجرہ خاتون کی پوری دولت پر قبضہ ہے۔

اب ان تمام لوازمات فریب نفس اور سامان عشرت کی موجودگی میں اس ذات آقا یکتا صفات

(پیغمبر اسلام) نے از آغاز شباب تا آخر عمر اپنے نفس پر پورا پورا مکمل قابو رکھا۔ اور کوئی ایسا فعل سرزد

نہیں ہونے دیا جو قوانین و اصول عفت کے خلاف ہوتا۔ اور جب آپ کو فتوحات پر فتوحات حاصل

ہوتی گئیں، قلعے پر قلعے فتح ہوتے گئے، شہروں پر شہر اور علاقوں پر علاقے حاصل ہوتے چلے گئے

اور لاکھوں انسانوں پر حکومت قائم ہوتی گئی اور آپ کی حیثیت ایک شہنشاہ کی مانند ہو گئی۔ تو یہ

وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر کوئی فرد بشر شان و شوکت اور جوش و خروش نفسانی سے بچ ہی نہیں سکتا

اور کوئی قوت بشری ایسے حال میں تقاضا نفس اور جذبات و جوش انسانی کو روک ہی نہیں سکتی۔ یہ وہ

مقام جلال و سطوت حکمرانی ہے جہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا عادل، شجاع، عابد، زاہد، متقی پر ہرگز

بھی ڈگمگا جاتا ہے۔ مگر۔

حوالجات سابقہ بتاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے لباس کا انداز فقیرانہ رہا، بیویاں بحالت غربت

زندگی گذارتی رہیں، بیٹی اور نواسے عالم عسرت میں گذر کرتے رہے۔ لاکھوں روپے اور ناعداد چاندی

اور سونا مال غنیمت میں اتارنا، مال صدقہ و خمس و زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہوتا رہا۔ مگر پیغمبر اسلام

کے گھر میں آگ تک نہ چلی اور گھر سے دھواں بھی نہ اٹھا۔ سابقہ و مذکورہ حوالہ جہات تاریخی بتاتے ہیں کہ:

پیغمبر اسلام کے شکم اقدس پر بوجہ گرسنگی (فاقہ کشی) پتھر بندھا رہتا تھا۔ اور وقت وفات بھی شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ کے گھر میں بقول ام المومنین عائشہ کے دو دو ماہ روٹی نہیں پکانی گئی۔ بقول ابو ہریرہ اصحاب صفہ و رفقاء پیغمبر اسلام فاقہ پر فاقہ کیا کرتے تھے۔

کیا اہل انصاف یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی نمونہ عفت و حیا نہیں ہے کیا اب بھی ان حالات کی موجودگی میں پیغمبر اسلام کی زندگی پر کوئی اعتراض نفس پرستی کر سکتا ہے۔ کسی وجہ سے یا مذہبی تعصب کی بنا پر کسی میں کوئی عیب نکال دینا یا کسی پر اعتراض کر دینا تو آسان ہے۔ کیونکہ یہ کام صرف جنبتش نوک قلم یا جنبتش نوک زبان سے بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ مگر صاحبان علم و کمال جنبتش زبان و قلم کی ذمہ داریاں جانتے ہیں۔ بعض غیر مذاہب کے متعصب مورخین نے پیغمبر اسلام کی عفت پر ناپاک حملے کئے ہیں۔ اور یہ اعتراض کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعداد ازواج آپ کی عفت کے منافی ہے۔ مگر انہوں نے صرف تعداد ازواج پر معاندانہ نظر ڈالی اور ان واقعات سے نظر پھیر لی جو آپ کی عزت و تقدس نفس کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں آئندہ سطور میں صرف تعداد ازواج پر روشنی ڈالوں گا۔

عفت و حیا تعداد ازواج، سی و ہشتم | موقف زنان - صاحبان علم جانتے ہیں کہ

مورخین عالم نے اپنی کتب تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ عورت کا موقف مردان عالم کی نظر میں کیا رہا ہے۔ میں بہ نظر تعصب کسی قوم یا کسی مذہب کو نامزد نہیں کرنا چاہتا، مگر یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جب سے تاریخ کا وجود ہے اسی وقت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مرد نے عورت کو اپنی ہوس رانیوں کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اگر وہ بیٹی کی شکل میں پیدا ہوئی تو اس کو زندہ درگور کر دیا گیا، اگر وہ زوجہ کی شکل میں آئی تو معلوم اس کو کتنی مرتبہ چھوڑا گیا اور معلوم کتنے مردوں سے بار بار رشتہ زواج قائم ہوا، وہ نیم عریاں بازاروں میں مثل حیوانات فروخت کی گئی۔ وہ سخت ترین محنتوں اور مشقتوں میں ڈالی گئی۔ وہ تخیلوں میں نشانہ ہوس رانی بنتی رہی۔ وہ محفلوں میں بچائی گئی، وہ درباروں میں مشغلہ تفریح بنائی گئی، اگر وہ لورھی ہو گئی اور بدرجہ مادری پہنچ گئی تو اس کی منزلت گھر کی پالتو بکری و گائے سے بھی بدتر سمجھی گئی۔ یہ سب کچھ تو اس وقت کا ذکر ہے۔ جس وقت کو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے۔ اور موجودہ تہذیب کے انسان بہت سرخرو ہو کر اس عہد کو عہد جاہلیت کہہ کر اپنے چہرہ کی گرد مذلت کو تھار دیتے ہیں۔ اور اپنے کو اس بدنامی و غم سے بری سمجھتے ہیں۔ مگر موجودہ تہذیب و تمدنی کے زمانہ میں بھی عورت کا موقف عہد جاہلیت سے کم و حشت تک نہیں ہے عہد قدیم میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ طالبانہ، سفاکانہ تھا۔ مگر عہد موجودہ اندازہ پہلے انداز سے مختلف ضرور ہے۔ مگر بلحاظ نتیجہ کے پہلے انداز سے بھی بدتر اور مہیب ہے۔ آج بھی عورت کا

کوئی صحیح موقف کسی قوم کسی مذہب کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کیلئے میرے اس بیان کی تردید کر دی جائے اور اپنے منہ آپ میاں مٹھو بن لیا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت کا موقف دور سماج بھی لپٹ سے لپٹ ہے۔ آپ اس دور جدید و عہد مہذب کے انداز پر غور کیجئے۔ کہ عورت مرد کیلئے کیسا آلہ ہوس رانی بنائی گئی ہے۔

اگر وہ ابھی لڑکی ہے تو اس کو ترقی کے نام پر گھر سے بے گھر کیا جاتا ہے اور وہ در بدر خاک لہر کو پہنچتی ہے۔ گھر سے بے گھر ہونے کی توجہ نہیں دیتی ہے۔ اگر نوس شمال گھرانے کی ہے تو ناشتہ کر کے در نہ نکلنے سے گھر سے صبح نکل جاتی ہے۔ اسکول میں پڑھتی ہے۔ کامل چھ گھنٹہ صرف کر کے واپس ہوتی ہے۔ یہ تو صرف اس کے بارہ سال کے سن تک کا حال ہے۔ اس کے بعد وہ نوجوانی کی سرحد میں قدم رکھتی ہے۔ فطری جذبات اس کے دل میں گدگد می کرتے ہیں۔ مگر وہ خاموش ہے۔ راہ گلی کے نظر پھینک آوارہ گرد اس کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ مگر وہ بیچاری لمبے قدم کے ڈگ بھرتی اسکول یا گھر کی طرف بڑھتی جاتی ہے مگر تاکہ آخر وہ کبھی نہ کبھی کسی کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہے۔ مگر اپنی تعلیمات کی مساعی میں لگی رہتی ہے۔

آخر کیوں؟

اس کا جواب بہت دلگداز دل سوز ہے۔ صرف اسلئے کہ اس کے والدین کا کہنا ہے۔ کہ اگر وہ بے پرہی رہ گئی تو اس کو تعلیم یافتہ شوہر پسند نہیں کرے گا۔ اس کا جواب اور بھی حکم سوز ہے۔ صرف اسلئے کہ وہ مرد اپنی خواہشات نفسانی کی آگ کو بجھانا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں چاہتا کہ اس کی رفیقہ حیات کے خورد و نوش لباس و مکان کا بوجھ بھی اس کی کمانی پر پڑے۔ یا اگر اولاد ہو جائے تو اس کی پرورش کا بار بھی اس کی جیب پر پڑے۔ اس حقیقت کے پیش نظر عورت کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ جب شوہر کے گھر پر جائے تو وہ محقول تنخواہ پاتی ہو سکے۔ چنے تو انہیں کھلائے پلائے پہنائے اول تو خود پڑھائے ورنہ اسکول کی تعلیم کا بوجھ اٹھائے۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ شوہر کے ساتھ کلب بھی جائے اور اس کے دوستوں کی تفریح کا سامان بھی بنے۔ اور کلب کے آداب سے بھی پوری پوری واقف ہو۔ تاکہ رقص و سرود و می نوشی و کیف اندوزی سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے اور دوسروں کو لطف اندوز کر سکے۔ اور پھر اسی پر ہی بس نہیں بلکہ وہ رات بھر کلب میں جاگنے کے باوجود صبح سویرے ناشتہ بھی تیار کرے یا کروائے ناشتہ کی میز سجائے اور پھر بچوں کی خدمات و ضروریات بھی انجام دے اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ داریاں بھی سنبھال سکے اور اگر ان لاتعداد خدمات میں سے کسی ایک میں بھی کمی رہ گئی تو پھر شوہر کی ابرو پر شکن ہے۔

اب وہی صورتیں ممکن ہوں گی کہ یا تو شوہر کسی دوسری بیگم سے دل لگا بیٹھیں گے اور اس بیچاری پر عالم

یاس میں سکوت طاری ہو جائے گا۔ اور پھر یہ بھی کسی دوسرے صاحب کو اپنا ہدف نگاہ بنائے گی۔

یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ دوسرا رخ اس سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ ابھی پوری جوانی تک عورت نہیں پہنچی کہ والدین نے اسکے لئے ماہر موسیقی استاد رکھ دیئے ہیں۔ رقص و سمود کی مشق جاری ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ سوسائٹی میں بلند مرتبہ مرد ایسی عورت کو پسند کرتے ہیں جو ہر قسم کے گانے ناچنے میں مشاق ہوتا کہ وہ شوہر کیلئے ہر محفل میں سبب فخر ہو سکے اور شوہر کے احباب کیلئے لطف اندوز بن سکے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور کوئی شوہر اس کے درجہ کا نہ ملے تو پھر اس کو فلم اسٹار بننے کیلئے تیار کر ہی دینا چاہیے۔ تاکہ وہ عزت کی زندگی سے دوچار نہ ہو۔۔

ایک مثل مشہور ہے کہ ایک انار اور صد بیجار، یہ مثل سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر موجودہ تہذیب کی رنگا رنگی نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک انار صرف عورت ہے اور وہ صد بیجار اس کے مرصیان چشم دابرو ہیں، انگریزی و اردو کے اخبارات کے صفحات اس عورت کی بیچیاٹیوں کا اشتہار دے رہے ہیں۔ جوق در جوق ہوس ران اور ہوس اس کے کرشموں کو دیکھنے کیلئے سینما ہاؤس کے دروازوں پر قطار در قطار کھڑے ہوئے ہیں۔

میری اس تالیف کے ناظرین خود صاحبان علم و نظر ہیں۔ لہذا مشتے نمونہ از خروارے۔ میں عورت کی ایسی درگتوں اور خرابیوں کو بیان کرنے ہی پر بس کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد قدیم و عہد جدید کے مردوں نے عورت کو اپنی نفسانی خواہشات و لذات کا مرکز بنایا ہے۔ اور اس کی وہ درگت بناٹی ہے جو باید و شاید اب سے ہم اسو سال قبل کی تاریخ جو کچھ عورتوں کے بارہ میں پیش کرتی ہے۔ وہ بھی کم عبرتناک نہیں ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ (جو شخص مرد و مصلح اقوام عالم بنکر آیا ہو، جو معاشرہ کی اصلاح کو انسانی، ذاتی و نفسانی طریقہ پر کرنا چاہتا ہو۔ جو حقوق مرد و عورت کو معین کر کے اصلاح معاشرہ کرنا چاہتا ہو۔ جو انسانوں کو ہر برائی و عیب سے پاک و صاف بنانا چاہتا ہو، جو اخلاق انسانی کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر بنانا چاہتا ہو، جو ایک پاک و پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے حدود انسانیت مقرر کرنا چاہتا ہو، اور جو ایسے قوانین عفت و پاکدامنی مقرر کرنا چاہتا ہو جو قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے منارہ ہدایت بن سکیں۔ اس کو کیا کرنا چاہیے۔ وہ فطرت بشریت سے واقف ہے۔ وہ تغیر جذبات مرد و عورت سے مطلع ہے۔ جو آئندہ آئینہ خرابیوں سے واقف ہے۔ لہذا اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے قوانین و اصول مقرر کر دے جو انسان کو درندگی و حیوانیت سے بلند تر کر سکیں اور اس کے مرتبہ شرافت و دعوائے انصافیت کو قائم رکھ سکیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ عورت انسانی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ عورت کا کردار اعلیٰ ہی اس کے بچوں کو کردار اعلیٰ کا وارث بناتا ہے، عورت کا اخلاق بلند ہی اسکی اولاد کو تصویر و مرقع اخلاق بناتا ہے، عورت

کی عفت اور پاکدامنی ہی قلوب اولاد میں عیاد شرم کے جو اہر بھرتی ہے۔ عورت کی غیرت و حمیت ہی اقوام کو با
غیرت و باحمیت بناتی ہے۔ عورت کی مذہبی و دینی رغبت ہی اصول معاشرہ کا پابند بناتی ہے، عورت کی مشقت
و محنت ہی نسلوں کو محنتی و کارکن بناتی ہے، عورت کی شجاعت و بہادری ہی مردوں کو شجاع و بہادر بناتی ہے
دنیا کی کوئی قوم یہ ثابت نہیں کر سکتی ہے کہ اس نے بد کردار عورتوں کے ذریعہ با کردار قوم پیدا کر لی ہو۔ جس
طرح کوئی بہترین بیج بھی ریگستان کی ناقص زمین میں پیدا نہیں ہو سکتا اسی طرح غیور اقوام کا لطفہ بد کردار
عورت کے رحم سے، شجاع، باحیا، غیور و باحمیت بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ جب یہ امر واضح ہو گیا کہ معاشرہ
انسانی میں عورت کا اہم درجہ ہے تو اس کے حقوق اور حدود بھی مصلح عالم کیلئے مقرر کر دینا لازمی ہیں۔

پیغمبر اسلام مصلح عالم ہیں انہوں نے صرف یہی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ صرف قوم عرب کی اصلاح کیلئے
سب کچھ کر رہے تھے۔ بلکہ پیغمبر اسلام نے تو یہ فرمایا کہ۔

جہاں تک رب العالمین کی خدائی ہے وہاں تک میری نبوت و ہدایت کی رسائی ہے۔ آپ نے فرمایا
”بعثت لائتم مکارم اخلاق“۔

میرا وجود دنیا میں اسی لئے ہوا ہے کہ میں عالم کے انسانوں کے اخلاق کو کامل کروں۔ اور یہی نہیں کہ اس
عہد کے اخلاق کو کامل کروں۔ بلکہ قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے اخلاق کی درستی میرے ذمہ ہے۔ پھر
اتنا ہی نہیں بلکہ یہ خطہ ارض، ہند، سندھ، چین، جاپان، انگلینڈ امریکہ، افریقہ، عرب و عجم تمام ممالک
و اقوام کیلئے میں وہ قوانین تہذیب بنا دوں گا۔ جو ہر آباد و ہوا کے لحاظ سے قابل عمل ہوں، اور جو انسانی
معاشرہ کی حدود بندی کرتے ہوں۔ پیغمبر اسلام کی تمام تعلیمات میں اس بات کا التزام ہے کہ وہ تعلیمات
ہر خطہ ارض کیلئے یکساں طور پر قابل قبول و قابل عمل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اشاعت خود بخود تمام
اطراف عالم میں روز بروز ہو رہی ہے۔ اور روئے زمین کے ہر گوشہ میں کلمہ گو مسلمان موجود ہیں۔

پھر حال کہنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے عورت کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ عورت کا موقف صحیح قائم کر دیا
اور اگر وہ کم سن بچی ہو تو اس کے والدین پر اس کے حقوق معین کر دیئے۔ اور اگر وہ جوان ہو گئی تو اس کے
والدین کے بعد اس کے شوہر پر اس کے حقوق مقرر کر دیئے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد ہو گئی تو اس کی اولاد پر
اس کے حقوق فرض کر دیئے اور سوسائٹی کے ہر پہلو میں عورت کے درجات و مراتب کا تعین کر دیا۔

ظاہر ہے کہ عورت بلحاظ عورت ایک اہم ذریعہ حیات بنا کر تھی ہے۔ اور وہ وجہ بقائے عالم ہے۔ عورت
کے ہی ذریعہ سلسلہ توالد و تناسل قائم ہے۔ اور وہی وجہ حیات ثانیہ و دائمہ ہے ایسی صورت میں سب
سے پہلے مصلح و مدبر عالم کو چاہئے تھا کہ مرد کیلئے عورت کی تعداد کا تعین کر دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام

نے ہر مرد کیلئے چار عورتوں کی اجازت بیک وقت دیدی۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر تم ان میں درجہ عدالت قائم نہ رکھ سکو تو پھر ایک ہی عورت کو زوجیت میں رکھو۔

اس حکم میں دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ ایک تو عورت کے حقوق کی ادائیگی مرد کے ذمہ فریضہ اہم ہو گئی دوسرے سلسلہ تولد و تناسل کی بقا ہو گئی۔

عناصر دنیا کی اگر تقسیم کی جائے تو صرف دو ہی عناصر کا پتہ ملے گا۔ ایک مرد دوسری عورت۔ گویا ایک مرد اور ایک مادہ، نباتات و حیوانات ہر مخلوق میں نہ مادہ کا وجود پایا جاتا ہے، چوپائے، طیور وغیرہ میں بھی نہ مادہ ہوتے ہیں۔ ان حیوانات میں سے بعض تو جفت جفت علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں، یعنی ایک

مادہ ایک ہی نہ کے ساتھ رہتی ہے اور سلسلہ تولد و تناسل جاری رہتا ہے۔ بدیہی و ظاہری مثال میں، سارس کبوتر، تیر، فاختہ، چیل، عقاب، اور درندوں میں شیر، ہاتھی، چیتا، بچھڑیا، وغیرہ وغیرہ۔

مگر ان کے علاوہ۔ قدرت نے جن کی نسلوں کی افزائش بقائے عالم کیلئے ضروری سمجھی ہے۔ ان کے ایک نہ کیلئے متعدد مادہ بنائی گئی ہیں، آفات ارضی و سماوی ہوں۔ یا قحط و وبا کی آفت ہو۔ مگر ایسی نسلیں

دنیا سے فنا نہیں ہوئیں بلکہ ان کی نسلیں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ اور یہ نسلیں تعمیر عمارت تہذیب و تمدن انسانی میں اینٹ کا کام دیتی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو تاریخ عالم بتاتی ہے کہ آدم تا ایدم روئے زمین پر ایسے سیلاب

طوفان، وبائیں، قتل و غارت، تباہیاں، زلزلے اور عالمگیر جنگوں کے باریک و تار باداؤں میں یہ نسلیں کب کی غائب ہو گئی ہوتیں۔ مگر ایسی نسلیں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ مثلاً :-

کبرا کہ اس کے لئے متعدد مادہ بکریاں درکار ہیں۔ اسپ و دنبہ، گوسفند، گائے، بیل، بھیس مرغی، بطخ، ہرن، خرگوش، وغیرہ جانوروں کی افزائش نسل کا سبب صرف یہی ہے کہ ان کے ایک نہ کے لئے متعدد مادہ ہوتی ہیں۔۔۔

المختصر مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ قدرت نے نظام حیات عالم کیلئے جن مخلوقات کی افزائش نسل کو زیادہ ضروری سمجھا ہے اس کیلئے یہ دستور بنایا ہے کہ ایک نہ کیلئے متعدد مادہ ہوں۔ اور جن مخلوقات کی نسلوں کی مرد

بندی قدرت کو منظور تھی اس نے ایک نہ کے لئے ایک مادہ کا جوڑا بنایا ہے۔ اس کلیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے

اگر انسان اپنے لئے کوئی معیار بنائے گا تو وہ غلطی کرے گا۔ کیونکہ اگر وہ صرف ایک نہ کیلئے ایک مادہ رکھتا ہے۔ تو نسل آدم اس تعداد پر نہیں پہنچ سکتی تھی جس پر آج ہے۔ کیونکہ نسل آدم پر بھی شدید ترین طوفان قتل

و غارت آتے ہی رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ان کے سروں پر وبائیں، آفات قحط، جنگیں، منڈلاقی رہی ہیں۔ اور کثیر تعداد انسان ہر سال ان حادثات کی نذر ہوتے رہے ہیں، اگر ان میں سے کوئی حیوانات کے ایک نہ کیلئے کب

مادہ کا اصول بنائے تو یہی وہ غلطی ہے۔ کیونکہ پھر وہ حقوق انسانی کو مقرر نہیں کر سکتا ہے۔ اور وہ محدود مراتب و درجات انسانی کو معین نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اس کو مخلوقات عالم پر افضلیت و فوقیت دیتی ہے، انسان صاحب عقل و ادراک ہے۔ اور اس کی عقل و ادراک کا اقتضایہی ہے کہ وہ متمم اور مہذب زندگی کا حامل ہو اور متمم و مہذب زندگی اسی وقت بن سکتی ہے۔ جبکہ قوانین حقوق انسانی معین کر دیئے جائیں اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے قوانین حقوق و درجات انسانی کو بے مثل طریقہ پر مدون کیا ہے، اور ہر شعبہ زندگی کیلئے حدود و اصول معاشرہ مقرر کئے ہیں لہذا آپ نے اس باب میں بھی اعلیٰ نمونہ حکمت و تدبیر پیش کیا ہے، اور انسان کی نفسیت اس کی اشرافیہ کو اس طرح باقی رکھا ہے کہ وہ حیوانات بلکہ کل مخلوقات سے اپنی خصوصیات و صفات کے لحاظ سے اعلیٰ و برتر نظر آئے اور آپ نے ایسا بھی انتظام کیا ہے۔ کہ چونکہ نسل انسانی ہی وارث مخلوقات روئے زمین ہے۔ اور انسان ہی شہنشاہ و حاکم روئے زمین بننے کی استعداد اور صلاحیت رکھتا ہے۔ اور بغیر اس کے روئے زمین کی ہر مخلوق گویا عبث و بیکار ہے اور صرف اس کے وجود ہی سے کائنات عالم کا ہر ذرہ متحرک و کار آمد ہے گویا انسانی مخلوقات روئے زمین کیلئے بمنزلہ دولہا کے اور دیگر تمام اشیاء و مخلوقات عالم اس دولہا کے براتی ہیں۔ یا سجد عالم کی روح و وجود انسان ہے۔ جبکہ یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ تو مدبر عالم کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ انسانی نسل کی افزائش اور بقا کی صحیح ترین تدابیر، ذرائع، اسباب و حدود مقرر کرے چنانچہ پیغمبر اسلام نے انسان کو صرف ایک مرد ایک عورت سے ملا کر جوڑا بنایا اور اس کام کو اتنا ضروری قرار دیا کہ آپ نے فرمایا،

النکاح من سنتی من رغب عن سنتی لیس صنی۔

”نکاح میری سنت ہے میرا طریقہ زندگی ہے۔ جو میرے اس طریقے سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

آپ کے ارشاد کا مقصد واضح ہے کہ انسان کی انسانیت و افضلیت اسی امر میں ہے کہ وہ اپنا جوڑا عورت کو بنائے اور اپنی ذات کو معیار انسانیت پر باقی رکھے۔ لیکن چونکہ صرف ایک نکاح ہی کا پابند بنا دینا گویا نسل انسانی کی افزائش کو روک دینا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اگر تم میں طاقت و جہولیت مطابق آب و ہوائے ملکی و جغرافیائی زیادہ ہے۔ اور تم بدکاری سے بچنا چاہتے ہو اور بین النساء عدالت و حقوق قائم رکھ سکتے ہو تو تم ایک سے چار تک عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو۔

گویا پیغمبر اسلام نے مرد کی ہوس رانی ظلم و جبر جو صدیوں سے عورتوں کیلئے روتا تھا ختم کر دیا اور غرض اصل

یعنی افزائش نسل آدم کا بھی کامل انتظام کر دیا۔ اگر مرد عدالت حقوق کر کے تو چار ازواج بھی کر سکتا ہے
یہی شرط مرد کو اس کی انسانی ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے۔ اور تو این تمدن و تہذیب کا پابند بناتی ہے۔ حکیم
اسلام کے اس ارشاد سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مرد ہندی ہو کہ سندھی، یورپی ہو کہ افریقی ہیاکتا
ہو کہ ایرانی، عجم ہو کہ عرب مطابق اثرات جغرافیائی صرف ایک عورت کے حقوق ادا کر سکتا ہے اور بحالت
استثنا دو تین اور چار عورتوں کے بھی حقوق نفسانی و معاشی پورے کر سکتا ہے۔ مگر اس سے زائد تعداد
پر وہ قادر نہیں ہے، پیغمبر اسلام چونکہ ہر عہد کیلئے قوانین معاشرہ مقرر کرنے کے دعویدار رہے ہیں اور ہر خطہ
ارضی کو دعوت اسلام دے رہے ہیں۔ لہذا آپ کے ہر حکم میں یہ گنجائش ہونی لازمی ہے کہ وہ روئے زمین کے
انسانوں کیلئے یکساں قابل عمل و قابل قبول ہو۔

صاحبان علم اور ماہران علم جغرافیہ بخوبی واقف ہیں کہ مختلف خطہ ارضی کے انسانوں کے قوائے جسمانیہ
و نفسانیہ میں کتنا فرق ہے۔ اگر ایک ہی عورت کی قید پیغمبر اسلام لگا دیتے تو دین اسلام قابل عمل نہ رہتا اور
مرد مثل سابق ہوس رانی کا شکار رہتا۔ مگر حکم پیغمبر اسلام اتنا معتدل ہے جو ہر خطہ زمین کے باشندہ کیلئے قابل
عمل ہے۔ اور اس کا ثبوت ہے کہ ہم سو سال سے یہ حکم قابل عمل سمجھا جا رہا ہے۔ اور اس پر عمل کیا جا رہا ہے اور
اہل اسلام کی افزائش نسل ہو رہی ہے اور اب ان کا پلہ تعمیر اقوام کے لحاظ سے گراں ہے۔ اور روز بروز اس کا
وزن اہل عالم خود زیادہ سے زیادہ محسوس کر رہے ہیں۔ اور اس کو کم کرنے کی سعی کرنے کیلئے خاندانی منصوبہ
بندی رکنی روک تھام کی پابندیاں اہل اسلام پر لگانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہونگے
اور اس کا نقصان پچاس سال یا سو سال میں ان دشمنان اسلام اقوام کو پہنچے گا۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ :-

انی اباہی بکم الامم یوم القیامۃ ولو باسقط۔

”میں روز قیامت تم امتیوں کی کثرت تعداد پر فخر و مباہات کروں گا۔ اگر چہ وہ ساقط شدہ بچہ ہی
کیوں نہ ہو۔“

گویا پیغمبر اسلام بہ نظر حق شناس دیکھ رہے تھے کہ میرے معین کردہ اصول و قوانین تعداد ازواج کا
نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک زمانہ میں اہل اسلام کی تعداد و طاقت دشمنان اسلام سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اور وہ
دشمنان اسلام اہل اسلام کی اس روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت و کثرت کو دیکھ کر منصوبہ بندی کے قوانین نافذ
کر سکیں گے۔ مگر میرا یہ حکم پہلے سے ہی نافذ ہو گا۔ مسلمان ہرگز دشمنان اسلام کے قانون کے پابند نہ ہوں گے اور
آخر ایک دن ایسا آئے گا کہ اہل اسلام ہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ انسان کیلئے بھی ضروری ہے کہ ان کی تعداد ازدواج معین ہو۔ اور یہ تعداد ایسی ہو کہ ہر خطا رخصت کے انسان کے سامنے قابل عمل ہو۔ پیغمبر اسلام نے یہ تعداد ایک، زیادہ طاقت ہو تو دو، اس سے بھی زیادہ طاقت ہو تو تین اس سے بھی زیادہ طاقت ہو تو چار تک معین کی ہے۔ قوت و طاقت کی تعریف یہ ہے کہ حقوق زوجہ، خورد و نوش، لباس و مکان، سامان تربیت و تعلیم اطفال و نیز قوت نفسانی اور دل پر پایا قابو کہ جو مرد کو کسی ایک عورت کی طرف زیادہ مائل نہ کر سکے۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ مساویانہ و عادلانہ سلوک جنسی و معاشرہ و معاش ہو۔

اس قانون کے بنانے کے بعد عہد حاضر کے انسان، یا آئندہ آنے والی نسلیں یا غیر اقوام و غیر ممالک میں اسلام قبول کرنے والے افراد یہ اعتراض کر سکتے تھے یا ان کے دل میں ایسا خیال آسکتا تھا کہ پیغمبر اسلام نے ہر شعبہ زندگی کو تو عملاً باحسن و سچوہ کر کے دکھایا۔ مگر تاہل کی زندگی اتنی دشوار تھی کہ پیغمبر اسلام نے اس شعبہ حیات کو عملی روشنی سے محروم رکھا اور یہ پہلو تعلیمات اسلام کا تاریک رہا۔ پیغمبر اسلام مصلح عالم تھے بناض فطرت انسانی تھے، مقنن قوانین معاشرہ و تمدن تھے۔ لہذا آپ نے اپنی زندگی کے اس پہلو کو روشن سے روشن تر کر دکھایا، حوالہ جات تاریخی سے جو میں نے صفحات سابقہ میں لکھے ہیں واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی گھریلو زندگی کے ہر کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے۔ مگر یہی کا دو دو خود دوٹا ہے۔ اونٹ خود بانڈھا ہے۔ چکی خود چلائی ہے، اصحاب کے ساتھ محنت و مشقت خود کی ہے، بچوں کو خود پالا کھلایا ہے۔ اوقات شبانہ روز کے تین حصے کئے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ایک حصہ ازدواج اطفال کے ساتھ گزارا ہے۔ مگر اس انداز سے کہ دنیا داری کا دھبہ دامن تقدس نبوی پر نہیں آیا۔ اور آپ کی روحانیات تعلیمات و غزوات کا پہلو نمایاں تر رہا۔ اہل اسلام کو صرف چار بیویاں کرنے کی اجازت تھی۔ مگر اس اعتراض کو کہ پیغمبر اس ذمہ داری مساوات و عدل بین النساء کو کتنا پورا کر کے اس طرح دور کر دیا کہ آپ نے بیک وقت نو ازدواج رکھیں مگر پھر بھی عدل و انصاف میں فرق نہ آنے دیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی ازدواج نے کبھی شکوہ شکایت نہیں کی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کوئی لمحہ بھی ایسا گزارا ہو جس میں عدالت بین النساء کو ملحوظ نہ رکھا ہو۔ آپ کی زندگی کے تمام واقعات آپ کی ازدواج کی روایات سے باقی ہیں۔ ان میں آپ کی جنصائل اعلیٰ ہی کا ذکر ہے۔ مگر کوئی امر بھی ایسا مندرج کتب نہیں پایا جاتا۔ جو خلاف قانون و اصول عدالت و عفت ہو۔

انسان کے اعلیٰ کردار کا ثبوت اس کی گھریلو زندگی سے ملتا ہے۔ لست و بلند غریب و امیر رعایا و بادشاہ ہر طبقہ کا انسان اپنی ایک زوجہ اور اس کے بچوں کو راضی نہ رکھ سکا۔ وقتاً فوقتاً، نزع، سہکڑے، ناراضگیاں جدائی، طلاق کے واقعات سے کتب تاریخ کے صفحات مملو ہیں، ہر ملک کی عدالتیں ایسے واقعات سے پر نظر

آتی ہیں۔ اور جب کبھی ایک عورت کے علاوہ دو عورتیں یا تین چار عورتیں ایک مرد نے کر لی ہیں۔ تو وہ بوجہ تو انہیں عدالت پر عمل نہ کرنے کے اعتراضات و مصائب کا شکار بن گیا ہے۔ اور آٹے دن کے ٹھگڑوں سے اس کا توار لیا و ماغ و کار و بار زندگی میں خلل پڑ گیا ہے۔۔

لیکن پیغمبر اسلام نے بیک وقت نو ازواج کو رکھا۔ مگر ہر زوجہ آپ کی زندگی و بعد وفات آپ کے فضائل کی مداح ہی نظر آئی ہے۔

بعض حضرات کا یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام بھی اپنی

بعض ازواج سے ناراض رہے اور بعض ازواج نے آپ کو آزار پہنچانے

کی کوشش کی۔ یہ صحیح ہے۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی ازواج بھی مثل دیگر زمان حسد رشک و شرارت کا مادہ رکھتی تھیں۔ سب ازواج نیک دل پاک طینت نہ تھیں۔ اگر سب ازواج نبی پاک دل و پاک طینت ہوتیں اور کوئی زوجہ بھی کوئی دل آزاری کی بات نہ کرتی۔ تو یہ خوبی ازواج نبی کی سمجھی جاتی، اس میں پیغمبر اسلام کی کوئی تعریف نہ پیدا ہوتی۔ بعد میں آنے والی نسلیں کہہ دیتیں کہ پیغمبر اسلام کو بد خو و بد طینت عورتوں سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ پھر کیا خوبی ہوئی تو پیغمبر اسلام نے نو ازواج کے ساتھ بدوں طال زندگی گزار لی۔ یا یہ کہا جاسکتا تھا کہ بوجہ کا احترام نبوت و خوف خدا ازواج نبی نے کوئی شرارت و دل آزاری نہ کی، اس صورت میں بھی پیغمبر اسلام کی کوئی تعریف نہیں پیدا ہوتی تھی۔

بعض ازواج نبی کی شرارت و دل آزاری کے واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ازواج نبی میں ہر قسم کی عورتیں تھیں اور ان کو باہمی رشک و حسد بھی تھا۔ مگر پھر بھی وہ ذات پیغمبر و اطوار پیغمبر میں کوئی عیب نہ نکال سکیں۔ اور حیات پیغمبر میں یا بعد وفات پیغمبر وہ عورتیں بھی خلاف پیغمبر کوئی واقعہ بیان نہ کر سکیں۔ بلکہ ان ازواج کی زبانی ہی پیغمبر اسلام کے زیادہ اوصاف بیان ہوئے۔ جو زندگی پیغمبر میں حسد کا زیادہ شکار ہوئی تھیں۔ بعض متعصب و تنگ نظر مورخین نے پیغمبر اسلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا نو ازواج کرنا ہی خلاف روحانیت و تقدس نفس پیغمبری تھا۔ درحقیقت یہ معترضین وہی ہیں جو صرف رہبانیت و گوشہ نشینی و ترک دنیا ہی کو وصف پیغمبری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو مذہباً عیسائی ہیں۔ عیسائی و نصرانی کے پیش نظر اپنے راہبوں کی زندگی ہے۔ مگر ان راہبوں کی زندگی اور عیسائیت کا ترک دنیا کا عقیدہ نہ کبھی قابل عمل رہا ہے۔ اور نہ آج قابل عمل سمجھا جاتا ہے۔ محکوم ضرورت نہیں ہے کہ اس کی اندرونی حالات کا جائزہ لوں اور اس کے معائب بیان کروں۔ مجھ کو تو صرف یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ اسلام رہبانیت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسلام زوجہ کے حقوق کی ادائیگی اور اطفال کے حقوق کی تکمیل، ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک، اقربا

کے ساتھ نیکی کرنے ہی کو عین خدا پرستی سمجھتا ہے۔ اسلام تو یہ عقیدہ پیش کرتا ہے کہ اگر خدا کو راضی رکھنا ہے تو اس کے پاک باطن بندوں کو راضی کر لیا جائے۔ اور بندوں میں سب سے زیادہ قابل ترسیح زوجہ، بچے اور اقرباء ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج اور اپنی اولاد کے ساتھ اعلیٰ ترین حسن سلوک کی مثالیں قائم کی ہیں۔ اور یہی پیغمبر اسلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اور باوجود اس سب کچھ کرنے کے عبادات، روحانیت، تعلیمات پیغمبر اسلام میں سرفوق نہ آیا۔ بلکہ آپ نے عبادات اس طرح ادا کیں کہ خود محبوبوں نے زیادتی عبادت کو روک دیا۔

”یا ایہا المزمّل تم ایلا الا قلیلا۔“

اے کھلی اور مٹھنے والے رات کو عبادت کر دو ملکہ کم۔“

روحانیت و تعلیمات پیغمبر اسلام کا اقرار تو دوست دشمن نے کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی گھر لو زندگی بھی عبادت تھی۔ اور یہ زندگی بھی اہل عالم کیلئے اعلیٰ نمونہ ہے۔ اتنا لکھنے کے بعد اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کی ازواج کی کیا نوعیت تھی اور وہ کن مصالح دینی و اغراض باطنی کی وجہ سے کی گئی تھیں۔ آپ جب ان ازواج کے حالات تاریخی کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو عفت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ حاصل ہوگا۔

پیغمبر اسلام نے عمر ۲۵ سال خدیجہ بنت خویلد سے عقد کیا۔ خدیجہ کی عمر ۴

خدیجہ بنت خویلد

سال کی تھی اور وہ اس عقد سے قبل دو عقد کر چکی تھیں اور ان دو شوہروں سے ان کی اولاد بھی تھی۔ خدیجہ کا پہلا شوہر عقیق بن عابد المخزومی تھا۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جاریہ تھا۔ اس کے بعد خدیجہ نے ابو نوالہ بن منذر اسدی سے عقد کیا ابو نوالہ کا نام مالک تھا۔ اس سے دو بچے پیدا ہوئے ایک کا نام نوالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ میں عقد خدیجہ کا پورا حال واقعہ دوم باب عفت میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اس موقع پر اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کا خدیجہ سے ان حالات میں عقد کرنا صاحبان نظر و انصاف کے نزدیک کیا درحقیقت قابل اعتراف تھا کیا اس رشتہ میں کوئی طبعی چاشنی پائی جاتی ہے۔ مانتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے یہ عقد مصالح دینی کیلئے کیا تھا۔ اور آپ کی عمر میں اس رشتہ سے صرف تبلیغ تو سعید ربانی کے اسباب کی فراہمی تھی اور بس۔ اور ایسا ہی ہوا کہ خدیجہ عمارت اسلام کی خشت اساس ثابت ہوئیں اور ان کی لاتعداد دولت کا تعمیر قصر اسلام میں اہم حصہ رہا۔ اور وہ پیغمبر اسلام کے لئے ہوئے دین کی پہلی مصدق اور مومنہ ہوئیں۔

سودہ بنت زمعہ | تذکرہ الصحابیات ص ۸ بحوالہ طبقات جلد ۸ ص ۳۶

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد الشمس اور ماں کا نام سموس بنت قیس

منازید بن عمر ہے، ان کے پہلے شوہر سکران بن عمران کے ابن عم تھے اور دونوں (زوجہ و شوہر) مکہ ہی میں

اسلام لائے۔ یہ عہد اسلام کا سخت ترین عہد تھا۔ مسلمان ہونا اور اسلام لانا آسان نہ تھا۔ اسلئے یہ دونوں
 زن و شوہر زیادہ دنوں تک مکہ میں قیام نہ کر سکے اور کفار قریش کے دستِ ستم سے عاجز آکر ہجرت ثانی کرنے
 والوں کے ہمراہ ارض حبشہ کی طرف کوچ کر گئے۔ واپسی کے بعد سکران نے مکہ میں توطن کا ارادہ کیا۔ لیکن
 مکان بننے سے پہلے وقت موت آپہنچا۔۔۔

سکران کے انتقال کے بعد آنحضرت نے پیغام نکاح بھیجا سو وہ نے قبول کیا اور اپنا اختیار ذاتِ مختار
 کے سپرد کیا۔ پھر آنحضرت کی طلب پر عاتب بن عبد الشمس کو اپنا ولی کر کے بھیجا ماہ رمضان نبوت کے دسویں
 سال میں یہ نکاح ہو گیا۔ مہر کی تفصیل نہیں معلوم مگر امید ہے کہ پانچ سو درم ہو گا اسلئے کہ اکثر ازواجِ نبی
 کا یہی مہر تھا۔

(۲) تذکرہ الصحابیات :-

حضرت سوہ کا عہد اسلام اور ان کے شوہر اول کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ اسلام کو کوئی
 قوت حاصل نہ تھی اور مسلمانوں میں افلاس کا مرض عام تھا۔ اسلئے سوہ کی لاوارثی اور یگانگت مذہب ان
 کی حفاظت کا فرض عائد کرتی تھی۔

(۳) تذکرہ الصحابیات بحوالہ طبقات جلد ۸ ص ۳۰ و خلاصہ السیر :-

جب اسلام کو دستِ کفار سے سکون و اطمینان حاصل ہوا اور شوکتِ اسلام نے بت پرستوں کے
 جوہلے پست کر دیئے اس وقت حفاظتِ سوہ کی ضرورت ختم ہو گئی اور آنحضرت نے طلاق دیدی۔ جب سوہ
 کے پاس یہ پیغام پہنچا تو آپ خانہ عائشہ کی راہ پر آ بیٹھیں اور قسم دیکر پوچھا کہ کیا آپ نے مجھ میں کوئی خاص بات
 قابلِ طلاق ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ سوہ نے قسم دیکر کہا کہ پھر آپ رجوع فرما لیجئے میں ضعیف ہو چکی
 ہوں مجھے خواہش مرد نہیں ہے۔ البتہ آرزو ہے کہ روزِ حشر آپ کے ازواج میں شامل رہ کر قبر سے اٹھوں اور
 میں اپنی باری کے روز و شب عائشہ کو دیدیتی ہوں۔ آنحضرت نے قبول فرمایا اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی
 وان اموات خافتن من بعلمها نشوزاً و احراضاً فلا جناح علیہا الخ۔

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے ظلم بے رغبتی کا اندیشہ رکھے پھر وہ دونوں باہم صلح کر لیں تو
 کوئی الزام نہیں ہے۔ (سورہ نساء ۵)

(۴) تذکرہ الصحابیات ص ۴۸ :-

آنحضرت جب مدینہ پہنچ گئے تو زید بن حارثہ و ابورافع (آزاد کردہ آنحضرت) کو پانچ سو درم اور دوشہ
 دیکر آپ نے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کہ حضرت سیدہ عالم سوہ بنت زمعہ ام کلثوم، اسامہ ام ایمن کو ساتھ

آئیں۔۔۔

(۵) حضرت سودہ حسیم اور بلند قامت تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کی جسامت کے خیال سے حجۃ الوداع میں آنحضرت نے تمام حاجیوں کے مزد و لقمہ کے پہلے حضرت سودہ کو روانگی کی اجازت دیدی تھی، اسلئے کہ جمع اور بھڑ میں چلنا آپ کو دشوار تھا۔

(۶) تذکرہ الصحابیات ص ۵۲ بحوالہ زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۔

آپ کے شوہر اہل سے صرف ایک صاحبزادہ عبدالرحمن نام پیدا ہوئے جو جنگ بلولہ فارس میں شہید ہو گئے آپ کی وفات عمر بن خطاب کے آخر عہد خلافت ۲۲ھ میں ہوئی۔

(۷) سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی۔

حضرت سودہ عادات و اخلاق رسالت کا نمونہ تھیں اسلئے کہ مدت سے شرف ملازمت و خدمت پر ممتاز تھیں و معارف نبوت کی خلوت و جلوت میں ہمزاد و مساز تھیں۔ حضرت عمر نے ایک بار ان کے وظیفہ کی رقم تھیلی میں رکھ کر ان کے پاس بھیج دی۔ لانے والا جب وہ تھیلی ان کے پاس لایا۔ تو حضرت سودہ نے استفسار فرمایا۔ اس میں کیا ہے۔ اس نے کہا روپے ہیں۔ فرمایا کہ اب تھیلیوں میں روپے بھر کر بھیجے جانے لگے۔ اور وہ تمام روپے مستحقین کو دیدیا۔۔۔

ناظرین بہ نظر انصاف تاریخی حوالہ جات کو مطالعہ فرمائیں۔

پنج عیارات

(۱) سودہ بنت زمعہ کا پہلا شوہر سکران تھا۔ بعد وفات سکران، سودا بیوہ

ہو چکی تھیں اور سکران سے ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا۔

(۲) سودہ کی عمر کافی تھی، گویا ادھیڑ عمر کی عورت تھیں، جسم فرہ تھا قد لانا تھا۔ اور اتنا لمبا قد تھا کہ مجمع میں چلتی تھیں تو نمایاں رہتی تھیں اسی وجہ سے پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر سب سے پیچھے چلنے کا حکم دیا تھا۔

(۳) سکران کے انتقال کے بعد سودہ پر مصائب ہو گئی ایسے طاری ہو گئے تھے کہ کوئی پرسان محل و خبر گیر نہ رہا تھا۔ اور ایسی عمر بھی نہ تھی کہ کسی سے عقد ثانی کر لیں۔

(۴) سودہ خود مسلمان ہو چکی تھیں اور ان کا بھائی اور رشتہ دار کافر تھے۔ اسلئے کوئی رشتہ داروں میں بھی کفیل نہیں تھا۔۔۔

(۵) اسلام کا یہ عہد تھا جبکہ اہل اسلام پر غربت و افلاس چھایا ہوا تھا۔ اور غریب مسلمانوں کو پیٹ بھر دینی بھی میسر نہ تھی۔ اور اس پر بھی اہل مکہ کے مظالم تھے اس وجہ سے سودہ معہ شوہر کے ہجرت حبشہ کر گئی تھیں

اور جب واپسی ہوئی تو شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اب بے بسی و ناچارگی کی حالت تھی۔

ان حالات میں دو ہی صورتیں تھیں اول تو یہ کہ فاقوں سے تنگ آکر سودہ پھر اپنے کافر بھائی بندوں سے مل جاتی اور خود بھی مرتد ہو کر کافر ہو جاتی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ بحالت افلاس معہ بچکے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتی اور تیسری صورت یہ تھی کہ فاقہ کر کے جاں بحق ہو جاتی۔ ان صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ پیغمبر اسلام کی زندگی میں اگر ایک نو مسلمہ عورت اور ایک یتیم بچہ کی یہ درگت تھی اور وہ دونوں بے بار و تباہ رہتے یا فاقوں سے مر جاتے تو پیغمبر اسلام کی تدبیر، رحم دلی، مروت و حکمت پر حرف آجاتا اور ہمیشہ کیلئے ایک بہت بڑا اعتراض پیغمبر اسلام کی ذات پر قائم رہتا۔ دوسرے اس وقت کے نو مسلم جماعت کیلئے بھی سودہ اور اس کے بچہ کی ناگفتنی حالت دل شکن اور ہمت شکن ہوتی۔

لہذا اقتضائے حکمت رسول ہی تھا اور درحقیقت بہتر و اعلیٰ صورت یہی تھی۔ کہ پیغمبر اسلام سودہ کو اپنی رفیقہ حیات بنالیں اور اس کی گہڑی ہوئی حالت کو سہارا دیں کہ اس کے دین و دنیا کا پلہ بھاری ہو جائے چنانچہ خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ پیغمبر اسلام کو ضرورت تھی کہ وہ کوئی زوجہ اختیار کریں۔ اگر کوئی دوسرا اس موقع پر ہوتا تو کوئی جو ان خوش رو و مالدار عورت سے عقد کرتا۔ مگر پیغمبر اسلام کا ہر فعل مطابق حکمت و عفت تھا۔ لہذا آپ نے اس ضعیف العمر بیوہ عورت سے اپنا عقد کیا اور ہر ممکن اعتراض کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ اور اعلیٰ نمونہ عفت پیش کر دیا۔ ناظرین خود غور فرمائیں کہ آیا پیغمبر کے اس عقد ثانی پر کوئی عقلی اعتراض ممکن ہے یا نہیں۔۔۔ غیر مسلم متعصب مورخین نے۔ جو کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ وہ ان کا صرف تعصب ہے اور حقیقت امر سے لاعلمی۔۔۔

عقد عائشہ

تاریخی حوالہ جات صحیح بخاری ۲ باب النکاح ترجمہ :-

- (۱) عروہ روایت کرتے ہیں کہ۔ جب حضرت نے عائشہ سے نکاح کیا ان کی ۶ برس کی عمر تھی اور ۹ برس کی عمر میں خلوت کی اور کل ۹ برس عائشہ آپ کے نکاح میں رہیں۔
- (۲) عائشہ فرماتی ہیں جب مجھ سے رسول خدا نے نکاح کیا میری ماں آکر مجھے گھر میں لے گئی میں کیا دیکھتی ہوں کہ انصار کی عورتیں گھر میں جمع ہیں وہ کہنے لگیں اللہ خیر و برکت کیجیو اور نیک نصیب ہو جیو۔
- (۳) اسوۃ الرسول جلد سوم صفحہ :-

اسم مبارک عائشہ تھا صاحب اولاد نہیں تھیں۔ مگر عبداللہ بن زبیر اپنے بھانجے کی رعایت سے جنس آپ نے پالا تھا ام عبداللہ کی کنیت سے مشہور تھیں۔ ماں کا نام زینب تھا اور ام رومان کنیت ان کی والدہ بچت رسول سے چار برس بعد واقع ہوئی۔ والدین نے پہلے جویر بن مطعم کے ماں بات لگائی تھی۔ اسلئے

جب نولہ بنت حکیم آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی بات لیکر آئیں تو پہلے ابو بکر نے اسی بنا پر انکار کر دیا۔ مگر جب نولہ نے کہا کہ اب وہ اسلام کی وجہ سے تمہارے ساتھ پیوند نہ کریں گے تو حضرت ابو بکر جیسا کہ رؤفۃ الاحباب میں کتب النسب سے بیان کیا گیا ہے۔ دریافت ملل کی غرض سے خود جہیر کے ماں گئے جبیر سے تو ملاقات نہ ہوئی مگر ان کی بیوی نے انکو دیکھتے ہی کہا کہ تم اپنی بیٹی بیاہ کر میرے ماں اسلام کے قدم جمانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں ایسا نہ کرنے دوں گی۔۔

ابو بکر و ماں سے براہ راست واپس آئے۔ اور بلاذری بعد دو واسطہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں معروضہ پیش کیا۔ فوراً قبول فرمایا گیا اور شہوال کی بارہویں تاریخ کو حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ سال کی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۹)

ہجرت کے تیسرے سال مدینہ میں عروسی ہوئی۔ وہ بھی شہوال ہی کا مہینہ تھا۔ اعلیٰ کی عروسیات صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم عروسی کی تحریک بھی حضرت ابو بکر ہی کی طرف سے پیش ہوئی۔ جناب رسالت مآب نے اپنی تنگدستی کی مجبوری دکھائی۔ تو حضرت ابو بکر نے پچاس درہم قرص سنہ دیکر عرض کیا کہ اس سے سلمان عروسی کر لیا جائے بات طے ہو گئی۔

(۴) سیرۃ النبی علامہ شبلی جلد دوم حالات از فاج ص ۳۲۵۔

مدینہ میں آکر حضرت عائشہ بخار میں مبتلا ہو گئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا رہی تھیں۔ ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک بھی نہ تھی ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا بال درست کئے۔ گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عود میں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔۔ پاشت کے وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی شہوال ہی میں نکاح ہوا اور شہوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔

(۵) رؤفۃ الاحباب محدث شیرازی ص ۲۷۔

عائشہ سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام نے مجھے زفاف کیا

اور نہ کوئی شتر نخر ہوا نہ کوئی بکری ذبح ہوئی میری

عروسی کا دلیمہ صرف ایک کا سر شتر تھا۔ جو سعد بن

عبادہ کے گھر سے آیا تھا اور میری عمر بوقت زفاف

۹ سال تھی۔

آنحضرت عائشہ منقول است حضرت با من

زفاف کرد و پیچ شتر و گو سفندے نکشد و

طعام عروسی ما کا سر شیرے بود کہ از خانہ سعد

بن عبادہ فرستادہ بودند و من در ان روز نہ

سالہ بودم۔

نتائج

مذکورہ حوالہ جات تاریخی نے مندرجہ ذیل ثبوت فراہم کئے۔

(۱) پیغمبر اسلام کا نکاح عائشہ سے اس وقت ہوا جبکہ عائشہ کی عمر ۶ سال کی تھی۔ ظاہر ہے

کہ اتنی کمسن بچی کا کوئی نخواستگار نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ اتنی کمسن بچی میں لسانی و لغز بی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ۶ سال کی عمر میں کسی ملک کی بھی لڑکی بالغ ہو سکتی ہے۔ اور نہ اتنی سی عمر میں علامات بلوغ لڑکی میں پیدا ہو سکتے ہیں، پھر پیغمبر اسلام کا عائشہ کا نخواستگار ہونا اور نکاح کرنا خلاف دستور زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

ممکن صورت یہی ہو سکتی ہے کہ عہد جاہلیت کے مطابق عائشہ کے والدین جبیر بن مطعم کے ناں عائشہ کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب جبیر بن مطعم کی زوجہ نے صاف صاف انکار کر دیا تو پھر ابو بکر نے خود پیغمبر اسلام کی خدمت میں یہ معاملہ رکھا۔ اور نخواستگار ہوئے کہ عائشہ کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیں۔ پیغمبر اسلام کا اس موقع پر کیا فریضہ تھا۔ اگر وہ ابو بکر ضعیف العمر صحابی کی دلکشی کرتے۔ تو خلاف اخلاق پیغمبری تھا۔ اگر جائزہ بات کو رد کرتے تو خلاف احکام شرع تھا۔ اگر صرف انکار کر دیتے۔ تو صرف ایک صحابی کی ہتک ہی نہ ہوتی۔ بلکہ عائشہ کیلئے یہ انکار کر دینا ایک بدنامی و صعبہ تھا۔ اور پھر دیگر رشتے بھی ممکن نہ ہو سکتے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام کا اخلاقی و دینی فریضہ ہی تھا کہ وہ عائشہ کے والدین کی خوشی کو پورا کرے اور یہ فرماویں کہ ابھی جوان ہونے دو۔ میں اس نکاح کو منظور کرتا ہوں رخصت چند سال کے بعد ہوگی۔

چنانچہ تین سال تک عائشہ والدین کے یہاں پرورش پاتی رہیں۔ اور ان کی والدہ ان کو بلند و بالا و قد آور و فرہ ہونے کیلئے اعلیٰ اغذیہ توجہ کمال کھلاتی رہیں۔ تاکہ پیغمبر اسلام پھر کوئی عذر نہ پیش کرے اور پھر یہ نہ فرمادیں کہ ابھی عائشہ کم سن ہے۔ چند سال مزید انتظار رخصت کر دو۔

ابن ماجہ باب القضاء والرطب و تذکرہ صحابیات ص ۶۲۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میری ماں لکڑی اور کھجوریں مجھے کھلایا کرتی تھیں۔ تاکہ میں حلہ ہی سے موٹی

ہو جاؤں۔ اور یہ علاج مفید بھی ہوا۔ میں حلہ ہی سے موٹی تازہ ہی ہو گئی۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ والدین عائشہ کو بہت کچھ اندیشہ تھا کہ ابو بکر کمسنی کے پھر پیغمبر اسلام بات کو نہ ٹال دیں۔ لہذا والدین اپنی لڑکی کو عمدہ اغذیہ کھلاتے تھے۔ علاوہ بریں۔ جب عائشہ کی عمر ۹ سال کی ہو گئی۔ اور پیغمبر اسلام نے پھر بھی تقاضائے رخصت نہیں کیا۔ تو خود ابو بکر نے حاضر خدمت ہو کر معروض کیا۔ اس پر پیغمبر اسلام نے جواب دیا کہ ابھی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ میں عائشہ سے شادی کر سکوں۔ اور وہ پیسہ کر سکوں۔ اس پر ابو بکر نے خود پچاس دھم خدمت پیغمبر میں حاضر کئے۔ اور عرض کیا کہ اس سے سامان عروسی کہ لیا جاوے۔

یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ ابھی پیغمبر اسلام اس رشتہ کو کرنا نہ چاہتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ لکھنا کہ

عائشہ گھر سے باہر بچوں میں کھیل کود رہی تھیں کہ ان کی ماں نے آواز دی۔ اور جب وہ آگئیں۔ تو منہ دھلایا، چوٹی کنگھی کی۔ اور کچھ عورتوں کو جمع کیا۔ اور عائشہ کو دلہن بنا دیا، پیغمبر اسلام کو اطلاع دی گئی۔ تو وہ سہ پہر کے وقت خانہ بوبکر پر تشریف لیگئے۔ اور رسمِ خستی ادا ہوئی۔ یہ حالات و واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے صحابی کے لحاظ و مروت سے اس رشتہ کو قبول کیا تھا۔ اور وہی مصالحِ دنیوی اور دینی اس میں مضمر تھے۔ بلکہ میں ابتداء میں لکھ چکا ہوں۔

علاوہ ہمیں روضتہ لاصحاب ص ۲۰۵ کی یہ عبارت کہ۔

از حضرت عائشہ منقول است کہ حضرت با من زفاف کرد۔ و بیچ شتر دو گوسفندے نکشند و طعام

عروسی ما کا سہ شیرے بود کہ از خانہ سعد بن عبادہ فرستادہ بودند۔

عائشہ سے منقول ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے مجھ سے زفاف کیا تو نہ کوئی اونٹ نہ خر کیا اور نہ کوئی بکری ذبح کی میری عروسی یا ولیمہ کا کھانا صرف ایک کاسہ شیر تھا اور وہ بھی سعد بن عبادہ نے بیچ دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام اس عقد کیلئے ابھی بخوشی تیار نہ تھے۔ ورنہ پیغمبر اسلام نے اپنے ہر نکاح میں اعلیٰ قسم کے انتظامات کے ساتھ ولیمے کئے ہیں۔

ان واقعات و نتیجعات کی روشنی میں انصاف پسند غیر مسلم معترضین عفت پیغمبر اسلام پر نظر ڈالیں تو ان کو حقیقت حال معلوم ہوگی۔ غیر مسلم مورخین خصوصاً بعض ہندو و یورپین مورخین نے پیغمبر اسلام کے اس عقد و نیز تعدد ازواج پیغمبر پر اعتراض کیا ہے۔ در حقیقت یہ ان غیر مسلم مورخین کی جہالت و کم علمی ہے۔ وجہ یہ ہوئی ہے کہ ان کو چند کتب تاریخ اسلام کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور انہوں نے مبالغہ آمیز و غلط روایات کتب اسلامی کو پڑھا۔ انہوں نے سمجھا کہ خود مسلمان مورخین جبکہ پیغمبر اسلام کی ان حرکات کو لکھ رہے ہیں۔ تو ہم کو اعتراض کا بھی کامل حق ہے۔۔

مگر وہ مورخین یہ سمجھ سکے کہ تاریخ پیغمبر اسلام کو جس طرح منافقین اسلام نے مسخ کیا ہے۔ اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی ہے۔ کیونکہ ان غلط احادیث و روایات و تاریخ لکھنے والوں کی پشت پناہی حکومتیں بعد یک دگر کر رہی ہیں۔ اور ہدایاں اسی کوشش میں گزر گئیں۔ اگر قرآن موجود نہ ہوتا۔ اور قرآن میں خدا کا یہ دعویٰ نہ ہوتا کہ: **مَنْ تَرَانَا الذِّكْرَ وَامَالَهَ لِحَافِطُونَ**۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ تو معلوم کب کا دین اسلام فنا ہو گیا ہوتا۔ اور معلوم کب سے پیغمبر اسلام کی ہستی بھلائی جا چکی ہوتی۔ کسی ہستی و ذات مخصوص کی بقا اس کے کارناموں کی بدولت ہوا کرتی ہے۔ اور منافقین اسلام نے پیغمبر اسلام کے کارناموں ہی کو خاک میں ملایا۔ اور ان کارناموں کو مسخ کر کے وہ شکل دیدی جو عیوب انسانیت میں شمار کی جاتی ہے۔

اس حالت میں کیونکہ ممکن تھا کہ ذات پیغمبر اسلام باقی رہ جاتی۔ صرف ذات پیغمبر اسلام کی بقا بوجہ قرآن کے ہونی
قرآن کی حفاظت خود خدا نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اور قرآن محمد پر نازل ہوا تھا۔ لہذا حسب طرح قرآن باقی ہے اور
جب تک قرآن باقی رہے گا اس وقت تک نام محمد و کارنامہ ملے عمد بھی باقی رہیں گے۔

مختصر یہ کہ میں یہ بتا رہا تھا کہ مترجمین غیر مسلمین کی کم علمی کی وجہ سے ذات اقدس پیغمبر اسلام پر اعتراضات
ہوتے۔ اگر یہ مورخین کا حقہ تاریخ اسلام و علم رجال اسلامی سے واقف ہوتے تو ہرگز وہ ایسی فاش غلطی نہ کرتے اور
نہ ان پر الزام کم علمی آتا۔ میں نے باب عفت پیغمبر اسلام میں مقدمہ عائشہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ غیر مسلم
مورخین نے اس مقدمہ کو زیادہ ہدف ملامت و اعتراض بنایا ہے۔ اور کہا ہے کہ اتنی کم سن بچی سے تو کبھی کسی ایک پچاس
سال کے مرد نے شادی نہیں کی ہوگی۔ اور یہ فعل پیغمبر اسلام کا بالکل خلاف عقل تھا و خلاف قانون عفت تھا۔
اس اعتراض کو دور کرنے کیلئے محکمہ ضرورت محسوس ہوئی کہ میں مقدمہ عائشہ کے تاریخی واقعات قلمبند کروں۔ اور ان
پر تنقیحات بھی کروں۔ میری غرض کسی کی منقصد سے نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی عزت اللہ اور اس کے رسول کیلئے
ہے۔ و ابسگان دامن رسول کی عزت اس وقت ممکن ہے جبکہ حقیقی عزت خدا اور رسول باقی رہے۔

میں نے پیغمبر اسلام کے تین عقدوں کا ذکر کیا ہے۔ اول خدیجہ بنت خویلد، دوم مسودہ بنت زہرہ سوم
عائشہ بنت ابوبکر، ناظرین، مسلم یا غیر مسلم دوست یا دشمن بہ نظر غائر و بہ نظر انصاف ان تین عقدوں پر غور
کریں اور کوشش کریں کہ وہ دامن عفت پیغمبر اسلام میں کوئی دھبہ تلاش کریں اور ایسی کوئی بات نکالیں جو
خلاف شان عفت پیغمبر اسلام ہو۔ بخدا وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کے پہلے دو عقد ایسی عورتوں
سے ہوئے جو بجا طاعمر کسی طرح سے بھی قابل توہم نہیں ہو سکتی تھیں۔ جبکہ وہ دونوں عمر رسیدہ بیٹن اور پیغمبر
اسلام بمقابلہ کم عمر تھے۔ تیسری عورت کا حال تاریخی پیش کیا گیا ہے۔ یہ عورت اتنی کم سن تھی کہ جو عورت کہے
جانے کے بھی ابھی قابل نہ تھی۔ بلکہ ایک چھوٹی بچی تھی۔ مگر اس بچی کے والدین کی خوشی کی وجہ سے اور ان کی دلچسپی
نہ کرنے کی وجہ سے پیغمبر اسلام نے اس اخلاقی فریضہ کو ادا کیا۔

مورخین و محدثین اسلام نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام عائشہ کی محبت میں سرشار تھے۔ اور سب سے زیادہ
انہی کو محبوب رکھتے تھے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے تو اسلئے کہ حالت پیغمبر کے خلاف تھا کہ وہ کسی عورت کو
محبوب رکھیں اور کسی سے نفرت کریں۔ یا اسکو کم محبوب رکھیں۔ اگر پیغمبر اسلام ایسا کرتے تو یقیناً خلاف عدل
و عصمت فعل کے مرتکب ہوتے اور ان کے اس فعل سے ظلم سرزد ہوتا۔ اور یہ ظلم خلاف عصمت فعل ہی نبوت
درسالت کو فنا کر دیتا۔ نبی و رسول کسی ظالم نہیں ہو سکتا اور نہ غیر معصوم ہو سکتا ہے۔

مورخین اسلام کی ایسی ہی احادیث و روایات سب موضوع میں جو عدالت و عصمت رسول کے

مخلاف ہیں۔ دوم یہ کہ پیغمبر اسلام اپنی بعض ازواج سے ناراض ہوئے ہیں۔ جس کا ثبوت کتاب صحیح بخاری سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) کتاب صحیح بخاری پارہ نواں کتاب مظالم و قعاص ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ص ۳۳۷۔

دفعہ ۲۲۶۴ - حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ میں برابر اس خواہش میں رہتا تھا کہ حضرت عمر سے نبی صلعم کی ازواج میں سے ان دونوں بیویوں کی بابت پوچھوں جن کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے:-

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبكما۔

(اگر تم دونوں توبہ کرو کیونکہ یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں) مگر موقع نہ ملتا تھا۔ پھر میں ان کے ہمراہ حج کرنے گیا۔ تو ایک دن وہ راستہ سے ہٹ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا ایک طرف لیکر چلا۔ پھر انہوں نے پانمانہ پھر بعد اس کے آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر اس طرف سے پانی ڈالا۔ اور انہوں نے وضو کیا۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ

اے امیر المؤمنین نبی صلعم کی ازواج میں سے وہ دو بیویاں کون ہیں جنکی نسبت اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ - ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبكما۔ انہوں نے کہا کہ اے ابن عباس تم پر تعجب ہے کہ تم کو یہ بات معلوم نہیں وہ عائشہ و حفصہ ہیں۔

(یہ حدیث ضو لانی ہے اور مکمل واقعہ اس میں موجود ہے)

اس صورت سے واضح ہو گیا ہے کہ پیغمبر اسلام ان ازواج سے ناراض ہوئے تھے۔ اور ایک ماہ تک ان سے گفتگو نہ کی بعد کو رضامندی ہو گئی۔ بہر حال یہ امر صاف ہو گیا ہے کہ پیغمبر اسلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خلاف عدالت و عفت فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور عائشہ کو سب زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ بالکل غلط ہے۔ بلکہ آپ کا طرز عمل سب ازواج کے ساتھ سادہ و عادلانہ تھا۔ اور کبھی پیغمبر اسلام سے ایسا فعل سرزد نہ ہوا جو خلاف قوانین عدالت و عفت ہو۔ بلکہ آپ نے تعدد ازواج سے یہ امر واضح کر دیا کہ وہ اپنے نفس پر کس قدر غالب و قادر تھے۔ کہ کبھی کسی حالت میں بھی آپ سے کوئی فعل خلاف عفت سرزد نہیں ہوا۔

عقد حصہ ۲۴ | ناظرین اول اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا مطالعہ کریں بعدہ استنباط نتائج میں آسانی ہوگی۔

تذکرۃ الصحابیات ص ۸ فصل ۴ - ۱ -

(۱) نام حفصہ ہے اور آپ حضرت عمر کی بیٹی ہیں۔ آپ کی ماں زینب بنت مطعون خواہر عثمان بن مظعون

(صحابی) ہیں آپ کے ہم وطن صحابی حضرت عبدالعزیز ابن عمر ہیں۔

(۲) آپ ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے آپ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ یا حصن بن حذافہ سے ہوا۔

رسالہ العبابہ جلد ۵ صفحہ ۵۰۵

خنیس بدری سپاہی اور مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔ انہیں کے ساتھ حضرت حفصہ نے مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی تھی۔ حضرت خنیس بدری کی لڑائی میں زخمی ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر سہی زخم جنت اور شہادت کی دستاویز بن گئے۔ حضرت حفصہ نے ایام عدت پورے کئے تو حضرت عمر کو عقد ثانی کی فکر ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کو نکاح پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر ان کے سکوت پر ناراض ہو کر حضرت عثمان کو دعوت دی۔

ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۵۰۵۔ مگر حضرت عثمان نے بھی انکار کر دیا۔ اس پر آپ کو اور بھی غصہ آیا اور آپ

نے آنحضرت سے حضرت عثمان کی شکایت کی۔ آنحضرت نے اس آپس کی چھوٹ کو خود نکاح فرما کر رفع کر دیا۔ یہ نکاح شعبان ۲ یا ۳ ہجری میں واقع ہوا۔

(۳) سیرت النبی علامہ شبلی بحوالہ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۳۔

حافظ ابن ہجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی..... دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بیٹھے تھے۔ حضرت عمر راہ سے گذرے اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو اس کی عدت گذر گئی۔

۴ سیرت النبی علامہ شبلی۔

حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ حضرت عمر کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔

(۵) سیرت النبی جلد دوم صفحہ ۳۲۷۔

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھیں اسلئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔

(۶) اسوۃ الرسول جلد سوم صفحہ ۵۰۸۔

حضرت حفصہ نے ۵۴ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی۔ مروان الحکم نے

۱۔ نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اہلئے حضرت عمر نے قبر میں اتارا، جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

(۲) حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر کی خاموشی سے رنجیدہ ہو کر حضرت رسالتاب صلعم کی عدت

میں حاضر ہوئے اور ان دونوں حضرات کی بے التفاتی عرض کی آپ نے ان کی استمالت اور مصلحت

وقت کے لحاظ سے حضرت حفصہ کو اپنی زوجیت میں لے لینے کیلئے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ ان کی باہمی
شکایت کے جواب میں جو الفاظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔ وہ یہ تھے۔
کہ اچھا جب کوئی شخص حفصہ سے نکاح کیلئے تیار نہیں ہوتا تو میں سب سے اچھا شخص ان کے
لئے تجویز کرتا ہوں۔ اور وہ میں ہوں۔

حفصہ اس وقت ۳۵ برس کی ہو چکی تھیں۔

(۶) تفریح الاذکیاء عرف احوال الانبیاء مولفہ مولوی ابو الحسن حسن صاحب کا کوردی منشور۔
چوتھی زوہرہ رسول حضرت حفصہ بنت حضرت عمر ابن خطاب قریشی عدویہ ماں ان کی زینب بنت سطلعون
تھیں اولاً خنیس ابن حذافہ سہمی بدری کے نکاح میں تھیں۔ بعد انقضائے عدت
سال سوم یا سال دوم ہجرت میں حضرت صلعم نے نکاح کیا۔ روایت میں ہے کہ حضرت
حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں تیزی و غصہ بہت تھا۔ یہاں تک کہ حضرت صلعم نے پانا کہ طلاق دیدیا
دلہنہ طلاق دی تھی۔ جب عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا تو ان کو بہت رنج ہوا۔

اسی وقت حضرت نے رجوع فرمائی

ناظرین عبارت مذکورہ کو بخور ملاحظہ فرمائیں اور خود انصاف کریں کہ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ۳۵ سالہ
عورت سے کن حالات میں ہوا۔ بدفعات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حفصہ بنت عمر ابن خطاب بیوہ تھیں عمر ۳۵ سال تھی۔ مزاج کی تند و تیز تھیں۔ ان کے باپ کا مزاج
بھی تند اور طبیعت سخت گیر تھی۔ حفصہ کے باپ عمر ابن خطاب نے اپنے معمر احباب سے عرض کیا کہ وہ
حفصہ سے عقد کر لیں۔ مگر نہ عثمان بن عفان ہی رضی اللہ عنہ اور نہ ابو بکر بن قحافہ نے اظہار رضامندی کیا
عمر ابن خطاب کو ان اصحاب پیغمبر کی بے انتہائی ناگواری ہوئی تھی کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے ان دلوں
اصحاب کی شکایت کی اور باہمی منافرت کا سلسلہ اصحاب پیغمبر میں پیدا ہو گیا۔ سہ ماہ کا یہ واقعہ ہے۔
ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام گھر سے بے گھر وطن سے دور عالم مسافرت میں اہل مدینہ کے مہمان۔ کفار و قریش مکہ و
یہودان مدینہ و اطراف مدینہ دشمن، اہل اسلام کی ناداری و افلاس و دشمنوں کے حملوں پر حملے۔ گویا ذات
پیغمبر اسلام بتیس دانتوں میں مثل زبان تھی۔ ان حالات میں اگر ممتاز و معروف اصحاب رسول میں خانہ جنگی چھڑ
جائے تو توجہ کیا ہو گا۔ فطرت اہل عرب یہ تھی کہ معمولی باتوں پر بگڑ جاتے تھے۔ اور معمولی باتیں ہی ان کی پارٹی بندیوں
کا سبب بن جاتی تھیں۔ اور یہ پارٹیاں برسوں جنگوں میں گزار دیتی تھیں یہ تاریخی شواہد ہیں۔ اس موقع پر
عمر ابن خطاب و عثمان بن عفان و ابو بکر بن قحافہ کے مابین رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ اور ایسی بات پر یہ رنجش ہوئی

مٹی میں کا تعلق ناموس سے تھا۔ لہذا بہت ممکن تھا۔ بلکہ یقینی تھا کہ ان کے مابین کشیدگی بڑھ جائے اور ان کے اہل قبیلہ ان کے ہم خیال ہو جائے اور یہ باہمی جنگ جماعت اسلامی میں تفرقہ و انتشار کا سبب بن جاتی۔ ابھی تو اسلام کی ابتداء تھی۔ جتنے بھی مسلمان تھے وہ ابھی راسخ الاعتقاد نہیں ہوئے تھے۔ بہت جلد شیرازہ اسلام بکھر جاتا۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام نے جس حکمت و تدبیر کو پیش کیا وہ بہت ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ عمر ابن خطاب تم کچھ بھی طال دل پر پیدا نہ کرو۔ میں حفصہ کیلئے ایسا شوہر منتخب کئے دیتا ہوں۔ جو سب سے بہتر ہوگا۔ اور وہ میں خود ہوں۔۔۔

چنانچہ عمر ابن خطاب کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور بڑھتی ہوئی دشمنی تبدیل بہ دوستی ہو گئی۔ اور معاملہ یہیں ختم ہو گیا۔۔۔

کتاب احادیث و تواریخ اسلام میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تندر تونی حفصہ کی وجہ سے حفصہ کو طلاق دیدی تھی۔ مگر بعد کو بوجہ عمر ابن خطاب کے اصرار و طال کے پھر یہ توبہ فرمایا۔ اس واقعہ سے احساس امر کا پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام ابتدا سے انتہا تک اس رشتہ سے مسرور نہ تھے۔ جب ایسا تھا تو یہ بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس عقد سے پیغمبر اسلام کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ نہ کہ خیال تھیں و حصول راحت و لذت۔۔۔ اگر حفصہ سے عقد کیا تو صرف تین اصحاب کے اختلاف و خانہ جنگی کو دور کرنے کی خاطر۔ اور اگر بعد طلاق کے رجوع کیا تو اپنے ایک صحابی کی خوشنودی کیلئے۔ اس معاملہ میں کہیں سے کہیں تک بھی قابل اعتراض کوئی بات پائی نہیں جاتی۔ اور نہ یہ صورت تعدد ازواج کے قابل الزام و اعتراض ہو سکتی ہے۔۔۔

آج سے ۱۴ سو سال قبل عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ لڑکیوں کو زندہ درگور دیا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنی اس ناموس کو غیر کی زوجیت میں دینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور کسی کو اپنا کفو نہیں گردانتے تھے۔ اور اپنی لڑکی دیکر اپنی آنکھیں نیچی کر دینی نہیں چاہتے تھے۔ اور اس رشتہ کو اپنے لئے انتہائی سبب ذلت و حقارت سمجھتے تھے۔ اور اگر کسی کو اپنا کفو سمجھ کر یہ رشتہ قبول کر لیتے تھے۔ تو پھر اس کی حمایت میں اپنا جان و مال سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ پیغمبر اسلام کا مقصد اصلی تبلیغ دین اسلام تھا۔ اور توحید ربانی کی اشاعت آپ کا اصلی مدعا تھا۔ اور جس ملک میں آپ اس توحید کی اشاعت چاہتے تھے وہاں کا ہر فرد۔ بلکہ ہر ذرہ بت پرستی پر نثار تھا۔ اس ماحول میں جہاں تبلیغ توحید ربانی ہو تو کیوں کر۔۔۔؟

پیغمبر اسلام نے اپنا سب کچھ اس مقصد کیلئے قربان کر دیا حتیٰ کہ اپنی زوجہ خدیجہ کی لامحدود دولت کو اسی راہ میں صرف کر دیا۔ اپنے وطن کو چھوڑ دیا ہجرت طائف کی۔ اور بے انتہا مصائب برداشت کئے۔ اہل وطن نے تاریکی شب میں قتل کا ارادہ مصمم کر لیا۔ اور آپ وہاں سے پردہ شب میں نکل گئے۔ اور مدینہ کی ہجرت کی۔ مدینہ

میں نہ رہنے کا معقول انتظام تھا نہ آپ کے ساتھیوں کے رہنے و خورد و نوش کا بندوبست تھا۔ ان حالات میں عقد پر عقد کرنا اور وہ بھی حصول لذت کیلئے یہ محال عقلمندی ہے۔ اور خلاف واقعہ ہے۔ البتہ پیغمبر اسلام نے جہاں تبلیغ دین اسلام کیلئے دیگر تدابیر اختیار کیں۔ ان میں سے ایک موثر تدبیر یہ بھی تھی۔ کسان و ان و رؤسا و بااثر افراد عرب کی لڑکیوں کو اپنی زوجیت میں رکھا جائے۔ اگر وہ رؤسا و عرب و ممتاز افراد اپنی بیٹیاں دیدیں گے۔ تو یقیناً ان کی ایذا رسانیاں کم ہو جائیں گی۔ اور ان کی اور ان کے افراد قبائل کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ اور ایسا کرنے سے ان نو مسلم افراد کے دین سے مزید ہونے کا اندیشہ بھی مٹ جائے گا۔ پیغمبر اسلام نے جیسا خیال فرمایا تھا۔ وہی ہو کر رہا۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ قبائل عرب آپ کی حمایت پر آمادہ ہوتے گئے۔ آج بھی اس تمدن و مہذب دنیا میں حکومتیں اپنے ہلاک بناتی ہیں اور دیگر ممالک کے بااقتدار افراد و بادشاہوں وغیرہ سے معاہدے کرتی ہیں اور حکومتوں کے سرگروہ افراد دیگر ممالک کے سرگروہ افراد کے یہاں ایسے رشتہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی طاقت کو بڑھاتے ہیں۔ حالانکہ اس دور سائنس و اسلحہ جدید میں ان تدابیر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایسا ہوتا ہے۔

مگر آج سے ۱۴ سو سال قبل کے حالات میں یہ رشتہ ایک اہم کڑی تھی۔ اور اس سے قبائل و اقوام باہم متحد ہو جاتی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے بھی اپنے مقصد اصلی و اشاعت توحید کی خاطر اس جائز و مناسب صورت کو اختیار کیا۔ اور ایسے رشتے کرنے میں وہ صورت اختیار کی جس سے کوئی شبہ حصول لذت کا پیدا نہ ہو اور نہ مغرور و ممتاز افراد قبائل کو کوئی طلال خاطر پیدا ہو۔ میں نے اس وقت تک پیغمبر اسلام کے چار ازدواج کا ذکر کیا ہے۔۔۔

ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی تو قابل التفات رشتہ نہ تھا۔ ان میں سے تین ازدواج تو عمر رسیدہ تھیں اور بچہ تھیں اور دو دو یا ایک ایک شوہر کر چکیں تھیں۔ اور ایک زوجہ اتنی کم سن تھی کہ جو مرد کیلئے کسی طرح بھی قابل توجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جس کے عقد کے حالات تفصیلی اور وجوہ و اسباب میں درج کر چکا ہوں، ہر صاحب عقل و فہم سمجھ سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے یہ تمام رشتے صرف ان مصالح و وجوہ پر کئے۔ جنکو میں سطور مذکورہ میں لکھ چکا ہوں۔

تذکرہ صحابیات ص ۱۰۸

زینب، عقد پنجم

زینب نام ہے۔ آپ کے بزرگوار خزیمہ بن حارث بن عبد اللہ بن عمر بن

عبد مناف ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح طفیل بن حارث بن عبد المطلب سے ہوا پھر طلاق ہو گئی۔ علیہ السلام نے اس کے بھائی ابو عبیدہ بن حارث نے عقد کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے جنگ بدر میں شہادت پائی تو حضرت عبد اللہ بن

حجش نے نکاح کیا۔ لیکن آپ نے بھی جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ عبداللہ کے بعد رمضان ۳۳ھ میں آنحضرت نے عقد فرمایا۔ چار سو درم مہر مقرر ہوا (جیب السیر و ناسخ التواریخ) لیکن آپ کی عمر بھی کم باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ ربیع الثانی ۳۳ھ میں وفات پائی۔ پیغمبر اسلام نے خود نماز حنازہ پڑھائی۔

ناظرین کتاب خود فیصلہ فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا زینب بنت خزیمہ سے عقد کرنا کیا معنی رکھتا ہے زینب کے تین نکاح یکے بعد دیگرے تین شوہروں سے ہوئے۔ ان میں سے دو شوہر مسلمان تھے۔ اور جنگ بدر جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جب عورت کے تین شوہر ہو چکے ہوں۔ اور دو شوہر یکے بعد دیگرے شہید ہو چکے ہوں اس عورت کے بارہ میں آج سے ۱۴ سو سال کے لوگ کیا کیا بد شکوئی کرتے ہوں گے اور اس کو شوہر کیلئے کس قدر منحوس تصور کرتے ہوں گے۔ جبکہ آج کی دنیا کے لوگ بھی ایسی عورتوں کو منحوس ہی سمجھتے ہیں اور کوئی شخص اپنا عقد ایسی عورت سے کرنا پسند نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں تین شوہر کرنے کے بعد تو عورت میں کوئی دلچسپی اور دلکشی باقی نہیں رہتی۔ جو مرد کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اس کے علاوہ زینب کا ایسی حالت میں کون بے خبر گریہ پرسان حال تھا۔ دو جاں نثاران اسلام کی ناموس ان کے مرنے کے بعد در بدر پھرے فاقہ کرے دو مردوں کی دست نگر ہو یہ کب قابل مدح عمل ہو سکتا ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی بیباکیت میں تو لایسا ہو تو کتنا نامناسب ہے۔

پیغمبر اسلام زینب سے عقد نہ کرتے تو گویا اس کے حقوق کی داد نہ دیتے اور نہ اس کے مجاہد و جانثار شوہروں کا حق ادا کرتے۔ بیشک پیغمبر اسلام کو یہی کہنا چاہیے تھا۔ اسی میں زینب کی عزت بھی رہی اور توقیر بھی۔ اور اسی سے اصحاب پیغمبر کی ناموس کی حفاظت کا فریضہ بھی ادا ہو گیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر پیغمبر اسلام کو اپنے اصحاب کے ناموں کی عزت کرنی تھی تو زینب کا وظیفہ یا تنخواہ مقرر کر دی ہوتی اور وہ بچاری اپنی زندگی گزار لیتی۔

maablib.org

مگر یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کم علم ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام ایک دین کامل کی تبلیغ کر رہے تھے۔ اس میں یہ نقص کیسے چھوڑ دیتے کہ عورت کے جذبات فطری کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اور اس کو بعد بیوہ ہونے کے مثل قیدیوں کے رکھا جائے۔ عورت کا تو یہ حق ہے کہ وہ اپنی فطری و نفسانی و جسمانی کل حقوق حاصل کر سکے اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ زینب کا عقد کسی مرد سے کر دیا جاتا۔ مگر پھر بھی ممکن تھا کہ دوسرے اس کے ساتھ عقد کو پسند نہ کرتے اور اپنے لئے اس کو بارہ زندگی تصور کرتے اور اس صورت میں زینب کے بھی جذبات زندگی کو ٹھیس لگتی۔ لہذا سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ پیغمبر اسلام اس کی ہر ضرورت کے خود ہی کفیل بن جائیں۔

اور اس کو ہر ممکن عزت و آرام بہم پہنچائیں۔

واقعات تاریخی نے ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا زینب بنت خزیمہ سے عقد کرنا عین حکمت تھا اور

مطابق قوانین عفت تھا۔

تذکرہ صحابیات ص ۱۱۳۔

عقد ام سلمہ

ام سلمیٰ کا نام ہند یار ملہ اور کنیت ام سلمہ ہے۔ ان کے والد ابو امیہ سہیل بن

مغیرہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے۔

(۱) ام سلمہ کے پہلے شوہر ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد تھے۔ ان سے ایک بچہ ہجرت حبشہ کے وقت پیدا

ہوا۔ اس کا نام سلمیٰ تھا۔ یہ بچہ ام سلمیٰ سے بچہ کفار مکہ نبی عبدالاسد نے چھین لیا تھا۔ یہ اس وقت کا

واقعہ ہے جب یہ ام سلمیٰ مدینہ کی جانب سفر کر رہی تھیں۔

(۲) تذکرۃ الصحابیات ص ۱۱۳۔

ام سلمہ کو مدینہ آئے ہوئے چند ہی روز گذرے تھے کہ ابو سلمہ کا جذبہ ایمان میدان احد کی گھاٹیوں سے

گذرا جہاد میں شرکت کی اور تیر کا ایک گہرا زخم کھایا۔ گھر واپس ہوئے علاج شروع کیا زخم رو بہ صحت نظر آیا

اس کے بعد ابو سلمہ ایک سر پہ پہ جنگ کیلئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے انیس روز کے بعد واپس ہوئے۔ مگر زخم

کا انکو پھٹ چکا تھا۔ محبت دالی بیوی نے فرش بیماری پر خدمت شروع کی۔ آنحضرت صلعم بہ نفس نفیس عیادت

کو تشریف لائے۔ مگر دوانے کچھ فائدہ نہ کیا۔ اور ۸ جمادی الاول کو وفات پائی۔ ابو سلمہ کی آنکھیں

کسی رہ گئی تھیں۔ آنحضرت نے خود بند کیں اور دعا فرمائی۔

”خداوند ابو سلمہ کو بخش دے اور ان کے مرتبہ کو ہدایت یافتہ صحاب میں بلند فرما اور ان کے پسماندگان

کی نگرانی و حفاظت کر اور ہماری اور اس کی بخشش فرما اے دونوں عالموں کے خدا۔ خداوند ابو سلمہ کی قبر

کو کسادہ کر اور ان کے لئے ان کی قبر کو روشن کر۔“

ابو سلمہ نے دو ہجرتیں کیں خدا نے دو جہادوں کا ثواب بھی عطا فرمایا۔ آنحضرت نے نماز جنازہ میں نو تکبیریں

فرمائیں۔ خوش عقیدہ گروہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ ہزار تکبیروں

کے قابل تھے۔۔۔

وفات کے بعد آنحضرت تعزیت کیلئے تشریف لائے۔ تو گھر کا درہ عالم دیکھا کہ جو ایک چاہنے والی بی بی

کی موجودگی میں شوہر کی وفات کے بعد ہو سکتا ہے۔ ام سلمہ بین کر رہی تھیں۔ تائے عزت تائے عزت کی

موت۔ آنحضرت ایک چٹائی پر ماتھے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ،

آپ اتنی دیر تک ابوسلمہ کے مراتبِ بخت اور جو کچھ ان کو اس دنیا میں عطا کیا گیا ہے۔ اس سب کا ذکر کرتے رہے کہ دست مبارک میں پٹائی کے نشان پڑ گئے۔

ص ۱۱۵۔ ام سلمہ کی چار اولادیں تھیں۔ (۱) سلمہ (۲) عمر (۳) درہ (۴) زینب

ان کا پہلا نام برہ تھا۔ حضرت ام سلمیٰ کا زمانہ عدت ۲۰ شوال ۶؎ کو تمام ہوا اور پیام و سلام ہونے لگے حضرت ابوبکر و عمر نے بھی پیام دیئے۔ مگر ام سلمہ نے صاف انکار کر دیا۔ آنحضرت نے بھی تین مرتبہ پیام دیا مگر آپ نے عذر فرمائے.....

پہلا عذر تھا کہ میرا سن زیادہ ہو چکا ہے۔ دوسرا عذر یہ تھا کہ میری اولاد ہے اور کمسن ہے اور تیسرا عذر تھا کہ میں سخت غیور عورت ہوں

ام سلمہ کا نکاح پیغمبر اسلام سے شوال ۴ ہجری کی آخری تاریخوں میں واقع ہوا.....

آپ کی وفات کے بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ آپ ۶۱؎ کے آخر تک زندہ تھیں۔ آپ نے یثرب کے آخری عہد ۶۱؎

چوڑی سال کی عمر میں وفات پائی۔۔۔

مذکورہ تاریخی واقعات کتب حبیب السیر جلد ۶۔ مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۹۱ طبقات

جلد ۸ ص ۶۱ سے نقل ہوئے۔

(۳) تفریح الاذکیا مولانا مولوی ابوالحسن حسن کا کوروی ص ۳۵۔

اول ابوسلمہ عبداللہ بن عبد اللہ بن عبد المطلب کے نکاح میں تھیں۔ ان سے عمر، سلمہ، زینب اور

درہ پیدا ہوئے۔ جب ابوسلمہ غزوہ احد میں مجروح ہو کر بتازگی جماعت کسی سر یہ میں فوت ہوئے۔ تو ابوبکر

نے پیغام نکاح کیا۔ ام سلمہ نے انکار کیا۔ پھر حاطب ابن بلتعہ نے حضرت کا پیغام کہا۔ اور تیسرا اوصول میں

کہ عمر ابن خطاب حضرت کا پیغام لائے۔ ام سلمہ نے کہا۔ مرتباً رسول اللہ۔ لیکن میں عورت بوڑھی ہوں۔ اور

لڑکے یتیم رکھتی ہوں۔ اور میرے مزاج میں غیرت بھی ہے۔

نتیجہ - مذکورہ توالہ حیات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے ام سلمہ سے عقد کن حالات میں کیا۔ خود

ام سلمہ کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوڑھی عورت تھیں، چار بچوں کی ماں تھیں۔ وہ اپنے کو خود اس قابل

نہیں سمجھتی تھیں۔ کہ ان سے کوئی مرد نکاح و شادی کرے۔ علاوہ بریں وہ بیوہ تھیں۔ ان حالات کی موجودگی

میں یہ خیال کرنا کہ پیغمبر اسلام نے یہ عقد صرف حظ نفس کیلئے کیا تھا۔ بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا

ہے کہ کوئی ایسی ہی اہم غرض تھی کہ پیغمبر اسلام کو پانچ عورتوں کے ہوتے ہوئے اس چھٹی عورت سے نکاح کرنا

پڑا۔ حالانکہ اس عورت میں کوئی وجہ رغبت نہ تھی۔ مگر ماں ایک بیوہ کی سرپرستی، چار یتیم بچوں کی پرورش

اور ایک مومنہ اور ایک مومن و مجاہد کی بیوہ کی عزت و توقیر کا انتظام کرنا تھا۔ اسی پر غرض دوسرے شواہد

پورے ہونے ممکن نہ تھے۔ بلکہ یہ چاروں یتیم پریشان حال و برباد ہو جاتے۔ ان کی ماں افساس کا شکار ہو جاتی اور ہدف ذلت و خواری بن جاتی۔ پیغمبر اسلام نے ام سلمہ سے عقد کر کے اس کی عزت و توقیر کو باقی رکھ لیا۔ اس کے چار یتیموں کی پرورش کر لی۔ اور ان کے قلوب کو نور ایمان سے بھر دیا۔ اور آئندہ آنے والی نسلیں کیلئے ام سلمہ جیسی زوہبہ کو نمونہ عفت و ایمان بنا دیا۔ اور اپنی مخصوص دھیایا و فصاحت کارا دی بنا دیا۔

ام سلمہ کا ایک ہی بچہ سلمہ مجاہد، دنیدار، مومن کامل تھا۔ اسی سلمہ نے حسن بصری کو بچپن میں خرید کیا اور ایسی تعلیم دلوائی کہ جس نے حسن بصری کو لگانہ روزگار بنا دیا (اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱) آج ۱۴ سو سال کے بعد عہد پیغمبر اسلام کا اندازہ کرنا۔ اور اس پر حکم لگانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے کامل فہم اور بے انتہا علم درکار ہے۔ پیغمبر اسلام اس عہد میں دین اسلام کی اساس و بنیاد کو مضبوط فرما رہے تھے۔ اور ریگستان عرب سے ایسے جواہر ریزوں کو چن رہے تھے۔ جو عمارت اسلام کو قیامت تک کیلئے منور کر دیں۔ اور جگمگاتے رہیں۔ چنانچہ واقعات تاریخ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی ان منتخب سستیوں نے اساس عمارت اسلام کیلئے خشت اول کا کام کیا ہے۔ انہی میں سے ام سلمہ، سپر ام سلمہ منتخب سستیاں تھیں۔

بہر حال عبارات تاریخی نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ششم بھی حفظ نفس کے حاصل کرنے کیلئے نہ تھا۔ بلکہ اس کی مصلحتوں کی گہرائیوں میں بھی استحکام اسلام کے راز مضمر تھے۔

پہلے واقعات تاریخی ملاحظہ کیجئے اور بعد کو استنباط نتائج کیجئے۔

عقد زینب بنت جحش

(۱) اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱۲ :-

یہ وہی محترمہ زینب بنت جحش تھیں جو زید بن عارضہ کے عقد نکاح میں تھیں اور زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت کے شرف زوجیت پر ممتاز ہوئیں۔ حضرت زینب نے

۵۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۲) تذکرہ صحابیات فصل، ص ۱۳ :-

حضرت زینب بنت جحش کی کنیت ام الحکم ہے۔ آپ کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم عم رسول خدا ہیں آپ آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح زید بن عارضہ غلام رسول خدا سے ہوا۔ جس میں دو عظیم مصالحت تھے۔ پہلی مصالحت تو یہ ہے کہ آنحضرت نے تعلیم مذہب کے لئے آپ کو زید کے سپرد کر دیا تھا۔ اور دوسرے آپ اپنے ہی گھر سے مساوات اسلام کی تعمیر شروع کرنا پڑی تھی۔ جس پر اسلام کو تمام اقوام و ملل کے مقابل میں مخردمانہ کرنا تھا۔ ..

(ب) حضرت زید خدیجہ کے غلام تھے۔ جو بعد کو آنحضرت کی خدمت میں رہے۔ پھر آپ نے ان کو آزاد فرما دیا۔ اور متبنی کر لیا۔ یہاں تک کہ جاہل عرب زید بن عارضہ کی جگہ زید بن محمد لپکارنے لگے۔۔۔۔۔ رسول خدا نے زید کی طرف سے خود ہی حضرت زینب کو پیغام نکاح دیا۔ حضرت زینب کو یہ پیغام اپنے خاندانی اعزاز کے مناسب حال نہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ (ابن ہشام)

یا رسول اللہ لا ارضا لک لنفسی و اما یم قریش قال فانی قدر رضیہ۔

”یا رسول اللہ میں اپنے نفس کیلئے زید سے راضی نہیں ہوں۔ کیونکہ میں قریش کی ذی عزت عورت ہوں۔“ آنحضرت نے فرمایا کہ مگر میں راضی ہوں۔ اس پر حضرت زینب نے مزید عذر و فکر کیلئے وقت مانگا۔۔۔۔۔ پھر آپ نے اپنا معاملہ آنحضرت کے سپرد فرما دیا۔ اور یہ نکاح ہو گیا۔ عرب کی معدنِ نقر زمین پر یہ واقعہ بالکل نیا تھا۔ کہ بنی ہاشم کی لڑکی ایک غلام کے نکاح میں دیدی جائے۔ ج۔ عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ لے پالک لڑکا لڑکی میراث میں حصہ دار ہوتے تھے۔

> - زید کے نزدیک زینب بد زبان تھیں۔ زید نے کئی مرتبہ رسول خدا سے شکایات کیں۔ آنحضرت نے ہر مرتبہ ان کو یہ کہہ کر واپس فرما دیا :-

امسک علیک زوجک و اتق اللہ۔

اے زید اپنی عورت کو اپنے پاس رکھ اور خدا سے ڈر۔

مگر زید کی شکایات اس حد تک پہنچ گئیں کہ وہ زینب کی ہمراہی پر راضی نہ ہو سکے۔ اور آخر طلاق کی نوبت آگئی۔ اور ایک سال کے بعد طلاق ہو گئی۔

حضرت زینب کی کفالت و پرورش ابتدا سے پیغمبر اسلام نے کی تھی۔ اور جب زید نے طلاق دی تو اس وقت زینب کی عمر ۳ سال کی تھی۔ غزوہ نبی مصطلق و نکاح ام سلمہ کے بعد یہ نکاح ماہ زینقہ ۵ھ میں واقع ہوا۔ نکاح کے بعد اچھی خاصی دھوم دھام سے ولیمہ کیا گیا۔ اہل ولیمہ گروہ گروہ کر کے آتے تھے۔ اور کھا کر دوسروں کیلئے جگہ خالی کر دیتے تھے۔

ص ۱۴۹ :-

آپ نے پچاس برس کی عمر میں بعد حضرت عمرؓ میں انتقال فرمایا۔ ازواج آنحضرت میں سے سب سے پہلے انتقال انہی معظّمہ کا ہوا۔

(۳) حیات القلوب مصنفہ ملا محمد باقر عظیمی جلد دوم ص ۱۰۵ :-

شیخ طبری روایت کردہ است کہ چون زینب شیخ طبری کی روایت ہے کہ زینب دختر جش بن کی

ماں کا نام امیر تھا اور عبدالمطلب کی بیٹی تھیں
ان کو جب پیغمبر اسلام نے زید بن حارثہ کا
پیغام نکاح دیا۔ تو زینب نے بہت منع کیا
اور کہا۔ میں تمہارے خاندان سے ہوں اور
تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہوں میں ہرگز راضی نہ
ہوں گی کہ ایک غلام زید کی زوجہ بنوں زینب کے
نبی عبد اللہ بن محمد نے بھی کہا۔ پس آیت نازل
دعاکان لمومن ولا مومنۃ الخ نازل ہوئی
پس زینب راضی ہو گئیں اور اپنا دلی پیغمبر اسلام
کو بنا دیا۔ پس پیغمبر اسلام نے زینب کا عقد زید
(غلام) سے کر دیا۔ اور دس دینار سونا اور
ساتھ درم چاندی زینب کو بطور مہر بھیجا ایک

دختر حش مادرش امیمہ دختر عبدالمطلب
بود و حضرت اورا برائے زید خواستگاری
کرد و اکتناع بسیار کرد و گفت من دختر عم تو ام
و برگز راضی نمی شوم کہ زن زید شوم و برادرش
عبد اللہ بن حش نیز چنین گفت پس آید :
وماکان لمومن ولا مومنۃ - نازل شد
پس زینب گفت راضی شدم و امر خود را بجز
گذاشتم۔ و حضرت اورا بزید نکاح کرد و وہ
دینار طلا شصت درہم نقرہ برائے او فرستاد
و مقنعه و چادر سے فرستادہ و پیرائے و انار
و پنجاہ مد طعام و سی صاع خرما برائے ایشان
فرستاد۔

مقنعه و چادر پیراں و جامہ اور پچاس مد کھانا اور تیس صاع خرما ان کیلئے بھیجے۔

(۳۴) تفریح الاذکیا مولفہ محمد محسن حسن کا کوردی جلد ۲ صفحہ ۳۵۔

اول نکاح (زینب کا) زید بن حارثہ سے ہوا اور جب زید نے طلاق دی تو حضرت صلعم نے نکاح کیا
اور روایت ہے کہ حضرت صلعم نے زینب کے ساتھ زید کا نکاح کرنا چاہا تو خود زینب اور عبد اللہ برادر
زینب نے بسبب شرافت نسبہ اپنی اور نازک مزاجی اور حسبیہ ہونے کے انکار کیا تو حضرت صلعم نے فرمایا
وماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرہ من امرہم ومن یعص
اللہ ورسولہ فقد ضللا مبینا۔

یعنی جب خدا و رسول کسی کام کا لوگوں کو حکم دے تو پھر ان لوگوں کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کام میں
اپنا اختیار صرف کریں۔ اور جو خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔

یہ سنکر زینب و عمید اللہ راضی ہوئے کہ حضرت صلعم نے نکاح کر دیا۔ اور محالم میں ہے کہ حضرت نے دس
دینار اور ساٹھ درم اور ایک اڑھنی اور ایک کمرہ اور ایک لنگ اور ایک چادر کلاں اور پچاس مد گہیوں اور تیس
صاع خرما خشک زینب کے پاس بھجوائے، بالحد زینب زید کے گھر میں رہنے لگیں۔ مگر زید ان کی نظر میں
پیغمبر و کم مرتبہ لگتے۔ اس سبب باہم لڑائی ہوا کرتی اور موافقت مزاجی نہ ہوتی۔ اور زید ہمیشہ حضرت صلعم

سے شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں۔ مگر حضرت صلح منع کرتے اور کہتے کہ میری خاطر سے اس نے تجھ کو قبول کیا ہے۔ اب چھوڑ دینا دوسری ذلت ہے۔ لیکن جب مکر یہ معاملہ گزرا اور بار بار قضیہ ہوا تو حضرت صلح کے دل میں آیا کہ اگر زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے نہیں کہ میں نکاح کروں.....

آخر کار ایک دن زید نے آکر کہا یا حضرت تنگ ہو کر میں نے زینب کو طلاق دی۔ آنحضرت خاموش رہے جب عدت کے ایام گزر گئے تو زید ہی کو بھیجا کہ تم جا کر میرے ساتھ نکاح کا پیغام دو..... منافقوں نے طعنے دیے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی عورت کو گھر میں ڈالا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی :-

ماکان محمد ابنا احد من رجالکم ولا کن رسول اللہ و خاتم النبیین -

تمہارے مردوں میں سے محمد کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

..... اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں یہ آیت نازل فرمائی :-

فلما قضی زین منہا و طراز و جنکھا۔

یعنی پھر جب تمام کر چکا زید اس عورت سے اپنی غرض کو تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دیدیا۔

یعنی جب زید نے اس کو چھوڑ دیا تب ہم نے تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔

(۵) تفریح الاذکیا مولانا محمد محسن حسن کاکوروی :-

حالات زید - ناظرین پر یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ سبب حقیقی لگنے زید کا نظر زینب میں اور اہل کربلا کے نامہ عبد اللہ کا تزوج سے یہ تھا کہ زید بن حارثہ کو ان کی والدہ مسماة سعدہ بنت ثعلبہ کہ قبیلہ بنی معن بن طے میں سے تھی۔ ساتھ لیکر واسطے ملاقات اپنی قوم کی نکلی اور بنی معن نے ایک قوم کو جاہلیت میں لوٹ لیا تھا۔ تو ان کا گذر بنی معن پر ہوا۔ تو ان لوگوں نے زید کو اٹھالیا تھا۔ یہ ان دنوں آٹھ برس کے تھے۔ سو ان کو بازار عکاظ میں لاکر بیچا اور حکیم بن حزام بن ثویلیہ نے اپنی پھوپھی خدیجہ کیلئے چار سو درہم کو مول لیا۔ جب حضرت صلح نے خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے آنحضرت کو سہہ کر دیا۔ بعد اس کے ان کی خبر ان کے اہل کو پہنچی سو حارثہ اور کعب دونوں بھائی لینے کو آئے اور کچھ روپیہ دینے لگے۔ حضرت نے زید کو اختیار دیدیا کہ چاہو یہاں رہو میرے پاس یا اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جاؤ۔ زید نے آنحضرت کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ سو حضرت نے زید کے بارہ میں فرمایا :-

اے حاضرین گواہ رہو زید میرا بیٹا ہے..... سو مشہور ہوئے زید ابن محمد یہاں تک کہ وقت ظہور اسلام آیا اور آیہ کہ یمہ ادعوہم لا بالہم الخ یعنی پکارو ان کو ساتھ نام ان کے بالوں کے

کہ یہ افضل ہے۔

تب کہنے لگے لوگ ان کو زید بن عارثہ اور آنحضرت صلی علیہ وسلم زید سے دس یا بیس برس بڑے تھے۔ اور ایک قول کے موافق اول مردوں سے زید ہی اسلام لائے ہیں.....
انہوں نے یہ کہہ کر قرآن میں خدا نے کسی صحابی کا نام نہیں لیا مگر زید کا۔ کما قال فلما قضی زید منها وطرا زوجناکھا۔

استنباط نتائج - (۱) زید بن عارثہ خدیجہ کے غلام تھے۔ خدیجہ نے زید پیغمبر اسلام کو مہر کر دیا تھا۔.....

نظریہ اول

- (۲) زینب بنت جحش خاندان رسول سے تھیں اور عرب کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔
- (۳) زینب کی کفالت پیغمبر اسلام کے ذمہ تھی۔
- (۴) زینب زید سے نکاح کرنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے اصرار کیا اور آیات قرآن نے نافرمانی خدا اور رسول سے ڈرایا تو زینب زید کے ساتھ عقد پر راضی ہوئیں۔
- (۵) خاندانی شرافت کی وجہ سے زینب کا زید سے دل نہ ملا اور نہ سنبھلے رہے۔
- (۶) زید نے بار بار پیغمبر اسلام سے شکایت کی اور چاہا کہ زینب کو طلاق دیدے۔ مگر پیغمبر اسلام نے روک دیا۔...

(۷) جب زید نے طلاق دے ہی دی تو پیغمبر اسلام نے زینب سے عقد کر لیا۔

نظریہ دوم

- (۱) زید بن عارثہ کو پیغمبر اسلام نے بتنی کیا تھا۔ اور عوام زید کو زید بن محمد کہتے تھے۔
- (۲) قرآن کی آیت نے حکم نذا منع کر دیا کہ بتنی کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔
- (۳) حکم قرآن ہے کہ:-

ان اکرمکم عند اللہ التقیم۔

خدا کے نزدیک ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہو۔

نسب حسب کا اور جہ تقویٰ سے پست تر ہے

- (۴) زید بلحاظ مرتبہ کے اصحاب پر فضیلت رکھتے تھے۔ کیونکہ قرآن میں کسی صحابی کا نام نہ فضیلت کے بیان نہیں ہوا۔ مگر زید کا۔ اور بقول بعض زید اول مسلم تھے۔

ناظرین مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کی ذات پر جو ناپاک اعتراضات

یہ سلسلہ نکاح زینب بنت جحش کئے گئے ہیں آیا وہ کسی حد تک بھی قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ اگر ان تمام امور پر تنقیح و ان کا تجزیہ کیا جائے تو میری یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ مگر مختصراً متاعرض کر دینا ہے۔ کہ ہوس رانی نفس پرستی اور حسن پرستی کی صورت میں یہ چیزیں پیش نہیں آیا کرتیں۔ آپ عوز فرمائیے کہ پیغمبر اسلام نے خود زینب کی کفالت کی اور زینب بچہ ۳ سال تک نگرانی پیغمبر اسلام میں رہیں۔ گویا زینب کا تمام عہد شباب ختم ہو گیا۔ اس وقت تک پیغمبر اسلام نے زینب کو اپنے عقد میں کیوں نہیں لیا۔؟ کون مانع تھا اور کیا ہرج تھا۔ اور کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔؟

مگر جب زینب کے ۳ سال زندگی کے گزر گئے۔ اور ان کا شباب ادھیڑ عمر تک پہنچ گیا۔ تو آپ نے زینب کا عقد زید غلام سے کرنا چاہا۔ زینب کو خاندان بنی ہاشم و خاندان نبوت میں ہونے کا شرف اور دوسری جانب ایک غیر قوم کا غلام ہے، مگر جتنا اصرار و انکار زینب کا بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی پیغمبر اسلام زید کے ساتھ عقد کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کی آیت اتری اور زینب نے اپنے نفس کو پیغمبر اسلام کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنا ولی نکاح بنا دیا۔ اب تو پیغمبر اسلام زینب کو اپنے عقد میں لاسکتے ہیں۔ کیونکہ زینب اپنا اختیار نفس بھی پیغمبر اسلام کو دے چکی ہیں۔ مگر پھر پیغمبر اسلام اپنے لئے زینب کو پسند نہیں کرتے۔ اور زینب کا نکاح زید سے کر دیتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں تو نسلی امتیازات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور عہد پیغمبر اسلام میں تو یہ اعتراض اہم ترین جزو زندگی تھا۔ اور وہ بھی اہل عرب کیلئے جو اپنے حیوانات کا بھی نسلی شجرہ آج تک رکھنے کے عادی ہیں۔

پیغمبر اسلام مدبر عالم حکیم روحانی، صاحب کتاب و شریعت، مقنن قوانین تہذیب و تمدن و معاشرہ۔ تھے۔ لہذا جہاں آپ نے لاتعداد اصلاحات معاشرہ کی ہیں۔ ان میں سے یہ اصلاح بھی انتہائی ضروری تھی۔ کہ مسلمانوں کو مسلمان حقیر نہ سمجھے، اسلام قبول کرنے کے بعد بس اسلامی بھائی چارہ کا رشتہ ہی ایک رشتہ باقی رہ جائے۔ اور باقی تمام امتیازات نسلی، قومی، قبائلی، فناء ہو جائیں۔ چونکہ اساس اسلام کے مضبوط کرنے کیلئے یہ مسئلہ بہت ہی اہم تھا۔ لہذا آپ نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا۔ اور اسکے لئے بہت مسائل پیدا کئے۔ اور یہ چاہا کہ آپ اس مسئلہ کے طے کرنے میں کسی صورت سے بھی مجبور نہ ہونے پائیں کہ کار ضروری نا تمام رہ جائے۔ لہذا آپ نے اپنی تریبی رشتہ دار عورت کو اپنی کفالت میں رکھا۔ اس کا عہد جوانی گزرنا دیا۔ شادی نہ کی، جبکہ عرب میں ۹ سال کی بچی کی شادی ہو جاتی تھی۔ ادھر زید کے ایمان و درجات روحانی کو بڑھانے کا موقعہ دیا۔ اب ایک جانب خاندانی مشرافت کی سراج کمال موجود تھی اور دوسری جانب معرفت، عبادت، اطاعت و تقویٰ کا مجسمہ کامل بصورت زید موجود تھا۔ اب اگر پیغمبر اسلام کو تبلیغ احکام و فضائل

خدا کہ نبی تھی تو اس سے بہتر موقعہ نہیں ملتا۔ لہذا آپ نے باصرار و بتائید حکم ربانی زینب کا نکاح زید سے
 کر دیا۔ گویا اگر تم عند اللہ التقاکم کی تعمیل کامل ہو گئی۔ اور معاشرہ انسانی کی تباہ کن زنجیر کو توڑ دیا
 گیا۔ اب ہر قوم ہر قبیلہ کا ہر رنگ و نسل میں نکاح و بیاہ ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ دو مسلمان ہوں۔
 اسی کا رنامہ پیغمبر اسلام نے اسلام کو ایسا مذہب بنا دیا کہ ارتقائے عہد بہ عہد انسانوں کو اس قانون اسلام
 کی پیروی کرنے میں ہی نجات دین و دنیا نظر آتی ہے۔ اور یہی چیز اسلام کو روز بروز عالمگیر مذہب بنا رہی ہے۔

نظریہ سوم

عہد اسلام سے قبل و نیز متمدن دنیا میں بھی قاعدہ ہے کہ کسی دوسرے کے بیٹے یا بیٹی کو اپنا بیٹا یا
 بیٹی بنا لیا جاتا ہے اور حقوق والدین و حقوق وراثت سب کا اس کو حقدار سمجھ لیا جاتا ہے۔ گویا خدا نے حقوق
 وراثت اولاد صلیبی کیلئے مقرر کئے تھے۔ و نیز قوانین مذاہب عالم و نیز قوانین دنیا کے تہذیب بھی حقوق و
 حدود وراثت کو خاندانی طریقہ پر مقرر و معین کرتے ہیں۔ اور اسی لئے حقوق زوجہ و شوہر و اقرباء وغیرہ
 معین کئے گئے ہیں۔ ان قوانین کو غلط ملط کرنے اور اس نظام صاف کو درہم برہم کرنے والی چیز یہ ہے کہ مرد
 نے کسی کو بیٹا اور کسی کو منہ بولی بیٹی بنا لیا۔ زوجہ نے اپنے خاندان کے کسی بچہ یا کسی بچی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنا لیا۔
 پس یہ سلسلہ بڑھا اور جتنا بڑھتا گیا۔ حدود و حقوق اقرباء، اولاد، والدین، ازواج، وغیرہ وغیرہ
 میں خلل پڑتا گیا۔ اور قوانین وراثت گویا سب بیکار و معطل ہو گئے۔

پیغمبر اسلام ایک کامل دستور العمل انسانی پیش کر رہے تھے۔ لہذا آپ نے پہلے زید کو مجمع عام میں بیٹا
 بنایا اور بہت دنوں تک اسی بات پر اصرار ہی رہے کہ عوام زید کو زید بن محمد کہتے رہیں۔ جب زید کی اہلیت محمدیہ
 مشہور عام ہو گئی تو آپ نے حکم دیدیا کہ ہر شخص کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔ اور اب زید کو
 لوگ زید بن حارثہ کہنے لگے۔ گویا پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ سے اور اس حکم سے متنبی کے تمام حقوق وراثت
 کو ختم کر دیا۔ لیکن ابھی ایک چیز باقی رہ جاتی تھی۔ وہ یہ کہ متنبی کی زوجہ سے شادی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔
 اس کیلئے بھی پیغمبر اسلام قوانین معاشرہ مکمل طور پر پیش کر چکے تھے اور یہ بتایا جا چکا تھا کہ عورت کیلئے کون
 کون سے مرد ناجائز رشتہ نکاح ہیں۔ اور مرد کیلئے کون کون رشتہ کی عورتیں حرام و ناجائز ہیں اور ان کے
 ذمہ شوہر و زن کے کیا حقوق معین ہیں۔ لہذا ان اصول و قوانین کے باقی رکھنے کیلئے اور ان سے گروہ و کدورت
 دور رکھنے کیلئے ان کے حقیقی صورت کو واضح کرنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ پیغمبر اسلام اس راہ میں جو سنگ گراں
 آئے اس کو ہٹا دیں۔

متنبی کے ساتھ عقد نہ کر سکتا بھی اس راہ میں ایک سنگ گراں کی حیثیت رکھتا تھا۔ لہذا آپ نے زید کے

زینب کو طلاق دینے کے بعد زینب کے پاس زید ہی کو اپنا پیغام عقد دیکر بھیجا۔ گویا آپ نے ایک ہی تیر سے دو شکار کئے۔ متنی کے وراثت کے حقوق کو بھی ختم کر دیا۔ اور متنی کی عورت کو بیٹے کی زوجہ سمجھ کر حرام کر لینے کو بھی ختم کر دیا۔ عوام و جاہل عرب مراسم عرب و جاہلیت کے مطابق پیغمبر اسلام کی ذات پر اعتراض کرنے لگے اور آج بھی ایسے کوربین کوتاہ نظر و کم علم لوگ موجود ہیں جو پیغمبر اسلام کے ان افعال پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کو لذت نفس کا مترادف سمجھتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ان حکیمانہ و عاقلانہ و فلسفیانہ امور کی تہ تک ان عوام کے دماغ نہیں پہنچتے۔۔۔

در حقیقت پیغمبر اسلام نے زینب بنت جحش سے زید کا نکاح کر کے زید کے زینب کو طلاق دینے کے بعد اپنا نکاح زینب سے کر کے قوانین تمدن و معاشرہ انسانی کو کامل کر دیا۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ خفایاں امور تھے۔ مگر کچھ باتیں عمل و فعل کے لوازم بھی ہوا کرتی ہیں۔ پیغمبر اسلام قوانین علم الاخلاق کے مطابق **هل جزاء الا حسان الا احسان**۔ احسان دینکی کا بدلہ بجز احسان دینکی کے کچھ اور نہیں ہے۔۔۔

زید اور زینب دونوں کو ان کا معاوضہ عمل ادا کر دیا۔ سطور بالا میں تاریخی حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ زید بن حارثہ کے اقربا پیغمبر اسلام کی خدمت میں آئے اور زید کو غلامی سے آزاد کرانے کیلئے کچھ روپیہ بھی ادا کرنا چاہتے تھے اور پیغمبر اسلام نے زید کو جانے کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ مگر زید نے رفاقت پیغمبر اسلام کو ترک نہ کیا۔ اور اپنے اقربا اور اعمام کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ پیغمبر اسلام نے زید کو پہلا صلہ و معاوضہ یہ دیا کہ غلام کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اس طرح یہ تاجِ فضیلت زید کے سر پر رکھ کر دافعِ غلامی سچڑا دیا۔

دوسرے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کو جو اعلیٰ ترین خاندان بنی ہاشم سے تھیں زید کی زوجیت میں دیدیا۔ اور تیسرے تو ذی زینب کا مہر بھی ادا کیا اور اس طرح اس غلامِ خدیجہ کی عزت بڑھائی کہ جو اعزاز و احترام کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور پھر اپنے وقت آخر میں پیغمبر اسلام نے زید کے بیٹے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں تمام اکابر صحابہ و لشکر اسلام کو دیدیا۔ اور اسامہ بن زید کو ان سب کا حاکم و سردار بنا دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو اسامہ بن زید کی سرداری سے انکار کرے اور لشکر اسلام کے ہمراہ نہ جائے اس پر خدا کی لعنت ہو گویا شرف و اعزاز زید و اولاد زید کو بلند ترین منازل تک پہنچا دیا۔ (ملاحظہ ہو ثبوت تاریخی)

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم و قانع سال یازدہم

روز چہار شنبہ ثامن عشرین صفر آنسور را

روز چہار شنبہ ۲۸ صفر کو پیغمبر اسلام کو بہت

تپ و درد سر عظیم رونے نمودہ در روز پنج شنبہ

زیادہ بخار و درد سر تھا۔ اس کے باوجود کہ

بمیں ماہ باوجود انحراف مزاج مبارک
 لوٹے بدست فرخندہ جتہ اسامہ بستہ باد
 گفت اعظم بسم اللہ فی سبیل اللہ قتال
 من کفر باللہ و اسامہ لوارا گرفتہ و بیرون
 رفتہ و از
 موقف نبوت فرمان واجب الازعان صادر
 گشت کہ صدیق و فاروق و ذی النورین
 و غیر ہم از اعیان مہاجر و اشراف انصار
 در آن سفر با اسامہ مرافقت نمایند۔

بر خاطر بعضی از یاران گرام آمدہ زبان طعن
 دراز کردہ گفتند رسول اللہ ای غلام را بہ
 مہاجرین اولین و جماعتی ای چنین حکم گردانید
 سخن طاعنان بسمع حبیب ملک منان رسیدہ
 عظیم خشمناک شدہ ، عصابہ بہر مبارک
 بستہ باوجود صداع و تپ از منزل مقدس
 بیرون آمدہ بہ منبر رفتہ ۔ بعد از شکر و سپاس
 فرمود کہ اے معشر الناس ای چہ سخن است
 کہ در باب امارت اسامہ از شما بمن رسیدہ
 اگر امروز طعن در امارت دے می کنید البتہ
 طعن در امارت پدر دے یعنی در سر یہ موتہ
 طعن کردہ اید بخدا سوگند کہ زید شاکستہ امارت
 بود و بعد از واپسش شاکستہ امارتست ۔
 اکنون وصیت مراد در شان ادب و خیر و خوبی قبول
 کنید کہ او از جملہ اختیار شماست ۔

مزاج مبارک ناساز تھا۔ بروز پنج شنبہ آپ
 نچاپنے دست مبارک سے اسامہ کیلئے نشان
 فوج باندھا۔ اور اسامہ سے کہا غفلت حاصل
 کرو ساتھ بسم اللہ کے اور راہ خدا میں قتل
 کرو کافروں اور خدا کے منکروں کو۔ اسامہ
 نے نشان فوج لیا۔ اور باہر آئے۔۔۔۔۔
 اس وقت مکان نبوی سے حکم واجب اطاعت
 صادر ہوا کہ صدیق اور فاروق اور ذی
 النورین وغیرہ و دیگر اشراف و اکابر
 مہاجرین و انصار اس سفر میں اسامہ کے
 ہمراہ جائیں۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم بعض صحابہ
 رسول کو ناگوار گذرا۔ اصحاب نے طعن شروع
 کر دیا اور کہا کہ پیغمبر اسلام نے اس غلام کو
 مہاجرین اولین و انصار پر سردار بنایا ہے
 ان طعن کرنے والوں کی خبر پیغمبر اسلام کو معلوم
 ہوئی۔ آپ کو بہت غصہ آیا۔ سر پر عصابہ باندھا
 باوجود شدید بخار اور سردی کے مکان سے
 باہر آئے اور منبر پر جا کر بعد حمد خدا فرمایا۔
 اے مسلمانوں یہ کیا بات ہے کہ اسامہ کی
 سرداری کے بارہ میں تمہاری طرف سے مجھ کو
 خبر معلوم ہوئی ہے کہ آج تم اس کی سرداری میں
 طعن کر رہے ہو۔ تم نے پہلے بھی اس کے
 باپ زید کی سرداری میں طعن کیا تھا اس سے
 موتہ میں، خدا کی قسم کہ زید لائق سرداری تھا
 اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی لائق سرداری ہے اب تم سب میری وصیت کو اس کے حق میں بخیر و خوبی

قبول کرو کہ وہ تمہارے نیکوں میں ایک نیک ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے زید کا ذکر اور اس کی تعریف کی اور وقت آخر بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ زید کا شرف یہی تھا کہ وہ تمہارا سردار و امیر بنے اور اس کے بیٹے اسامہ کا اعزاز اتنا ہے کہ وہ تم پر سردار و امیر بن کر لشکر اسلام کی سپہ سالاری کرے۔ پیغمبر اسلام نے تو انہیں مکارم اخلاق کے مطابق زید بن عمارہ کو اس کی نیکی کا پورا پورا بدلہ عطا فرمایا۔ اور یہی شان خاتم النبیین و مصلح عالمین کیلئے لازمی تھی۔

اب رہا معاملہ زینب کا تو یہ معاملہ بھی سہل نہ تھا۔ درحقیقت زینب نے بہت بڑا ایشارہ اور جہاد نفس کیا اور اپنی شرافت خاندانی کے اعتبار سے جو بہت بڑی قربانی بحکم پیغمبر اسلام پیش کی۔ آج کی دنیا میں یہ آسان امر نہیں ہے کہ کسی اعلیٰ خاندان عورت کا نکاح کسی لست خاندان یا غلام سے کر دیا جائے۔ نہ کہ عہد پیغمبر اسلام میں جبکہ تقاضا خاندانی کیلئے ہر فرد عرب اپنا جان و مال سب کچھ قربان کر دیتا تھا۔ زینب نے تعمیل حکم خدا و رسول کا بے مثل نمونہ پیش کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کے پیام زید دینے پر پہلے تو انکار کیا۔ پھر اپنی خاندانی شرافت اور زید کی غلامی کی طرف اشارہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ مصلحت پیغمبر اسلام اسی میں ہے کہ زینب زید غلام سے نکاح کرے تو زینب نے اپنا ولی پیغمبر اسلام کو بنا دیا۔ اور پیغمبر اسلام نے زید سے زینب کا نکاح کر دیا۔ ایک سال تک زید و زینب کے تعلقات زن و شوہر کے رہے۔ مگر روزانہ کے نزاع و اختلاف نسل و مزاج کی وجہ سے نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی اور زید نے باوجود پیغمبر کے روکنے کے گھر پلو نزاعی حالات سے مجبور ہو کر زینب کو طلاق دیدی۔ بوقت نکاح زینب کی عمر ہم ۳ سال کی تھی۔ گویا جوانی نختم ہو چکی تھی۔ بڑھاپا شروع ہو چکا تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس عمر میں زید نے طلاق دیدی۔ اور یہ کہہ کر کہ زینب بد مزاج اور تنک مزاج بہت ہیں۔

ناظرین خود حالات کا ملاحظہ فرمائیں کہ اس نازک موقعہ پر پیغمبر اسلام کا اخلاقی و دینی و خاندانی کیا فریضہ تھا۔ اگر پیغمبر اسلام بجائے خود کے زینب کا نکاح کسی دوسرے صحابی سے کر دیتے تو بہت بڑی نا انصافی ہوتی۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے خود ہی تو زینب جیسی عالی خاندان نبی کا عقد غلام سے کیا۔ غلام کا شرف و اعزاز بڑھایا مگر زینب کا پایہ و مرتبہ گھٹا دیا۔ گویا زینب کے ساتھ یہ بے انصافی ہوئی۔ اس کا معاوضہ زینب کو کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ اور اس کا بدلہ زینب کیلئے کوئی چیز نہیں بن سکتی تھی۔ روپیہ دولت جو بھی دیا جاتا۔ مگر وہ زینب کے ایشارہ نفس کا بدلہ نہ ہوتا۔ بس زینب کے ایشارہ نفس و تعمیل حکم پیغمبر کا صلہ یہی تھا کہ پیغمبر اسلام اب زینب کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیں۔ اور جو نقص جو بوجہ غلام سے شادی کرنے کے زینب کے خاندانی وقار میں پیدا ہو گیا تھا اس کو اس طرح دور کر دیں۔

بجز اس کے کوئی عمل زینب کیلئے باعث تسلی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ ان کے ایشارہ و قربانی کا بدل ہو سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام جو مصلح عالم و مقنن قوانین معاشرہ و تہذیب انسانی تھے۔ لہذا آپ نے اپنے عمل صحیح سے اہل عالم کیلئے بہترین نمونہ عفت و حکمت قائم کر دیا۔

ناظرین خود بہ نظر انصاف غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا یہ فعل منافی اصول عفت تھا۔ یا عین مطابق حکمت و عدالت و عفت تھا۔ اگر ان حالات میں پیغمبر اسلام کوئی دوسرا طریقہ اختیار فرماتے تو وہ عند العقلاء حکما قابل قبول نہ ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ ایسا نہیں تھا اور زینب کو احساس ایشارہ نہ تھا۔ تو میں اس کے ثبوت میں زینب کا وہ سجدہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس وقت کیا ہے جبکہ آپ نے زینب کی زبان پر پیغمبر اسلام کے نکاح کا پیغام سنا ہے ملاحظہ ہو۔۔۔

ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۱۰۰

زید نے زینب کے مکان پر جا کر کہا مژدہ باد
کہ پیغمبر خدا نے مجھ کو تمہارے پیام دینے کیلئے
بھیجا ہے۔ زینب نے کہا کہ میں جب تک اس بات
کا جواب نہ دوں گی جب تک کہ خدا سے مشورہ

نہ کر لوں گی۔ اور یہ کہہ کر سجدہ خدا کیا۔

اس تاریخی عبارت نے ثابت کر دیا کہ زینب کو اپنی خاندانی عزت کے کم ہو جانے اور اپنے مقام خاندان سے لپٹ کر جانے کا احساس تھا۔ مگر جب زید کی زبانی سن لیا کہ افضل ترین فرد و اشرف ترین خاندان نے پیام نکاح دیا ہے۔ اور اپنی زوجیت کیلئے منتخب کر لیا ہے تو سجدہ شکر ادا کیا۔ اور وہ اسلئے کہ اب زینب کی خاندانی عزت باقی رہ گئی اور زینب کا درجہ پہلے سے بھی بلند تر ہو گیا۔ اور غلام کے ساتھ عقد ہونے کا جو داغ دامن زینب پر آگیا تھا وہ صاف ہو گیا۔ اور زینب کے ایشارہ و قربانی کا پورا معاوضہ پیغمبر اسلام نے ادا کر دیا۔

حالات و واقعات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کا یہ چھٹا عقد بھی ایسے مصالح اور حکمتوں پر منحصر تھا۔ جس کے بغیر چارہ کار ہی نہ تھا اور جس کے فوائد و قیام قیامت اہل دنیا کو سمجھنے والے تھے۔ کوئی صاحب فہم و عقل پیغمبر اسلام پر اس عقد کے بعد بھی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ یہ نکاح یا دیگر سابقہ نکاح حظ نفس کیلئے کئے گئے لہذا عفت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ اہل عالم کے سامنے زیادہ سے زیادہ نمایاں حیثیت سے موجود رہا۔

اس واقعہ کو پہلے کتب تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔ پھر
استنباط نتائج کر کے یہ معلوم کیجئے کہ آیا یہ نکاح منافی قوانین
واقعات تاریخی

و اصول عفت ہے یا عین عفت ہے اور بہترین مصالح پر مبنی ہے۔

اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱۳۔

(۱) قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس عارث بن فزارہ کی لڑکی تھیں۔ مسافع بن صفوان سے بیاہی تھیں۔ غزوہ مرسیع میں مسافع مارا گیا۔ غزوہ مرسیع میں بہت سے مرد عورتیں اسیر ہوئیں۔ انہیں میں جویریہ بھی تھیں اور ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ غنیمت میں آئی تھیں۔ مگر جویریہ نے ثابت بن قیس سے اپنے کو بذریعہ مکاتبت آزاد کر لیا تھا۔ (اسیر اپنے آقا سے ایک رقم ملے کر کے اور اس کو ادا کر کے آزاد ہو جائے۔)

(۲) سیرۃ النبی شبلی نعمانی واقعہ جویریہ :-

جب ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے کا چہرہ چاہا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا۔ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جویریہ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم سے خود جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر سہہ کر دیا تھا۔ حضرت جویریہ نے ۵۰۰ میں وفات پائی۔ اور حضرت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔

(۳) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۱ بحوالہ طبقات ابن سعد :-

تقسیم نے آپ کو ثابت بن قیس کے حصہ میں پہنچایا۔ چونکہ سردار قبیلہ کی دختر تھیں۔ لونڈی بن کر رہنا پسند نہ فرمایا اور ثابت بن قیس کو زبردستی (کتابت) دینے پر آمادہ ہو گئیں۔ مگر انہوں نے ۹ اوقیہ سونا طلب کیا جو اس وقت آپ کے امکان میں نہ تھا۔ حضرت جویریہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ نے ثابت کے معاہدہ اور اپنی ناداری کا حال اظہار فرمایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر تم راضی ہو تو تمہارا روپیہ دیکھ میں تم سے نکاح کر لوں۔ حضرت جویریہ راضی ہوئیں اور آنحضرت نے روپیہ دیکر حضرت جویریہ کے جذبہ آزادی کو پورا کیا۔ حضرت جویریہ کے نکاح کا پرچہ مسلمانوں میں ہوا۔ تو ان سب نے آنحضرت کی قرابت کا احترام واجب جان کر اپنے اپنے قیدی آزاد کر دیئے۔

مسلمانوں کا یہ سلوک ان کی محبت کا بہترین شاہد ہے جو ان کو اپنے رسول سے تھی۔ یہ آزاد شدہ بنی مصطلق سات سو تھے۔

(۴) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۲ :-

(ب) ادھر تو یہ نکاح ہوا اور ادھر جو یہ کہے باپ حارث کو اپنی لوزنگاہ کی فکر ہوئی۔ وہ بہت سے اونٹ اور مال لیکر مدینہ پہنچے۔ طبقات جلد ۸ ص ۸۳ کہ زرفندیہ دیکر بنا کر الوں۔ ان اونٹوں میں دو اونٹ نہایت عمدہ تھے۔ جب وادی عقیق میں پہنچے تو حارث نے ان دونوں اونٹوں کو چھپا دیا اور انھوں نے کی خدمت میں آکر تمام اسباب پیش کرنے لگے کہ یہ سب لے لیجئے اور جو یہ کہو آزاد کر دیجئے۔ آپ مسکرا کر فرمایا۔ بہ۔

کہ یہ سب تو بے مگر وہ اونٹ کہاں ہیں جن کو وادی عقیق میں چھپا دیا ہے۔ حارث اس غیب دانی کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ ان کو جو یہ کہے نکاح کی خبر ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جٹی سے ملکر اپنی قوم کے ساتھ واپس گھر چلے گئے۔

(۴) صحیح بخاری پارہ ۱۶ باب غزوة بنی مصطلق :-

جنگ بنی مصطلق کا بیان جو قوم خزاعہ سے ہے اور اسی کو مرسیع کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا یہ لڑائی ۳ھ میں ہوئی۔ اور موسیٰ بن عقبی نے کہا ۴ھ میں ہوئی اور نعمان بن راشد نے زہری سے روایت کی تہمت عائشہ کا قصاصی لڑائی میں ہوا۔

(۵) ۲ شعبان ۳ھ کا واقعہ ہے کہ مدینہ سے ۹ میل پر مقام مرسیع میں بنو مصطلق آباد تھے۔ اس قبیلہ کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے مدینہ پر فوج کشی کی تیاری کی۔ اس غزوة کے باقی حالات صاحب روضۃ الصفا کی زبان سے لکھے۔

روضۃ الصفا ص ۳۱ جلد دوم مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۱ھ :-

باعثِ ہجرتِ غزوة آنکہ حارث بن ابی ضرار پیشوا
آن قوم بعضے از قبائل عرب را استدعا نمود
کہ باد سے اتفاق نمودہ بحربِ حضرت رسالت
پناہی روند و طائفہ نزد مجتمع گشتہ ، تہیہ
اسباب محاربه و مقابلہ مشغول گشتہ ۔
اس غزوة کا سبب یہ ہوا کہ حارث بن ابی ضرار
نے جو سردار بنو مصطلق عرب کے بعض قبیلوں
سے استدعا کی کہ اس کے ساتھ ہو جائیں اور
پیغمبر اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے چلیں ایک
جماعت یا لشکر اس کے پاس جمع ہو گیا اور انہوں

نے آلات جنگ و اسلحہ کی فراہمی شروع کر دی۔ تاکہ وہ جنگ کریں۔

(۶) تفریح الاذکیا ص ۳۵۲ :-

سال ششم ہجری میں نکاح فرمایا وفات ان کی سال ۵۶ھ میں ہوئی ۶۳ سال کی عمر ہوئی۔
خلاصہ عبارات - مذکورہ عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے :-

(۱) حارث بن ابی ضرار رئیس و سردار قبیلہ مصطلق تھا۔ اور دشمن اسلام تھا اور اس نے فوج جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی یا فوج کشی کا ارادہ کیا تھا۔

(۲) جویریہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھی۔ اور مسافع ابن صفوان اپنے چچیرے بھائی کو بیاہی تھی۔ اور مسافع جنگ میں مارا گیا تھا۔ لہذا جویریہ بیوہ ہو چکی تھیں۔

(۳) جویریہ کثیث کینز مال غنیمت میں آئی تھی اور ثابت بن قیس ایک مسلم سپاہی کے حصہ میں آئی تھی۔

(۴) جویریہ نے مطابق دستور اسلامی کے اپنا زہر فدیہ دیکر اپنی رہائی چاہی تھی اور زہر فدیہ کی خاطر خدمت پیغمبر اسلام میں آئی تھی اور زہر مکاتبہ کی خواستگار ہوئی تھی۔

(۵) پیغمبر اسلام نے زہر مکاتبہ یا زہر فدیہ ۹ اوقیہ سونا عطا فرمایا اور جویریہ کو آزاد کر دیا۔

(۶) حارث بن ابی ضرار خود بہت سامان اور متعدد اونٹ لیکر آیا اور اپنی دختر جویریہ کا زہر فدیہ ادا کرنا چاہا مگر بہ برکت پیغمبر اسلام مسلمان ہو گیا۔

(۷) جویریہ کے ساتھ پیغمبر اسلام نے نکاح کیا تو سات سو بی مصطلق کے قیدیوں کو مسلم فوجیوں نے جو ان کے حصہ میں آئے تھے۔ بلحاظ احترام زوجہ پیغمبر آزاد کر دیا۔

استنباط نتائج - پیغمبر اسلام نے جویریہ بنت حارث سے جو عقد کیا وہ کن حالات کے تحت کیا۔ آیا ان حالات میں کوئی صحیح رائے یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ یہ عقد حصول خطِ نفس کیلئے ہوا۔؟ اور خلاف قوانین عفت تھا۔ پیغمبر اسلام کے اس عقد میں کہیں سے کہیں تک بھی خطِ نفس و خواہشِ نفس کا پتہ نہیں ملتا۔ کیونکہ پہلے تو یہ کہ جویریہ بیوہ تھی۔ اور خود بیوگی ہی مانع کششِ مرد و سببِ منافرت مرد ہے۔ اور جبکہ کسی مرد کے پاس پہلے سے چھ عورتیں موجود ہوں۔

دوسرے یہ کہ جویریہ کو توذ پیغمبر اسلام اپنے حصہ غنیمت میں لے سکتے تھے۔ کیا ضرورت تھی کہ باوجود پسندیدگی کے جویریہ کو ثابت بن قیس ایک مسلم سپاہی کے حصہ میں دیدیا جاتا۔ گویا ایک تو داغ بیوگی ہی کافی وجہ تنفر تھا۔ اور پھر وہ ایک سپاہی کی کنیزی میں آگئی یہ دوسری وجہ تنفر و حقارت ہو گئی۔ ایسی صورت میں کسی حاکم و سردار لشکر کیلئے یہ موزوں نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کم درجہ سپاہی کی چھوٹی بیوی کی صورت کو اپنی برابر ہی کا شرف عطا کرے اور جبکہ وہ سپاہی بھی زندہ موجود ہو۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے ۹ اوقیہ سونا جویریہ کو دیکر آزاد کر لیا۔ گویا جویریہ پر داغ کنیزی بھی ثابت ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی وجہ حقارت و نفرت ہو سکتی ہے۔ ان وجوہ و دلائل کی بنا پر کسی طرح بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیغمبر اسلام نے جویریہ کو طلبِ خطِ نفس کیلئے زوجیت میں قبول کیا تھا۔ بلکہ درحقیقت اس عقد رسول

میں دیگر مصالح قومی ملی مذہبی و تبلیغی موجود تھے اور چونکہ مقصد اصلی پیغمبر اسلام کا ہی مصالح ہوا کرتے تھے لہذا ان کے حصول کیلئے آپ کو یہ معاملات کرنا ہی پڑتے تھے۔

اول فائدہ تو اس عقد کا یہ ہوا کہ رئیس قبیلہ پہلے دشمن ہی کیوں نہ ہو اخلاق پیغمبر اسلام کی رو سے قابل احترام تسلیم کیا گیا۔ اور رئیس و سردار قوم کی لڑکی بھی چاہے وہ قیدی یا کنیزی کیوں نہ ہو۔ نظر پیغمبر اسلام میں قابل وقعت تھی۔ لہذا سب سے پہلے پیغمبر اسلام نے اس کا زرفدیہ اپنے پاس سے ادا کر کے اس کو کنیزی کی ذلت سے نکالا۔ اور اس کو آزاد کر دیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل مراتب انسانی کے تحفظ کا سبب بن گیا۔ دوسرا فائدہ اس عقد سے یہ ہوا کہ جو یہ جو سردار قوم کی لڑکی تھی اپنے سے کم درجہ مرد کی زوجیت میں نہیں رہی اور اس کو اس ذلت و حقارت پیدا نہ ہوا۔ بلکہ اس آزاد و شریف خاندان و رئیس زادی کو اپنے سے بہتر شوہر ملا۔ اور اس کا احترام و اعزاز پہلے سے بھی بہت بڑھ گیا۔

تیسرے یہ فائدہ ہوا کہ پیغمبر اسلام نے جو یہ سے عقد کیا تو اہل اسلام نے اپنے حصہ میں آئے ہوئے قیدیوں یا بالالفاظ دیگر اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور پیغمبر اسلام نے اپنے اس عقد کرنے سے پوری ایک قوم کو غلامی سے بچا لیا۔ جن کی تعداد سات سو تھی۔

چوتھا فائدہ اس نکاح کا یہ ہوا کہ وہ دشمن اسلام جو مدینہ پر فوج کشی کرنے کیلئے افواج عرب کو جمع کر رہا تھا۔ خود خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا اور بہ برکت کلام پیغمبر مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اخلاق پیغمبر اسلام و رواداری اسلام کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور اطراف و جوانب مدینہ کے لوگوں پر پیغمبر اسلام کی رواداری و اخلاق کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور تبلیغ اسلام و اشاعت اسلام کیلئے راستہ ہموار ہو گیا۔ اور حاکم و سردار جو مصطلق کی لڑکی کے عقد پیغمبر اسلام میں آنے سے قبائل عرب کی آنکھیں تھک گئیں۔ اور وہ بمقابلہ ذات پیغمبر اسلام اپنے کو پست متصور کرنے لگے۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ ساریت جو مال و متاع و شتران اعلیٰ بطور زرفدیہ لایا تھا۔ اور اپنی لڑکی جو یہ کو آزاد کرانا چاہتا تھا۔ وہ سب مال و متاع و شتر اس کو واپس لے جانے پڑے، پیغمبر اسلام نے وہ قیدی نہ لیا لہذا کفار و دشمنان اسلام کے قلوب پر یہ اثر پڑا کہ پیغمبر اسلام اور اہل اسلام بہت ہی سیر چشم و صاحب ایثار ہیں۔ اور بیشک دین اسلام صرف ہدایت مخلوق کیلئے آیا ہے۔ اور اس کے افراد میں ذرہ بھر بھی حرص مال و متاع نہیں ہے۔

ناظرین مذکورہ عبارات تاریخی و نتائج عبارات کو ملاحظہ کر کے خود ہی انصافاً کہیں کہ پیغمبر اسلام کے اس

عقد میں کوئی امر بھی خلاف عفت ہے یا نہیں۔ اور یہ عقد بہترین مقاصد کے حصول کیلئے کیا گیا تھا۔ اور وہ تمام مقاصد حاصل ہو گئے۔ اور اگر پیغمبر اسلام اس موقع پر جو یہ کہو اپنی زوجیت میں نہ لیتے۔ تو یقیناً وہ کسی سپاہی کی کنیزی میں ہوتی جو اس کے احترام قومی کے خلاف تھا۔ اور اس کے لئے سبب ذلت تھا۔ پھر نہ وہ سات سو قیدی غلام آزاد ہوتے اور نہ عمارت کے اونٹ و دیگر مال و متاع واپس جاتا۔ اور نہ عمارت اخلاق پیغمبر اسلام کو دیکھ کر مسلمان ہوتا۔ اور نہ اس کی جماعت اسلام قبول کرتی۔ اور نہ وہ رعب اسلام و شان پیغمبر اسلام قبائل دیگر پر ثابت ہوتی۔ جو اس عقد کے بعد قائم ہوئی۔ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ہر لحاظ و ہر پہلو سے مبارک ہوا اور حقیقت یہ عقد پیغمبر اسلام نے بر محل کیا اور عین مطابق حکمت و عفت کیا۔

عقد ام حبیبہ بنت ابوسفیان | ناظرین اس عقد رسول کے بارہ میں پہلے تاریخی اسناد و واقعات ملاحظہ فرمائیں بعد فیصلہ فرمائیں کہ آیا یہ عقد برائے حنظل نفس دلالت تھا

یا برائے اصل مقصد تبلیغ دین و حصول رعب و شان اسلام تھا۔ فراعنہ قریش و کفار عرب کو صرف زور اخلاق سے زیر کرنا ناممکن تھا۔ و نیز زبور شمشیر ان کو مطیع و منقاد بنانا محال عقلی تھا۔ کیونکہ اخلاق کی خوبیوں سے وہ بے بہرہ تھے شمشیر زنی و قتل و غارت ان کی طبیعت ثانیہ تھی اور ان کی فطرت و عادت تھی۔ پیغمبر اسلام اصول اسلام کی بڑی مضبوط کرنا چاہتے تھے اور دین اسلام کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتے تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ ہر وہ کام بہ احسن و ہر وہ انجام دین جو رسوخ و استحکام و اشاعت و رعب اسلام کیلئے دیر پا ہو اسی کی ایک شاخ یہ بھی تھی کہ پیغمبر اسلام سرکشان قریش و فراعنہ عرب کے قلوب میں اپنی محبت و اقتدار پیدا کریں اور جس طرح وہ بے نگاہ حقارت یتیم عبداللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے سر ہمیشہ کیلئے اسی یتیم عبداللہ کے سامنے جھک جائیں۔ اور جب وہ خود حقیر و ذلیل ہو جائیں گے تو وہ اور ان کی آئندہ نسلیں بھی مغلوب و مرعوب رہیں گی۔ اور کبھی بمقابلہ اسلام سر تاجی و سرکشی نہ کر سکیں گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جو پیغمبر اسلام نے سوچا تھا۔ اور جس کی تدابیر کی گئی تھیں۔

منجملہ ان تدابیر میں ایک تعدد ازدواج بھی تھی جو قبائل کے اس وقت کے ماحول میں اسلام کی طاقت و ترقی کیلئے نہایت مناسب و موزوں و کامیاب رہی۔ میں سات ازدواج نبی کے حالات قلمبند کر چکا ہوں اور ناظرین کتاب پر مستند تواریخی حوالہ جات سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ وہ نکاح ہرگز ہرگز حنظل نفس ذاتی کیلئے نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ ان کی تہ و گہرائی میں انتہائی ضروری مصلحتیں مضمر تھیں۔ اب آپ عقد ام حبیبہ کا حال ملاحظہ کیجئے۔

نام و نسب ام حبیبہ

رطلہ نام ہے مگر آپ کی کنیت کی شہرت غالب ہے۔ آپ کے باپ ابوسفیان
صحز بن حرب بن امیہ اور ماں (۱) صفیہ بن ابوالعاص حضرت عثمان

(۱)

بن عفان کی سگی بھوپتی ہیں۔

۲ ام حبیبہ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن حبش کے ساتھ ہوا اور آپ نے ان کے ہمراہ حبشہ کی ہجرت بھی فرمائی
جہاں وہ لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ حبش میں جا کر عبید مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا اور شراب نوشی کے لاد می توجہ
کی بنا پر جلد ہلاک ہو گیا۔ لیکن حضرت ام حبیبہ مسلمان رہیں۔ اور عذت کے بعد لاوارثی کے دن گزارنے
لگیں۔ آنحضرت نے عمر بن امیہ ضمیری کو دکیل کر کے بادشاہ حبش کے پاس بھیجا اور کجاشی شاہ حبش
نے نکاح پڑھوایا اور چار سو دینار مہر کے اپنے خزانے سے خالد بن سعید دکیل ام حبیبہ کو ادا کئے۔
یہ نکاح ۳۵ھ میں ہوا۔ اور ام حبیبہ اس زمانہ میں واپس ہوئیں جب آنحضرت یثرب میں تھے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب کے ہمراہ تشریف لائیں۔

(۳) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۵۔

نکاح ام حبیبہ کی خبر جب ابوسفیان کو دی گئی تو انہوں نے کہا:

ذالك الضحل لا یقدع الفہ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۷)

یہ وہ شخص بزرگ ہے جو کبھی مغلوب و مجبور نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) آپ (ام حبیبہ) میں مذہب کا پاس بہت زیادہ تھا۔ ایک روز ابوسفیان آپ کے مکان میں آئے
اور آنحضرت کے بچھے ہوئے فرش یا بستر پر بیٹھنے لگے۔ حضرت ام حبیبہ نے فوراً وہ بستر لپیٹ دیا
ابوسفیان نے کہا کہ اے فرزند تم نے مجھ سے اس بستر کو عزیز کیا۔ آپ نے (ام حبیبہ) فرمایا کہ تم مشرک
بت پرست اور نجس ہو اور یہ آنحضرت کا بستر ہے۔ اس پر تمہاری جگہ نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا
کہ میرے بعد تم بڑے شرم میں گرفتار ہو گئی ہو۔

آپ (ام حبیبہ) نے ایک روز آنحضرت سے کہا کہ آپ میری بہن سے عقد کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ
ان سے میرے لئے عقد جائز نہیں ہے۔

(۵) حضرت ام حبیبہ نے ۳۵ھ میں بچہ معاویہ مدینہ میں انتقال فرمایا۔ (اصابہ جلد ۸ ص ۸۵)

تفریح الاذکیاء ص ۳۵۴ مولوی محسن حسن صاحب کا کوروی۔

بوقت عقد و زفاف۔ ان دنوں عمام حبیبہ کی تیس برس کی تھی۔ اور بعض تیس برس کچھ ہیں
بیان کرتے ہیں۔

استنباط نتائج

(۱) ام حبیبہ مسلمہ تھیں انتہائی پریشانی و مصائب کی حالت میں وطن چھوڑ کر حبشہ کو ہجرت کر گئی تھیں۔ پردیس میں شوہر نے مذہب اسلام ترک کر دیا

اور نصرانی ہو گیا اور بعد کو مر گیا۔

(۲) ام حبیبہ ملک حبشہ میں بے یار و مددگار و لاوارث رہ گئیں۔

(۳) ام حبیبہ اسلام کے بدترین دشمن ابوسفیان صحرا بن حمر بن امیہ کی بیٹی تھیں اور مسلمان ہو گئی تھیں۔

(۴) ام حبیبہ بیوہ تھیں اور ان کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ تھی۔

ناظرین ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا اس موقع پر کیا فریضہ تھا۔ آیا ام حبیبہ مسلمہ کی طرف سے بے اعتنائی برہمیں اور انہیں فاقے کرنے دیں اور حالت فقر و فاقہ میں مرتد ہونے کا موقعہ دیں یا کسی نصرانی حبشی کی زوجیت میں بچہ ہونے کو گوارا کریں۔

گویا ایک مسلمہ کی توہین و حقارت و ذلت کو گوارا کر لیں۔ یہ سب باتیں ہرگز قرین عقل و مناسب موقع نہ تھیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو کیا کریں۔ کسی مہاجرہ حبشہ کو حکم دیں کہ وہ ام حبیبہ سے عقد کر لے۔ تو وہ مہاجرہ خود ترک وطن کر کے گئے تھے۔ اور حالت مسرت و غربت میں گزار رہے تھے۔ یا ایسا کریں کہ ام

حبیبہ کو کسی کی سپردگی میں دیکر مدینہ بلا لیں اور مدینہ میں کسی مسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیں۔ تو اس وقت مسلمان ہی کتنے تھے۔ مسلمان انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ پھر وہ سب مصیبت زدہ اور افلاس زدہ تھے

ان باتوں میں سے کوئی بات بھی پیغمبر اسلام کرتے تو یہ سب خلاف عقل و عدالت و حکمت پیغمبری ہوتا۔ اور اگر

بفرض محال مدینہ واپس بلا بھی لیتے اور ام حبیبہ کو بیوہ ہی رہنے دیتے تو یہ تو انین اسلام کے خلاف تھا۔ کہ

ایک تیس سال کی عورت کو جس کا ایک بچہ بھی ہو بیوہ ہی رکھا جائے۔ اگر ایسا کیا بھی جاتا تو بہت ممکن تھا کہ اس

کا باپ ابوسفیان اور اس کے دوست کفار قریش ام حبیبہ پر قابو پا کر اپنے پاس مکہ واپس لے جاتے اور اس

کو بجز مرتد بنا لیتے۔ جیسا کہ تاریخ سے واضح ہے کہ جو نادار مسلم مکہ میں بعد ہجرت رہ گئے تھے ان پر ابوسفیان

کے ساتھیوں نے سخت ترین مظالم کئے۔ ہر صاحب ہنم و عقل یہ کہے گا کہ یہ مذکورہ سب صورتیں نامناسب تھیں

اب آپ خود غور فرمائیں کہ مناسب صورت کیا ہو سکتی تھی۔ ہر صاحب انصاف یہی کہے گا کہ وہی صورت

النب و بہتر تھی جو پیغمبر اسلام نے اختیار کی۔ آپ کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ ام حبیبہ بیوہ ہو گئی ہیں۔ اور غیر ملک

میں لاوارث ہیں۔ تو آپ نے ان کی نگرانی و کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور نجاشی شاہ حبشہ کو لکھا۔ اور

اپنا دکیل بھیجا کہ وہ ام حبیبہ کا عقد پیغمبر اسلام کے ساتھ کر دے۔ نجاشی خود مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے حکم کی

تعمیل کی اور ام حبیبہ کا مہرا نپے خزانہ سے ادا کیا۔ اور اب ام حبیبہ چونکہ پیغمبر اسلام کی زوجہ ہو گئی تھیں۔ کسی مسلم و غیر مسلم دشمن یا دوست کی یہ مجال نہ تھی کہ نگاہ بد سے ام حبیبہ کو دیکھ سکے۔ ام حبیبہ اب ناموس پیغمبر اسلام تھیں بلکہ ناموس اسلام تھیں۔ ہر مسلم کافر عن تھا کہ وہ سفاقت عزت ام حبیبہ کیلئے اپنا مال و جان سب کچھ قربان کر دے۔۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نجاشی نے بہت اعزاز و احترام کے ساتھ ام حبیبہ کو جعفر ابن ابی طالب بہادر پیغمبر اسلام کے ہمراہ کر دیا۔ اور جب ام حبیبہ مدینہ آگئیں تو پیغمبر اسلام نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور بار دیگر نکاح پڑھا۔

پیغمبر اسلام کے ایسا کرنے سے کیا فوائد مترتب ہوئے۔ ہر

(۱) ادل تو یہ کہ ام حبیبہ شوہر کے مرتد ہونے اور مرجانے کے بعد اسلام پر قائم رہیں۔ اس پختہ ایمانی کا یہ عملہ ملا پیغمبر اسلام کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ام حبیبہ مسافرت و غربت میں لا دارت نہ رہیں۔ اور ان کی عزت و ناموس پر کوئی دھبہ نہ آیا۔

(۳) تیسرے یہ کہ بدترین دشمن اسلام ابوسفیان بن حرب ہی قریش کی تمام لڑائیوں میں سردار افواج و حملہ آور رہا۔ جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق وغیرہ میں نور اسلام کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دشمن اسلام کی ناک زمین پر اسی صورت میں رگڑی گئی کہ اس کی لڑکی مسلمان ہوئی اور جب بیوہ ہوئی تو پیغمبر اسلام کے عقد میں آگئی۔ چنانچہ جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام نے ام حبیبہ سے عقد کر لیا تو اس نے یہی الفاظ کہے۔

ذَلِكَ الْفَحْلُ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ -

یہ وہ مرد ہے کہ اس کو اس کے کام سے روکا نہیں جاسکتا اور مغلوب نہیں کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ ابوسفیان کو اس موقع پر اپنی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ لہذا اس نے دل کے جلے پھینک دیے اور دل کا بخار نکالا اور ان ذلیل الفاظ سے پیغمبر اسلام کو طنز کیا۔ مگر ہمیشہ کیلئے اس کی نظریں جھک گئیں اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ جب ابوسفیان خدمت رسول میں شرائط صلح کی تجدید کیلئے آیا۔ اور ام حبیبہ کی موجودگی میں بستر رسول پر بیٹھنے لگا۔ تو ام حبیبہ ہی نے اس کو اس طرح ذلیل کیا کہ بستر پیٹ دیا۔ اور جب ابوسفیان نے اپنی ذلت کا احساس کیا اور کہا کہ :-

”یہی باپ سے ایک بستر کو عزیز کیا۔؟“ تو ام حبیبہ نے جواب دیا کہ باپ ہے تو کیا کروں تو تجس ہے

مشرک ہے اور یہ بستر پیغمبر اسلام کا ہے پاک ہے۔ اور تو اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔۔۔
 بیٹی کے یہ الفاظ ابوسفیان کے دل پر زخم بن گئے ہوں گے۔ جو تا الحد منہ مل نہ ہوئے ہوں گے۔
 (۴) چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ تو مسلم مردوں و عورتوں کو تقویت حاصل ہو گئی۔ اور ان کی توحصلہ افزائی ہوئی کہ
 پیغمبر اسلام تاحیات نہ ہلکے اور نہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری عورتوں بچوں کو ذلیل و بے وارث دیکھ
 سکیں گے اور ان کی کفالت بہتر سے بہتر طریقہ پر کریں گے۔

ابتداءً اسلام میں اس توحصلہ افزائی کی اس قدر ضرورت تھی کہ اس وقت کے لوگ ہی اسکی اہمیت کو
 خوب سمجھ سکتے تھے۔ علاوہ فقر و فاقہ کے جان کی حفاظت کے لئے ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے
 علاوہ عام مسلمانوں کی زندگیوں میں بھی تعیش سے میلوں میل دور تھیں۔ اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ یہ
 نکاح حط نفس کیلئے پیغمبر اسلام نے کیا تو پہلے تو مذکورہ بیان کے بعد یہ اعتراض خود ہی دفع ہو جاتا ہے۔ لیکن
 یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ، ہجری تک پیغمبر اسلام کی سائنہ ازدواج موجود تھیں۔ اور یہ سب ازدواج سہ
 لغایت ۶ ہجری میں ہوئی تھیں۔ پھر اس سے زیادہ کوئی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ بریں ام حبیبہ کوئی باکرہ عورت
 نہ تھی۔ کمسن و حسین عورت نہ تھی۔ صاحب مال و جمال بھی نہ تھی۔ پھر ان میں وہ کیا چیز تھی جو مرد کو اپنی جانب مائل
 کر سکتی تھی۔۔۔؟

صاف ظاہر ہے کہ فقط مصالح دینی و اخراض تبلیغ اسلام اس نکاح میں پوشیدہ تھے۔ اور بیشک وہ
 سب حاصل ہوئے اور پیغمبر اسلام کا یہ نکاح عین مطابق حکمت و ضرورت تھا۔ اور عین قوانین عفت کے
 موافق تھا۔ عفت کی یہی تعریف ہے کہ انسان اپنے قوت شہوانیہ سے مغلوب نہ ہو اور جو کام بھی کرے۔
 وہ قوت شہوی کو مغلوب رکھتے ہوئے مطابق عقل و حکمت ہو۔

چنانچہ میں نے پیغمبر اسلام کے آٹھ نکاحوں کا ذکر اب تک لکھا ہے۔ اور ہر نکاح اور ہر رشتہ ترویج
 بر بنائے مصالح دینی و مطابق اصول عقلی کیا گیا ہے۔ اور یہی تعریف عفت ہے۔

عقد صفیہ، ہنم | تذکرۃ الصحابیات فصل ۱۰ ص ۱۵۹۔

نام و نسب :- آپ کا نام پہلے زینب تھا۔ مگر آپ جو اسیر ہو کر انحضرت
 کے حصہ (صغی - نبی یا بادشاہ کا حصہ) میں آئیں اس لئے صفیہ مشہور ہوئیں۔ آپ کے باپ حنی بن
 اخطب تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ضرہ بنت سمول تھا۔ سموال بنی قریظہ کے سردار تھے۔ بنو قریظہ بنو
 قریظہ ہم جد قبیلے تھے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۳۰۵)

نکاح :- ص ۱۶۰۔ آپ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا۔ لیکن انہوں نے کسی وجہ سے طلاق دیدی

اور کنانہ بن ابی الحقیق سے دوسرا نکاح ہوا۔ اور کنانہ و مرحب و عمارت و حنی بن
 اخطب وغیرہ جنگ خیبر میں ذوالفقار حیدری کی رہنمائی میں جان سپر کر چکے تو بہت سامان اور اس کے ساتھ
 لوٹے یاں اور غلام بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اسی میں صفیہ بھی تھیں۔ حضرت وحیہ کلبی
 (صحابی) نے حاضر خدمت ہو کر ایک کنیز کی ضرورت کا اظہار کیا۔ اور سرکارِ نبوت سے انتخاب کر کے کنیز لینے
 کا پروانہ مل گیا۔ حضرت وحیہ کلبی نے حسن اتفاق سے صفیہ ہی کو منتخب فرمایا۔ وحیہ کلبی صفیہ کو لیکر ابھی
 کچھ دور نہ جانے پلے تھے۔ کہ کسی صحابی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ نے سید و سردار بنی
 قریظہ کی دختر کو کنیزی میں دیدیا۔

یہ سنکر حضرت نے وحیہ کلبی کو طلب فرما کر دوسری کنیز دیدی۔ اور مجمع اصحاب سے ان الفاظ
 میں مخاطب فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۶)

ما تقولون فی هذا الجارية قالوا
 تقول انك اولى الناس بها واحقهم
 قال فاني اعتقها واستنكحها وجعلت
 عتقها مهرها فقال الرجل الوليمة
 يا رسول الله فقال الوليمة اول يوم حق
 والثانية معروف والثالثة فخر -
 آپ نے فرمایا میں روز بچائے ایک دن کے۔ پہلے روز تو حق ہے۔ دوسرے روز مستحسن اور تیسرا دن باع
 ازدیاد عزت و فخر ہے۔

(۲) ص ۱۶۲: خیبر سے قریبی مقام پر آنحضرت نے رسم عروسی کو پورا کرنا چاہا۔ مگر حضرت صفیہ رضی نہ
 ہوئیں آخر مقام صہبیا پر تو خیبر سے فاصلہ پر ہے ام سلیم نے حضرت صفیہ کی زینت کی خدمات ادا کیں اور
 یہیں عروسی ہوئی۔ آنحضرت نے پہلے انکار کی وجہ دریافت کی تو حضرت صفیہ نے عرض کی کہ وہاں یہود
 قریب تھے مجھے ڈر معلوم ہوا کہ ایسا نہ ہو آپ کو گزند و ایذا پہنچائیں۔ (طبقات سعد جلد ۸ ص ۸۵)

(۳) آنحضرت شب کو خیبر عروسی میں داخل ہوئے۔ تو ابو ایوب انصاری ہتھیار لگائے دروازے پر آئے
 اللہ رات بھر چپکے چپکے پھر اگئے۔ صبح کو آنحضرت نے آواز اسلوسنکر پوچھا کہ کون ہے۔ ابو ایوب نے
 اپنا نام بتایا۔ پوچھا کہ تم پہان کیوں آئے۔ ابو ایوب نے عرض کی کہ مجھے خیال ہوا کہ صفیہ کے باپ بھائی
 شوہر سب قتل ہو چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ناشائستہ امر رونما ہو۔ اسلئے میں حفاظت کیلئے حاضر تھا

آپ نے سنکر یہ دعادی :-

اللهم احفظ ابا ایوب کما حفظ نبیک -

اے خدا ابو ایوب کی حفاظت فرما جیسی حفاظت کہ اس نے تیرے نبی کی کی ہے۔

(۴) ص ۱۶۵ - رمضان ۱۰۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی انتقال فرمایا۔

(۵) صحیح بخاری پارہ سترہ کتاب النبی ترجمہ :-

”رسول خدا نے نماز صبح خیبر کے قریب اندھیرے میں پڑھی۔ پھر فرمایا۔ اللہ اکبر خیبر ویراں ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں ڈرے ہوؤں کی صبح ہوتی ہے۔ خیبر والے نکل کر گلی کو چوں میں دوڑنے لگے رسول خدا صلعم نے مقابلہ کرنے والوں کو مارا۔ اور ان کی اولاد کو قید کیا ان قیدیوں میں صفیہ بھی تھیں (جو کہ نبی نصیر اور قرظیہ کی سردار تھیں) اولاً صفیہ و صحیہ کلبی کے حصہ میں چلی گئیں۔ پھر آنحضرت کے حصہ میں آگئیں۔ آپ نے صفیہ کا مہران کا آزاد کر مقرر فرمایا۔۔۔۔۔“

اس سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے صفیہ کو قید کیا۔ پھر اسے آزاد کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیا۔

(۶) روضۃ الاحباب ص ۵۵۹ (محدث شیرازی)

حضرت صفیہ جب آپ کے پاس لائی گئیں تو آپ نے ان کے احترام کے لحاظ سے حکم دیا کہ ایک علیحدہ خیمہ میں رکھی جائیں۔ پھر آپ اس خیمہ میں تشریف لائے۔ صفیہ نے جب پیغمبر اسلام کو دیکھا تو کھڑی ہو گئیں اور وہ فرشتوں جیسے پر خود سمیٹتی تھیں اٹھایا اور پیغمبر اسلام کے واسطے بچھا دیا۔ اور خود زمین پر بیٹھ گئیں

پیغمبر اسلام نے فرمایا اے صفیہ ہمیشہ تیرے باپ نے میرے ساتھ دشمنی کی تھی کہ خدا نے اس کو ہلاک کیا۔ صفیہ نے کہا کہ خدا کسی بندہ کو دوسرے کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑتا۔ پھر پیغمبر نے صفیہ کو اختیار دیدیا کہ چاہے وہ آزاد ہو کر اپنے قبیلہ و قوم میں چلی جائے یا

صفیہ راتوں آدر دند بفرمود تا بخیمہ بردندش آنگاہ خود بخیمہ تشریف دادہ صفیہ چوں آنحضرت را دید برخواست او فرشتے کہ خود براں نشسته بود برداشت و برائے پیغمبر صلعم بسط کرد و خود بر زمین نشست حضرت فرمود اے صفیہ پیوستہ پد تو با من عداوت می نمود تا خداوند تعالیٰ وے را ہلاک ساخت گفت خداوند تعالیٰ ایسج بندہ را بگناہ دیگرے نمی گیرد آنگاہ سرور عالم اورا مخیر ساخت میان آنکہ آزادش کند و او بقوم خود ملحق بشود و میان آنکہ اسلام بیاورد و حضرت اورا بخوابد۔ صفیہ بسیار حلیمہ و عاقلہ بود گفت یا رسول اللہ تحقیق کہ آرزوئے

اسلام دارم و تصدیق تو کردہ ام پیش از
آنکہ مراد دعوت کنی و اکفون بمنزل تو آمد
و حالاً مرا یہ یہودیت پیچ حاجت نیست نہ
پدر سے دارم نہ برادر سے درمیان یہود
یا رسول اللہ مرا میان کفر و اسلام مخیر می
گردانی و اللہ کہ خدا اور رسول و کے احباب اند
نزد من از آزادی و حقوق بقوم خود پس
حضرت صلعم را خوش آمد و اورا برائے خود
نگاہ داشت و آزدش نمود و اعتناق اورا
صداق ادسافت -

و رسول زیادہ محبوب ہیں اس سے کہ میں اپنی قوم میں واپس جاؤں۔ پیغمبر اسلام کو اس کی یہ
گفتگو پسند آئی۔ اور اس کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ پھر اس کو آزاد کیا اور اس کی آزادی کو
اس کا مہر مقرر کر دیا۔

(۷) محدث شیرازی روضۃ الاحباب ص ۵۹۵ میں لکھتے ہیں۔

حسب ارشاد نبوی ام سلیم حضرت صفیہ کو ایک خیمہ میں لے گئیں۔ ان کے سردار بالوں میں کنگھی کی۔ ان
کے کپڑوں میں خوشبو لگائی۔ صفیہ جوان و صاحب جمال تھیں۔ اسی منزل (صہب) میں ان کا زفاف واقع
ہوا۔ جس شب صفیہ کا زفاف ہوا اس رات ابو ایوب انصاری سلاح جنگ پہن کر رات بھر اس خیمہ کے
گرد پھرتے رہے۔ صبح کو جب آپ اٹھے تو آپ نے سلاح جنگ کی آواز سنی۔ پوچھا کون ہے جواب ملا
میں ہوں ابو ایوب یا رسول اللہ یہ یہود یہ عورت جوان ہے اور اس کے باپ اور بھائی کو ہم نے
ابھی قتل کیا ہے۔ ترسیدم کہ ناگاہ حرکتے از دے بظہور آمد۔ میں ڈرتا ہوں کہ شاید اس سے کوئی
حرکت ظاہر ہو۔ میں نے بہتر سمجھا کہ آج رات آپ کے قریب رہوں پیغمبر اسلام مسکرائے اور دعائے
خیر کی۔

خلاصہ عبارات (۱) صفیہ عرب کے دو مشہور قبائل بنو نضیر و بنو قریظہ کے سرداروں
کی چشم و چراغ تھی (دختر)

(۲) صفیہ کے دو شوہر یکے بعد دیگرے حالت کفر میں ہو چکے تھے۔ اور صفیہ بیوہ عورت تھی۔

- (۳) صفیہ بصورت اسیر و کنیز آئی تھی۔ اور پیغمبر اسلام نے درخواست و حبیہ کلبی پر وحیہ کو دیدیا تھا۔
 (۴) اصحاب نے پیغمبر اسلام کو بتایا کہ صفیہ سردار فوج کفار محیی بن اخطب کی لڑکی ہے۔
 (۵) پیغمبر اسلام نے صفیہ کو آزاد کیا۔ اور اختیار دیا کہ چاہے وہ واپس ہو جائے یا اسلام قبول کر لے اور پیغمبر کی زوجیت کا شرف حاصل کر لے۔

- (۶) خیبر سے تقریباً نو میل دور زفاف صفیہ ہوا۔ مگر پھر بھی اصحاب پیغمبر کو خوف تھا کہ یہودی شب خون ماریں یا خود صفیہ انتقام خون پدر و برادر لینے کیلئے پیغمبر اسلام پر قاتلانہ حملہ نہ کر لے۔
 (۷) صفیہ نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ پیغمبر نے ان کو آزاد کیا اور نکاح کیا۔

استنباط نتائج

- مذکورہ عبارات تاریخی سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے صفیہ سے عقد خط انفس کیلئے نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ایسا خیال ہوتا تو پہلے سے ہی صفیہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے۔ وحیہ کلبی کو نہ دیتے۔ مگر یہ کہ صفیہ حالت کفر میں دو کافروں کی زوجہ رہ چکی تھی۔ قابل تو بھہر گزرتی اور قابل رغبت بھی نہ تھی۔ علاوہ بریں اس سے انتقام پدر و برادر کا بھی خطرہ تھا۔ ان حالات میں تو بہتر یہی تھا کہ اس کو کنیزی ہی میں رکھا جاتا اور کسی دوسرے سپاہی کو سپرد کر دیا جاتا۔ لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو خلاف قوانین عدالت و حکمت پیغمبر اسلام ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے کبھی نہیں چاہا کہ سردار قبیلہ و سردار قوم کی عورت کو ذلیل کیا جائے۔ لہذا وہ آپ کو معلوم ہوا کہ صفیہ سردار قوم کی لڑکی ہے۔ تو آپ نے اس کا پورا احترام کیا علیحدہ نیمہ لگایا اور اس سے گفتگو کی اور اس کو آزاد کر کے واپس قبیلہ و قبول اسلام کا اختیار دیدیا۔ جب اس نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تو آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس نکاح سے متعدد فوائد ہوئے۔

(۱) اول فائدہ تو یہ ہوا کہ یہودان عرب کے سر جھک گئے اور رعبا اسلام ان پر چھپا گیا۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ایک سردار قوم کی بیٹی کی عزت اس کے درجہ و منزلت کے مطابق ہو گئی۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اصحاب پیغمبر میں جو صفیہ کے معاملہ میں جھگڑا پڑنے کا اندیشہ تھا اور اندرونی رنجش پیدا ہونے والی تھی وہ ختم ہو گئی۔

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ یہ دستور اسلامی بن گیا کہ جب دشمنان اسلام کے سرداروں کو قتل کیا جائے تو ان کی عورتوں کو ذلیل نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کا احترام کیا جائے۔ اور اگر وہ سرداروں کی عورت ہے تو سردار فوج اسلام ہی کی زوجیت میں آئے۔

(۵) پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اہل اسلام کو یہ درس دیا گیا کہ وہ اسیر کردہ عورتوں کو کنیزی ہی میں نہ رکھیں

بلکہ ان کو آزاد کر دیا کریں۔ تاکہ سلسلہ کینیزی نہ پیدا ہو۔ بلکہ ہر عورت و مرد اسیر کو حق آزادی دیا جائے اور اس کو اس کے حق فطری سے محروم نہ کیا جائے۔ اگر پیغمبر اسلام یہ درس نہ دیتے تو بطور اسیری کے لاتعداد غلام و کینیزی عہد بہ عہد بڑھتی ہی رہتی۔ پیغمبر اسلام کے صفیہ و اسی طرح دیگر عورتوں مردوں کے آزاد کرنے سے سلسلہ غلامی و کینیزی منقطع ہو گیا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان بنی نوع انسان پر ہوا۔

(۶) چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ صفیہ کے آزاد کرنے سے ویزان کو اپنے عقد میں لانے سے اخلاق پیغمبر اسلام کا اثر صرف صفیہ ہی پر نہیں ہوا۔ بلکہ اس زمانہ سے اب تک جس تاریخ دان نے ان اخلاق پیغمبر اسلام کا مطالعہ کیا وہ محترف اخلاق اسلام ہوا۔ اور اس طرح اساس اسلام کو روز بروز استحکام حاصل ہوتا گیا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اقوام سلف کے ظالمانہ و استبدادانہ افعال ہمیشہ کیلئے قابل نفرت بن گئے۔ اور پیغمبر اسلام کے اخلاق و افعال حکیمانہ ہمیشہ قابل محبت و رغبت رہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جس نے اسلام کو ایک لافانی اور عالمگیر مذہب بنا دیا۔

عقد ریحانہ بنت شمعون | **عقد گیارہ** - تذکرہ صحابیات فصل ۱۱

ریحانہ بنت شمعون قبیلہ بنی نضیر سے تھیں.....

(۱) آپ کا پہلا نکاح حکم قرظی سے ہوا تھا۔ جب بنی قریظہ مسلمانوں سے مغلوب ہوئے تو ریحانہ بھی سلسلہ اسراء میں آنحضرت کے حصہ میں آئیں۔ بقول ابن سعد آنحضرت نے آزاد کر کے آپ سے نکاح کر لیا۔

(۲) تفریح الاذ کیا جلد دوم ص ۳۵۵ :-

بارھویں ریحانہ بنت شمعون کہ بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تھیں۔ مگر غزوہ بنی قریظہ میں ہاتھ آئیں اور محرم سال ہجرت میں حضرت نے آزاد فرما کے اور بارہ اوقیہ مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔ کذا فی القول بدیع اس قول کو واقدی اور ابن اثیر نے ترجیح دی ہے۔ وفات ان کی حجتہ الوداع وقت رجوع میں ہوئی قبرستان مدینہ میں مدفون ہیں۔

عقد میمونہ بنت حارث | **عقد باسٹا** - تفریح الاذ کیا جلد ۲ ص ۵۵۵ :-

میمونہ بنت حارث - زمانہ جاہلیت میں

میمونہ زہرا بنت مسعود ابن عمرو نقلی تھیں۔ (۱) پھر عبد اللہ ابن ابی رہم عامری یا خولیب ابن

عبد العزیز یا فروہ ابن عبد العزیز یا عبد بالیل ابن عمر کے نکاح میں آئیں ذلیقہ ہفتم
ہجری میں حضرت نے نکاح کیا۔

(۲) اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۱۵۵ :-

میمونہ نام تھا باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ مسعود بن عمیر اشقی ان کے پہلے شوہر
تھے۔ مسعود نے طلاق دیدی تو ابورہم بن عبد العزیز نے ان سے نکاح کر لیا۔ ابورہم کے انتقال
کے بعد آنحضرت صلعم کی شرف زوجیت میں آئیں۔ ان کے ساتھ نکاح کر لینے کی درخواست حضرت
عباس نے کی تھی۔ اسلئے کہ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل کی یہ چھوٹی بہن تھیں۔ عجیب اتفاق
ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور وہیں انہوں نے ۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت
عبداللہ ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب جنازہ لوگ لے چلے تو عبداللہ ابن عباس نے
تاکید فرمائی کہ آہستہ چلو جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ چلو یہ رسول اللہ صلعم کی زوجہ
محترمہ ہیں۔

(۳) صحیح بخاری پارہ ۷ کتاب النبی ترجمہ مرزا حیرت دہلوی :-

ابن عباس فرماتے ہیں۔ نبی صلعم نے میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا اور بوقت حلال ہونے
کے ان سے خلوت کی اور میمونہ اتفاقاً سرف ہی میں رہیں جگہ نکاح ہوا تھا فوت ہوئیں۔ بہر سند دیگر
دیگر ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے میمونہ سے عمرہ القضا میں نکاح کیا تھا۔
پہلے :- یہ دونوں نکاح ۳۵ھ و ۳۶ھ میں ہوئے۔ ریحانہ قبیلہ بنی نضیر سے تھیں۔ جب بنو نضیر
مغلوب ہوئے تو ریحانہ بہ حالت کینزی و اسیری آئیں تھیں۔ بیوہ تھیں پیغمبر اسلام نے آزاد کر کے نکاح
کیا۔ میمونہ حالت کفر زمانہ جاہلیت میں یکے بعد دیگرے دو شوہر کر چکی تھیں اور دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔
حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے پیغمبر اسلام سے سفارش کی کہ وہ میمونہ سے عقد کر لیں۔ کیونکہ حضرت عباس
کی یہ سگی سالی تھیں۔ بحالت غربت زندگی گزار رہی تھیں۔ پیغمبر نے اپنے سگے چچا عباس ابن عبدالمطلب کی
سفارش قبول فرمائی اور میمونہ سے بحالت احرام کعبہ ہی میں نکاح کر لیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ عباس کے
دل میں ملال پیدا نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام تھی۔ اسلام کو معزز اور بااثر افراد کے تعاون کی ضرورت
تھی نہ کہ معمولی بات پر یا بھی رنجش و ملال پیدا کر لیا جاتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں عقد خط نضیر کیلئے
کئے گئے تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ان دونوں عورتوں میں سے کسی ایک میں بھی وجہ رغبت و سبب لذت کوئی
چیز نہ تھی۔

فطرت انسانی نہیں بدلتی اس وقت کے انسان میں چیز کو پسند کرتے تھے آج کے انسان بھی انہیں چیزوں کو پسند کرتے اور کشش دل سمجھتے ہیں۔ حسن و جمال سن و سال، عقل و فہم، تیزی و پھرتی عہد قدیم میں سب کشش تھا اور آج بھی۔ عہد قدیم میں بھی عورت کیلئے زیادہ عمر کا ہونا، بیوگی اور وہ بھی بار بار کی بیوگی غربت و افلاس، بد مزاجی و بداخلاقی۔ تندہی و سرکشی مرد کیلئے باعث نفرت تھی اور آج بھی ہے۔

اس معیارِ فطرتِ انسانی پر پیغمبر اسلام کی کوئی زوجہ نہ آتی تھی۔ بجز عائشہ بنت ابوبکر کے پیغمبر اسلام کی تمام ازواج بیوہ تھیں۔ عمر تھیں، بعض سخت تند مزاج و تند خو تھیں۔ بعض سرکش و نافرمان تھیں بعض غریب و نادار تھیں، بعض اسیر و کینز تھیں، بعض عالم غربت میں بیوگی و لاچارگی میں تھیں۔ یہ سب وہ چیزیں تھیں کہ مرد کو ان سے متنفر پیدا ہوتا ہے۔ اور میلان طبیعت ایسی عورتوں کی جانب نہیں ہوا کرتا

جب پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور عین شباب تھا تو آپ نے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا جن کا سن بالالتفاق مورخین ۴۰ سال کا تھا۔ اور وہ بیوہ بھی تھیں۔ یہ عورت کل عمر کیلئے بس آخری حصہ عمر ہوا کرتا ہے۔ اور اس عمر میں عورت میں کوئی کشش و جاذبیت باقی نہیں رہتی۔ پیغمبر اسلام نے اپنی نوجوانی کا تمام حصہ اسی رفیقہ حیات کے ساتھ گزارا اور ان کی زندگی میں کوئی عقد نہیں کیا۔ اور کیوں نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ خدیجہ محسن اسلام تھیں۔ اولین مومنہ تھیں، انہوں نے اپنا لاتعداد روپیہ راہِ خدا و رسول میں صرف کر دیا تھا۔ اور بعد کو خود بحالت افلاس و غربت زندگی گذاری۔ مگر سب کچھ صرف طلبِ رضائے خدا کیلئے اور خوشنودی پیغمبر اسلام کیلئے کیا۔

چونکہ ذاتِ خدیجہ سے پیغمبر اسلام کی اصل عرض و غایتِ اسلام پوری ہوتی تھی۔ یعنی اسلام کی تبلیغ کے مواقع اور اس کے اسباب حاصل ہوتے تھے۔ لہذا دوسرے عقد کی ضرورت بھی نہ تھی۔ لیکن خدیجہ کے پیغمبر اسلام کو تبلیغ تو سید رہانی کیلئے تمام وہ طریقے اختیار کرنے تھے۔ جو مفید مطلب ہوں۔ لہذا ان میں سے ایک یہ طریقہ بھی تھا کہ آپ تعدد ازواج کے ذریعہ فراعنہ عرب و منکرہ قریش کے سروں کو نیچا کر دیں۔

یا ان کو اسلام کا سہارہ و معاون بنالیں۔ یا کم از کم ان کی مخالفت ظاہری ہی ختم کر دیں۔ چونکہ یہ چیزیں تعدد ازواج ہی سے حاصل ہوتی تھیں۔ اور عرب کے جنگجو ہندی و متکبر و مغرور قوم اور اس کے افراد بیسیوں سال زندہ دفن کر دیا کرتے تھے کہ وہ لڑکی غیر کی زوجیت میں نہ جائے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے ان متکبرین و مغرورین کے سر جھکا دیئے اور یہی نہیں کیا۔ بلکہ عورتوں اور معصوم بے گناہ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا۔ اور وہ اس طرح کہ پیغمبر اسلام نے اسیر عورتوں کو آزاد بھی کیا۔ اور اسیر کا ان کیلئے ایک بدنام داغ بن گئی تھی۔ لہذا اس داغ کو اس طرح مٹا دیا کہ خود اپنی زوجیت میں قبول کر لیا۔ عورت کا پست

درجہ بیوگی ہے اور عالی مرتبہ بکارت ہے۔ . . . پیغمبر اسلام نے لپست درجہ (بیوہ) عورت کا اعزاز بڑھایا۔ تاکہ وہ عالی مرتبہ۔ . . . عورت کے مساوی ہو جائے۔

ناظرین و صاحبان نظر انصاف حیات پیغمبر اسلام پر جہاں تک غور کریں گے ان کو معلوم ہو گا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل عفت و حکمت و عدالت پر مبنی تھا۔ اور درحقیقت آپ نے وہ نمونے عفت کے قائم کئے ہیں جو تا قیامت عدیم المثال اور قابل عمل رہیں گے۔

غیر مسلم محترضین و متعصبین نے عفت پیغمبر اسلام پر تعدد ازدواج کے بارہ میں اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے اپنے نظریہ یا اپنے ماحول یا اپنی معاشرت یا اپنے رسوم ملکی و مذہبی کے ماتحت اصلی عقیدہ

یہ تعدد ازدواج کیوں؟
دفع اعتراض

کو سمجھا نہیں ہے۔ موقع نہیں کہ ان افراد و محترضین کے رسوم ملکی و مذہبی و ماحول و معاشرہ پر تفصیلی بحث کی جائے کیونکہ یہ پیغمبر میری کتاب کے موضوع سے علیحدہ ہے۔ مگر مختصراً اتنا لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض مذاہب ایسے ہیں کہ انہوں نے خدا پرستی، پارسائی و عفت کو بس اتنا ہی سمجھا ہے کہ وہ ترک دنیا داری کر دیں۔ لذت دنیا کو ترک کر دیں۔ گوشہ نشینی اختیار کر لیں۔ رشتہ ازدواج کو چھوڑ دیں۔ غیر آباد مقامات پر یاد الہی کرتے رہیں۔ اپنے جسم و نفس کو سخت ترین اذیتیں پہنچائیں۔ نعمات خداوندی کو جو اس نے انسانی صورت کیلئے سطح ارض پر پیدا کی ہیں۔ بھول جائیں اپنے جسموں کو لانا کر لیں۔ دنیا و مافیہا سے غافل ہو جائیں۔ ان کا خیال و اعتقاد ہے کہ جس قدر سختی سے وہ ان باتوں پر عمل کریں گے۔ اتنے ہی وہ پارسا عفت مآب خدا ترس، متقی، عابد و زاہد ہو جائیں گے۔ اور اتنا ہی وہ خدا کے قریب ہو جائیں گے حکماء متقدمین، عقلاء متاخرین کا اس امر پر اجماع ہے۔ کہ انسان کی قدر و قیمت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے جتنا وہ اپنا نئے نوع کے زیادہ کام آتا ہے۔ اور انسان اتنا ہی باعزت و باوقار ہوتا ہے۔ جتنا وہ سوسائٹی و معاشرہ کیلئے مفید کارآمد بن جاتا ہے۔ انسان کو اپنی زندگی اسی وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ اپنے اپنا نئے نوع کیلئے اپنا سب کچھ مال و وقت جان، اولاد۔ . . قربان کر سکتے ہے۔

حکماء، متقدمین و متاخرین کے نزدیک بھی ترک دنیا و صحرا نشینی کی زندگی کوئی اعلیٰ زندگی نہیں ہے اگر انسان با دویشینی و کوہ نشینی اختیار کرے۔ اور اپنا سب وقت عبادت الہی میں صرف کرے تو اس کا مرتبہ و تعداد حیوانات، حشرات، نباتات، طیور وغیرہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مخلوقات اپنے رب کی ثناء اور اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ ان فرائض شطرت کو بھی ادا کرتے ہیں جن کیلئے وہ خلق کئے گئے ہیں۔ انسان ان مخلوقات سے بھی کم درجہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صحرا نشینی میں عبادت

خالق تو کرتا ہے مگر وہ اپنے فرائض حیات کو ترک کر دیتا ہے۔ علاوہ بریں انسان کو خدا نے اشرف مخلوقات بنایا ہے اور اس کی اشرفیت و افضلیت اسی میں ہے کہ وہ ان حیوانات وغیرہ سے زیادہ فرائض ادا کر سکے ورنہ طاعت کیلئے کچھ نہیں تھے کہ وہ یہاں۔ خدا نے ہمیشہ ہر ملکہ یا ذرات عالم بنائے ہیں جو اپنے فرائض فطرت کو معینہ اوقات کے مطابق بجالا رہے ہیں۔ انسان کی افضلیت ان سب پر اسی لئے ہے کہ وہ بیک وقت اپنے تمام ضروریات زندگی و معاملات حیات کو مطابق مرضی خدا بنالیتا ہے۔ اور اس کا ہر فعل اور اس کی ہر سانس عبادت خدا بن جاتی ہے۔ وہ فکر و محاش میں جاتا ہے صرف اسلئے کہ اس کا جسم جو نعمت خدا ہے باقی رہے۔ وہ محنت و مشقت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے خورد و نوش و لباس و مکان کا انتظام کر سکے اور صرف اسلئے کہ اس کا جسم فنا و ہلاکت بے وقت سے محفوظ رہے۔ وہ اعز اقرباء و اقربا اہل محلہ و اہل ملک سے بہتر سلوک پیش آتا ہے۔ صرف اسلئے کہ اس کی درد سردوں کی ضروریات زندگی فراہم کر سکے اور اس کام میں باہمہ گراہی دوسرے کا تعاون جاری رہے۔ وہ عقد کرتا ہے تاکہ اس کی نس باقی رہے اور افضل و اشرف مخلوق و بہترین صنعت خالق کا وجود باقی رہے۔ جو اس کے علوم کا ادراک کریں جو اس کے راز نامائے فطرت کو ظاہر و منکشف کریں اور اس کی معرفت حاصل کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے رہیں۔ اولاد کو پرورش کرتے رہیں اسلئے کہ کائنات کا محاکم مخلوقات عالم کا متصرف اشیائے عالم کو کام میں لائے والا باقی رہے۔

قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لقد کرمنا بنی آدم۔ ہم نے بنی آدم کو ہر شے پر کرامت و سرداری عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب چیزوں سے کام لینے والا بنی کوئی نذر ہے گا۔ تو چیزیں عبث ہو جائیں گی۔ گویا بے وجود انسانی کائنات کا وجود ہی عبث قرار پائے گا۔ لہذا انسان اپنی اولاد کو پرورش کرتا ہے۔ کہ خلیفہ فی الارض کا وجود باقی رہے۔ اور وہ اس کام میں جتنی جہد و جہد زیادہ کرتا ہے۔ اتنی ہی اس کی عبادت و معرفت خالق زیادہ ہوتی ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا وہ متفقہ بین و متاخرین اور فلسفین کے خیالات کی ترجمانی تھی۔ خدا نے علم نازل کیا ہے تا قیامت باقی رہنے والے دستور العمل قرآن میں متعدد جگہ انسانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ اس تمہید سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کا ہر فعل بشرطیکہ معاشرہ کی بھلائی کیلئے ہو عبادت خداوندی ہے۔

عہد قدیم سے عہد موجودہ تک لاتعداد قوانین معاشرہ بنائے گئے اور روزانہ حکومتیں تو انہیں بناتی رہتی ہیں۔ مگر ان قوانین کو مطابق زمانہ بار بار بدلنا پڑتا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ انسان کا علم محدود ہے

اس کا تجربہ محدود ہے۔ اس کی عقل محدود ہے، اس پر خود غرضی و حکومت کا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے اقتدار اپنی قوم کے اقتدار کا بھو کا ہے۔ وہ جو کچھ بنانا ہے بس اپنا مفاد اپنی قوم و ملک کا مفاد پیش نظر رکھ کر بناتا ہے مگر جب کچھ زمانہ گذرتا ہے تو دوسری قوم یا جماعت کا اقتدار بڑھتا ہے۔ اس کا بھی علم محدود، تجربہ محدود عقل محدود اور وہی خود غرضی و اقتدار کا لالچ بس پھر قوانین تو بنتے ہیں۔ مگر صرف وقتی و عارضی، پچھنیں مسلسل ہوتا چلا رہا ہے۔ مگر خدائے قدیر نے انسان کو صحیح راستہ پر چلنے کیلئے ہر زمانہ میں قوانین بنا دیے اور جس زمانہ کے لوگوں میں جتنی استعداد صلاحیت فہم و عمل تھی۔ اسی قسم کے قوانین بنا دیے گئے۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں آئے۔ جب نخل آفرینش اپنے کمال کو پہنچا اور اس میں برگ و شاخ و ثمر سب پیدا ہو گئے تو خدائے قدیر نے نبی آخر زمان کو معین کیا۔ اور ان کو ایک ابدی قانون کی کتاب عطا کر دی۔ چونکہ خداداد فطرت انسانی، بلکہ خالق فطرت انسانی تھا۔ لہذا اس نے اب اس کتاب میں وہ سب قوانین و ضروریات جمع کر دیئے۔ جس کی ضرورت قیامت تک آنے والوں کو پڑے گی۔ اور قرآن نے اگر ان الفاظ میں اعلان کر دیا۔

ولا در طب ولا یلبس الا فی کتاب المبین -

دنیا کا کوئی رطب و یابس ایسا نہیں ہے جو اس کتاب میں نہ ہو۔

اس تمہید کلام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل عالم غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام محمد صلعم کی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت میں وہ بشر تھے اور دوسری حیثیت میں وہ نبی آخر زمان تھے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی بشریت کے لحاظ سے ان کے کمال ذاتی کو پیش کروں۔ اس موقع پر بھی میرا یہ التزام ہے۔ مگر چونکہ قوانین فطرت انسانی کو بیان کرنا ہے۔ لہذا خالق فطرت کا تذکرہ اس کے بعد دستور العمل و فطرت کا ذکر ضروری ہے۔

بہر حال پیغمبر اسلام کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو تو یہ تھا کہ وہ بشر تھے۔ اور دوسرا پہلو یہ کہ وہ نبی و رسول تھے۔ اگر وہ بلحاظ بشر کامل اپنے کار مفوضہ یعنی کار رسالت کو بہ احسن و جودہ پورا نہ کر سکتے تو بھی یہ بخلے کمال بشریت کے نقص بشریت ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے احکام خدا کو بہ احسن و جودہ اہل دنیا تک پہنچایا۔ اور ہر حکم خدا پر خود عمل کامل کر کے نمونہ پیش کر دیا۔

اب رہا معاملہ تعدد ازواج کا۔ تو اس کے بارے میں جو مصالح تھے ان کو تفصیلاً میں لکھ چکا ہوں اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ تعدد ازواج کے بارے میں جو احکام خدا تھے، ان کی مطابقت و اشاعت و ترویج پیغمبر اسلام نے کہاں تک کی۔ اگر پیغمبر اسلام نے اپنی تعدد ازواج میں احکام خدا کا نمونہ پیش کیا ہے۔

تو اپنا کار رسالت انجام دیا ہے۔ اور اگر بنائے مصالح دینی تعدد ازدواج پر عمل کیا ہے۔ تو یہی کمال نقطہ بشریت ہے۔ یہ تو اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر عقیدہ مطابق قوانین عفت تھا۔ اور کسی اور کسی موقع پر حفظ نفس و خواہش نفس کیلئے کوئی عقیدہ نہیں کیا گیا اور ہمیشہ قوت نفسانی تو اسے عقلیہ دروہانہ کے ماتحت رہی ہے اور اسی عمل کا نام عفت ہے۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے انسانوں کیلئے یہ سلسلہ تعدد ازدواج دستور العمل بنایا ہے۔ اور یہ غور کیجئے کہ ان احکام کی اشاعت بحیثیت رسالت پیغمبر اسلام نے کتنی پوری کی ہے۔

(۱) قرآن پارہ ۴ سورہ نساء آیت ۳۔

فانكحوا صا طاب لكم من النساء مثنى
وثلث وربع فان خفتن الا تعدوا وواحد
او ما ملکت ايمانکم ذلك ادنی الا
تعولوا۔

جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو یا تین تین یا
چار چار ان سے نکاح کر لو۔ اور اگر اس بات کا
اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ
کر سکو گے تو ایک عورت کافی ہے یا لونڈیاں جن کے

تم مالک ہو۔ اس سے تم بے الضافی سے پنج جاؤ گے۔ (مقبول ترجمہ)

(۲) قرآن سورہ نساء۔

والمحصنات من النساء الا ما ملکت
ایمانکم کتاب اللہ علیکم واخلکم ما وراء
ذکم ان تتبتغوا باموالکم محصنین
غیر مسافحین۔

اور شوہر دالی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر
وہ (کافر) کی عورتیں جو اسیر ہو کر لونڈیوں
کے طور پر تمہارے قبضہ میں آجائیں۔ یہ حکم
خدا نے تم کو لکھ دیا ہے۔ اور ان محرمات کے

علاوہ اور عورتیں تمکو حلال ہیں۔ اس طرح سے کچھ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ نکاح
سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو۔ نہ کہ شہوت رانی۔

(۳) فما استمتعتم بهامنهن فاتواهن اجور
هن فريضة۔

پس جن عورتوں سے تم متعہ کر لو تو مقرر کیا
ہوا مہران کو دیدو۔

(۴) ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح
المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت
ایمانکم من فتياتکم المؤمنات واللہ
اعلم بایمانکم بعضکم من بعض ط

اور جو تم میں سے اتنا مقدور نہ رکھتا ہو کہ وہ
آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو وہ
مومن لونڈیوں سے نکاح کر لے۔ جو تمہارے
قبضہ میں ہوں اور اللہ تمہارے ایمان سے

فانكوهن باذن اهل هن و آتوهن

خوب واقف ہے۔

اجورهن بالعرف محصنات غير

پس ان سے ان کے مالکوں کی اجازت

مسانحات و امتحذت اخذ ان ط

سے نکاح کرو۔ اور ان کے مہر نیکی کے ساتھ

ان کو ویدو وہ عقیفہ ہوں نہ بدکاریں اور نہ چوری پھپھے آشنائی کرنے والیاں۔

(۵) یا ایہا النبی انا احللتک ازواجک الی

اے نبی ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جنکو

اتیت اجورهن و ما ملک یمینک

تم نے ان کے مہر دیدئے ہیں حلال کر دی ہیں

مما افاء اللہ علیک و بنات عمک و بنات

اور وہ کنیزیں جو خدا نے تم کو بطور مال عنیت

عمتک و بنات خلتک و بنات خالتک

دلوانی ہیں اور تمہارے چچا اور تمہارے

التی ہاجرن معک و امرأة مومنة

پھوپھیوں، ماموؤں اور خالادوں کی بیٹیاں

ان و هبت نفسہا للنبی ان اراد النبی

جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے سب

ان یستنکمما خالصۃ لک من دون

حلال ہیں۔ اور کوئی مومن عورت اگر وہ اپنے

المومنین قد علمنا ما فرضنا علیہم

نفس کو نبی کیلئے ہسبہ کر دے بشرطیکہ نبی اس

فی ازواجہم و ما ملک ایمانہم لکیلا

سے نکاح کرنا چاہے وہ بھی حلال ہے۔ مگر

یکون علیک حرج و کان اللہ غفوراً رحیماً

یہ اجازت اے نبی تمہارے لئے خاص ہے۔

من تشاء منہن و تلوی الیک من تشاء و

دیگر مومنین کو یہ اجازت نہیں ہے۔ ہم نے انکی

من ابتغیت ممن عزلت فلا جناح

بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں جو مہر مقرر

علیک ذلک ادنی ان تقوا علیہن ولا

کر دیا ہے۔ ہم کو معلوم ہے۔ یہ اسلئے کیا گیا

یحزن و یرضین مما اتیتہن کلہن

ہے کہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہ رہے۔ خدا بخشنے

واللہ لعلام ما فی قلوبکم و کان اللہ علیماً

والا مہربان ہے اور تمکو یہ بھی اختیار ہے کہ جس

حکیمما۔ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب آیت ۵)

ذو جہ کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس

(۶) مجمع بخاری پارہ ۱۸ کتاب تفسیر قرآن مترجمہ مرزا سمیرت دہلوی ص ۲۸۴ :-

عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ ہم رسول صلعم کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔

اور عورتوں سے جدائی کی برداشت نہ ہوتی تھی بوجہ حرارت اور قوت کے، تو ہم نے عرض کیا آیا ہم خصی ہو

جائیں اپنے منہ فرمایا اور پھر اجازت دیدی کہ عورت سے تنہوں سے یا زیادہ دن مقرر کر کے جس میں جو

عورت راضی ہو نکاح کر لو اور پھر آیت پڑھی۔

نوٹ - مترجم مرزا حیرت دہلوی - اس سے متعہ جائز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسی وقت تھا جبکہ احمد ضرورت تھی۔ پھر موقوف ہو گیا۔

میری اس کتاب کے موضوع سے یہ بات باہر ہے کہ میں اختلاف تفسیر قرآن کو بیان کروں۔ اور اس کی تفصیل سے اپنی کتاب کو زیادہ ضخیم کر دوں۔ مجھ کو تو صرف ان احکام قرآن کو بیان کرنا ہے۔ جن کی تبلیغ در بارہ تعدد ازواج پیغمبر اسلام پر واجب تھی۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ :-

(۱) ہر ایک مرد بیک وقت چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ مالی و جسمانی اتنی طاقت رکھتا ہو کہ وہ ان کے درمیان میں عدالت و انصاف قائم رکھ سکے۔

(۲) — حرام عورتوں کے علاوہ ہر مرد کنیزوں کو بھی جو ان کی زر خرید یا مال قیمت میں ملی، جن زوجیت میں رکھ سکتا ہے۔

(۳) مگر مرد کا مقصد ان تعدد ازواج سے حصول پاکدامنی و پارسائی و عفت ہو۔ نہ کہ ہوس رانی و عیاشی و حظ نفس۔ یعنی قرآن نے یہ حکم دیا کہ تعدد ازواج صرف اسلئے جائز ہے۔ کہ انسان بدکاری و حرام کاری سے بچے اور باعفت زندگی بسر کر سکے۔

(۴) ہر مرد منکوہہ چار عورتوں کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح متعہ بھی کر سکتا ہے۔ اور وہ نکاح متعہ مدت معین کیلئے ہو۔ اور حرام کاری سے بچنے اور عفت و پاکدامنی حاصل کرنے کیلئے ہو۔

(۵) عقیفہ و پاکدامن عورتوں سے نکاح و متعہ کا حکم ہے نہ کہ بدکار و حرام عورتوں سے۔

مذکورہ بالا قرآنی احکام کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان کی تبلیغ قوی و عملی پیغمبر اسلام کو کرنی ضروری تھی یا نہیں۔ بحیثیت رسول یہ ضروری تھا کہ پیغمبر اسلام ان احکام قرآنی و ضروریات معاشرہ انسانی کو باحسن و جہد پیش کریں۔ ان آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ در

ہر مرد اپنی قوت و طاقت و استطاعت کے لحاظ سے ایک، دو، تین یا چار عورتیں بیک وقت کر سکتا ہے اور بحالت ضرورت کنیزیں بھی رکھ سکتا ہے۔ اور دیگر عورتوں سے نکاح و متعہ بھی کر سکتا ہے۔ مگر ہر مرد پر فرض ہے کہ وہ یہ کام صرف ایسی حالت میں کر سکتا ہے کہ اس کا مقصد اپنی عفت قائم رکھنا اور حرام کاری سے بچنا ہو۔

ان قرآنی احکام و نیز قوائے اقوام عالم کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیجئے کہ پیغمبر اسلام نے جو بھی نکاح کئے وہ تعدد ازواج کے لحاظ سے عقلاً زیادہ ثابت ہوتے ہیں۔ یا بمقابلہ دیگر افراد کے کم ہیں۔ کیونکہ ہر مرد بیک وقت چار منکوہہ عورتیں بھی رکھ سکتا ہے، کنیزیں بھی رکھ سکتا ہے۔ و نیز متعدد نکاح و متعہ بھی کر سکتا ہے۔ اور ان میں

ہر ایک کو طلاق بھی دے سکتا ہے۔ اور ان کے عوض دوسری عورتیں بھی کر سکتا ہے۔ تو یہ تعداد ازواج ہر مرد کیلئے ازواج نبی سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اعتراض کہ پیغمبر اسلام نے بیک وقت اپنے آپ تو ۹ یا دس عورتیں نکاح میں رکھیں اور اپنے پیرو مسلمانوں کو صرف چار عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھنے کا مجاز کیا۔ باطل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح یہ اعتراض بھی باطل ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے یہ تعداد ازواج بہائے حصول حفظ نفس کیا تھا۔ اور یہ تقدس ذات نبوی کے خلاف تھا۔

میری اس کتاب کا موضوع انسان کامل ہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ انسان کامل وہی ہے کہ جو تمام بشری طاقتیں بہ درجہ کمال رکھتا ہو۔ اور جو اوصاف و فضائل کے لحاظ سے اکمل ترین افراد عالم ہو۔ اگر کوئی ذی عقل فلسفی، حکیم، مدبر، منطقی کسی انسان کامل کے خیالی و فرضی وجود کو تسلیم کرے۔ اور تمام دنیا کی خوبیاں اس میں جمع کر دے اور بعد کو یہ بتا دے کہ وہ انسان کامل نامرد محض تھا۔ اس میں تو اسے شہوانیہ کا وجود مطلق نہ تھا۔ اس کے اولاد کبھی نہیں ہوئی۔ اس کو عورت کی ضرورت کبھی پیش نہ آئی۔ اس نے اقرباء کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تو صرف مالک اوصاف اعلیٰ تھا۔ اور انتہائی درجہ کا موصوف اور خدا پرست و عابد و زاہد تھا۔ تو یہ صفات تو اپنی جگہ باقی رہیں گی۔ مگر وہ انسان کامل کا وجود خیالی یعنی تصویر خیالی ہی بن جائے گا۔ اور اس کا کمال نقص سے بدل جائے گا۔ وہ اور اس کے اوصاف قابل تقلید نمونہ نہ رہ سکیں گے۔ وہ دنیا کی عورتوں کی نگاہ میں حقیر و قابل نفرت ہوگا۔ و نیز دنیا بھر کے مرد اس کو اپنے لئے قابل تقلید نمونہ نہ جانیں گے۔ اور ان تمام مردوں کی رغبت و محبت فطری کا اس کی ذات سے دور کا بھی تعلق نہ پیدا ہو سکے گا۔

لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ انسان کامل وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام وہ تو اٹے بشری موجود ہوں۔ جن کا وجود حکمائے زمانہ نے انسان کیلئے تجویز کیا ہے۔ اور اس نے ان قوی کو مطابق قوانین مکارم اخلاق استعمال کیا ہو پیغمبر اسلام شجاعان عرب کے بہترین خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد تھے۔ وہ بہادر تھے۔ بہری تھے، دلیر تھے اور مرد تھے۔ ان میں بحیثیت انسان کامل تمام وہ خصائص و تو اٹے بشری بدرجہ کمال موجود تھے۔ جن کا ہونا ایک انسان کامل کیلئے ضروری ہو سکتا ہے۔

انسوس ہے کہ ان کے تو اٹے خصوصی بشری داد و صاف کمالیہ کے سمجھنے والے اور ان کا احصاء کر نیوالے نہیں ہیں۔ ورنہ ان کی ذات تمام عالم کیلئے بغیر چوں و چرا نمونہ عمل بن جاتی۔ اور اقوام کو بغیر ان کے نمونہ ذات کے قبول کرنے کے کوئی چارہ ہی نہ ہوتا۔ مگر انسوس کہ اہل اسلام اپنے اختلافات فرق میں مبتلا ہو گئے اور اسوہ رسول کی اشاعت و تبلیغ سے غافل ہو گئے۔

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے جو اور جتنے بھی عقد کئے۔ وہ درحقیقت لمحات تو اٹے

کے بہت کم تھے۔ حالانکہ قرآن نے ہر معمولی مرد کو ان سے زیادہ عقیدوں کی اجازت دی ہے۔

دفع اعتراض - اب رہا یہ معاملہ کہ اسلام یا قرآن یا خدا نے ہی تعدد ازدواج کی کیوں اجازت دیدی ہے جبکہ ایک عورت سے ہی ضروریات مرد پوری ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ میں مختصراً جو اب حالات ازدواج رسول کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں۔ مگر مختصراً اس موقع پر یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں نے معیار پارسائی و عفت تو یہ بنا لیا کہ مرد کی صرف ایک عورت ہو۔ مگر چونکہ ان کا یہ مسئلہ خلاف فطرت انسانی و خلاف توانے بشریہ ہے۔ لہذا وہ کلیہ یا مسلمہ کبھی قابل عمل ثابت نہیں ہوا۔

جن اقوام عالم کو دعویٰ ہے کہ وہ اس زمانہ میں بہترین و اعلیٰ ترین اصول تہذیب و تمدن و معاشرہ پر گامزن ہیں اور ان کی سوسائٹی و معاشرہ میں اب مزید اصلاحات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود انصاف کی نظروں کو اپنے گمراہوں میں ڈال کر دیکھیں حیران کو ایک طلسم خانہ نظر آئے گا۔ جس میں وہ دیکھیں گے کہ ان کی عصمتیں اور ناموس لٹ رہا ہے۔ ان کی ناکتخدا لڑکیاں اپنی گودوں میں نو مولود لئے پھر رہی ہیں۔ ان کی ازدواج اعتبار کی طلب رضائیں مصروف ہیں۔ نہ وہاں قانون نکاح ہے نہ قانون معاشرہ نہ حقوق میراث کیلئے اولاد یقینی ہے۔ نہ حصص میراث کا تعین صحیح معین ہو سکتا ہے۔ نہ وہاں انفرادی حمیت ہے نہ وہاں اجتماعی و قومی غیرت۔ !

اس طلسم خانہ میں صرف رقص و سرود کی محفلیں ہیں۔ رندی شراب نوشی کیلئے جام و مراحمیاں ہیں نرق برق لباس ہیں۔ اور سورد و غلمان دنیا اسی دنیا کو صدر شک جہاں بنائے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے اگر کسی عورت کا کوئی شوہر غیرت دار ہے تو کسی گوشہ میں سر جھکائے بیٹھا ہے۔ اور اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا ہے۔ اگر کسی حسینہ ناکتخدا کا باپ اتفاق سے شریک محفل ہو گیا ہے۔ تو بے بسی میں ٹھنڈی سانس لے رہا ہے۔ اور تہذیب قدیم کا نوحہ تو اٹھا ہے۔ پھر صورت یہ کسی ایک ملک ایک قوم پر طاری نہیں ہے۔ بلکہ اسی دور ترقی میں۔ اس خانہ تمام آفتاب است۔

آپ سنجیدگی سے غور فرمائیے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور انسان حیوانات کے درجہ سے بھی کیوں پست نظر آ رہا ہے؟ اس کی رگ حمیت و غیرت کٹ چکی ہے۔ کیوں اس کو اپنی ناموس فردشی پر فخر ہے۔ کیوں اس نے اپنی ہوس رانی کی خاطر اپنا سب سرمایہ حیات و غیرت و وقار کھو دیا ہے۔؟

صرف اس لئے کہ اس انسان کے سامنے کوئی نمونہ کمال انسانی موجود نہ تھا۔ ان اقوام کے پیشوا اور ان کی تعلیمات انہیں کے ہاتھوں منسوخ ہو گئے۔ ان کی فطری قوتوں نے ابھر کر ان میں حیوانیت و درندگی پیدا کر دی۔ اب نہ ان کی حیات کا کوئی مقصد اعلیٰ ہے۔ نہ ان کی عورتوں میں جذبات و احساسات غیرت و حمیت ہیں۔ نہ ان

بے غیرت عورتوں کی اولاد میں شجاعت و غیرت و حمیت قومی و ملی کے جو اہر تانباک ہیں۔ ماحول مرد و عورت روز بروز پست ہوتا جا رہا ہے۔ اور انسان اپنے درجہ کمال سے درجہ حیوانیت پر اترا آیا ہے۔ بلکہ حیوانیت میں بھی ان کی نسلی و ذاتی خصوصیات موجود ہیں۔ مگر انسان نے اپنی خصوصیات بشری بھی کھودی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا اسی لئے کہ یہ مذاہب اور اقوام مرد اور عورت کا صحیح موقف مقرر نہ کر سکے۔ اور ان کے اولاد نے جو موقف معین کیا تھا اس کو ان کی ہوس رانی نے مسخ کر دیا۔ اب ان کی حالت بے نیکی اور نڈکی کی سی ہے۔ حد صراحتاً نکل گئے اور جو چاہا کیا۔

خدا خالق فطرت انسانی ہے۔ اس کے احکام جو الفاظ قرآن میں موجود ہیں، مطابق قانون فطرت ہیں ان پر جب تک اہل اسلام عمل کرتے رہے۔ اور جو آج تک ان قوانین قرآن پر عمل کر رہے ہیں۔ ان کی عفت برقرار ہے اور اس عفت کی بدولت۔ ان کی نسلیں اعلیٰ ہیں، ان کے یہاں خاندانی شجرے ہیں، وہ اپنی خاندانی شرافت پر بجا فخر کرتے ہیں۔ ان کی عورتوں بیویوں اور بیٹیوں میں غیرت و حمیت و عفت کے جذبات ہیں۔ ان عورتوں کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس میں خصائص انسانی، مردت، محبت، غیرت و عفت، شجاعت و عدالت وغیرہ اعلیٰ فضائل موجود ہیں۔ علاوہ بریں وہ خدا پرست ہیں، وہ رحم دل ہیں، وہ معاملہ فہم ہیں۔ وہ وفادار باوقار ہیں۔ جن مسلمانوں نے صرف نقالی کو اپنا شرف انانیت سمجھا ہے وہ اسی طرح ہیں جیسے وہ خشکی نقالی انہوں نے کی ہے۔

پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کیلئے جو قوانین و اصول مقرر کئے تھے۔ ان کا نمونہ اب بھی اہل اسلام میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ اور وہ بیشک تمام خصائص کے مالک ہیں۔ مگر جنہوں نے ان قوانین کو اپنی کم عقلی کم بصیرتی اور کم علمی کی وجہ سے نہ سمجھا اور ان پر عمل نہ کیا۔ وہ آج حیوانات سے پست درجہ ہو گئے ہیں۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا پیش کردہ اصول تعدد ازدواج ہر خطر ارض کے باشندہ کیلئے قابل عمل ہے۔ اور انسان کو باعفت بناتا ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ تو پیغمبر اسلام نے اپنے لئے تعدد ازدواج کو کیوں جائز رکھا اسلئے کہ آپ کو بتانا تھا کہ تعدد ازدواج ہی مرد و عورت کو باعفت بناتا ہے۔ اور میرا عمل ہی آئندہ نسلوں کو بتائے گا کہ اگر ان کے افراد میں تعدد ازدواج کی طاقت ہے تو وہ یکساں عدالت قائم رکھ سکتے ہیں۔ یہ عدالت کا قائم رکھنا کوئی ایسی دشوار چیز نہیں ہے کہ جس پر عمل نہ کیا جاسکے۔ اگر یہ ناقابل عمل طریق ہوتا تو میں بیک وقت ایا دس عورتوں سے کیسے عدالت کو قائم رکھ سکتا۔

پیغمبر اسلام نبی آخرتھے۔ آپ کی شریعت تا قیامت باقی رہنے والی تھی۔ لہذا آپ نے اس ضروری جزو حیات انسانی کو بہ احسن و جہ کر کے دکھایا۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔ اول تو یہ کہ ان لوگوں کیلئے صحیح راہ عمل دریا

عفت واضح و روشن ہو گئی۔ دوسرے یہ فائدہ ہوا کہ احکام خدا کی تبلیغ پیغمبر اسلام نے بحیثیت رسول مہذبہ
کامل کر دی اور یہ دونوں چیزیں آپ کے ذرا لفظ رسالت و نبوت سے متعلق تھیں۔ ان کو بہترین طریقہ پر
کر کے دکھا دینا آپ کے انسان کامل ہونے کا ثبوت تھا۔

میں دیگر اقوام کے اقوال کو اپنی دینی معلومات میں پیش
کرنے کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کبھی کسی اور طریقہ
سے بھی ہم سے زیادہ بگاری تاریخ و خصوصیات و قوانین

صرف معلومات کیلئے نہ کہ
تصدیق قول کے لئے

و ماحول مذہبی سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لیکن چونکہ یہ اقتباس تعدد از دارج کے بارہ میں ہے۔ اور ایک مشہور
شخص کی رائے ہے۔ اسلئے پیش ناظرین کیا جاتا ہے۔

۱۱ رسالہ مجدد صحت کراچی جنوری ۱۹۵۶ء

برطانیہ کے مشہور قانون دان اور جج جیرالڈ ہسپارڈ کی رائے ہے کہ ہر مرد کیلئے دو بیویاں ضروری
ہیں۔ یہ جیرالڈ صاحب ۱۹۲۵ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر تھے اور موجودہ وزیر خزانہ ناب بلر کے دست
ہیں۔ یہ ۱۹۲۶ء میں پیرسٹری کی سند حاصل کرنے کے بعد ۲۳ سال تک سیام میں رہے اور ۱۹۲۲ء میں
بنکاک میں بین الاقوامی عدالت کے جج کے عہدہ جلیلہ پر ان کا تقرر ہوا۔ موصوف کہتے ہیں کہ ا۔
”کہ وہ مدتوں تک اس یک زوجیت کو دیکھ کر حیران و سراسیمہ رہے جن پر برطانیہ اور امریکہ
میں عمل کیا جاتا ہے۔ میں اکثر تعجب کرتا ہوں کہ انگلستان کی وہ عورتیں جنہیں شادی کے موجودہ
نظام کے تحت شوہر نہیں ملتے۔ اس کے متعلق کیا خیال کرتی ہوں گی۔“

ممکن ہے کہ ایک دن ایسی فاضل ناکتخدا عورتیں ایک اخلاق سوز جذبہ کے ساتھ متحد ہو کر ہم سے
جراثیم کے ساتھ کہیں کہ ہم نے کس طرح انہیں ایک شرمناک ناسیت کے گڑھے میں ڈال دیا

maablib.org

”مٹنے سے دل سے دیکھا جائے تو یک زوجی کی سماجی خرابیوں سے قطع نظر یہ طریقہ بہت سے
نیک نفس شریف آدمیوں کی جائزہ ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جنہیں کم از کم دو قسم
کی عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اولاً تو ایک دائمی رفیقہ حیات جو بچوں کی ماں ہو اور شوہر
کی عمیق ترین زندگی کا جزد ہو۔ دوم ایک دوسری عورت بھی جو اس کی نظر کو روشن و تابناک
رکھے اور اسے ایک گھر لوی پالتو جانور نہ بننے دے بہت سے آدمی اپنے دل میں اس نقطہ نظر
کی صداقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ جراثیم سے کام لیکر اس حقیقت کا اعلان نہیں

کر سکتے۔ چالیس پچاس سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے عورت کی تمام جسمانی دلکشی ختم ہو جاتی ہے
 معمولی طبعی آدمی دونوں بیویوں کے ساتھ خوشگوار روابط زیادہ عمر تک قائم رکھ سکتا ہے۔
 پہلی بیوی کے ساتھ محبت کے اور دونوں کے ساتھ عزت و احترام کے پر خلوص جذبات کے ساتھ
جملہ معترضہ۔ اس اقتباس کو دیکھ کر آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ تعدد ازواج مرد کیلئے پاکدامن و باعفت
 رکھنے کیلئے بہت ضروری ہے۔ جیرالڈ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف جذبات عورت و ضرورت مرد کے
 لحاظ سے لکھا ہے۔ اور ان کا ایسا لکھنا درست ہے۔

مگر پیغمبر اسلام نے تعدد ازواج کو جائز کیا ہے۔ اور خود اس پر عمل کیا ہے۔ اس کی غرض صرف اتنی ہی
 نہیں ہے جو جیرالڈ صاحب نے بیان کی۔ بلکہ پیغمبر اسلام کے فرمان میں مصالح در مصالح جمع ہو گئی ہیں۔
 جن میں سے بعض کا ذکر معروضہ دلائل سطور مندرجہ بالا میں کیا گیا۔ لیکن اب صرف اتنا بتانا ضروری ہے کہ کسی
 مصلح کیلئے یہ خلاف عدالت و انصاف ہے کہ وہ کسی انسانی فرد کی قوتوں کو ضائع کرنے کا حکم دیدے یا اسکی
 کارآمد ہنر حیات شے کو اس سے روک لے۔ اگر پیغمبر اسلام صرف ایک ہی زوجہ کا حکم دیتے۔ یا خود بھی صرف ایک
 عورت پر اکتفا کرتے تو گویا آپ نے مرد کے حقوق کو ضائع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ
 ۵۴ سال تک صاحب اولاد ہو سکتی ہے۔ مگر مرد میں ساٹھ اور بعض حالات میں ستر، ۷۰ سال تک قوت رجولیت
 باقی رہتی ہے۔ اور اس کے نطفہ میں انعقاد حمل کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر زید کی شادی خالدہ سے
 ہوئی اور بفرض محال دونوں ہم عمر تھے۔ حالانکہ بوقت نکاح عورت کی عمر مرد سے کم رکھی جاتی ہے۔ بہر حال اگر
 دو چار سال کا فرق بھی ہو تو جب زید کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو خالدہ ۵۴ سال کی عمر تک پہنچ گئی۔ اور اب
 یہ اس کا وہ زمانہ آگیا کہ اس کا حیض بند ہو گیا۔ اب اس کے بطن سے اولاد پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ اس حالت
 میں زید کی وہ تمام قوتیں یا وہ تمام قابل تولید مادہ ضائع و برباد ہوا۔ اور اگر اس نے خالدہ کی زندگی ہی میں
 کسی عورت سے نکاح کر لیا تو یقیناً ابھی پندرہ سال تک وہ صاحب اولاد ہو سکتا ہے۔

اگر پیغمبر اسلام تعدد ازواج کو جائز نہ رکھتے تو زید کی بعد کے پیدا ہونے والی اولادیں پیدا نہ ہو سکتی۔
 اور انسانی جانوں کا نقصان ہوتا۔ اور یہ امر خلاف حکمت و عدالت پیغمبر اسلام ہوتا کہ وہ ایک انسان کو اس کا
 خدا داد نعمت و قوت سے بجز محروم کر دینے کا حکم دیدیتے۔

علاوہ بریں مرد مصائب سے مقابلہ کرتا ہے۔ مشقتیں محنتیں شبانہ روز کرتا ہے جنگوں میں شرکت کرتا
 ہے گویا آلام قاف و مصائب کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہتا ہے۔ اور عورت ان تمام معاملات سے ہمیشہ سبک
 دوش ہے۔ اس صورت میں بھی مردوں کو جلد موت سے بچانا ہونا پڑتا ہے اور ان کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مسئلہ تولید بھی یہ ہے کہ عورتیں بہ نسبت زیادہ پیدا ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بمقابلہ بچہ کے زیادہ امراض برداشت کر سکتی ہے۔ اور تجربہ ہے کہ بچیوں کے مقابلہ میں بچوں (لڑکوں) کی تعداد اموات زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعداد کثیر کو لاوارث نہ چھوڑا جائے۔ اور ان کے جذبات فطرت کے پورا کرنے کا بھی انتظام کیا جائے۔ ورنہ اخلاق سوزہ حرکات کا رونا برونہ اضافہ ہو گا و نظام زندگی بگڑ جائے گا۔

مسئلہ اسی حالت میں طے ہو سکتا ہے کہ مطابق حکم اسلام و مطابق عمل پیغمبر اسلام اہل دنیا عمل کریں اور نظام معاشرہ میں فساد نہ پیدا ہونے پائے۔ یہ تعدد ازواج جب مطابق عقل ہے۔ اور نظام حیات و معاشرہ کیلئے انتہائی ضروری ہے تو یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا یہ پوس رانی و حفظ نفس قابل مذمت ہر در حقیقت تعدد ازواج ہی وہ چیز ہے کہ جو انسان کو تو انین عفت کا عامل بناتی ہے۔ پیغمبر اسلام نے تعدد ازواج کو اختیار کر کے اور ان میں عدالت قائم رکھ کر تہذیب انسانی کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

مسئلہ طلاق۔ اس مسئلہ کے ثبوت کیلئے تاریخی شواہد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بلا اختلاف مسئلہ طلاق اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اور غیر مسلم اقوام بھی واقف ہیں کہ پیغمبر اسلام نے طلاق کو جائزہ قرار دیا ہے و نیز حیب یہ حق مرد کو دیا گیا ہے۔ تو عورت کو بھی خلع کا حق دیا گیا ہے۔ صرف ان دونوں مسائل میں فرق اتنا ہے کہ مرد کی حیثیت کو بالاتر رکھا گیا ہے۔ اور اس کی رضا ہر دو مسائل میں ضروری رکھی گئی ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ یہ مسئلہ کیوں جائز رکھا گیا۔ اس کی وجوہ بہت ہیں۔ جن میں سے بعض کو قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ بعد نکاح کے مرد کو یہ معلوم ہو کہ اس کی عورت کسی مرض متعدی و خبیث میں بکثیت امراض موروثی مبتلا ہے۔ اور وہ مرض اس مرد کو لگ جاتے یا اس عورت کے اس مرض متعدی کی بدولت اس مرد کی نسل و اولاد میں ان امراض کا سلسلہ شروع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

لہذا اس صورت میں نبی نوع انسان کو اس مہلک و متعدی مرض سے محفوظ رکھنے کیلئے طلاق ضروری ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ عورت بلحاظ مزاج و عادات کے مرد کے ہم خیال و ہم معاشرہ نہ ہو۔ چونکہ عورت حقیقی معنی میں مرد کی رفیقہ حیات ہوتی ہے۔ اور اس کی اولاد کی تربیت و تعلیم و عادات و خصائل و مزاج کا کافی اثر پڑتا ہے۔ لہذا نسل انسانی کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دیدی جائے۔ تاکہ اس کے اثرات بدسوساٹی و معاشرہ کیلئے تباہ کن ثابت نہ ہوں۔ علاوہ خود اس مرد کو ایسی بد مزاج و تند خو عورت

سے کوئی آرام و سکون نہیں مل سکتا ہے۔ لہذا اصل مقصد نکاح ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے بھی طلاق ضروری ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ عورت کے بارہ میں بعد نکاح کے یہ معلوم ہو کہ وہ عقیمہ یا بانجھ ہے۔ اور وہ صاحب اولاد نہیں ہو سکتی اور اس طرح اس مرد کی نسل قطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی طلاق ضروری ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اگر وہ عورت عقیمہ ہے تو ہو اور باقی تین نکاح اور بھی کئے جا سکتے ہیں۔ ان عورتوں سے اولاد ہو سکتی ہے۔ مگر یہ صورت بھی ممکن ہے کہ وہ چاروں عورتیں ایسی ہی ہوں کہ وہ عقیمہ ہوں یا دیگر اسی قسم کے امراض میں مبتلا ہوں جن کے سبب اولاد پیدا نہیں ہو سکتی ہو۔ تو ان تمام حالات میں مسئلہ طلاق ضروری ہو جاتا ہے۔ ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں شاہ ایران رضا شاہ پہلووی نے فرح دیبا سے عقد ثالث کیا۔ اور اس سے قبل وہ دو عقد اور بھی کر چکے تھے۔ مگر ان بیویوں سے چونکہ اولاد پیدا نہیں ہوئی یا اولاد نہ نہ ہوئی ہو وارث تاج و تخت ہوتی۔ اب اس تیسرے عقد سے خدانے موصوف کی آرزو پوری کر دی۔

بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ چارہ نکاح اور چارہ عورتیں بھی ایسی ہو سکتی ہیں کہ وہ کسی سبب سے صاحب اولاد نہ ہو سکیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر شخص چار عورتوں کے کرنے کی استطاعت و قوت نہ رکھتا ہو۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ صاحب اولاد ہونے کیلئے پہلی عورت کو طلاق دیدے اور اپنے مقصد کے مطابق دوسری عورت سے اس کے عوض میں نکاح کر لے۔ اس صورت میں بھی طلاق ضروری ہے۔

(۴) ممکن ہے کہ ایک مرد طاقتور قوی، میکل، زور جسمانی کا بھرپور مالک ہو۔ اور اس کا عقد ایسی منحنی پستہ قد، لاغر اندام بے نمک و حقیر صورت عورت سے ہو جائے جو اس مرد کی خواہشات نفسانی و قوت فطری کو پورا نہ کر سکے۔ بلکہ اس مرد میں کیفیت میلان و رغبت بھی پیدا نہ کر سکے تو بھی ضروری ہے کہ وہ اس عورت کو طلاق دیدے اور اپنی مرضی کے مطابق دوسری عورت سے عقد کر کے اپنی نسل و اپنی خوشی و مسرت سے لطف اندوز ہو۔

(۵) ممکن ہے کہ مرد صاف گو، راست باز، خدا پرست، خود دار ہو۔ و نیز صفائی پسند، متعلم و محنتی، عاشق اولاد، محب اقرباء و اصحاب ہو۔ اور اس کی رفیقہ حیات اس کے برعکس ہو۔ تو بھی اس مرد کا نظام زندگی تباہ ہو جائے گا۔ لہذا طلاق ضروری ہے۔

(۶) ممکن ہے کہ مرد حسن پرست، صفائی پسند ہو۔ اور اس کی زوجہ کبریہ منظر، بد صورت، گندگی پسند جو ہڑ ہو، کیونکہ مرد کی کشش قلبی و دلربائی و میلان طبیعت کے مطابق وہ عورت نہیں

ہے۔ لہذا اس مرد کا نظام زندگی برباد ہو جائے گا۔ اگر وہ اسی صورت کو تاحیات رفیقہ حیات بنا رہے۔ اس خیال سے بھی طلاق ضروری ہے۔

ممكن ہے کہ مرد مومن، عاشق خدا اور رسول، عابد و زاہد و متقی ہو۔ اور اس کی عورت طمہ کافرہ دشمن خدا اور رسول، غیر محتاط، حریص و طماع ہو تو۔ یہ صورت بھی مرد کیلئے سومان راج ہے۔ لہذا اس صورت میں بھی طلاق ضروری ہے۔

(۱۸) ان تمام باتوں کے علاوہ۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ طلاق انسان کو باعفت رکھتی ہے۔ اور اس کو بدکاری حرام کاری و خلاف فطرت کام کرنے سے بچاتی ہے۔ مذکورہ صورتیں ایسی ثابت ہوئی ہیں کہ جن میں مرد عورت کو طلاق دینا ضروری ہے۔ اگر پیغمبر اسلام طلاق کو جائز نہ رکھتے تو ان صورتوں میں سے جو صورت بھی کسی مرد کو پیش آتی اور وہ نکاح ثانی نہ کر سکتا۔ اور پہلی زوجہ کو مجبوراً طلاق نہ دے سکتا۔ تو یقیناً وہ مرتکب مخالف قبیحہ و خلاف فطرت ہوتا۔ کیونکہ صرف ایک حد تک تو میلان طبیعت کو روکا جاسکتا ہے۔ اور خواہشات فطرت کو دبا یا جاسکتا ہے۔ مگر مطلقاً اقتضائے فطرت انسانی کو نہیں روکا جاسکتا۔

یہ حکم تو دیا جاسکتا ہے کہ صبح صادق سے وقت غروب آفتاب تک خورد و نوش ترک کر دی جائے۔ مگر ممکن نہیں کہ مطلقاً یہ حکم لگایا جائے کہ خورد و نوش بالکل ہی بند کر دی جائے۔ اسی طرح یہ تو ہو سکتا ہے کہ دیا جائے کہ فلاں فلاں اشیاء مضر صحت و معاشرہ تمہارے لئے حرام ہیں۔ ان کو اکلنا و شربنا استعمال کیا جائے۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ مطلقاً اغذیہ کو بند کر دیا جائے۔

اسی طرح مرد کی ایک اہم خواہش فطرت عورت سے پوری ہوتی ہے۔ اور اس عورت میں متذکرہ عیوب و نقائص ہیں۔ اور مرد کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ تاحیات اپنی فطرتی خواہشوں کو ترک کر دے۔ مگر یہ ممکن ہو گا۔ اور مرد یقیناً چھپے چوری اسیرکات شنیعہ و قبیحہ و اخلاق سوز کا مرتکب ہو گا۔ اور اس طرح نظام حیات انسانی و اصول تہذیب و تمدن بشری فنا ہو جائیں گے۔ چونکہ اسلام مطابق فطرت دین ہے۔ اور اس کے تمام قوانین قابل عمل ہیں۔

لہذا پیغمبر اسلام نے ان مسائل کی گہرائیوں اور دور رس نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرد کیلئے طلاق کو محافظت سمجھا۔ اور اس طرح انسانی معاشرہ کو تباہی سے بچا لیا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کوئی صاحب اعتراض کریں کہ پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کے معاملہ کو متعدد ازدواج کے سمجھا دیا اور بہترین نمونہ عمل پیش کر دیا۔ مگر خود طلاق نہیں دی۔ اور اس مسئلہ کو امت کیلئے ذمہ نظام کے انسانوں کیلئے ناقص چھوڑ دیا۔ اور جب غیر مسلم افراد نے اس معاملہ میں مسلمانوں سے سوال کیا۔ تو مسلمانوں

نے یہ کہہ کر مال دیا کہ قرآن میں یہ حکم خدا تھا کہ رسول کی بیویاں امت کے مردوں عورتوں کی مائیں ہیں۔ اور حکم قرآن ہے کہ ان سے پیغمبر اسلام کی زفاف کے بعد کوئی عقد نہ کرے۔ لہذا پیغمبر اسلام کیوں ایسی صورت میں طلاق دیتے مگر یہ جواب ناقص ہے اور قابل تسلیم لیکن وہ بیگانہ نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام اگر کسی عورت کو طلاق دیدیتے۔ تو بھی یہ حکم قرآن باقی رہ سکتا تھا۔ نہ کوئی مسلم ان سے عقد ثانی کرتا اور نہ ان کے امہات المؤمنین ہونے سے انکار ہو سکتا۔ کیونکہ مطلقہ بھی ماں ہوتی ہے اور سوتیلی بھی ماں ہوتی ہے۔

مثلاً۔ اگر زید کی عورت خالدہ ہے اور خالدہ کے بطن سے زید کے پانچ اولادیں ہیں۔ کسی سبب سے زید اپنی زوجہ خالدہ کو طلاق دیدے تو کیا خالدہ ان بچوں کی ماں بھی نہ رہے گی۔ یقیناً ماں رہے گی۔ پھر پیغمبر اسلام کے طلاق دینے کے بعد مطاقتاً ازواج نبی کے امہات المؤمنین ہونے میں کیا فرق آتا ہے۔ اور نہ زید کے اپنے ماں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ ماں کو تو باپ نے طلاق دیدی۔ لہذا خالدہ اب آزاد عورت ہے۔ کوئی بھی اس سے عقد کرے۔ نہیں چونکہ وہ اولاد خالدہ کی اولاد ہے۔ لہذا خالدہ ان بچوں کی سب سے ہمیشہ حرام رہے گی۔ یہی صورت پیغمبر اسلام کی ازواج کی ہے۔ کہ وہ زندگی پیغمبر اسلام میں بھی امہات المؤمنین تھیں بعد وفات بھی وہ امہات المؤمنین رہیں اور بعد طلاق رسول بھی امہات المؤمنین ہی ہیں۔ اب معاملہ اتنا ہی رہ گیا کہ آیا پیغمبر اسلام نے اس جہز و اہم صفت یعنی طلاق کو حکماً ہی منوایا۔ یا خود بھی اس پر عمل کیا۔ اگر عمل کیا تو آپ کافر بیضہ رسالت نبوت یہی تھا۔ کہ ہر حکم خدا و قرآن کو قولاً و عملاً پیش کریں۔ اور اگر عملاً پیش نہیں کیا تو اپنے کار مفوضہ کے پہنچانے میں کوتاہی کی۔ مگر انسان کامل کی ذات میں نقص و کوتاہی کا وجود پایا ہی نہیں جاتا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہذا میں تاریخی عبارات پیش کرتا ہوں۔

طلاق و پیغمبر اسلام | صحیح بخاری و کتاب الطلاق ص ۱۷۱۔ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔

(۱) باب من خیر نساء۔ و قول اللہ
تعالیٰ قل لا زواجک ان کنتم ترون
الحیوة الدنیاء زینتھا فتعالین امتعن
واسترحکن سرا حاً جمیلاً
عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قالت لما امر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بتخیر ازواجہ بدائی فقال
باب اس کا بیان جو اپنی عورتوں کو مختار کر دے
اللہ تعالیٰ کا یہ قول رقل لا زواجک ان کنتم ترون
لے نبی اپنی بیویوں سے کہدے اگر تم دنیا کی
زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں
سامان دیکر اچھی طرح چھوڑوں گا۔
عائشہ زوجہ رسول خدا سے مردی ہے کہ کہا کہ
جب رسول خدا کو حکم دیا گیا کہ اپنی ازواج

انی ذاک لک امرأ فلا علیک ان لا
 تعجلنی حتی تستامری ابویک قالت
 قد علم ان ابوی لم یكونا یا امرأتی بفرقة
 قالت ثم قال جل ثناء یا ایها النبی
 قل لا ذواجتک ان کنتن ترون الحیوة
 الدنیا الی قوله اجراً عظیماً قالت
 فقلت فقی ای هذ الاستامرو ابوی
 فانی ارید الله ورسوله والدار الآخرة
 قالت ثم فعل ازدواج رسول الله صلی
 الله علیه وسلم مثل ما فعلت۔

کو اختیار دیدتے چاہے وہ دنیا اختیار کر لیں
 چاہے اللہ ورسول کو اختیار کر لیں تب
 آنحضرت نے پھر سے ابتدا کی۔ اور فرمایا
 عائشہ میں تجھ سے ایک بات ذکر کرتا ہوں۔
 تو سوچ کر اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے
 بتائیو۔ عائشہ نے کہا یہ بات معلوم ہے کہ
 میرے والدین آپ سے جدائی کا مشورہ نہ
 دیں گے۔ عائشہ نے کہا پھر رسول نے فرمایا
 کہ خدا بزرگ و بزرگ فرماتا ہے۔ یا ایہا النبی قل
 لا اذواجک ان کنتن ترون الحیوة الدنیا۔۔۔

... الی قوله اجراً عظیماً۔ عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کون سی بات ہے جس میں اپنے والدین سے
 مشورہ لوں۔ میں اللہ ورسول ودار آخرت اختیار کرتی ہوں۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر تمام بیویوں
 نے میری طرح اللہ ورسول ودار آخرت کو اختیار کیا۔

۱۲) صحیح بخاری باب الطلاق - ترجمہ مرزا سیرت دہلوی -

عن عائشہ قالت خیرنا رسول الله
 صلی الله علیه وسلم فاخترنا الله و
 رسوله فلم یعد ذلک عیننا شیئاً۔
 حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ہمیں رسول خدا
 نے اختیار دیا اور ہم نے اللہ ورسول کو
 اختیار کیا۔ یہ ہمپر (طلاق وغیرہ) کچھ نہ
 شمار کی گئی۔

۱۳) عن مسروق قال سئلت عائشہ عن
 الخیرة فقالت خیرنا النبی صلی الله
 علیہ وسلم وان کان طلاقاً۔
 مسروق فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ
 سے خیار کا مسئلہ پوچھا۔ وہ بولیں ہمیں رسول
 خدا نے اختیار دیا تھا۔ تو کیا وہ طلاق ہوگی

۱۴) صحیح بخاری پارہ ۹ کتاب النظام والقصاص - ترجمہ مرزا سیرت دہلوی - چونکہ یہ حدیث طویل
 ہے اسلئے اس کے ترجمہ ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں۔ میں برابر اس خواہش میں رہتا تھا۔ کہ حضرت عمر سے نبی صلعم کی
 ازدواج میں سے ان دونوں بیویوں کی بابت پوچھوں جن کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے۔

(ان توبوا الى الله فقد صغت قلوبكما۔) مگر موقعہ نہ ملتا تھا۔ پھر میں ان کے ساتھ حج کرنے گیا
 تو ایک دن وہ راستہ سے ہٹ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا ایک طرف لے کر چلا۔ پھر انہوں
 نے پاخانہ پھرا۔ بعد اس کے آئے تو میں نے ان کے ماتھوں پر اس طرف سے پانی ڈالا۔ اور انہوں
 نے دھو کیا۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین بنی صلعم کی ازواج میں سے وہ دو بیسیا
 کون ہیں جن کی نسبت اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ انا توبوا الى الله فقد صغت قلوبكما۔ انہوں
 نے کہا کہ اے ابن عباس تم پر تعجب ہے کہ تم کو یہ بات معلوم نہیں۔ وہ عائشہ و حفصہ ہیں۔ بعد
 اس کے حضرت عمر نے متوجہ ہو کر پوری حدیث بیان کی اور کہا کہ میں اور ایک میرا انصاری پڑوسی
 بنی امیہ بن زید کے محلہ میں رہتے تھے۔ اور وہ مدینہ کی بنی ہاشمی پر تھا۔ اور ہم باری باری بنی صلعم
 کے پاس آتے تھے۔ ایک دن وہ آتے تھے اور ایک دن میں۔ جب میں آتا تھا تو میں اس دن کی
 خبریں احکام وغیرہ کی ان سے جا کر بیان کر دیتا تھا۔ اور جس دن وہ آتے تھے تو وہ بھی ایسا ہی
 کرتے تھے۔ اور ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے۔ پھر جب ہم انصاری کے پاس آئے تو
 ہم نے کیا دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ تو ہماری عورتوں نے بھی انصاری عورتوں کی
 عادتیں سیکھنا شروع کر دیں۔ تو ایک روز اتفاق سے میں اپنی بیوی پر چلا آیا۔ انہوں نے بھی لوٹ
 کر مجھے جواب دیا۔ مجھے ان کا جواب دینا برا معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا تم میرے جواب دینے سے
 برا کیوں مانتے ہو۔ بنی صلعم کی بیویاں آپ کو جواب دیا کرتی ہیں۔ اور کوئی ان میں سے دن بھر
 رات تک آپ سے بولتی نہیں ہے۔ یہ سن کر مجھے خوف معلوم ہوا۔ اور میں نے کہا کہ ان میں سے جس
 نے ایسا کیا ہے۔ وہ سخت خسارہ میں ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور میں حفصہ کے پاس
 گیا۔ میں نے کہا اے حفصہ کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلعم سے سارے دن رات تک ناخوش
 رہتی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا وہ خسارہ میں نامراد رہے گی۔ کیا اسے یہ خوف نہیں
 کہ رسول خدا صلعم کی ناخوشی سے۔ اللہ ناخوش ہو جائے گا۔ پھر وہ ہلاک ہو جائے گی (اچھا
 خبردار) تم رسول خدا صلعم سے زیادہ کلام نہ کرنا۔ اور نہ کسی بات میں آپ کو پلٹ کے جواب
 دینا۔ اور نہ آپ سے ترک کلام کرنا۔ اور جو کچھ تم کو ضرورت ہوا کرے مجھ سے مانگ لیا کرو۔ اور تم
 دھوکے میں نہ آجانا۔ کیونکہ تمہاری پڑوس یعنی حضرت عائشہ تم سے زیادہ حسین اور رسول
 خدا کو تم سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور ان دنوں ہم یہ بھی چہ چا کیا کرتے تھے۔ کہ عثمان (شاہین)
 ہم سے لڑنے کیلئے تیاری کر رہا ہے۔ تو ایک روز میرے ساتھی اپنی باری کے دن گئے۔ اور رات

کے وقت لوٹ کر آئے اور میرے دروازہ کو زور سے کھڑکھڑایا۔ اور کہا کیا وہ سو رہے ہیں
 میں ان کے اس بے وقت آنے سے ڈر گیا اور ان کے پاس گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک بڑا علوٹہ
 ہو گیا۔ میں نے کہا۔ وہ کیا۔ کیا غسان آگیا؟ انہوں نے کہا نہیں اس سے بڑا اور سخت حادثہ
 ہو گیا۔ رسول خدا صلعم نے اپنی ازدواج کو طلاق دیدی۔ حضرت عمر نے کہا کہ حفصہ نقصان میں
 رہی۔ نامراد ہو گئی۔ میں خیال کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے
 اور فجر کی نماز رسول خدا صلعم کے ساتھ پڑھی۔ بعد اس کے آپ اپنے بالا خانہ میں تشریف
 لے گئے اور اس میں تنہا بیٹھ گئے۔ میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ تم
 کیوں روتی ہو کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا۔ کیا رسول خدا صلعم نے تم لوگوں کو طلاق دیدی
 حفصہ نے کہا مجھے معلوم نہیں آپ اپنے بالا خانہ میں ہیں۔ پھر میں نے آپ کے ایک حبشی غلام
 سے کہا عمر کیلئے اجازت مانگو۔ چنانچہ وہ اندر گیا اور رسول خدا صلعم سے اس بارہ
 میں گفتگو کی، بعد اس کے وہ باہر آیا۔ اور اس نے کہا کہ میں نے حضرت سے تمہارا ذکر کیا مگر آپ
 چپ رہے پس میں لوٹ آیا اور ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو ممبر کے پاس تھے۔ پھر مجھ پر میری حالت
 نے غلبہ کیا اور میں گیا اور غلام سے کہا۔ اور وہاں سے لوٹ کر آیا پھر مجھ سے ویسا ہی بیان کیا
 تو میں پھر جا کر انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جو ممبر کے پاس تھے۔ بعد اس کے پھر مجھ پر
 میری حالت نے غلبہ کیا۔ اور میں پھر غلام کے پاس گیا۔ اور کہا کہ عمر کیلئے اجازت مانگو اس
 نے پھر اندر سے لوٹ کر ایسا ہی بیان کیا۔ میں پھر لوٹ کر چلا ہی تھا کہ یکایک غلام مجھے پکارنے
 لگا۔ کہا کہ رسول خدا صلعم نے تمہیں اجازت دیدی۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا۔ آپ اس
 وقت ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کچھ فرش تھا۔
 چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلو میں نشان ڈال دیئے تھے۔ آپ ایک چمڑے کے تکیہ سے جس
 میں چھوٹا رے کی پھال بھری ہوئی تھی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

میں نے آپ کو سلام کیا بعد اس کے کھڑے ہی کھڑے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی
 بیویوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا کہ نہیں۔ پھر میں نے کھڑے
 ہی کھڑے ہی کھڑے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کچھ باتیں کیجئے۔ ہم قرشی لوگ عورتوں پر غالب
 رہتے تھے۔ پھر تب ہم ایسے لوگوں کے پاس آئے کہ ان پر ان کی عورتیں غالب ہیں پھر اپنی
 بیوی کا سارا واقعہ نقل کیا تو نبی صلعم مسکرائے۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ آپ کو دیکھنے میں

حفصہ کے پاس گیا تھا۔ اور میں نے کہا تھا کہ تم کسی گھنڈ میں نہ رہنا۔ تمہاری پڑوسن یعنی عائشہ تم سے زیادہ حسین اور رسول خدا صلعم کو زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ دوبارہ مسکرائے پس جب آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا۔ بعد اس کے میں نے اپنی نظر آپ کے گھر میں اٹھائی تو خدا کی قسم کوئی ایسی چیز میں نے نہ دیکھی جو نظر کو روکتی سوائے کھالوں کے یہ عورت کی حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا اللہ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کی امت پر وسعت کرے۔

اس لئے کہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی ہے اور انہیں دنیا کی آسائش دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی پرستش نہیں کرتے۔ اور آپ اس وقت تک یہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تمہیں کوئی شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہیں ان کے اعمال حسنہ کی جزا دنیاوی زندگی میں دینی ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار کیجئے۔ پس اسی بات کی وجہ سے جبکہ اس کو حفصہ نے عائشہ سے کہہ دیا نبی صلعم نے کنارہ کشی فرمائی تھی۔ اور آپ نے یہ فرمادیا تھا کہ میں ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ بوجہ اس شدت غصہ کے جو آپ کو ان پر تھا۔ جبکہ اللہ نے عتاب کیا تھا۔ اور جب انیس دن ہو گئے۔ میں نے ان کو گن گن کے کاٹا۔ تو آپ سب سے پہلے عائشہ کے پاس گئے۔ عائشہ نے آپ سے کہا کہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے پاس نہ آئیں گے۔ تو نبی صلعم نے فرمایا کہ انیس دن کا بھی مہینہ ہوتا ہے۔ اور وہ مہینہ انیس ہی دن کا تھا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ پھر آیت تخیر نازل ہوئی۔ تو سب سے پہلے آپ نے مجھ سے ابتدا کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک بات کہتا ہوں۔ تمہیں ضروری نہیں کہ تم جلدی سے اس کا جواب دیدو پہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ لے لو۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کا مشورہ نہ دیں گے۔ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا البنی قل لا زواجک انی قولہ عظیمما۔ میں نے کہا کہ کیا اس بات میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ بعد اس کے آپ نے اپنی اور بیویوں کو اختیار دیا۔ تو انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا۔

(۵) تفریح الاذکیا فی اسوال النساء مولفہ مولوی محسن کا کوردی ص ۳۵۶ :-

معنی نہ رہے کہ مواہب الدنیہ میں سوائے ازواج مطہرات مذکورہ صدر کے بارہ بیویاں

اور بھی لکھی ہیں :-

(۱) ایک شراف بنت خلیقہ کلبیہ خواہر دحبہ کلبی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کیا۔ مگر شراف نے قبل دخول و فوات پائی۔

(۲) دوسری خولہ بنت زبیل ابن بہیرہ کہ اس نے اپنے نفس کو ہیہ کیا اور قبل دخول و فوات پائی۔

(۳) تیسری عمرہ بنت زید ابن الجون بالاتفاق آنحضرت نے اس عورت سے نکاح کیا

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت صلعم نے اس کو طلب کیا وہ نہ آئی تو آپ نے طلاق دیدی۔ اور رسول خدا نے اسامہ سے فرمایا کہ تین کپڑے متہ کے دیکر رخصت کر دے (گویا یہ عورت نکاح متہ میں تھی۔ لہذا اہل

دیگی :-

(۴) چوتھی اسماء بنت نعمان کنذیہ اس کو حضرت نے قبل دخول طلاق دی۔

(۵) قتیلہ بنت قیس خواہر اشعث ابن قیس کنذیہ اس کو اشعث نے حضرت صلعم سے عقد کیا اور وہ موجود نہ تھی اور قبل ورود اس کے حضرت نے فوات پائی

(۶) ستا یا ستبایا اسماء بنت صلت سلمیہ کہ جب حضرت صلعم نے اس کو خواستگاری فرمائی اور یہ خبر اس نے سنی تو خوشی سے مر گئی۔

(۷) ساتویں لیلیا بنت الخطم خواہر قیس اس سے آنحضرت نے عقد فرمایا۔ اس عورت نے فسخ نکاح چاہا آنحضرت نے طلاق دیدی۔

(۸) آٹھویں ام شریک غزنیہ بنت عامر ابن عوف۔ اس سے بھی آنحضرت نے نکاح کیا اور مفارقت پائی یعنی طلاق دی۔

(۹) ملیکہ بنت کعب کہ پیش از دخول و فوات پائی۔ اور روضۃ اصحاب میں ہے کہ اس کی ران میں سفید داغ تھا۔ لہذا آنجناب صلعم نے مفارقت پائی (طلاق دیدی)

(۱۰) فاطمہ بنت الصنحاک کلابیہ کہ حضرت صلعم نے اس سے نکاح کیا اور قبل دخول آیت تحیث نازل ہوئی سو اس نے دنیا کو اختیار کیا اور طلاق ہو گئی۔

(۱۱) گیارہویں عالیہ بنت ظبیان بن عمر بن عوف۔ اس کو بھی حضرت نے قبل دخول طلاق دیدی۔

(۱۲) بارہویں ایک عورت بنی عفا سے کہ نام اس صحیح معلوم نہیں۔ اس کو بھی حضرت صلعم نے قبل دخول طلاق دے دی۔ قطلانی فرماتے ہیں کہ اس عورت کے بدن میں داغ سفید تھا۔

(۱۳) مدارج النبوت اور کتب معتبرہ سے داغ ہے کہ چند عورتیں اور بھی ہیں کہ ان سے حضرت نے

خطبہ کیا اور نکاح نہیں کیا۔ ان میں سے ایک عورت جس کا نام صفیہ بنت شامہ تھا یہ عورت بعض غنائم میں ماتھ آئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے اور چاہے مجھے۔ اس نے شوہر کو اختیار کیا۔

(۲) امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب کہ جب حضرت سے پیغام ہوا تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

(۳) غرة بنت ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ ام حبیبہ کی بہن تھی۔ ام حبیبہ نے چاہا کہ آنحضرت شادی کر لیں مگر آپ نے فرمایا تیری زندگی میں یہ مجھ پر حرام ہے۔

(۴) ۳۵۸ - سراری حضرت صلعم کی بروایتے تین دلہنوں کے چار تھیں۔

۱ ماریہ بنت شمعون قبیلہ کہ مقوقس قطبی صاحب مصر والی اسکندریہ نے ہدیہ کی تھی۔۔۔۔۔ ان سے ابراہیم پیدا ہوئے

۲ جمیلہ کہ بعض سیاہی میں آپ کو ملی تھیں۔

۳ وہ کنیز جس کو زینب بنت جحش نے آنحضرت کو سبہ کیا تھا۔

۴ ریحانہ بنت زید بن عمر سیاہی یا بنی قریظہ سے تھی۔

تعداد ازدواج کے بارہ میں چند آیات صفحات مذکورہ میں تحریر کی گئیں۔ و نیز مسئلہ طلاق کو بھی باختصار لکھا گیا۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں اور غور کریں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے کار مفوضہ کو اس معاملہ میں کتنی سنجیدگی سے پورا کیا ہے۔ اور باوجود تعدد ازدواج و باوجود بعض ازدواج کو طلاق دینے کے کسی موقع پر بے جا خواہش نفسی کا شائبہ بھی نہ آنے دیا۔ اتنی عورتوں میں بلحاظ حقوق زوجہ و حقوق مال و نفقہ کہیں سے کہیں تک کمی نہ آئی۔ جب آپ سفر کو تشریف لے جاتے تھے۔ اور سفر بھی بغرض جہاد ہوا کرتے تھے تو آپ اپنی رضا و رغبت یا دلپسندی کی وجہ سے کسی زوجہ کا انتخاب نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ان ازدواج کے درمیان میں قرعہ ڈالتے تھے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اس کو ہمراہ رکھتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے حقوق نساء کا اتنا خیال رکھا کہ آپ نے ایک بار تمام ازدواج کو اختیار دیدیا کہ وہ چاہیں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیں یا چاہیں تو اپنے والدین یا قوم و قبیلہ کی طرف پلٹ جائیں۔ اور اپنے ایسا اختیار صرف بعض ازدواج ہی کو نہیں بلکہ اپنے مخصوص اصحاب کی لڑکیوں حفصہ و عائشہ کو بھی دیا جیسا کہ بحوالہ صحیح بخاری و ترجمان عمر ابن خطاب کل واقوع لکھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ اعتراض بھی ناممکن ہو گیا کہ بعض دلپسند نوجوان ازدواج کو تو محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اور بعض کو واپسی کا اختیار دیدیا

گیا تھا۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام کی عفت پر حرف آسکتا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے یہ اختیار تمام ازواج کو دیکر عدالت بین ازواج کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ ان ازواج میں سے بعض نے پیغمبر اسلام کا ساتھ دینا پسند نہیں کیا اور وہ اپنے قبیلہ کی طرف واپس ہو گئیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے بخوشی ان کی واپسی منظور کر لی۔۔

پیغمبر اسلام کے اس کردار نے ثابت کر دیا کہ ہر عورت کے حقوق اس کے شوہر پر کتنے ہیں اور وہ باوجود زوجیت میں آنے کے کتنی آزادی کی مالک ہے۔ چونکہ پیغمبر اسلام معاشرہ انسانی دتہذیب سہمی کو اعلیٰ اصول پر قائم کر رہے تھے۔ لہذا آپ نے وہ ہر صورت نکاح میں اختیار کی جو آئندہ اہل اسلام کو پیش آسکتی تھی یا جو اہل دنیا کیلئے نمونہ بن سکتی تھی۔ خطبہ کیا اور عورت نے نامنتظر کیا۔ مان لیا گیا۔ (۲) اسیری میں کینز آئی اور حصہ رسول میں آئی۔ آپ نے آزاد کر دیا اور اختیار دیدیا کہ چاہے اپنے قبیلہ میں واپس ہو جائے۔ چاہے زوجیت پیغمبر اسلام اختیار کر لے۔ عورت نے واپسی پسند کی تو آزاد کر دیا اور اگر زوجیت پسند کی تو زوجہ بنا لیا۔

(۳) خود نکاح کیا اور اگر عورت نے بوقت زفاف آعوفا اللہ منک کہ یا تو اس کو طلاق دیدی گویا عورت کے اس فعل سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے زوج کو نہیں چاہتی ہے۔ لہذا اس پر کوئی مجبر روا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو آزاد کر دینا ہی عورت کے حقوق کی حفاظت ہے۔

(۴) پیغمبر اسلام کا مقصد حیات تبلیغ تو حیدر بانی تھا۔ نہ کہ شہنشاہی کا قائم کرنا۔ لہذا اس صورت میں کہ پیغمبر اسلام شبانہ روز سفر میں رہتے تھے۔ جہاد کرتے تھے تکالیف اٹھاتے تھے۔ فائقے کرتے تھے ان صورتوں میں بہت ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام اپنی ازواج کے آرام کا کتنا ہی انتظام کریں۔ مگر ان کو تکلیف پہنچنے کا امکان تھا۔ لہذا آپ نے ازواج کو عام اجازت دیدی۔ کہ چاہیں وہ خدا اور رسول کا ساتھ دیں یا دنیا اختیار کر لیں۔۔

چنانچہ بعض نے پیغمبر اسلام کا ساتھ چھوڑ دیا اور بعض پیغمبر اسلام کے ساتھ رہیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنے اس فعل و عمل سے عورتوں کے حقوق اتنے بلند و محفوظ کر دیئے جن کی مثال تاریخ مصلحین و مدبرین اقوام میں نہیں مل سکتی ہے۔

(۵) صفحات مذکورہ میں صحیح بخاری کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے اور اس کے راوی عمر ابن خطاب ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام حفصہ اور دیگر ازواج سے ناراض ہو گئے ہیں۔ تو وہ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام اپنے کمرہ میں ایک چٹائی پر لیٹے ہیں۔

اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجوروں کے پتے بھرے ہیں زیر سر رکھے ہوئے ہیں۔ چٹائی پر کوئی فرش لکھنا نہیں ہے تو چٹائی کے نشان جسم پیغمبر اسلام پر پڑ گئے ہیں۔ اور پھر نظر اٹھا کر دیکھا تو گھر میں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ عمر ابن خطاب کو رحم آگیا۔ اور کہا یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ آپ کی امت کو خدا وہ نعمات عطا فرمائے جو اس نے اہل روم و فارس کو عطا کر رکھی ہیں تو پیغمبر اسلام نے جواب میں فرمایا۔

”اے عمر ابن خطاب کیا تم کو کچھ شک ہے؟ یاد رکھو خدا نے کافروں کو ان کے اعمال کی جزا دینا ہی میں دیدی ہے۔“

عمر ابن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار کیجئے۔

ناظرین خود غور فرمائیں کہ جس شخص کو حکومت حاصل ہو۔ جو شبانہ روز فتوحات عظیم کر رہا ہو جس کے رعب و جلال سے نواحی عرب کے بہادر لڑ رہے ہوں۔ جس کی کمان میں ہزاروں بہادران عرب ہوں جس کے پاس علی ابن ابی طالب جیسا فاتح غزوات نبی ہو۔ اور وہ اس حالت میں رہتا ہو کہ اس کیلئے بچانے کو ایک بستر نہیں اور سر کے نیچے رکھنے کو تکیہ نہیں اور اس پر دشمنان اسلام یہ اعتراض کریں کہ پیغمبر اسلام نے تعدد ازواج صرف لذت نفس و حفظ نفس کیلئے جائز رکھا تھا۔

دنیا کی تاریخ یہ بات پیش نہیں کر سکتی کہ کوئی فاتح شہنشاہ اتنی غربت کی حالت میں رہا ہو کہ جب فاقہ کئی روز کا ہو جائے تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لے اور وہ اپنی غربت و مصروفیت کی وجہ سے اپنی ازواج کو اختیار دیدے کہ وہ چاہیں ان کا ساتھ دیں چاہیں چھوڑ دیں۔

ان معترض دشمنان اسلام نے کیا تاریخ عالم نہیں پڑھی ہے؟ انہوں نے کیا شہنشاہی اور پسندی و آرام طلبی نہیں دیکھی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اور ابواب عفت کی روشنی میں اگر کوئی اتنے بلند درجہ پر باعفت ذات مل سکتی ہے تو صرف ذات پیغمبر اسلام ہے۔

آپ کی ۲۵ سال کی عمر تھی کہ آپ کی شادی ۴۰ سالہ بیوہ عورت سے ہوئی۔ اور جب تک خدیجہ زوجہ اول زندہ رہیں آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ زمانہ عہد شباب تھا ۲۵ سالہ عمر سے ۴۰ سال تک خدیجہ زندہ رہیں اور لعنت کے آٹھ سال بعد آپ نے وفات پائی۔ گویا جس وقت خدیجہ نے انتقال کیا ہے تو پیغمبر اسلام کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔

یہ امر غور طلب ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنا عہد جوانی حتیٰ کہ کچھ حصہ پیرانہ سالی کا بھی صرف ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزار دیا۔ اگر حفظ نفس و نواہشات نفسانی کے سبب تعدد ازواج جائز رکھا تھا تو پھر اتنی طویل مدت و اہم ترین حصہ حیات کیوں اس سے خالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے تعدد ازواج

کو اپنی آخری عمر میں صرف مصالح دینی و تبلیغی کی غرض سے کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام کے دو شخص
مخالف، مددگار اور سینہ سپر تھے۔ ایک خدیجہ اور دوسرے ابوطالب ابن عبدالمطلب عم رسول جب
ان دونوں کا انتقال ہو گیا تو پیغمبر اسلام کو کفار نے نزعہ میں لے لیا۔ اور جو مظالم وہ ان دونوں کے رب
و داب کی وجہ سے نہ کر سکتے تھے وہ انہوں نے سب شروع کر دیئے۔ تبلیغ دین میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی
اور اصل مقصد تبلیغ فوت ہونے لگا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اپنا اثر و رسوخ قبائل عرب و سرداران عرب
میں پیدا کرنے کیلئے و نیز دیگر مصالح جن کا ذکر صفحات بالا میں کیا جا چکا ہے۔ کی وجہ سے تعدد ازدواج
کو مناسب سمجھا۔

اسد الغابہ جلد ۳۹ ص ۳۹ پر لکھا ہے کہ

وقال ابن اسحاق قد تناولت المصائب
على رسول الله بهلاك خلق مجيد و
ابي طالب -
اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وفات خدیجہ و
ابی طالب کے بعد آنحضرت پر مصیبتیں ٹوٹ
پڑیں۔

اسی سال کا نام تاریخ اسلام میں عام الحزن ہے۔ اور ان مصائب رسول کا ذکر تمام کتب اہل سنت
و تاریخ اسلام میں بہتات کے ساتھ موجود ہے

تعصب قومی و مذہبی، جہالت اور حالات پیغمبر اسلام سے کم علمی کی وجہ سے مورخین جو چاہیں
پیغمبر اسلام کے بارہ میں لکھیں۔ مگر حقیقت جب ان کے سامنے آئے گی تو ان کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ
پیغمبر اسلام کی تمام و کمال زندگی مطابق اصول و قوانین عفت تھی۔ اور آپ نے عفت کا وہ اعلیٰ ترین نمونہ
اہل عالم کیلئے قائم کیا ہے جس پر عمل کر کے اہل دنیا فلاح دارین اور اعزاز و احترام معاشرہ و سوسائٹی حاصل
کر سکتے ہیں۔

نکاح کے بارہ میں قرآنی احکام کے تحت جو میں نے آیات صفحات مذکور میں نقل کی ہیں ان میں

بارہ ۲۲ سورہ احزاب آیات ۵۰ میں کچھ احکام خدا مخصوص پیغمبر اسلام کیلئے ہیں۔ بحیثیت پیغمبر آخر زمان
کے پیغمبر اسلام کو ان آیات و احکام خدا پر عمل کرنا لازمی تھا۔ اگر آپ تعدد ازدواج کی یہ صورت قائم نہ رکھتے
تو گویا خلاف ورزی قانون خدا کرتے۔ جو ناممکن تھا۔ علاوہ بریں اگر یہ تعدد ازدواج باہر صورت رائج نہ کیا
جاتا تو معاشرہ انسانی کی تکمیل ناقص رہتی اور ہمیشہ انسان فسق و فجور و بدکاری کا مرتکب ہوتا رہتا۔ اب اس
مسئلہ میں ہر ممکن سہولت عمل صالح و جائزہ کی ہے۔ ان سہولتوں کے باوجود بھی اگر انسان ان قوانین و اصول
اسلام پر عمل نہ کرے تو خودرو اپنے افعال قبیحہ کا ذمہ دار ہے۔ اور سوسائٹی کے نزدیک قابل لعنت و خدا

کے نزدیک مستحق عذاب آخرت ہے ۔

باب عدالت

قد آت - اعدوا لہوا اقرب للتقویٰ - عدل اختیار کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے ۔

(۲) ان اللہ یا مری بالعدل واحسان - خدا عدل و نیکی کا حکم دیتا ہے ۔

اقوال حکماء - اخلاق جلالی مصنفہ حضرت ملا جلال الدین ص ۹۹ :-

(۱) از تہذیب عقل نظری کہ شعبہ اول از و عقل نظری جو قوت ادراک کا شعبہ اول ہے ۔ کی اصلاح و تہذیب سے حکمت حاصل ہوتی ہے ۔

(ب) از تہذیب عقل عملی کہ شعبہ ثانیہ است از ہماں قوت عدالت پیدا شود عقل عملی جو اسی کا شعبہ دوم ہے کی تہذیب و اصلاح سے عدالت پیدا ہوتی ہے ۔

(ج) از تہذیب قوت غضبی شجاعت و از (د) تہذیب قوت شہوی عفت پیدا می شود (س) و برہمی تقریر کہ گذارش یافت عدالت کمال قوت عملی باشد ۔

کمال کا نام ہے ۔

(۲) صورت دیگر اخلاق جلالی ۔

چونکہ نفس ناطقہ و نفس ملکوتی انسان میں باعتماد حرکت پیدا ہوا اور یقینی علوم کے حاصل کرنے کا شوق اس میں پیدا ہوا ہے تو اس حرکت نفس سے علم حاصل ہوتا ہے

اور علم کے تحت میں حکمت حاصل ہوتی ہے ۔

اور جب نفس سبعی و درندگی و غضبی کی

(ب) و چون حرکت نفس سبعی باعتماد باشد

حرکات میں اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ
نفس ملکی انسان کی مطیع رہے اور اس
شے پر قناعت کرے جو اس کو اس کی
عقل معین کر دے۔ تو اس حرکت سے
فضیلت علم حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے
تحت شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

(ج) اور جب نفس بھی دشہوی میں
اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ نفس عاقلہ
کے مطیع ہو جائے اور اتنا ہی اپنے لئے کافی
سمجھے جتنا کہ اس کی عقل معین کر دے۔ تو
اس حرکت سے عفت حاصل ہوتی ہے۔
اور اس کے تحت سخاوت ملتی ہے۔

(د) اور جب یہ ہر سہ اجناس فضائل
حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ باہم ہم مزاج

ہو جاتے ہیں۔ اور ان ہر سہ کے باہم ملجانے و ہم مزاج ہو جانے سے ایک حالت ایسی
پیدا ہو جاتی ہے کہ تمام فضائل بدرجہ اتم اس میں پائے جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں
فضیلت عدالت حاصل ہوتی ہے

قوت عملی کا کمال یہ ہے کہ ہر قوت اس کے حکم
کے تحت ہوتا کہ ہر قوت استعمال بہ طریقہ اعتدال
ہو اور اسی کو عدالت کہتے ہیں۔

عدل نفس انسانی کی اس حالت کا نام ہے
اور وہ نفس کی وہ قوت ہے کہ جس کے ذریعہ
قوت غضب شہوت کو مطابق اقتضائے حکمت
بنالیا جائے اور اس کے عمل استرسال و

و شقاوت نفس ملکی شد و قناعت کند با آنچه
عاقلہ قسط او شمر و نفس را از ازاں حرکت
فضیلت علم حاصل شود و بہ تبعیت
شجاعت۔

(ج) و چوں حرکت نفس بھی با اعتدال باشد
و مطیع عاقلہ گشتہ اقتصار کند بر آنچه
بحسب حکم عقل نصیب او باشد از ازاں
حرکت فضیلت عفت حاصل شود
و بہ تبعیت سخاوت۔

(د) و چوں این سہ جنس فضیلت حاصل
شود و با ہر گز متمایز و متمسک نہ شوند
از ترکیب ہر سہ حالتے متشابہ حادث
گردد کہ کمال و تمامی آن فضائل بااں باشد
و آنرا فضیلت عدالت خوانند۔

(۲) صف کمال قوت عملی آنست کہ ہر قوت
در تحت عمل او بود تا تصرف ہر یک بر وہ
اعتدال باشد و عدالت عبادت از نسبت
(۳) امام غزالی فرمودہ :-

العدل حالة للنفس وقوة بعد التوسر
الغضب والشهوة وتحمدها على
مقتضى الحكمت وتضبطها في
الاسترسال والا نقباض على حسب

مقتضیٰ ہا۔

القباض کو اس کے مقتضیٰ کے مطابق
منضبط کر لیا جائے۔

جب عدالت کو ان امور میں جو بنیاد معاش
ہیں سمجھا جاتا ہے یا عدالت سے عبارت لی
جاتی ہے تو اس کی تین اقسام ہوتی ہیں۔
اول تو یہ ہے کہ جس کا تعلق تقسیم اموال و
بخشش سے ہے۔ دوم وہ ہے کہ جس کا
تعلق معاملات اور معاوضات سے ہے۔
سوم وہ ہے کہ جس کا تعلق تادیب و سزا دینے

اور سیاست سے ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں تناسب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ارسطو نے کہا کہ عدالت فضیلت کا جزو نہیں
ہے بلکہ مجموعہ فضائل ہے۔ اور ظلم رذیلت
کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ مجموعہ رذائل ہے

ارسطو نے عدالت کی تین قسمیں کی ہیں۔ اول
قسم یہ ہے کہ انسان حق خداوندی کو ملحوظ
عبدیت ادا کرے۔ دوم یہ کہ انسان بنی
نوع انسان کے ساتھ تعلقات ملحوظ رکھے
جیسے بادشاہوں، علماء و آئمہ دین کی تعظیم
اور معاملات امانات میں انصاف کرے
سوم یہ کہ اسلاف کے حقوق ادا کرتا
رہے۔ مثلاً ان کے فرض کو ادا کرے
ان کی وصایا پر عمل کرے وغیرہ وغیرہ

(۴) ص ۱۱۱۔ چوں اختیار عدالت در
اموریکہ ملاک انتظام معاشت نمایند
سہ نحوانہ اعتبار ظاہر شود یکے آنچه تعلق
به قسمت احوال و کرامات دارد۔ و دوم
آنچه متعلق بمعاملات و معاوضات است
سوم آنچه تعلق بتادیبات و سیاسات دارد
و تناسب در ہر صورت لیکار داند۔

۵ ص ۱۲۰۔ ارسطو طالیس گفتہ عدالت
نہ جزو است از فضیلت بلکہ ہمہ فضیلتہا
است و جو کہ مقابل اوست نہ جزو است
از رذیلت بلکہ ہمہ رذیلتہا است۔

(۶) ص ۱۲۲۔ بمعہ مقدم۔ در اقسام عدالت
ارسطو طالیس تقسیم آل ہر سہ قسم نمودہ یکے
آنچه اقدام باں جہت ادائے حق عبودیت
حق تعالیٰ باشد، دوم آنچه متعلق است
بمشارکت با بنی نوع چوں تعظیم سلاطین و
تکریم علماء و آئمہ دین و ادائے امانات
والانصاف در معاملات۔

سوم آنچه قیام باں برائے ادائے حقوق
اسلاف باشد مثل قضا دیون و تنقید
وصایائے ایشان و امثال ذلک

(۷) ص ۱۲۳۔ حدیث رسول تعریف عدالت ہر

حدیث نبوی - التعظیم لامر اللہ والشفقة علی خلق اللہ - احکام خدا کی تعظیم و تعمیل کرے اور مخلوق خدا پر رحم و شفقت کرتا رہے۔

من عدل ملک و من ظلم هلك - جس نے عدالت اختیار کی وہ مالک ہوا جس نے ظلم کیا وہ ہلاک ہوا۔

قول حکماء - الملك لا یبقی مع الظلم و یشقی مع الکفر - حکومت و ملک ظلم سے باقی نہیں رہتا۔ ناکر سے باقی رہ جاتا ہے۔

حوالہ جات و عبارات مذکور سے ثابت ہوا کہ تمام اجناس فضائل کی جان اور تمام مکارم اخلاق کی روح رواں عدالت ہے۔ جس نوع کے اخلاق انسانی اور فضائل انسانی کی جانچ کی جائے۔ مگر ان سب کی روح صرف عدالت ہے۔ انسان کی فطری ہر سہ قوتوں میں کمال تہذیب پیدا ہو جائے۔ اور ان کی حرکات مطلق تعقل و ادراک انسانی ہو جائیں۔ تب صفت عدالت انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ اعتدال قوت غصبی، اعتدال قوت شہوی و نیز اعتدال حرکات نفس ناطقہ ملکی و انسانی کا نام عدالت ہے۔ درحقیقت عدالت اتنی ہی دشوار چیز ہے۔ جس کا وجود مثل عنقا مفقود الوجود ہے۔ مگر جن افراد اور نفوس میں یہ عدالت موجود ہوتی ہے انہی کو زبان مذہب میں معصوم کہا جاتا ہے۔ خدا نے اپنے کلام پاک میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور فرماتا ہے۔

ان الله یامر بالعدل و احسان۔

خدا احسان اور عدل کا حکم دیتا ہے۔

چونکہ ذات خدا خود عادل ہے۔ لہذا اس کا مقتضائے حکمت و عدالت یہی ہے کہ اس کا خلیفہ قائم مقام فی الارض بھی عادل ہو۔ چنانچہ اس نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے وہ سب عادل تھے اور معصوم۔ ان انبیاء کی تعلیم و ہدایات بھی یہی تھیں کہ انصاف و عدالت قائم کیا جائے۔

میں نے اقوال حکماء کو نقل کیا ہے۔ اور یہ اقوال معیار عدالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس معیار عدالت پر دنیا کے مدیرین مصلحین و قائدین کو سامنا جانا چاہئے تو خود ہی ناظرین انصاف کریں گے کہ کتنے افراد کامل العیار نکلتے ہیں۔ اور ان کی زندگی کے کتنے واقعات ایسے ہیں جو ان کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں۔۔۔

مندرجہ ذیل باب میں صرف عدالت پیغمبر اسلام پر روشنی ڈالی جائے گی اور آپ کی ابتداء سے عمر کے لیکر وقت و فات تک کے واقعات و حالات تاریخی کو پیش کیا جائے گا۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں

اور کسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس فضیلت عدالت میں بھی پیغمبر اسلام لیگانہ روزگار پائے جائیں گے۔ کوئی انسان آپ کی اس صفت میں آپ کا مثل نہ پایا جائے گا۔

عدالت واقعہ اول حالت رضاعت

بجاء اللوار جلد ششم ترجمہ

(۱) جب رسول پیدا ہوئے تو آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا اور چند روز بوجہ علالت مادر گرامی (آمنہ) کے ابولہب کی کنیز سماء ثوبیہ کا دودھ پیار یہ ثوبیہ مسلمان ہو گئی تھی اور اس نے سب سے پہلے میں انتقال کیا) بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ جناب حلیمہ کے آنے کا واقعہ یوں ہے کہ جب پیغمبر اسلام کیلئے دایہ کی ضرورت ہوئی۔ تو جناب عبدالمطلب جدا مجد پیغمبر اسلام بہت متردد ہوئے مگر کیونکہ پاک دودھ مشکل سے ملتا تھا آپ نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی۔ خدا یا محمد کے واسطے ایسی دایہ بھیج دے جو نجیب الطرفین اور شریف خاندان ہو عقیل بن ابی وقاص نے جب سنا تو عبدالمطلب سے عرض کیا۔

انی لاعرف فی اربعة واربعین صنیدین
 من صناید القریش امرأة عافله
 هی افصح لسان واصبح وجها و ارفع
 حسبا و نسبا و هی حلیمہ بنت
 ابی ذویب عبد اللہ بن حوث
 بن سفینہ بن ناصر بن سعد بن
 بکر بن زہر بن منصور بن
 عکرمہ بن قیس بن نیدل بن
 مضر بن نزار بن معد بن عدنان
 بن کدار بن لیشخ بن یعب
 بن بنت بن اسمعیل بن ابراہیم
 خلیل الرحمن۔

میں نے قریش کے چالیس خاندانوں میں ایک
 عورت ایسی پائی ہے۔ جو عقلمند ہے صاحب
 فصاحت ہے خوب رو ہے اور حسب و نسب
 میں بلند تر ہے اس کا نام حلیمہ بنت ابی ذویب
 ہے اور اس کا سلسلہ خاندان اس سلسلہ
 کے ساتھ حضرت خلیل اللہ تک پہنچتا ہے
 حلیمہ بنت ابی ذویب عبد اللہ بن حوث بن
 سفینہ بن ناصر بن سعد بن بکر بن زہر بن
 منصور بن عکرمہ بن قیس بن نیدل بن مضر
 بن نزار بن معد بن عدنان بن کدار بن
 لیشخ بن یعب بن بنت بن اسمعیل
 بن ابراہیم خلیل الرحمن۔

عبدالمطلب کو جب حلیمہ سعدیہ کی شرافت خاندان معلوم ہوئی تو آپ نے ایک شخص جس کا نام شمر بن
 تھا قبیلہ بنی سعد کی طرف روانہ کیا۔ قبیلہ بنی سعد مکہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر بطرف جدہ رہتا تھا۔ جب شمر
 قبیلہ بنی سعد میں پہنچا اور اس نے پدر حلیمہ ابو ذویب کو عبدالمطلب کا پیغام پہنچایا تو ابو ذویب نے فوراً

تیاری سفر شروع کر دی۔ جسم پر زرد لگائی اس پر دوسری زرد پہنی، سر پر خود رکھا۔ دو تلواریں کمر میں لگائیں ایک نیزہ شانہ پر لٹکایا اور اس شان و صورت سے وہ خدمت عبدالمطلب میں حاضر ہوا۔ اور آتے ہی سلام بجا لایا۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میرے پوتے کیلئے ایک انا (دایہ) کی ضرورت ہے اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری بیٹی دودھ پلا سکتی ہے۔ میں نے قبیلہ کی بہت سی تعداداً ۶۰ ہم عورتوں کو محمد کے سامنے پیش کیا۔ مگر میرے پوتے محمد نے کسی کا دودھ نہ پیا اور تین دن سے بالکل بھوکا ہے۔ اور اس کی ماں بیمار ہے۔ اگر تمہاری لڑکی اس کو دودھ پلانا منظور کیے گی اور میرا پوتا بھی اس کے دودھ کو قبول کر لے گا۔ تو تم کو اور تمہارے اہل قبیلہ کو مالدار و خوش حال کر دوں گا۔ بعد ازاں حلیمہ خدمت عبدالمطلب میں حاضر ہوئیں انہوں نے اپنا بائیاں پستان محمد کے دہن میں دیا۔ مگر آپ نے دائیں پستان کو دہن میں لیا اور بائیں پستان کو اپنے رضیع (دودھ شریک بھائی) کیلئے چھوڑ دیا۔ اور کبھی بائیں چھاتی سے حلیمہ کی کوشش کے باوجود بھی آپ نے دودھ نہیں پیا۔

(۲) حیات القلوب جلد دوم باب چہارم حالات رضاعت :-

پہوں عبدالمطلب حلیمہ را بخانه عاتکہ آورد
حضرت رسول صلعم را در دامن او گذاشتند
حلیمہ پستان چپ خود را برائے او بیرون
آورد آن حضرت ادما — قبول
نمود و لبوسے پستان راست میل کرد و
چوں پستان راست او خشک بود و ہرگز
طفلی ازال نخورد بود مضائقہ می کرد و می
ترسید کہ مبادا چوں آن حضرت در پستان
راست شیر نیاید بہ پستان چپ میل نماید
و او مبالغہ می نمود در دادن پستان چپ
و حضرت اضطراب می فرمود در گرفتن پستان
راست تا آنکہ حلیمہ گفت اے فرزند بک
پستان راست را تا بدانی کہ خشک است
و شیر ندارد و چوں پستان باین را آنحضرت

جب عبدالمطلب حلیمہ کو عاتکہ کے گھر میں لائے
تو محمد کو دامن حلیمہ میں دیدیا۔ حلیمہ نے اپنی
بائیں چھاتی آپ کے دہن میں دی آپ نے
اس کو دہن میں نہ لیا اور دائیں پستان کی
طرف رغبت کی۔ اور چونکہ دائیں چھاتی
حلیمہ کی خشک تھی۔ اور کبھی کسی بچہ نے اس
سے دودھ نہیں پیا تھا۔ اسلئے حلیمہ اس چھاتی
کے منہ میں دینے سے مضائقہ کرتی تھیں۔
اور سمجھتی تھیں کہ جب دائیں چھاتی سے بچہ کو
دودھ نہ ملے گا تو وہ بائیں چھاتی کو بھی نہ
پئے گا۔ اسلئے حلیمہ اصرار کرتی تھیں کہ بائیں
چھاتی کو محمد پی لیں۔ مگر آپ دائیں چھاتی منہ
میں لینے کیلئے بچپن تھے۔ حتیٰ کہ حلیمہ نے
بعض جھلا کر کہا کہ اے بچہ دائیں چھاتی ہی کو

در دمان گرفت و میکد از برکت دمان مبارکش
چنداں شیر جاری شد که از کنار دمان آنحضرت
می ریخت پس حلیمه متعجب گردید۔
پہ لے تمہکو معلوم ہو جائے گا کہ وہ چھاتی خشک
ہے اور اس میں دودھ نہیں ہے۔ جب دامنی
چھاتی کو محمد نے دہن میں لیا تو اس خشک
چھاتی سے دودھ جاری ہو گیا۔ اور اتنا کہ آپ کے دہن سے باہر کرنے لگا۔ پس حلیمہ خشک چھاتی
سے دودھ نکلتے پر بے حد متعجب ہوئیں۔

۱۳ حلیمہ می گوید ان قرۃ العین بہ پستان
راست من رغبت نمود و ساعتی تناول نمود
و پستان چپ را قبول نہ کرد و از برائے
فرزند من گذاشت۔
حلیمہ کہتی ہیں کہ محمد نے میری دامنی پستان
کی طرف رغبت کی اور دودھ پیا اور بائیں چھاتی
میرے بچہ کیلئے چھوڑ دی۔

واقعہ تاریخی نے ثابت کیا ہے کہ رضاعت میں جب _____ آپ آنکوش حلیمہ سحرہ
میں گئے۔ اور حلیمہ نے بہت چاہا کہ وہ پیغمبر اسلام کو دودھ بھری چھاتی سے دودھ پلائے۔ تاکہ عبدالمطلب
کے انعام و اکرام کی مستحق ہو۔ مگر پیغمبر اسلام نے خشک چھاتی سے ہی دودھ پیا۔ اور خدا نے اسی میں بکثرت
دودھ پیدا کر دیا۔ میرا مقصد اس موقع پر اس واقعہ کو نقل کرنے سے کرامت پیغمبر بیان کرنا نہیں ہے۔
بلکہ مجھ کو تو اپنے موضوع کے اثبات کیلئے یہ بتانا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بعمیر شیر خواری با اقتضا و فطرت نبوت
عدالت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ حلیمہ کی ایک چھاتی سے خود دودھ پیتے رہے اور دوسری چھاتی کو منہ نہ لگاوا
اور اس کو اپنے رضیع (حلیمہ کا وہ بچہ جس کے لئے حلیمہ کی بائیں چھاتی میں دودھ تھا) کیلئے چھوڑ دیا۔

اگرچہ یہ واقعہ اس عمر کا ہے جب شعور فطری انسان میں پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ تاریخ عالم میں ایسے واقعات
بھی موجود ہیں کہ بعد ولادت ہی بعض اطفال سے امور عجیب و غریب ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ
نے پیدا ہونے کے تیسرے ہی دن اپنی ماں مریم کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ کتب مذاہب غیر کے علاوہ
خود کتاب خدا قرآن بھی اس واقعہ کا شاہد ہے۔

اگر پیغمبر اسلام کی عہد رضاعت کے واقعات کو پیش نہ کیا جائے گا اور اس کو یہ کہہ کر ترک کر دیا جائے
کہ یہ واقعات تو عمر غیر شعوری کے ہیں۔ تو فضیلت محمدیہ بہ نسبت دیگر اطفال کے کم ہو جائے گی۔ حالانکہ
محمد بلحاظ کردار بشری سب سے برتر و بہتر ہیں۔

عدالت واقعہ دوم رفاقت
برادران رضاعی
بجاء الانوار جلد ششم۔
جبکہ عمر محمد صرف تین سال کی تھی تو آپ نے حلیمہ سے دریافت کی

کہ کیا بات ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دن میں مکان پر نہیں پاتا ہوں۔ علیہ نے کہا کہ وہ بکریاں چرنے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ۔ میں بھی ان کے ہمراہ جایا کروں گا۔۔۔۔۔ دوسرے دن علیہ نے سر میں تیل لگایا۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور اپنے بچوں کے ہمراہ تاکید حفاظت کر کے روانہ کر دیا۔

واقعہ مذکورہ نے ظاہر کیا کہ محمد کو عمر تین سال یہ احساس ہوا کہ ان کے بہادر رضاعی جو لمحاظ نوع بشری مماثلت رکھتے ہیں دونوں محنت و مشقت کر کے معاش حاصل کریں۔ اور میں صرف ان کی کمائی کو کھاتا ہوں یہ فعل تو خلاف عدالت ہے۔ لہذا آپ نے جب معلوم کر لیا کہ علیہ کے دوسرے بچے محنت کو جلتے ہیں اور آذوقہ حاصل کرتے ہیں۔ تو آپ نے بھی اس محنت طلب معاش میں ان کا ساتھ دیا۔ اور یہ عین عدالت محمد تھی۔۔۔

ضروری تمہید۔ چونکہ باب عدالت ایک جامع فضائل باب ہے۔ اور مجھ کو اس باب کے تحت پیغمبر اسلام کی تمام عمر کے واقعات تاریخی درج کرنے ہیں۔ لہذا میں ان واقعات کی تفصیل سے پہلے ان تمام اجناس فضائل کو درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو کہ فضیلت عدالت کے تحت میں آتے ہیں۔ ناظرین ان فضائل کی روشنی میں حالات پیغمبر اسلام کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ اور ہر فضیلت کے مطابق حالات پیغمبر اسلام پر لکھیں اور جانچ کریں۔

میں نے ابتدائی صفحات میں فضائل تحت عدالت کو متہ تعریفات کے درج کر دیا ہے۔ مگر صرف ان کے نام اس موقع پر پیش کئے جاتے ہیں۔۔۔

صداقت (قوی فعلی و عملی) ۲ الفت ۳ وفاء ۴ شفقت ۵ صلہ رحم ۶ مکافات
حسن شرکت ۸ حسن قضا ۹ توود ۱۰ تسلیم ۱۱ توکل ۱۲ عبادت۔

استاذ ذنت (۱) طبقات جلد ۱ ص ۱۰

امروۃ علی النبی صنم قل کانت ارضہ

فلما دخلت علیہ قال امی امی و عمل

الی ردائہ نسبطہ لہا فقعدت علیہ

اور فوراً ردائے مبارک دوش اظہر سے اتار کر پچھادی اور اس پر اس کو بٹھایا۔

(۱۲) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۳ بحوالہ خطبات سرسید احمد خاں ص ۱۹ لاہور۔

حضرت صلعم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے۔

صلوہ رحم - اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور ان کا ادب اور ان کی تعظیم ماں کی برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے اپنی ردائے مبارک جو کہ مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے تھے حضرت حلیمہ کیلئے بچھادی اور وہ اس پر بیٹھیں۔

طبقات ابن سعد :-

واقعہ چہارم صلوہ رحم

قرامت حلیمہ

جب پیغمبر اسلام کا عقد نہ کیجے سے ہو چکا تھا اس کے بعد حلیمہ خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئیں حلیمہ نے قحط اور مویشیوں کے مرنے کی شکایت پیغمبر سے کی آپ نے حدیجہ سے ذکر کیا۔ اور حلیمہ کو حدیجہ نے چالیس بکریاں اور چالیس تیز رفتار اونٹ عطا فرمائے حلیمہ انکو لیکر واپس ہوئیں

علی رسول اللہ صلعم ہمکہ وقد تزوج حدیجہ فشکت حرب بلاد و هلاک الماشیة فکلم رسول اللہ حدیجہ فیہا فاعتطها اربعین شاة وبعیرہ موقعا للطیحة والنصر الی اہلہا۔

اسوۃ الرسول جلد ۲ صفحہ :-

واقعہ پنجم صلوہ رحم

تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ آپ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔

(۱) عبداللہ (۲) انیس (۳) حدلیقہ (۴) مذاقرہ یا شیمیا

حلیمہ کی چار اولادیں تھیں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں۔

(۱) تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۹ مطبوعہ جرمن :- قبیلہ بنی سعد بن بکر پر چڑھائی والے دن

رسول خدا صلعم نے تمام مسلمانوں کو حکم عام دیا کہ جب تم قبیلہ سعد بن بکر پر غالب آؤ

تو ان پر ایک بار نہ جاؤ۔ اگرچہ ان کے

احداث تم سے کیسے ہی نہ بیان کئے گئے ہوں

جب مسلمانوں کو ان پر فتح ہوئی تو مسلمانوں

نے تمام اہل قبائل کو گرفتار کر لیا۔ ان میں

شیمانہ بنت سارث بن عبد اللہ بن عبد العزی

بھی تھیں جو رسول خدا کی رضاعی بہن تھیں

وہ بھی گرفتار ہوئیں۔ ان کے ساتھ کچھ لوگ

انا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نجیلۃ الی بعثت ان قدس تم

علی یجاد رجل من بنی سعد بنی بکر

فلا یفلتکم وکان یجاد قد احادیث

حسن ثنا فلما ظفربہ المسلمون ساقوہ

واہلہ و ساقواختہ الشیمیا بنت الحار

بن عبد اللہ بن عبد المغزی اخت

رسول اللہ صلعم من رضاعہ فعنفوا

علیہا فی السیاق معہم فقالت

للمسلمين تعلمون والله اني لاخت
صاحبكم من الرضا عة تلم ليصل^{فوها}
حتى انزلها رسول الله صلعم لها انها
بالشيمالي رسول الله صلعم قالت
يا رسول الله اني اختك قال وعلامة
ذالك عضة عضضتها في ظهري
وانا متوركنك قال فعرف رسول الله
صلعم العلامة فسيط لها رداءها
ثم قال ههنا فاجلسها عليه ونختر^{ها}
فقال اني اجبت فعندي محبة مكرما
وان اجبت امنتك وترجعى
الى قومك قالت بل تمنعنى وتردى
الى قولى فمتعها رسول الله صلعم ورد^{ها}
الى قومها فرحمت بنو سعد بن بكر
كانه اعطاه اعلما ما يقالة ما حول و
جارية فزوجت احد هما الآخر
فلم يزل فيهم من نسها بقية -
(طبری)

سنحی سے پیش آئے تو شیمانے پکار کر کہا کہ مسلمان
تم کو کیا ہو گیا ہے۔ میں تو تمہارے رسول کی بنیادی
بہن ہوں۔ مگر مسلمانوں نے ان کے کہنے پر
اعتبار نہ کیا اور ان کو رسول خدا کی خدمت
میں لے آئے۔ یزید بن ابن عبید السعدی
کا بیان ہے۔ کہ جب شیما آپ کے پاس لائی گئی
تو اس نے پیغمبر خدا کے سامنے کہا۔ کہ میں آپ
کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس قرابت کی
علامت کیا ہے؟ شیمانے جواب دیا کہ ایام
طفولیت میں ایک بار آپ کو گود میں لئے کھلا
رہی تھی۔ آپ نے میری پشت میں کاٹ لیا
تھا اس کا نشان موجود ہے۔ یہ سن کر آپ کو
واقعی یاد آگیا۔ اور آپ نے ان کو پہچان لیا
پھر علبی سے اپنی چادر ان کیسے بچھا دی۔
اور ان کو قریب بلا کر فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ
پھر ان کو کچھ دیا اور فرمایا کہ مجھ کو تمہاری محبت
و تکریم بدل متطور ہے۔ اگر تمہاری طبیعت چاہے
تو میرے ساتھ ہو۔ اور اگر تمہارا دل نہ چاہے
تو میں کو تمہارے قبیلہ کے پاس واپس کر دو۔ شیمانے عرض کیا کہ مجھ کو میرے قبیلہ میں واپس کر دیا
جائے۔ آنحضرت نے ان کو باکرام و با احترام ان کے قبیلہ کی طرف بھیج دیا۔ بنی سعد بن بكر میں بعض کا
بیان ہے کہ آپ نے شیمہ کو ایک غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی۔ غلام کا نام مکحول تھا۔ ان میں سے
ایک کا بیوا بھی آخر وقت میں ہو گیا تھا۔ اور اس بارہ کی مثل بھی ہمیشہ ان میں پائی رہی۔

چند ضروری نکات واقعہ مذکور۔ بعض طبائع حیب چود عاسد ہوا کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی
کے ذہن میں یہ آجائے کہ اس واقعہ میں جہاں صلہ رحم پیغمبر اسلام کی تعریف لکھی ہے۔ یہ بھی تو لکھا ہے کہ پیغمبر
اسلام نے بزمانہ طفلی عمر تقریباً ۸ سال میں اپنی رضاعی بہن کی پشت میں کاٹ لیا تھا۔ یہ فعل تو حکیمانہ، عادلانہ

وگرمی نہ تھا۔ مگر یہ یاد رکھنے بات ہے کہ فعل حکیم لایخلو عن المحامسة۔ حکیم کا فعل حکمت و مصلحت سے
خالی نہیں ہوا کرتا ہے۔

یہی واقعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام بچہ طفلی ۴ سالہ ایسے حکیم و مدبر تھے کہ آپ کی اس عمر کا فعل
بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اسی فعل ریشہ شیمانہ پر دانت جما دینا، کا آج یہ اثر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے جب
دیکھا کہ لشکر اسلام اس کو گرفتار کرنے کے بعد آزار پہنچا رہا ہے۔ تو آپ نے شیمانہ سے علامت قرابت دریافت
کی۔ حالانکہ کبھی کسی جنگ کے قیدیوں کے رباؤ آزاد کرنے کے وقت کوئی علامت نہیں پوچھی گئی۔ گویا پیغمبر
اسلام اپنی چار سالہ عمر کے واقعات کو یاد رکھتے تھے۔ اور آپ نے دانت ریشہ شیمانہ میں کاٹ کر نشان و
علامت بنائی تھی۔ کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ شیمانہ اسی نشان کی وجہ سے کینزری و گرفتاری کی ذلت سے
بچ جائے گی اور پیغمبر اسلام بحیثیت فاتح عرب و عجم اس کو اپنی چادر پیش کریں گے اس پر شیمانہ لشکر اسلام کی
موجودگی میں مسند آرا و جلوہ گر ہوگی۔ علامہ برہین پیغمبر اسلام کی دوسری حکمت اس معاملہ میں یہ بھی تھی
کہ صلہ رحم کا ایک اعلیٰ نمونہ اہل دنیا کے سامنے باقی رہے گا۔

اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے شیمانہ کو اس کی ماں کی خدمات رضاعت کا صلہ دیکر
اپنی عدالت کو واضح و نمایاں کر دیا۔

واقعة پنجم صلہ رحم و عدالت قبیلہ ہوازن

۵ طبقات ابن سعد۔ جلد اول ص ۳
ترجمہ :-

مقام ہجرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد قوم ہوازن کا ایک وفد رسول خدا صلعم کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ جن میں ابو شروان رسول خدا کے رضاعی چچا بھی تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس
وفد میں ابو مرد نہیر بن مرد نامی ایک شخص نے وفد کی طرف سے تقریر کی :-

یا رسول اللہ! ہم آپ کے عزیز و قریب ہیں۔ اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہیں وہ آپ
سے مخفی نہیں ہے۔ ان بھوس کی بھونپڑیوں میں آپ کی بھوپھیاں اور خالائیں ہیں اور آپ
کی دائیاں ہیں۔ اور کھلائیوں میں جنہوں نے آپ کو پالا ہے اور پرورش کیا ہے۔ اگر بھلو گول نے
عاریش ابن شمر اور نعمان ابن منذر (عرب کے دو مشہور اور نامی مہینے سلطین) کو دردہ پلایا
ہوگا اور ان کے زمانہ میں بلاد مصیبت ہم پر نازل ہوتی جو آج ہم کو پیش آئی ہے تو ہم کمان سے
اکرام و لطافت کی توقع ہوتی۔ اور یوں تو ہمارے آپ بھی بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔
اور بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو شروان اپنی اس تقریر میں یہ بھی کہا کہ :-

انہی جھوٹریوں میں آپ کی رضائی بہنیں ہیں، پھوپھیال ہیں اور خالائیں ہیں، پھوپھی زاد بہنیں ہیں اور خالہ زاد بہنیں ہیں اور ان کے تمام قریب و دور کی رشتہ والیاں ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ وہی مصیبت کی ماریاں ہیں جنہوں نے آپ کو اپنی گولیوں میں کھلایا ہے اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے۔ اپنے پہلوؤں میں سلایا ہے اور ہر طرح سے ان کیلئے بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔

یہ سنکر رسول صلعم نے ارشاد فرمایا:

کہ تم نے جو کچھ بیان کیا وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے لیکن تمہارے معاملہ میں مجھے عام مسلمانوں سے مشورت کی ضرورت ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی اولاد یا عورت زیادہ عزیز ہیں یا اموال و جائداد؟

حاضرین نے جواب دیا کہ جب ہم کو اہل و عیال و اسباب و اموال کے درمیان تیسر و تفریق کا اختیار دیا جاتا ہے۔ تو ہم کسی طرح سے اموال و جائداد و کسی شے کے مقابلہ میں اپنی عورت و اولاد کو ترجیح دینے سے باز نہیں رہ سکتے تو اس بنا پر ہمارے لڑکے ہائے ہمیں واپس دیئے جائیں۔

یہ سنکر اور بچہ متاثر ہو کر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ:

اچھا تمہارے اموال میں تمہارا اور تمام بنی عبدالمطلب کا اس وقت تک از روئے تقسیم حصہ قائم ہو چکا ہے۔ وہ تمہارا ہو چکا ہے اور میں تمہاری نسبت نمازِ ظہر کے وقت تمام مسلمانوں سے باقی طلب کروں گا۔ اور کہوں گا کہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں مسلمانوں کے پاس رسول اللہ کی سفارش لائے ہیں۔ اور مسلمانوں کی سفارش رسول اللہ کے پاس میں نے سائلے کہہ دیا ہے کہ تمہارے اموال غنیمت میں جو کچھ میرا اور جمیع عبدالمطلب کا حصہ قائم ہو چکا ہے وہ سب تمہارا ہو چکا۔ اور میں اس طرح تمام مسلمانوں سے تمہارے لئے درخواست کروں گا۔

پس جب پیغمبر اسلام نمازِ ظہر ادا کر چکے تو بنی ہوازن اور بنی سعد کے وفد اے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جس طرح سے آنحضرت صلعم نے ہدایت فرمائی تھی تمام مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی اور پیغمبر اسلام نے اسی وقت تمام اہل اسلام کے سامنے اپنا اور تمام بنی عبدالمطلب کا حصہ ان لوگوں کو واپس کر دیا۔ اور اسی طرح انصار و مہاجرین نے بھی اپنے اپنے حصے ان لوگوں کو پھیر دیئے اہل عرب کے دیگر قبائل سے بھی وہ ایسے ہی خواستگار ہوئے اور مسلمانوں نے بھی اتفاق کیا اور

اپنے حصے کی قیمت لگا کر معاوضہ میں اتنے ادلت دے دیئے۔

ناظرین اگر ان اموال کی مقدار تعداد معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ اسی کتاب کے باب حکمت کے غزوات کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں اتنی کثیر مقدار اموال غنیمت کی پیغمبر اسلام و نیز اہل اسلام نے اپنے دشمنوں کو واپس کر دی جس کی مثال تاریخ عالم میں ان حالات کے تحت ملنا ناممکن ہے۔ اس واقعہ سے پیغمبر اسلام کا صلہ رحم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وفد والوں نے ہی کہا تھا کہ وہ بنی سعد میں اور حمیہ سعودیہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ اور حمیہ سعودیہ نے پیغمبر اسلام کو دودھ پلایا تھا۔ اس رشتہ کے واسطے سے اہل وفد بنو سعد و ہوازن نے اپنی جاں بخشی چاہی اور اپنے اموال کی واپسی کے طالب ہوئے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا ذاتی و بنی عبدالمطلب کا حصہ اسی وقت واپس کر کے صلہ رحم کی بے مثال مثال قائم کر دی۔ مگر آپ نے دیگر اموال غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اور اب جس کے مالک عام مسلمان تھے۔ حکم واپسی نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا کہ میں بعد نماز ظہر عام مسلمانوں سے مشورہ کروں گا۔ تمہارا سفارش پیش کروں گا اور تمہارے اموال کی واپسی کی درخواست کروں گا۔

پیغمبر اسلام کا ایسا فرمان آپ کی عدالت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ممکن تو یہ بھی تھا کہ بحیثیت حاکم افواج و بانی اسلام ہونے کے خود حکم دیدیتے کہ اموال غنیمت کو واپس کر دیا جائے۔ اور کسی صحابی یا لشکری کو انکار کی جرات بھی نہ ہوتی۔ اور پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف معاملات بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ فریق مخالف سے سردار فوج جو چاہے معاہدہ کرنے لشکریوں کو چوں دچرا کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ اور رات دن تاریخ عالم میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کے نزدیک یہ فعل کہ خود سردار لشکر جو چاہے کرے خلاف معاملات ہے۔

جہاں تک حاکمانہ حیثیت کا تعلق ہے بیشک ہر سپاہی پابند حکم حاکم ہے۔ مگر جہاں سے اس کے ذاتی حقوق کا سوال ہے وہاں سے وہ سپاہی خود بااختیار ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس معاملہ یا واقعہ میں یہی نمونہ عدالت پیش فرمایا ہے۔ چونکہ اموال غنیمت پیغمبر اسلام تقسیم کر چکے تھے۔ اور اب اس حصہ رسدی کا مالک ہر سپاہی ہو چکا تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام کی عدالت کا اقتضا وہی ہوا کہ ہر سپاہی اپنی خوشی سے اپنے حصہ مال غنیمت کو واپس کرے تو کہے ورنہ وہ خود مختار ہے۔

پیغمبر اسلام کے اس انداز و تدبیر نے حقوق افراد لشکر کو بھی قائم رکھا۔ حقوق انفرادی انسانی کو بھی باقی رکھا۔ وزیر قوانین عدالت پر عمل درآمد بھی کیا۔ اور صلہ رحم کا اہم ترین نمونہ بھی پیش کیا۔ اور اقتضائے وقت لکھی پورا کر دیا۔

(۱) طبقات ابن سعد ص ۳
ترجمہ ۱

واقعہ ششم صلہ رحم، زیارت قبر مادر گرامی

فلما نزل رسول الله صلعم في عسرة
المحديبية بالابوا قال ان الله
قد اذن ل محمد في زيارة قبر امه
فاما رسول الله صلعم فاصحاه
وبكى عنده وبكى المسلمون
لبكاء رسول الله صلعم فقبل له
فقال اوركتني رحمتها فبكت
تمام اهل اسلام بھی رونے لگے۔ لوگوں نے آپ سے سب گریہ دریافت کیا۔ تو ارشاد
فرمایا کہ مجھے ان کی محبت و رحمت یاد آگئی میں بے اختیار رو پڑا۔

در حقیقت صلہ رحم کو ادا کرنا بھی عین عدالت ہے۔ اس واقعہ پیغمبر اسلام نے اچھی طرح بات کو
صاف کر دیا۔ اگر حدیبیہ سے واپسی پر پیغمبر اسلام مقام ابوا پر نہ پہنچتے اور قبر مادر گرامی سے نہ گذرتے
اور نہ آپ کے دل میں ماں کی یاد آتی نہ ان کی قبر کی زیارت کرتے نہ مسلمانوں کو اپنی مادر گرامی کی
سنگماں و تہروریاں بتلاتے۔ نہ ان کو بہ الفاظ محبت و دعا یاد کرتے۔ تو حقیقت میں پیغمبر اسلام
کے یہ افعال خلاف قوانین عدالت و صلہ رحم ہوتے۔ اور صرف اس موقع پر ایسا نہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا
کہ پیغمبر اسلام صرف حملہ آور کی حیثیت سے دس ہزار فوج کو حدیبیہ کے میدان تک تو کہے جاسکتے
تھے۔ مگر راہ میں اگر اپنی ماں کی قبر مل جاتی ہے تو اس سے کترا کر گذر جاتے ہیں۔ تو یہ فعل تالیخ
عالم میں کسی طرح بھی قابل تعریف نہ سمجھا جاتا۔ بلکہ انسانی اعتبار سے بھی پست درجہ ہوتا۔ مگر
یہ کیسے ممکن تھا جبکہ معاملہ ذات پیغمبر اسلام کا تھا۔ ان سے کسی امر معمولی و غیر معمولی میں کوئی کسر
باقی رہ جانا ممکن ہی نہ تھا۔

لہذا اپنے قبر مادر گرامی پر پہنچنے سے قبل اہل اسلام کو خصوصاً اہل عالم کو عموماً بتادیا کہ
آپ کا قبر مادر گرامی پر جانا صرف برائے گریہ نہ تھا۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے خدانے
اذن و اجازت دی ہے کہ میں قبر مادر گرامی کی زیارت کروں۔ پیغمبر اسلام کو یا اہل اسلام
کو بتا رہے تھے کہ جس طرح میں مکارم اخلاق و قوانین تہذیب و معاشرہ کی تکمیل کیلئے دنیا میں

آیا ہوں اسی طرح میرا یہ فعل بھی اسی مکارم اخلاق کی تکمیل کی ایک کڑی یا اسی سلسلے کا ایک حلقہ ہے۔ آپ کا قبر پر جانا، مار کی نیکیاں بیان کرنا، اس پر خود رونا اور شکر اسلام و اصحاب کرام کو رلانا۔ پھر جو اسباب گریہ دریافت کرنے پر آپ کا فرمانا کہ مال کی محبت یاد آگئی تو میں بے اختیار رو دیا۔ آپ کے یہ الفاظ و نیز آپ کا اندازِ زیارت یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ معترض کے اعتراض کو دفع کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حقوق والدین کی کیا اہمیت ہے۔ اور آپ یہ بھی ظاہر فرما رہے تھے کہ صرف زندہ انسان کے ہی حقوق انسانوں پر نہیں ہیں۔ بلکہ زندہ انسانوں پر مردوں کے بھی حقوق باقی رہ جاتے ہیں۔ اگر زندہ انسان اپنے مردہ اقرباء کے حقوق پورے نہیں کرتا تو بھی وہ خلاف عدالت فعل کا مرتکب ہے۔ کیونکہ جب تک وہ مرنے والا زندہ تھا اور تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ تو اس کے حقوق تسلیم کر لئے گئے تھے اور جب وہ مر چکا اور اس سے کوئی اُمید منفعت باقی نہ رہی۔ تو مر گئے مردوں نے ان کی فاقہ نہ درود پھر ان کو یاد کر کے کیا کریں۔ لیکن!

پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ کار سے بتایا ہے کہ مرنے والوں کے بھی حقوق باقی رہتے ہیں۔ اور ان کا ادا کرنا مطابقت اصول عدالت و صلہ رحم ہے۔

واقعہ منعم حسن شرکت | باب تعریف عدالت میں ارسطو کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ارسطو نے عدالت کی تین اقسام کی ہیں۔ اس کی عبارت یہ ہے کہ :-

”دوم آنچہ متعلق است بمشارکت با بنی نوع دادائے امانات و انصاف در معاملات۔“

دوسرے عدالت یہ ہے کہ بنی نوع کے ساتھ معاملات شرکت و امانات کا ادا کرنا اور محلات میں انصاف کیا جلتے۔

(۱) علامہ شبلی سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۶

عبداللہ بن ابی الجہل ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا۔ میں نے کہا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے مجھ کو تین دن تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلعم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلاف وعدگی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ صرف اسی قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

(۲) سائب نامی ایک صاحب جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف

کی آپ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ فلکنت لا قدراری فلا تمادی نہ میرا آپ کے ذمہ نہ آپ کا میرے ذمہ کچھ باقی ہے۔ قیس ابن سائب مخزومی ایک اور صحابی تھے آپ کے شریک تجارت تھے وہ بھی اپنی الفاظ کے ساتھ آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

واقعہ ہشتم لقب الامین (۱) تاریخ طبری - ترجمہ :-

جب عبرا سود کو اپنے مقام پر نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ میں اس کو اس کے مقام پر رکھوں۔ اس بنا پر سب کے سب آپس میں عدتوں سے متجاوز ہو گئے اور قسم کھا کر جنگ و جدال پر آمادہ ہو گئے بنی عبدالدار تو یہاں تک ہوش میں آ گئے۔ جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت قسمیں کھانے کا دستور تھا کہ انہوں نے خون تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا اور دستور عہد جاہلیت کے مطابق اپنے اور بنی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ساتھ اس خون سے بھرے ہوئے پیالہ میں ڈلوائے۔ گویا کشت و خون کا پختہ ارادہ کر لیا۔

(۲) ابن ہشام ص ۶۷ مطبوعہ مصر :-

اجتمعوا فی المساجد ہذا الامن رضیا ہذا الحمد ص ۶۷
ترجمہ :- انہیں امور کے تصفیہ میں قریش کو چار یا پانچ راتیں گزر گئیں۔ آخر کار سب مسجد میں جمع ہوئے اور اس امر کے تصفیہ کی نسبت مشورہ کرنے لگے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابا اسیرہ رضی اللہ عنہ بن مغیرہ جو قریش میں اس وقت سب سے زیادہ معتمد تھا کہنے لگا کہ اے قریش تم لوگ ان باتوں کا یوں تصفیہ کر لو کہ کل صبح کو جو شخص اس مسجد کے دروازے سے پہلے داخل ہو۔ وہی اس عدت کو انجام دے۔ سب نے اس پر اتفاق کر لیا۔

صبح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چلا اٹھے یہ تو ہمارے امین ہیں یہ تو محمد ہیں مہلوگ اپنی پر راضی ہیں۔

ادائیگی امانات و انصاف و معاملات بقول ارسطو عدالت کی قسم ہے۔ لہذا مذکورہ حوالہ جات نے ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام ادائیگی امانات و انصاف معاملات میں اتنے کامل تھے کہ اہل عرب ان کو الامین کہتے تھے اور اپنی امانات کا محافظ و ادا کرنے والا تسلیم کر چکے تھے۔

حسن قضا کریمت علی واقعہ ہشتم

حکماء نے اقسام تحت عدالت میں ایک فعلیت حسن قضا بتائی ہے اور حسن قضا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

”حسن قضا :- دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کر دے کہ احسان رکھنے اور ندامت سے

خالی ہو۔“

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت پیغمبر اسلام کی عمر ۸ سال کی تھی۔ اور آپ کے والد ماجد پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ عبدالمطلب دادا تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے امانت رسالت کی حفاظت گواہ صرف آنوش ابوطالب کو منتخب کیا اور تائیدی وصیت ابوطالب کو کی کہ محمد کو انتہائی احتیاطی و حفاظتی طور پر پرورش کیا جائے۔ ابوطالب نے پیغمبر اسلام کو ۸ سال کی عمر سے پرورش کیا۔ اور ہر ممکن خدمت و حمایت پیغمبر اسلام کی کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے۔ ص ۵۷ :-

بانہ رسول اللہ صلعم یومئذ بیکی خلف سریر عبدالمطلب۔ میں نے دیکھا رسول صلعم اس دن عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے روتے جاتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی عمر ۸ سال کی تھی اور آپ کو اپنے جد امجد کے انتقال کے بعد محسوس ہوا کہ آپ لا وارث و بے بس ہیں۔

(۲) کتاب مناقب جلد اول ص ۱۱ :-

ابوسعید الواعظی کتاب شرف

المصطفیٰ انہ لما حضرت عبدالمطلب

الوفاة دعا انہ اباطالب فقال له

یا بنی قد علمت شدۃ حبی لمحمد

و وجدی بہ انظر کیف تحفظنی

فبہ قال ابوطالب یا اباللاتو صینی

بمحمد فانه ابی و ابنی فلما

تونی عبدالمطلب کان ابوطالب

یوشرہ بانفتۃ و الکسوة علی نفسه

و علی جمیع اہلہ ۔

ابوسعید و اعظی نے کتاب شرف مصطفیٰ

میں لکھا ہے کہ جب وقت وفات عبدالمطلب

قریب ہوا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے

ابوطالب کو بلایا۔ اور وصیت کی کہ

بیٹا تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد کو

محمد سے کس قدر محبت و جذبہ الفت

ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے بعد

تم اس کی حفاظت کیونکر کرتے ہو۔

ابوطالب نے عرض کیا یا ابا جان آپ

محمد کے بارہ میں وصیت نہ کیجئے یہ تو میرا

بیٹا ہے میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ تو ابوطالب اپنی

ذات اور اپنی اولاد سے زیادہ باس و خوراک میں محمد صلعم کا خیال رکھتے تھے۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۲ مطبوعہ ممبئی :-

در سال ہجرت از ولادت حضرت رسالت
عبدالطلب وفات یافت
بعد از وفات عبدالطلب ابوطالب بہ
کفالت آنحضرت قیام نمودہ و از غایت
محبتی کہ با او داشت لحظہ بمفارقتش
رضانہی داد و شبہا اورا در پہلوئے
خود می خوابانید و طعام نامے لذیذ می
داد -

پیغمبر اسلام کی ولادت کے ساتویں سال
عبدالطلب نے وفات پائی۔ عبدالطلب
کی وفات کے بعد پیغمبر اسلام ابوطالب
کی کفالت میں رہے اور ابوطالب پیغمبر
اسلام سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ایک
سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا نہ کرتے
تھے اور راتوں کو اپنے ساتھ سلاتے تھے
اور عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے تھے۔

(۴) صفحہ ۱ - منقول است کہ تا ابوطالب
در حیات بود عبودۃ او ثمال مجال آں
نداشتند کہ زیادہ تعرضی بحضرت رسول
رسانند -

روایت ہے کہ جب تک ابوطالب زندہ
رہے اصنام پرست مشرک اتنی مجال نہ
رکھتے تھے کہ حضرت رسول کو اینادیں
یا تکلیف پہنچائیں۔

(۵) تذکرۃ الصحابیات صفحہ ۳۹ :-

حضرت خدیجہ و حضرت ابوطالب نے چند دن آگے بچھے انتقال کیا ہے۔ سال وفات دونوں
کا ایک ہے (طبقات ابن سعد صفحہ ۹) مذکورہ حوالہ جات نے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی کفالت
پرورش و تربیت و حفاظت بعدا مجد پیغمبر اسلام جناب عبدالطلب نے ابوطالب کے سپرد کی
تھی اور ابوطالب نے پیغمبر اسلام کو بچرہ سال سے پرورش کیا۔ جان اور اولاد سے بھی زیادہ
حفاظت کرتے رہے۔ بعد بعثت مشرکین و کافریں کے حملوں سے بچایا۔ ہر ممکن مدد و حفاظت
کرتے رہے۔ اور جب تک ابوطالب زندہ رہے پیغمبر اسلام کو قریش ایذا نہ دے سکے اور ابو
طالب نے ہجرت مدینہ سے تین سال قبل وفات پائی۔ گویا ابوطالب نے پیغمبر اسلام کی ۸ سال کی
عمر سے ۱۶ سال کی عمر تک حفاظت کی اور ہر ممکن مدد تبلیغ رسالت میں پہنچاتے رہے۔

ایسی صورت میں آپ غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کافر لیضہ کیا تھا۔ اور پیغمبر اسلام کی عدالت کس
امر کی مقتضی تھی۔ صاحبانِ انصاف کو ماننا پڑے گا کہ احسان کا بدلہ احسان ہوا کرتا ہے۔ اور اگر
یہ بدلہ بروقت نہ دیا جائے تو خلاف قوانین عدالت ہوگا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے

فرزند علی کی تربیت و تعلیم و کفالت اپنے ذمہ لیکر صلہ رحم، حسن قصدا و عدالت کو کما حقہ پورا کر دیا۔ تاریخی عبارات جو اس معاملہ کو واضح کرتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں :-

(۶) ہشام و طبری و ابن سعد نے لکھا ہے :-

وكان ابا طالب ذا عيال كثير فقال
رسول الله للعباس عمه كان من
اليسر بني هاشم يا عباس اني اخاك
ابا طالب كثير العيال وقد اصاب
الناس ما ترى من هذه الازمة
فالطلق بنا فنخفف عنه من عياله
اخذ من بيته اجلا وناخذ من
بيته اجلا وناخذ من بيته رجلا
فتكفها عنه قال العباس نعم
فالطلقا حتى ايتا ابا طالب فقال
انا نريد ان نخفف عنك من
عيالك حتى ينكشف عن الناس
ما هم فيه فقال لهما ابا طالب
اذا تركتماي عقيلانا صنعا ماشئتما
فانخذ رسول الله عليا فضمه اليه
وانخذ العباس جعفر وفضمه اليه
فلم يزل علي ابن ابي طالب معه رسول
الله حتى لعشه الله نبيا فاتبعه
علي فامن به و صدقه ولم يزل
جعفر عند العباس حتى اسلم و
استغنى عنه -

(طبری ص ۶۳)

ابو طالب کثیر العیال تھے پیغمبر اسلام نے
عباس جو اس وقت تمام قبیلہ بنی ہاشم
میں سب سے زیادہ خوشحال تھے سے
ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپ کے
بھائی کثیر العیال ہیں اور اس وجہ سے
تنگ حال ہیں۔ ہم کو مناسب ہے کہ ان
کے بار کو ہلکا کریں۔ اس طرح سے کہ
ان کے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو
ہم آپ اپنے اپنے ذمہ لے لیں۔ عباس
نے اس مشورہ کو قبول کر لیا۔ یہ دونوں
افراد ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی
مشورت سے ان کو آگاہ کیا۔ یہ سنکر
ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس
چھوڑ دو باقی دو بچوں کیلئے جو آپ دونوں
صاحب ہا ہیں انتظام کر لیں۔ یہ سنکر
رسول خدا نے علی کو اپنی طرف لیا اور سینہ
سے چمٹا لیا۔ اور پھر اس وقت تک کہ جناب
رسول خدا درجہ نبوت پر فائز ہوئے اور
علی نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان
لائے۔ ساتھ ہی ساتھ رہے۔ اور جعفر بھی
عباس کے ساتھ رہے حتیٰ کہ وہ بھی مسلمان
ہوئے اور خود کنبیل ہوئے۔۔۔

واقعہ مذکورہ نے اس امر کی تصدیق کر دی کہ پیغمبر اسلام نے مطابق تو ان میں عدالت صدر رحم و حسن تھا
 کو با حسن وجہ پورا کر دیا اور ابوطالب کے فرزند کو اپنی آغوش میں لیکر وہ سب کچھ عطا کر دیا جو آپ کے
 اختیار میں من جانب خدا تھا۔ ابوطالب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تقریباً ۳۸ سال پیغمبر اسلام کی خدمت و
 تربیت و حفاظت و اعانت میں گزارا تھا اور تبلیغ رسالت و توحید میں حتی المقدور مدد کی تھی اور بالفاظ
 دیگر کہا جائے کہ ابوطالب کے اختیار میں جتنی مدد ممکن تھی اور جو کچھ تھا وہ سب صرف راہ خدا اور رسول کر
 دیا تھا۔ اس کا بدل و نعم البدل دینا ہی پیغمبر اسلام کی عین عدالت تھی چنانچہ آپ نے بھی علی ابن ابی
 طالب کو مرکز احسانات خداوندی بنا دیا اور ہر وہ خوبی و وصف کمال علی کی فات میں پیدا کر دیا جس کے
 آپ مالک منجانب خدا تھے حتی کہ فرما دیا کہ :-

انا صلیتہ العلم و علی بابہا - میں علوم روحانی و جسمانی تمام علوم کا شہر ہوں
 اور علی ابن ابی طالب اس کے صدر دروازہ ہیں۔ جو میرے فیوض علمی پاہتا ہے وہ دروازہ
 سے آئے۔ اور کمالات انانیہ حاصل کرے۔

واقعہ دہم، حسن شرکت و عدالت

کلماء نے فضیلت عدالت کے تحت فضیلت حسن
 شرکت کو بھی شمار کیا ہے۔ حسن شرکت کی تعریف

یہ کی گئی ہے کہ معاملات میں لین دین بطور اعتدال کرے جو دیگر افراد کے موافق طبع ہو۔ اور حسن
 قضا کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کرے کہ احسان رکھنے اور زیادت
 سے خالی ہو۔ چونکہ یہ دونوں اجتناب فضائل تحت اقسام عدالت ہیں تو گویا یہ ہر دو اجتناب
 خود عدالت ہیں۔ بات یہ ہے کہ معاملات میں بقدر اعتدال لین دین کرنا بھی عین عدالت ہے۔
 اور دوسروں کے حقوق کو ادا کرنا بھی عین عدالت ہے۔ لہذا اسی وجہ سے ان اقسام کو بھی تحت
 عدالت رکھا گیا ہے۔ ان تعریفات کی روشنی میں پیغمبر اسلام کا مندرجہ ذیل کارنامہ ملاحظہ کیجئے۔
 نصب حجر اسود پیغمبر اسلام کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ ابھی آپ مبعوث رسالت نہیں ہوئے
 تھے کہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی اور قبائل عرب میں یہ تعمیر کعبہ سبب جنگ و
 جدال بن گئی۔ تفصیل بہ الفاظ مورخین ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۰

پیغمبر اسلام کی پیدائش سے ۳۵ سال
 بعد قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا

در سال سی و پنجم از ولادت ہمالیوں
 حضرت مقدس نبوی قریش خانہ کعبہ را

منہدم ساختند و بعد ازاں دیوار ہائے
آزاد بلند گردانیدہ بہ ترتیب سقف آں
پر داختند.....

قریش بسنگ کشیدن مشغول شدند و
حضرت رسالت پناہ بالیساں موافقت
نمودہ منقول است کہ در حین اشتعال
بہ بنائے کعبہ جہات اربعہ را قسمت نمودند
قرعہ زردند از رکن حجر اسود تا رکن عراقی
بنام عبد مناف و بنی زہرہ بر آمدہ از
رکن عراقی تا شامی بنی اسد بن عبد
العزری و بنی عبدالدار قرار یافت و از
رکن شامی تا رکن یمانی نامزد بنی تمیم
گشت و از رکن تاجر الاسود نصیب
بنی سہم و بنی عزرائی شد و چون دیوار ہا
از ارتفاع یافتہ بحد حجر الاسود رسید
اختلاف در میان قریش پدید آمد -
و ہر قبیلہ را داعیہ شد کہ آں سنگ
متبرک را کہے از لیشاں بموضع خود نصب
کنند و بدین سبب قریب ہاں شد کہ مہم
بمقتالہ انجامد - آخر الامر قرارہ بر آں گرفت
کہ ہر کس کہ اولاً از باب بنی شیبہ کہ در
از در ہائے حرم است در آید او را
حکم سازند و ہر چہ فرماید تجاوز از اں جائز
ندارد و در خلال ایں احوال حضرت مقدس
بنوی از در مذکورہ در آمد قریش ازین معنی

اور پھر اس کی دیواروں کو پہلے سے بلند کیا
رہلے پھت نہ تھی (قریش نے پھر اٹھانا
شروع کئے اور پیغمبر اسلام بھی ان کے شریک
کار تھے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قریش
خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنا چاہتے تھے تو
انہوں نے تقسیم کار اس طرح کی تھی کہ قرعہ
ڈالا پھر رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک
عبد مناف و بنی زہرہ کے ذمے رنا۔ اور
رکن عراقی سے رکن شامی یعنی تک اسد
بن عبد العزری و بنی عبدالدار کے ذمہ رنا
اور رکن شامی سے رکن یمانی تک بنی تمیم
اور رکن یمنی سے حجر اسود تک بنی سہم
و بنی عزرائی کے نام رنا۔ جب دیوار بنی بلند
ہو گئیں اور جس جگہ حجر اسود نصب تھا۔
اس جگہ تک بلند ہی پہنچی اور حجر اسود کے
نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو قریش کے
درمیان اختلاف ہو گیا اور قریش کے ہر
قبیلہ کو یہ دعویٰ پیدا ہوا کہ اس متبرک
پتھر کو اس کے خاندان کا کوئی فرد نصب
کرے۔ اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ جنگ کی
نوبت آگئی۔ آخر یہ طے ہوا کہ باب بنی شیبہ
سے جو حرم کا ایک دروازہ ہے۔ سب
سے پہلے جو داخل ہو وہ جو تجویز کرے وہ
ہو۔ یہی معاملہ زیر بحث تھا کہ اتنے میں
پیغمبر اسلام داخل دروازہ مذکور ہوئے

مبشر گشتہ گفتند محمد امین رسید و
 ہرچہ او دریں باب فرماید آزا مطیع می
 باشم ہوں صورت قضیہ معروض رائے
 عالم آرائے گشتہ ردائے مبارک خود
 را بر زمین گسترده و حجر الاسود را در میان
 ادا نہادہ و از ہر قبیلہ شخصی طلبیدہ
 باشارت آنحضرت ہرکے گوشہ از ردائے
 گرفتہ و حجر الاسود را برداشتند و بموضع
 خویش استوار ساختند حضرت مقدس
 نبوی از در میان ردائے سنگ برداشتہ
 بر موضع خود نش استوار فرمود۔

قریش آپ کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے
 لگے محمد امین آگئے۔ وہ جو کچھ اس بارہ
 میں فرمائیں گے ہم اطاعت کریں گے۔
 جب واقعہ کی تفصیل آپ کو بتائی گئی تو
 آپ نے اپنی چادر کو زمین پر بچھایا اور حجر
 اسود کو اس پر رکھا اور ہر قبیلہ کا ایک
 شخص بلایا اور اس سے کہا کہ وہ چادر
 کو پکڑ کر اٹھائے۔ ہر شخص نے گوشہ
 چادر اٹھایا جب مقام نصب حجر اسود
 تک وہ چادر اٹھ گئی تو آپ نے حجر اسود
 کو اٹھا کر اسکے مقام پر نصب کر دیا۔

پہلے ہی - واقعہ مذکور سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے منتخب کرنے والوں کے حقوق کی پاس داری
 بدرجہ اتم کی۔ جبکہ قریش مکہ نے جماعتی حیثیت سے پیغمبر اسلام کو اپنا امین سمجھا اور ان کے فیصلہ کو
 ماننے کا عہد کیا اور اطاعت امر منظور کی تو یہ بھی ممکن تھا کہ بعد حکم معاملہ منتخب ہونے کے خود ہی
 یہ شرف حاصل کر لیتے کہ حجر اسود کو اس کی جگہ اپنے ہاتھ سے لگادیتے۔ چونکہ قریش آپ کی رائے کی
 اطاعت کو تسلیم کر چکے تھے کوئی تنازع واقع نہ ہوتی۔ حجر اسود بھی نصب ہو جاتا اور کعبہ بھی تعمیر ہو جاتا
 اور اس سنگ مقدس کے خانہ کعبہ میں نصب ہونے کا شرف بھی ہمیشہ پیغمبر اسلام اور ان کے خاندان
 کو حاصل رہتا۔

مگر قوانین عدالت کے مطابق فضیلت حسن شرکت و حسن قضا کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ حسن قضا
 کی تعریف یہی ہے کہ دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کرے کہ احسان رکھنے اور ندامت سے غالی
 نہ ہو۔ اور حسن شرکت کی تعریف یہ ہے۔ کہ لین دین میں معاملات اس طرح ہوں کہ دوسروں کے موافق
 صلح و مزاج ہوں۔ پیغمبر اسلام کا مذکورہ طرز عمل ان دونوں احسنات فضائل کے عین مطابق تھا۔ گویا ہر
 معاملہ میں و نیز اس معاملہ میں پیغمبر اسلام کی نظر احسنات فضائل کے تعین کا معیار حقیقی دیکھ رہی تھی۔
 اور آپ کا عمل ایک ایسا نمونہ پیش کرنا چاہتا تھا جو بلحاظ عدالت و اقسام تحت عدالت حقیقی عدالت کا
 نمونہ اعلیٰ ہو۔ اور جو اہل عالم کیلئے صحیح دستور العمل بن سکے۔ اور اہل دنیا تعلقات باہمی کے نازک

پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھ سکیں۔

واقعہ یازدہم، عدالت مکافات

حکمانے مکافات کو جنس تحت عدالت شمار کیا ہے

اور مکافات کی تعریف مندرجہ ذیل معین کی ہے

”مکافات آن بود کہ احسنے را کہ باو کند بمانند آن یا زیادہ از اں مقابلہ کند و در اساعت بکتر

از اں۔“

مکافات یہ ہے کہ اگر کوئی احسان کرے تو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی احسان کرے اور اگر کوئی بدی

کرے تو اس بدی سے کم بدی سے پیش آوے۔“

واقعہ مندرجہ سے واضح ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے بدی کے مقابلہ میں کم از کم بدی کرنے کی بجائے نیکی

احسان کیا ہے گویا فضیلت مکافات سے بھی بڑھ کر نمونہ عمل پیش کیا ہے۔

واقعہ اسلام عمر ابن خطاب

(۱) روضة الصفا مطبوعہ بمبئی ص ۴۲ (ذکر اسلام حمزہ

بن عبدالمطلب و ماشم و اسلام عمر ابن خطاب)

اما سبب اسلام عمر بن عبدالمطلب

کہ چوں آیت انکم و ما تعبدون من دون اللہ

حصب جنم اتم لہا و اردون نازل گشت

و اشتہار یافت ابو جہل در انجمن قریش

بر پائے خواستہ گفت۔ ایہا الناس!

محمد زبان طعن بالہ ما دشنامی کشاید و عقلا

شمار راز سفہامی شمار دومی گوید کہ پدراں

شما با معبودان خویش آتش دوزخید اکنون

آگاہ باشید کہ ہر کہ محمد را بقتل آرد اورا

ہزار ناکہ احمد ہزار اوقیہ طلاء حمرا و ہر دای

صد شتر سرخ موئی سیاہ چشم و ہزار اوقیہ نقرہ

بیضا بر من باشد۔ عمر خطاب درال بود

گفت یا ابا الحکم این وعدہ را ضمانی باید

گفت چوں بے تاخیر تسلیم میکنم ضمان بچہ کار

عمر ابن خطاب کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

مشہور ہے کہ جب آیت انکم و ما تعبدون

من دون اللہ حصب جنم اتم لہا

واردون نازل ہوئی اور پھر مشہور ہوئی

تو ابو جہل نے اجتماع قریش میں کھڑے ہو کر

تقریر کی۔ اے لوگو! محمد نے ہمارے خداؤں

کو طعن کرنا شروع کر دیا ہے اور تمہارے

عقلا کو احمق سمجھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ

تمہارے آباؤ اجداد مع اپنے معبودان کے

آتش دوزخ میں جائیں گے۔ اب تم آگاہ

ہو جاؤ کہ جو محمد کو قتل کرے گا اس کو ایک

ہزار شتر سرخ اور ایک ہزار اوقیہ سونا ملی

اور ایک روایت میں ہے کہ سو شتر سرخ

رنگ و سیاہ چشم اور ایک ہزار اوقیہ چاندی

میں دوں گا۔ عمر خطاب اس جلسہ میں موجود تھے۔ کہا اسے اباالحکم اس وعدہ کا ضامن دو۔ ابو جہل نے کہا چونکہ میں فوراً یہ وعدہ پورا کر دوں گا۔ پھر ضامن کی کیا ضرورت سے عمر خطاب نے کہا کہ لات وعزتی کی قسم کھا کر کہو کہ تمہارا دل وزباں موافق ہیں ابو جہل نے قسم کھائی کہ میں سچا وعدہ کرتا ہوں۔ مزید اطمینان کیلئے عمر ابو جہل کو کعبہ کے اندر لے گیا۔ اور سب سے بڑے بت پہل کو وعدہ کا گواہ بنایا پھر عمر نے اپنی تلوار جو ایک بالشت پوری تھی اور سات بالشت لمبی تھی کو اپنے پہلو میں لگایا اور پھر اسلام کے قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ عمر کے گھوڑا میں سے نعیم بن عبد اللہ نے عمر سے ملاقات کی اور منسلحتا عمر کو اس کی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے سے آگاہ کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سعد بن وقاص سے راہ میں ملاقات ہوئی۔ پوچھا عمر کہاں چلے۔ عمر نے کہا کہ مجھ کو قتل کرنے کو جاتا ہوں۔ سعد نے کہا کہ یہ کام تیرے بس کا نہیں ہے۔ کیونکہ عبد مناف سے کیونکر بیچ سکو گے عمر نے کہا کہ میں پہلے تم کو ہی ختم کرتا ہوں کہ تو نے اپنے مذہب کو بدلا ہے۔ سعد نے کہا کہ تو میرے قتل پر قابو نہیں پاسکتا ہے اور نہ مجھ پر تیرا قابو چلے گا تیری یہ طاقت نہیں ہے کہ ایسے مشکل کام انجام دے سکے

آید عمر گفت بلات وعزتی کہ زباں تو بدل موافق است ابو جہل لعین سو گند یاد کرد کہ من درین قول صادق و بنا بر اطمینان خاطر عمر خطاب اور اباندرون خانہ کعبہ بردہ اعظم اصنام قریش پہل نام را بریں قضیہ گواہ گرفت و عمر شمشیر خود را کہ عرض آن یک شبر بود و طولش بہت شبر جمائل کرد بعزم قتل حضرت رسول قدم در راہ نہاد و ہر وایتے یکے از اصحاب کہ اورا نعیم بن عبد اللہ می گفتہ باو سے دو چار شور و ہ بعد از گفت و شنید بنا بر مصطحت وقت عمر را از اسلام خواہر و دامادش سعید بن زید گامی داد و بقول آنکہ سعد بن ابی وقاص در راہ باد ملاقات نمود پرسید کہ عمر کجای روی! گفت بکشتن محمدی روم۔ سعد گفت تو از اہل عاہزہ تری کہ محمد را تو انی کشت چگونہ ایمن تو انی بود و از بنی عبد مناف عمر گفت اول مہم تو بقطع رسالت کہ تغیر ملت کردہ سعد گفت دست تو بقتل من نمی رسد و نہ از اہل محمد تو فرد تر از اہلی کہ با مثال این امور مبادرت نہائی۔ عمر چوں این سخن بشنید شمشیر کشید سعد نیز تیغ تیز از نیام بیرون آورد و مسلمانان در اہل وقت بے الت ہمارہ اندہیم کفار ترو نمی نمودند

دچوں نزدیک شد کہ مہم از معارضہ و مکالمہ
 بجا رہے و مقابلہ انجامد سعد گفت تو خواہی بود امام
 شود و القتل رساں کہ ایشان نیز مسلمان شدہ
 اند۔ عمر گفت کہ دلیل بر صدق این سخن چیست
 سعد گفت آنکہ از ذبیحہ تو نہ خوردند و عمر از سعد
 اعراض نمودہ ہم اندرہ بخانہ خواہر شتافت
 و بحسب اتفاق در آن جہن سعد بن زید و
 منکورہ اش خواہر عمر خباب بن ارت را بخانہ
 بردہ بودند در راستہ دیدگوش بر در نہادہ
 قرأت ایشان می شنید و بعد از لحظہ حلقہ بر
 در زد و چوں معلوم فرمودند کہ قاریع عمر امت
 خباب در گوشہ مخفی گشت و صحیفہ کہ سورہ طہ
 بر آن مکتوب بود پنهان کردند عمر گفت کہ کلامی
 می شنیدم ایشان گفتند کہ با ہم حدیثی در
 داشتیم بعد از آن عمر نیز غالم بدست خود ذبح
 ساختہ امر کردہ تا آن را بر بیان کردہ بہ نظر
 ادر آوردند و گفت پشید تا با ہم تناول
 نمائیم ایشان از خوردن آن امتناع نمودند
 عمر را سخن سعد بن وقاص یاد شد ریش
 داماد را ادغضب گرفتہ در ہم آویختند
 عمر سعید را بر زمین زدہ بر سینہ او نشست
 خواہر خواست کہ شوہر را از دست برادر
 خلاص کند عمر طمانچہ بر روئے خواہر زد
 و بر آسراور بہ نشست و روئوں او شد خوش گفت
 بہ بہت آن مارا ایذا می کنی کہ مسلمان شدہ ایم

عمر نے جب ایسا سنا تو اور کھنچ لی سعد نے بھی
 تلوار کھنچ لی اس زمانہ میں مسلمان بغیر تھیار
 کے بوجہ خوف کفار کے باہر نہیں نکلتے تھے۔
 جب جنگ کی توبت آگئی تو سعد نے کہا کہ تو
 پہلے اپنی بہن و بہنوئی کو تو قتل کرے کہ وہ
 بھی مسلمان ہو گئے ہیں عمر نے کہا کہ اس واقعہ
 کے سچے ہونے کی دلیل دے۔ سعد نے کہا کہ
 اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ تیرے ہاتھ کا ذبیحہ
 نہیں کھا میں گے۔ عمر نے سعد کو تو چھوڑا اور
 وہیں سے بہن کے گھر کا راستہ لیا اتفاقاً اس
 وقت سعد بن زید اور اس کی زوجہ خواہر
 عمر دونوں خباب بن ارت کو اپنے گھر لیگے تھے
 عمر نے دروازہ بند پایا اور دروازہ پر کان لگا
 دیئے اور قرأت قرآن کو سنا۔ پھر دروازہ
 پر دوں الباب کیا جب ان کو معلوم ہوا کہ دروازہ
 کھٹکھٹانے والا ہے۔ تو خباب تو ایک گوشہ
 میں چھپ گئے اور وہ صحیفہ جس پر سورہ طہ
 لکھی تھی چھپا دیا۔ عمر نے کہا کہ میں کوئی کلام سن
 رہا تھا۔ انہوں نے کہا ہم بات چیت کر رہے
 تھے اس کے بعد عمر نے ایک بکری کے بچہ کو
 اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور کہا کہ اس کو یہاں
 کر دوہ آیا تو عمر نے کہا تم سب میرے ساتھ اس
 کو کھاؤ ان سب نے اس کے کھانے سے انکار
 کیا۔ عمر کو سعد بن وقاص کا قول یاد آیا پھر
 تو بہنوئی کی داڑھی پکڑ کر آپس میں گتھ گتھ

عمر نے سعید کو زمین پر دے پٹکا۔ اس کے سید
 پر بیٹھ گیا بہن نے چاٹا کہ شوہر کو بھائی کے
 ہاتھ سے پھڑکے عمر نے ایک طمانچہ بہن کے
 رخسار پر مارا۔ دوسری روایت ہے کہ بہن
 کا سر توڑ دیا اور اس کا چہرہ خون آلود ہو گیا
 بہن نے کہا تو تم کو اس لئے ایذا دے رہا ہے
 کہ تم مسلمان ہو گئے ہیں۔ عمر نے کہا ناں۔
 بہن نے کہا تم دونوں مسلمان ہیں اور میرے
 منہ پر کہتے ہیں لالا اللہ محمد رسول اللہ
 تو جو چاہے کہ تم دونوں تو مسلمان ہیں تم
 اب دین محمد سے نہ پھریں گے۔ جب عمر نے
 ان کے اسلام کی پختگی دیکھ لی اور بہن کے
 چہرہ کو خون آلود دیکھا تو دل میں نرمی آئی
 اپنے کئے پر بچھٹائے اور ایک چوتراہ پر بیٹھ
 گئے اور کہا کہ وہ کاغذ جو تم پر دھ رہے تھے
 مجھ کو دیدو۔ بہن نے کہا کہ خدا کا حکم ہے کہ
 اس کو بجز پاک انسان کے دوسرا نہ چھوئے
 پہلے اٹھ کر غسل کر عمر غسل کرنے باہر گئے۔
 خباب نے گوشہ سے نکل کر کہا کہ اے مومنہ
 کافر کے ہاتھ میں قرآن دیتی ہے۔ اس نے
 کہا کہ میں امید کرتی ہوں کہ شاید مسلمان ہو
 جائے۔ عمر غسل سے فارغ ہو کر گھر میں آیا
 خباب خون سے پھر چھپ گیا۔ بہن نے صحیفہ
 پھر عمر کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمر نے اس کو
 پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچا۔

عمر گفت آری خواہر گفت ما بردو مسلمانیم و
 علی الرغم تو می گوئیم لا اله الا الله محمد رسول الله
 تو بر چہمی خواہی میکن کہ ما بردو مسلمانیم و
 دست از دین محمد باز نمی داریم چوں فاروق
 جد ایشان را در اسلام در دے خواہر را
 خون آلود دید رفتے در دل او پیدا شدہ
 از کردہ خود پشیمان شد و بر کنار صحیفہ نشست
 و گفت صحیفہ کہ بقرات آن اشغال می نمودید
 بہن دید خواہرش گفت حکم خداوند است
 لا یمسہ الا المطہرون۔

بر خیز و غسل برد اور از جنہ غسل بیرون رفت
 خباب از گوشہ احتضنا بیرون آمدہ باں مومنہ
 گفت کہ قرآن را بدست کافر می دہی۔ گفت
 امید دارم کہ مگر مسلمان شود و عمر از غسل
 فارغ شدہ بخانہ دید آمد خباب از بیم او باز
 بگوشہ مستوری شد خواہرش صحیفہ بدست
 دے دادہ خواندن آغاز کرد۔ چوں بدیں
 آید رسید کہ ما فی السموات و ما فی الارض
 و ما بینہما و ما تحت الثریٰ گفت ہر
 کس کہ این سخن وارد سنا و از نیست کہ بہ
 عبودیت غیر او مشغول شود و چوں بدینجا
 رسید کہ ان تصہروا بالقول فانہ بعلم
 ستروا خفی الله لا اله الا هو الا سماء
 الحسنی بمفتاح ہر آیہ تفل غفلت از د
 ضربہ سینہ اش مفتوح گشت گفت لا اله

الا لله محمد رسول الله - - - - - مافی السموات وما فی الارض وما بینہما وما تحت

الترسیٰ تو کہنے لگا کہ جو یہ کلام رکھتا ہے۔ وہ

بیشک قابل پرستش ہے اس کے غیر کی پرستش نہ کرنی چاہیے اور جب یہ آیت پڑھی ان تجہروا
بالقول فانہ الخ تو ہر آیت کی کنجی نے اس کے دل کے نقلِ غفلت کو کھولا تو پھر عمر نے کہا۔

لا الہ الا لله محمد رسول اللہ -

جب خیاب کی محبت میں پیغمبر اسلام کے
گھر کی طرف روانہ ہوا۔ تو دروازہ پر پہنچ
کر درق الباب کیا۔ اصحاب پیغمبر اسلام میں
سے ایک نے شکافِ در سے دیکھا کہ عمر تلوار
جھائل کئے ہوئے دروازہ پر کھڑا ہے۔ اس
شخص نے حاضرین سے بیان کیا تو حاضرین
میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ دروازہ کھول
دے۔ حمزہ نے کہا یا رسول اللہ آپ حکم دیں
کہ دروازہ کھول دیا جائے اگر عمر کی نیت درست
ہے تو خیر ورنہ اس کی ہی تلوار سے اس کا سر
قلم کر دوں گا۔ اصحاب نے دروازہ کھولا۔
عمر کی طرف پیغمبر اسلام بڑھے اور ایک رفاقت
میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان کے بازو کو پکڑ
کر زور سے دبا یا اور فرمایا کہ اے عمر اگر
صلح کے طور پر آیا ہے تو تبادلے میں تیرا
ہاتھ چھوڑ دوں اور اگر جنگ کیلئے آیا ہے تو
میں ابھی تجھ کو جان سے مار دوں گا۔ عمر خوفزدہ

(۲) ص ۳۳ - چوں فاروق بدلات خیاب

روئے تو بہ بخانہ کہ حضرت واصحاب در آنجا

بودند ہمادہ بمنزل ہمایوں رسید در را بگفتند

و کیے از یاران عمر را از شکاف در دید کہ با شمشیر

جھائل کردہ الیتادہ است ای صورت بہ

جلسہ گفتند۔ میچ کس از بیم عمر جھائل در کشودن

نداشت۔ حمزہ گفت یا رسول اللہ فرماتا

در را بکشاید اگر عمر بخیر آمدہ فیما والا یہما

شمشیر سرش از تن بردارم۔ اصحاب در

کشودہ حضرت رسالت پناہ باستقبال عمر

شتافت و بر روایتے آنت کہ حضرت مقدس

نبوی بازوئے فاروق را گرفتہ بیفشرد و

فرمودے اے عمر اگر بصلح آمدہ بگو تا دست

از تو بردارم و اگر بجنگ آمدہ دمار از نہادت

بر آرم عمر تر سال و لریہاں گفت مسلمان شدہ

حضرت فرمود بگو لا الہ الا لله محمد رسول اللہ

چوں عمر عرض کلمہ طیبہ کرد حضرت تکبیر گفت۔

ہو گیا اور کانپنے لگا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا تو کہو!

لا الہ الا لله محمد رسول اللہ -

جب عمر نے کلمہ پڑھا تو رسول خدا نے تکبیر کہی۔

(۳) عمر ابن خطابؓ میں اسلام لائے۔ (اسوۃ الرسول جلد دوم صفحہ ۲۳)

(۴) سیرۃ النبی علامہ شبلی۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔

لیکن حضرت عمرؓ اسلام سے ابھی تک بیگانہ تھے۔ ان کے کان میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لیکن ان کے خاندان کی کینز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لیلیوں تو پھر ماروں گا۔ لبنیہ کے سوا جس جس پر قابو چلتا تھا زرد کو ب سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھنا تھا اترتا نہ تھا۔ ان سختیوں پر بھی وہ ایک شخص کو اسلام سے بیدل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر (نحوذ باللہ) خود بائی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا تلوار کمر سے باندھی رسول اللہ صلیع کی طرف چلے۔

ب سیرۃ النبی شبلی نعمانی۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلیع ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکھڑے صحابہ کو ترس دیا۔ لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو۔ مخلصانہ آتا ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلیع خود آگے بڑھے۔ اور ان کا دامن پکڑ کر کہا کیوں عمر! کس ارادہ سے آیا ہے۔ نبوت کی پر جلالی آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خشوع کے ساتھ عرض کیا ایمان لانے کیلئے۔

(۵) تاریخ ابن ہشام ص ۱۲۔

فاذن له رجل ونهض اليه رسول الله
صلعم حتى لقبه بالهجره فانخذ الحجرته
اولم جميع روايته ثم جئده ليجيد
تشديد وقال ما جالك يا ابن الخطاب
ما ادى ان تنهني حتى ينزل الله
بك قارعة۔

عمر کو ایک شخص نے اجازت دی۔ پھر پیغمبر
اسلام عمر کی طرف بڑھے حتیٰ کہ حجرہ کے اندر
آئے ہی پیغمبر اسلام نے عمر کے ہاتھ یا بقولے
گوشہ چادر پکڑ لیا اور سخت زور سے کہنے
اور کہا کیوں اے خطاب کے بیٹے۔ میں
دیکھتا ہوں کہ اب تمام باتوں کی انتہا ہوگی

اور آخر خدا نے تجھ کو میرے دروازہ پر ہی بھیج دیا۔

(۲) تذکرہ الاذکیاء ص ۱۰ - اس کتاب میں بھی قریب قریب وہی واقعہ اسلام عمر کا لکھا ہے۔ جو سابق میں روضۃ الصفا سے نقل لیا گیا۔ صرف آخری چند سطروں تذکرہ الاذکیاء سے نقل کئے جاتے ہیں۔

بالجملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعزم قدم بوسی حضرت امیر حمزہ کے گھر پہنچے۔ اور آواز دی کسی صحابی نے شکاف در سے حضرت عمر کو مسلح دیکھا اور کہا کہ عمر مسلح آئے ہیں سب نے کہا انھوں نے اللہ من شرم عمر را ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں مگر امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ اگر بعزم نیر آئے ہیں تو مبارک چشم مارش دل ماشاوا اور اگر بقصد شر آئے ہیں تو انشاء اللہ انہی کی تلوار سے ان کو قتل کر دوں گا۔

چنانچہ دروازہ کھول دیا۔ حضرت سید المرسلین صم نکل آئے اور عمر کو خوب دبا یا کہ بند بندہ ان کا ہاں کیا۔ اور فرمایا اے عمر ابن خطاب اگر یہ نیت خیر آیا ہے تو خیر ہے والا جیتنا نہ پھرے گا۔ عمر رضی اللہ نے التماس کیا کہ میں اسلام لاتے آیا ہوں اور بدن کا نپا اور تلوار ہاتھ سے گھر پٹی اور پکارا اٹھے اشلہ ان لا الہ الا اللہ..... (بوقت اسلام عمر صرف چالیس افراد مسلمان ہوئے تھے)

خلاصہ عبارت اس واقعہ - مندرجہ بالا تاریخی عبارات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ عمر ابن خطاب قبل قبول اسلام مخالف اسلام تھے و نیز پیغمبر اسلام کے دشمن قوی۔

(۳) ابوہریرہ نے جلسہ عام میں پیغمبر اسلام کے قتل کا انعام ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ سونا مقرر کیا۔ عمر نے بت پہل کر اس کا گواہ بنایا اور عہد قتل پیغمبر اسلام کیا۔

(۴) عمر ابن خطاب کو اثنائے راہ میں مخلوم ہوا کہ ہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کے گھر جا کر ان دونوں کو سخت زخمی کر دیا۔

(۵) عمر ابن خطاب شمشیر تیز جھائل کئے ہوئے در پیغمبر اسلام پہنچے ایک صحابی نے شکاف در سے دیکھا تو عمر کو مسلح پایا اور سب ڈر گئے مگر امیر حمزہ کے کہنے پر دروازہ کھولا گیا اور سب سے پتے اشمج عرب محمد صائم نے آئے بڑھ کر عمر کو پکڑا اور زور سے دبا یا کہ عمر کا بند بندہ بن گیا اور کہا کہ اگر یہ نیت خیر آیا ہے تو خیر نہ زندہ واپس نہ جائے گا۔

(۵) عمر ابن خطاب کا جسم کا نپا تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور کہا کہ میں مسلمان ہونے کیلئے آیا ہوں۔ اور کلمہ پڑھا **استباطنا بح**۔ حکمائے تحت فضیلت عدالت مکافات کو لکھا ہے۔ مکافات کی تعریف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کرے تو اس کا بدلہ بہتر نیکی سے دے اور اگر کوئی شخص برائی کرے تو اس کا بدلہ کمتر برائی سے دے اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام عمر ابن خطاب کو شمشیر بکف پیغمبر اسلام کے قتل کیلئے لائے تو کوئی سزا دیدے تو بھی خلاف قوانین عدالت و مکافات نہ ہوتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے عدالت و مکافات کا وہ درجہ اعلیٰ اختیار کیا

جس کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ آپ نے سخت ترین بلکہ ارادہ قتل سے آنیوالے کو تہدید و تنبیہ کی اور جب وہ اپنے ارادہ قتل سے باز آیا اور اس نے اقرار اسلام کر لیا تو اس کو اپنے معتمد میں لے لیا۔ اور اپنا شیر بنالیا۔ اور بعد کو ایسے ایسے احسانات سے نوازا جو اعلیٰ نمونہ اخلاق و عدالت و مکافات تھے۔

واقعہ یازدہم امانت و صداقت

فضیلت عدالت کے تحت فضیلت صداقت کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ حکماء نے گویا افعال انسانی و اقوال انسانی

دونوں میں عدالت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اگر انسان اپنے افعال میں عدل و انصاف کا پابند ہے۔ مگر اس کے اقوال میں معیار عدالت یعنی صداقت قول باقی نہیں ہے تو بھی وہ شخص عادل نہیں کہا جائے گا۔

تاریخ کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ محمد صلعم کو اہل عرب و قریش صادق دامن جانتے تھے۔ اور آپ کا لقب ہی انہوں نے الصادق اور الامین رکھا تھا۔ چنانچہ جب نصب حجر اسود کا سبکڑا پیدا ہوا تو اس وقت پیغمبر اسلام کی عمر تقریباً ۳۷ سال کی تھی۔ اس وقت آپ سبوح برسالت ظاہری نہیں ہوئے تھے۔ تاریخی شاید ملاحظہ ہو :-

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۳ :-

در خلال این احوال حضرت مقدس نبوی از در مذکور در آمد قریش ازین معنی مستبشر گشتہ۔ گفت محمد امین رسید و ہر چہ او درین باب فرماید آنرا مطیع باشم :-

جب قریش نصب حجر اسود کے بارہ میں متقابل پر آمادہ ہو گئے تھے اسی وقت جناب رسول خدا معینہ دروازہ سے داخل ہوئے۔ قریش نے جب آپ کو دیکھا تو خوش ہو گئے۔ سب نے یک زبان کہا محمد امین آگئے اور وہ جو کچھ اس بارہ میں رائے دیں گے۔ ہم سب اس کے مطیع ہوں گے۔

(۲) ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۶ :-

فکان اول من دخل رسول اللہ صلعم فلما راہ وقالوا ہذا الامین رضینا ہذا محمد :-

جو شخص پہلے اس معینہ دروازہ سے داخل ہوا وہ رسول خدا تھے۔ قریش نے انکو دیکھا تو یہ کہا۔ امین ہیں یہ محمد ہیں۔ ہم انکے حکم پر راضی ہیں

(۳) نسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۳ :-

پیغمبر صلعم پنج شبانہ روز در محلہ قبا متوقف ہو دو با اختلاف چہار روز و چہار روز رسول خدا صلعم پانچ دن محلہ قبا میں ٹھہرے رہے بعض نے ہم روز و بعض نے ہم روز و

و بعض نے ۲۲ دن بھی لکھے ہیں۔ جب آپ
قبائیں موجود تھے تو ابو بکر نے کہا کہ اہل مدینہ
آپ کے منتظر ہیں مناسب یہ ہے کہ آپ مدینہ
تشریف لے چلیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے فرمایا
کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ تک نہ آجائے گا
میں مدینہ نہ جاؤں گا۔

اس طرف کا واقعہ یہ ہوا کہ بعد ہجرت
پیغمبر اسلام علی نے تین دن مکہ میں قیام کیا
اور ہر روز آپ منادی کرتے تھے کہ جس
شخص کی کوئی امانت پیغمبر اسلام کے
پاس ہو وہ واپس لے جائے۔ قریش کے
لوگ آتے تھے اور اپنی اپنی امانات علی سے
وصول کرتے تھے۔ جب علی کو اس کام سے فراغت ہو گئی۔ تو علی مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ

دلت و در روزہ تیر گفتم اند با لجمہ بعد از
ورود بقبا ابو بکر در حضرت رسول معروض
داشت کہ مردم مدینہ بسیار انتظار برده اند
صواب آنست کہ در مدینہ نزول فرمائید
آنحضرت فرمودند تا برادرم علی با من ملحق نشود
وارد مدینہ نشوم و اما ازاں
سوئے علی سہ روز در مکہ توقف فرمود و
ہر روز ندا کرد کہ اے جماعت قریش ہر کرا
نزد پیغمبر و دینے است حاضر شدہ اخذ
امانت خویشین کنند و مردم بہ نزد ادا شدہ
امانات خود بگرفتند و چون ازیں کار بہ
پرداخت از مکہ بیرون شد۔

وصول کرتے تھے۔ جب علی کو اس کام سے فراغت ہو گئی۔ تو علی مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام اہل مکہ قریش کے مسلم امین تھے۔ اور ہر ایک دوست
دشمن آپ کی امانتداری و صدق گفتاری کا قائل تھا۔ اور جب پیغمبر اسلام نے مجبوری مکہ سے مدینہ کی طرف
ہجرت کی ہے تو آپ نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ اپنا قائم مقام مکہ میں چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے علی نے بحیثیت
قائم مقامی رسول اہل مکہ کی امانتوں کو تین دن تک واپس کیا۔ اور عام اعلان کیا کہ جس کی کوئی امانت
پیغمبر اسلام کے پاس ہو وہ واپس لے جائے۔ علی نے یہ سب حکم پیغمبر اسلام کیا۔ کیونکہ اگر اس سخت
کے وقت میں بھی پیغمبر اسلام پوشیدہ طور پر مکہ سے چلے جاتے اور امانات کی واپسی کا انتظام معقول
نہ کرتے تو۔ آپ کے دامن عفت و عصمت و عدالت پر خیانت کا بد نما داغ لگ جاتا۔

انسانِ کامل کیلئے یہ چھوٹا سا بھی نقص و عیب بہت بڑا عیب تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے واپسی امانت
کا ایسا معقول انتظام کیا کہ کبھی کسی دشمن ترین شخص کی بھی یہ ہجرت نہ ہوئی کہ وہ پیغمبر اسلام پر خلاف امانت
داری کرنے کا کوئی الزام عاید کر سکے۔ اور چونکہ اس موقع پر علی نے شب ہجرت رسول۔ بستر رسول پر
سو کر پیغمبر اسلام کی قائم مقامی کی تھی۔ و نیز امانات کو واپس کرنے کا کام بھی درحقیقت پیغمبر اسلام کی

قائمقامی عہدہ رسالت تھی۔ اور علی یہ دونوں کام بحکم خدا و رسول کر رہے تھے۔ تو عدل و انصاف کا تقاضہ یہی تھا۔ کہ پیغمبر اسلام حق علی کو ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ باوجود ۱۱ روز قبا میں قیام کرنے کے بھی اور باوجود ذیق سفر البکر کے توجہ دلانے کے بھی پیغمبر اسلام نے فرمادیا کہ میں مدینہ میں اس وقت تک قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک کہ علی مکہ سے واپس نہ آجائیں۔ پیغمبر اسلام کا اس نازک موقع پر ایسا فرمادینا آپ کی عین عدالت تھی اور آپ نے وہی کیا جو کہا تھا۔ جب علی قبا میں آگئے تو پیغمبر اسلام نے مدینہ میں ورود فرمایا۔

واقعہ دوازدہم، عدالت، غزوات، تقسیم غنائم
عدل و انصاف کا تعلق تقسیم حصص سے بھی ہے۔ حاکم وقت اگر تقسیم اموال

و حصص مال غنیمت میں کوئی بیجا تصرف کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل بھی تو انہیں عدالت کے خلاف ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ خلاف ورزی اس کے دامن عفت و عدالت پر ظلم کا داغ سیاہ بن جاتی ہے۔ ہر شخص کا حصہ اس کے مطابق مساعی و کارکردگی دینا بھی عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے ۱۱ سال سے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور دس سال کی مدت میں ۳۴ غزوات اور چونتیس سریہ واقعہ ہوئے۔ ان غزوات و سریا میں بکثرت مال غنیمت، روپیہ، سونا، چاندی، غلام، کینر میں، اونٹ، گوسفند وغیرہ وغیرہ کثیر تعداد و کثیر مقدار میں دربار پیغمبر اسلام میں آتا رہا۔ اور مال بڑا بڑا ہوتا۔ ان تمام اشیاء کو بروقت وصولیابی مستحقین، غریب، مجاہدین، مولفۃ الطلوب و آل عبدالمطلب کو تقسیم کیا گیا۔ مگر کسی موقع تقسیم پر بھی کسی ایک فرد کو بھی یہ موقع نہ ملا کہ وہ گھٹایا اعتراض کرتا کہ پیغمبر اسلام نے تقسیم کے وقت مجھ کو کم اور دوسرے کو زیادہ حصہ دیا اور خلاف عدالت کام کیا۔ اگر کسی موقع پر پیغمبر اسلام الیا کرتے تو معترضین بغیر اعتراض کے نہ رہتے۔ کیونکہ شکر اسلام میں مومن مسلم کے ساتھ ہی ساتھ منافق بھی موجود تھے۔ یہ منافقین ہمہ وقت اعتراض کیلئے مستعد رہتے تھے اور عیب جوئی کیلئے تیار رہتے تھے۔ واقعات تاریخ اسلام اس امر کے شاہد ہیں کہ ان منافقین نے بے محل اور بے موقع بھی اعتراضات پیش کئے ہیں۔ مگر ان کا جواب کافی پاکر وہ خاموش ہوئے ہیں۔ پیغمبر اسلام کا مسلسل ۱۲ سال تک غزوات و سریا کے اموال غنیمت کو تقسیم کرنا اور پھر کسی متنفس کا بھی معترض نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی عدالت کا پایہ و درجہ اتنا بلند و ارفع تھا کہ جو۔ ہر ایک اعتراض سے بالا و بڑا تر تھا۔ اور آپ کا ہر فعل مطابق عدالت ہوتے ہوئے ایک اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کر رہا تھا۔

اگر ناظرین ان غزوات و سریا کی تفصیل و نیز تقسیم اموال کی کیفیت معلوم کرنا چاہیں تو باب حکمت رسول میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اموال کتنے تھے اور ان کی تقسیم کتنی عادلانہ طریقہ

پہ ہوئی کہ کبھی کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملتا تھا۔
واقعہ سیزدہم شفقّت تحت عدالت

حکماء نے تعریف فضیلت و شفقت ان الفاظ میں
 کی ہے :-

شفقت آن بود کہ از حالے غیر ملائم کہ یکے رسد متشعر بود و بہت بہ از الہ آن مقصور دارد۔
 ترجمہ :- شفقت با صلاح حکما یہ ہے کہ جب کسی کو سخت تکلیف دہ حالت کا مقابلہ ہو تو اس پر دل میں
 رنج و افسوس پیدا ہو۔ اور پھر وہ لمحاظ ہمدردی اس تکلیف دہ سختی کو دور کرنے پر کمر ہمت باندھ لے
 پیغمبر اسلام کی تمام زندگی ایسے واقعات سے مملو ملے گی کہ آپ نے ہر موقع پر دوست دشمن کی تکلیف
 اور ان کے مصائب پر اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اور ان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوستوں کا تو ذکر ہی
 کیا ہے۔ مگر شدید ترین اعدا کے ساتھ جو پیغمبر اسلام کا طریقہ مسادات عدالت و شفقت تھا وہ آپ کو
 مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہو گا۔

۱۱ ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۶ :-

پیغمبر اسلام کے سرایا یا خدلات روایات
 بعض کے نزدیک ۳۵ سر یہ بعض کی رائے
 میں ۳۶ و بعض کے خیال میں ۴۸ و بعض
 کی تحقیق میں ۶۵ سرایا ہیں۔ سرایا وہ
 ہیں جن میں خود پیغمبر اسلام موجود نہ تھے بلکہ
 آپ نے لشکر اسلام کو جہاد کیلئے روانہ فرما
 دیا تھا۔ لیکن جب آپ کسی لشکر کو جہاد کے
 لئے روانہ فرماتے تھے تو اس لشکر کے قائد
 سپہ سالار و نیز افراد لشکر کو اس طرح سے
 مخاطب فرماتے تھے و ہدایات دیتے تھے
 اے لشکر یو! خدا کا نام لیکر اور اس
 سے مدد چاہتے ہوئے جہاد کرو۔ خدا کے
 واسطے اور دین و ملت رسول خدا کیلئے
 خبردار! اے لشکر یو! کبھی مکر نہ کرو

بچھینیں سرایا پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم
 نیز باختلاف روایت کردہ اند بعضی و
 پنج سر یہ و گروہی سی و شش و ہچنان
 چہل و ہشت و پنجاہ و شش نیز نوشتہ
 اند کہ رسول خدا شکر فرستاد و خود بہمراہ
 لشکر نہ نمود اماں چوں شکرے را ماموری
 فرمود قائد آن سپاہ را با لشکریاں طلب
 فرمودہ بگریگونہ اندار می کرد می فرمود نہام
 خدا و استعانت جوئید بخدا و جہاد کنید
 بہائے خدا بہ ملت رسول خدا۔ ماں اے
 مردم مکرہ مکنید و از غنائم سرقت رو ادرید
 و کفار را بعد از قتل چشم و گوش و دیگر
 اعضا قطع نفرمائید، و پیران و اطفال
 و زنان را مکشید و رہبان مارا کہ در غار

و پیغولہ یا جائے کردہ اندر قتل مرسانید و
 درختوں را از بیخ مرتد جزانیکه مضطر باشد
 و ہر کس از مسلمانان کہ کافرے را امان دید
 امان او پذیرفته است تا آن کافر رسد و کلام
 خدائے را بشنود اگر ہر دین شما باشد و اگر نہ
 اورا سلامت بجائے خود برسانید پس ازاں
 بہ قتل او از خدا مدد طلبید و دیگر فرمود
 نخلستان را مسوزانید و بآب غرق مکنید
 و درختوں میوه دار را بر نیارید و حرث
 و زرع را مسوزانید باشد کہ باں محتاج
 شوید و جانوروں حلال گوشت را نابو مکنید
 جزانیکہ برائے قوت لازم افتد و دشمنوں
 را بے چیز دعوت کنید ہر یک بپذیرند از ایشان
 بہ پذیرید نخستین اسلام عرض کنید اگر مسلمان
 شدند ہم طریق ہجرت نمایند اگر ہجرت را
 قبول کنند از غنیمت بہرہ گیرند و اگر در خانہا
 خویش بمانند حکم آن جماعت عرب خواہند
 داشت کہ مسلمانند و در خانہ خویش اند
 و از غنیمت قسمت ندارند و اگر از اسلام رد ہند
 و از اہل کتاب باشند ادائے جزیمہ را با ولت
 و خوارگی گردن ہند ہر گاہ تہذیب بہ خویش
 نہند دست از ایشان بردارید و اگر نہ سازند
 جہاد کنید و اگر حصنہ را محصور داشتید
 و از شما مردم حصنہ طلب کنند کہ بپذیر آیند
 و حکم خدا بر ایشان جاری نشود پذیرفتار شوید

مال غنیمت میں پوری نہ کرو۔ کفار کو جیب قتل
 کروں تو ان کی آنکھیں نہ نکالو۔ ان کے کان
 اور دیگر اعضا کو نہ کاٹو۔ پورھوں بچوں اور
 عورتوں کو قتل نہ کرو اور عابدین گوشت نشین
 و غار نشین کو قتل نہ کرو، دشمنوں کو قطع
 نہ کرو۔ مگر جبکہ تم پر حالت اضطرار طاری
 ہو جائے۔ جب کوئی مسلمان کسی کافر کو
 امان دیدے تو اس امان کو قبول کرو۔ حتی کہ
 وہ کافر کلام خدا کو سنے۔ اگر وہ تمہارا دین قبول
 کرے تو وہ تمہارا بھائی ہے۔ اور اگر وہ تمہارا
 دین قبول نہ کرے تو اس کو اس کے گھر واپس
 کر دو۔ پھر اس کے قتل پر خدا سے مدد طلب
 کرو۔ دیکھو نخلستانوں کو نہ جلاؤ نہ پانی میں
 غرق کرو۔ میوہ دار درختوں کو نہ کاٹو، کھیتی
 و زراعت کو نہ جلاؤ۔ شاید تم کوئی اس کی
 ضرورت پڑ جائے۔ حلال جانوروں کو نابود
 نہ کرو بجز اس صورت کے کہ تم کو اپنی غذا کے
 لئے ضرورت پڑے۔ دشمنوں کو تین باتوں کی
 دعوت دو جو ان میں سے کسی ایک کو قبول کرے
 تو اس کو قبول کر لو۔ پہلے اسلام پیش کرو اگر
 وہ مسلمان ہو جائیں تو وہ ہجرت کریں۔ کیونکہ
 اگر وہ ہجرت قبول کریں گے تو مال غنیمت کے
 حقدار ہوں گے۔ اور اگر وہ اپنے گھروں میں
 رہنا چاہیں گے تو وہ عرب مسلمانوں کے حکم
 کے پابند رہیں گے۔ اور مال غنیمت سے حصہ

چہ تو اند بود کہ حکیم خدائے راندانید لاجرم
 حاکمے از خود در قلعہ ایشان نصب کنید و
 اگر امان طلبند از نوشتن امان نہ بامان خدا
 در رسول و ہرگز آب مشرکان را باز ہر آلودہ
 مسازید و حیلت مبارزید ۔۔

پھر تم سے اجازت چاہیں کہ قلعہ سے نیچے آئیں تو جب تک حکم خدا ان کے بارہ میں تم کو نہ پہنچے اجازت
 نہ دو۔ ممکن ہے کہ تم حکیم خدا کو نہ جانتے ہو۔ ایسی صورت میں اپنا ایک حاکم اس قلعہ میں نصب کرو
 اور اگر وہ امان طلب کریں تو تم اپنی جانب سے نہیں۔ بلکہ بجانب خدا و رسول سے امان دو
 اور دیکھو کافروں و مشرکوں کے پانی کو زہر آلود نہ کرو۔

ناظرین کتاب ان احکام پیغمبر اسلام پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ آپ نے جو احکام آج سے تیرہ سو سال
 قبل شکر اسلام کو دیئے ہیں۔ وہ کتنے اخلاق بلند پہ مبنی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے سیاستدان قانڈین شکر
 و قانڈین ممالک باوجود دعوائے تہذیب و تمدن اعلیٰ اپنے دشمنوں اور مفتوحین کے ساتھ جو ہیمانہ و سفاک
 رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جس بے دردی سے لشکر مقابل ہی کو نہیں۔ بلکہ رعایائے ممالک کو ان کے لور
 بچوں عورتوں اور بیماریوں کا قتل عام کرتے ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اس درندگی و سفاکی
 پر دعویٰ تہذیب و تمدن بھی ہے اور اس پر یہ بھی غرور ہے کہ سمجھو من دیگرے نیست۔ ہم نے ان لوگوں
 کے وہ زریں اصول جنگ قائم کئے ہیں۔ جن کی مثال کسی عہد کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔
 آج یہ مغزورین طاقت افواج اور معترضین غزوات پیغمبر اسلام اپنے گریبانوں میں اپنا منہ چھپا
 اور اپنی ہیمانہ و سفاکانہ حرکات پر اشکِ ندامت و شرمندگی بہا میں تو بجا ہے۔

پیغمبر اسلام نے اپنی ۱۰ سالہ تاریخ غزوات و سرایا میں یہ احکام شکر اسلام کو دیکھ اور خود ان پر عمل
 کر کے شفقت علی الناس، عدالت بین الناس کا وہ اعلیٰ نمونہ قائم کیا ہے کہ اہل عالم اگر اس نمونہ کو اپنا
 دستور العمل جنگ بنالیں تو یہ سلسلہ آتش و فتن جو بصورت جنگ عالمگیر قائم ہو رہا ہے۔ ختم ہو جائے۔
 اور جنگ صرف اصلاح کردار انسانی کے علاوہ دوسری کسی صورت کیلئے جائز نہ رہے۔ نہ جنگ طلب
 اقتدار ملکی کیلئے ہو۔ نہ جنگ طلب وسعت دائرہ حکومت کیلئے ہو۔ نہ جنگ تفوق و بہتری کیلئے ہو۔ نہ جنگ
 فراہمی سامان عیش و عشرت و طلب زہر و جواہر کیلئے ہو۔

بلکہ جنگ اسی صورت میں صحیح سمجھی جائے۔ جب مظلوم و کمزور کا حق آزادی و لوہانا منطوق ہو۔ جب

معاشرہ انسانی کے تباہ کن ہر ایشیم مہلکہ کا قلع قمع کرنا منظور ہو۔ یا حیب اشرار جہاں کی مفرتوں سے اختیار جہاں
کہ نجات دلانا مقصود ہو وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ تاریخی عبارت نے واضح کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے شکر اسلام کو ایسے احکام کی تعلیم و ہدایت
کی ہے۔ جو شفقت و عدالت پیغمبر اسلام کے آئینہ دار ہیں اور اہل عالم کیلئے بہترین نمونہ عدالت ہیں۔
پیغمبر اسلام نے بمقتضائے تعریف شفقت صرف یگانوں ہی کیلئے جذبات ہمدردی دل میں پیدا نہ کئے بلکہ
رشتہ منوں اور بیگانوں پر بھی آپ کی نگاہ شفقت و نظر عدالت تھی۔

واقعہ چہارم، وفا و شفقت، عدالت

علماء نے فضیلت تحت عدالت "وفا"

کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"وفا آن بود کہ از التزام طریق مواسات و معاذت تجاوز جائز نہ شمرد۔"

ترجمہ: یہ وفا یہ ہے کہ مواسات و معاذت کے طریقہ کو ترک نہ کرے اور اس کو لازم جانے۔

مندرجہ ذیل واقعہ اس فضیلت وفا کو ظاہر کرنے کا اور ناظرین کو معلوم ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے سخت
ترین حالات میں بھی دشمنوں کا ساتھ مساوات کے طریقے کو بہترین صورت میں برتنا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ذکر غزوہ ابوا۔

ہجرت کے دو سرے سال پیغمبر اسلام نے چاہا کہ دشمنان اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت
و جمعیت کو متفرق و منتشر کرے اور یہ ظاہر فرمائیں کہ محدودے چند مسلمان کمزور نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے
ہر طاقتور دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا آپ نے سعد بن عبادہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا اور
ایک سفید نشان فوج سجا کر حمزہ ابن عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ یہ پہلا علم تھا جو شکر میں سجا یا گیا۔ ہر حال
صرف ۶۰ بہادران اسلام مدینہ سے نکل کر مقام ابوا کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوا مکہ و مدینہ کے درمیان
میں ایک بستی تھی۔ جب یہ مختصر لشکر اسلام ابوا پہنچ گیا تو مثنیٰ بن عمرو سردار قبیلہ بنی ضمیرہ جو عالم قریہ
ابوا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے صلح کی بات
پہنچت شروع کی اور بالآخر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔

ناسخ التواریخ کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

مثنیٰ بن عمرو الضمیری کہ سید قبیلہ بنی ضمیرہ و
بہتر قریب ابوا بود چوں ایس بدید بھیناک
شد و طریق مدائنتہ و مصالحہ سپردہ بحضرت
مثنیٰ بن عمرو الضمیری جو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار
تھا اور قریب ابوا کا مالک تھا۔ جب اس نے
لشکر اسلام کو دیکھا تو مرعوب ہو گیا اور اس نے

صلح و آشتی کا راستہ اختیار کیا اور خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا اور صلح کرنا چاہی رسول خدا پندرہ دن تک ابوا میں رہے اور بغیر جنگ و

پیغمبر آمد و کار صلح انداختت در رسول خدا پانزدہ روز در ابوا بماند و بے آنکہ محاربتنے و منازعتنے واقعہ شود عزم مراجعت فرمود

تذاع کے واپس مدینے تشریف لائے۔۔۔۔۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا کہ پیغمبر اسلام نے ان دشمنان اسلام کے ساتھ کس طرح مساوات و وفا کا اظہار کیا۔ غیر مسلم معترضین نے غزوات پیغمبر اسلام پر اعتراضات کئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابتداء میں قافلوں اور قریوں کی لوٹ مار کیلئے حملے کئے تھے۔ مگر درحقیقت ان مورخین غیر مسلم کی یہ کوتاہ نگاہی اور کم علمی تھی جو انہوں نے ایسا لکھا۔ واقعہ مذکور اسلام کا سب سے پہلا واقعہ ہے اور پیغمبر اسلام کا سب سے پہلا غزوہ ہے۔ پہلی مرتبہ اسی موقع پر پیغمبر اسلام نے علم اسلامی کو سجاویا ہے۔ اور صرف ساتھ بہادران اسلام کو بصورت لشکر ترتیب دیا ہے۔ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو کر مقام ابوا پر یہ مختصر لشکر اسلام پہنچا ہے۔ ثنی بن عمرو سردار مخالف نے اپنی کمزوری کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور صلح کرنی چاہی ہے۔

اگر پیغمبر اسلام کا مقصد صرف غارتگری ہوتا تو اس سے اچھا موقعہ ملنا ناممکن تھا۔ لشکر اسلام کو چاہئے تھا کہ ابالیان ابوا کو لوٹ لیتے اور ان کے مویشی اور سامان مال و زر کو مال غنیمت قرار دیتے اور چوں کہ ابوالیان اسلام میں مسلمان غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے لہذا اس مال غنیمت کو بہت کچھ غنیمت سمجھ کر اپنی فاقہ شکنی کر لیتے مگر صفحات تاریخ شاید ہیں کہ پیغمبر اسلام نے ثنی بن عمرو حاکم ابوا کی درخواست صلح فوراً منظور کی اور ان کو جان و مال کی امان دیدی اور وہاں پندرہ روز تک اسلئے قیام کیا کہ اطراف دنو امی کے دشمنان اسلام کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مسلمان خوفزدہ ہو کر یا شکست پا کر گئے یا مسلمانوں نے ابالیان ابوا کو لوٹ لیا۔

پیغمبر اسلام کے اس پندرہ روزہ قیام نے ان دونوں الزامات و اعتراضات کو ختم کر دیا اور اس طریقہ کار سے یہ ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کا یہ پہلا حملہ صرف حفاظت ذاتی کیلئے تھا اور دشمنان اسلام کو مرعوب کرنے کیلئے تھا۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام نے ثنی بن عمرو کی درخواست صلح منظور کر کے اور ابالیان ابوا کی جان و مال کو امان دیکر عدالت و مساوات و وفا اور شفقت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہ پیغمبر اسلام کی وہ عدالت و مساوات ہے جو اپنے دشمنوں کیلئے بائز رکھی ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اس وقت تمام واقعات کا تذکرہ کرنا اور دائرہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔

واقعہ پانزدہم، مساوات و وفا (عدالت)

۱۱ھ، جمادی الاول میں

ذوالحجہ ۱۱ھ واقعہ ہوا۔ واقعہ پانزدہم

کہ ابو جہل نے مکہ میں اشراف مکہ کو جمع کیا اور کہا کہ محمد نے سلسلہ جنگ و جدال شروع کر دیا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ ہم پر حملہ کرے ہمکو چاہیے کہ پہلے ہم ہی حملہ کر دیں۔ اس مشورہ کے بعد اس نے اپنے لڑکے عکرمہ کو دو سو سوار دیکر مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ کر دیا اور بالفاظ ناسخ التواریخ حکم داتا یا مہنگ مدینہ تا ختن کنند و در زریان پنخیر تو انند مسامحت فرمایند۔ ابو جہل نے حکم دیا کہ مدینہ کو لوٹ لیں اور پنخیر اسلام کو ہر ممکن نقصان پہنچانے میں کمی نہ کریں۔

پنخیر اسلام کو جیب یہ ارادہ کفار معلوم ہوا۔ تو آپ نے ابو عبیدہ ابن حارث کو ساٹھ سوار دیکر مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ طرفین کا مقابلہ ہوا۔ مگر دشمن پر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا کہ وہ بھاگ گئے اور مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔ ماہ ربیع الاول میں غزوہ بواط واقع ہوا۔ مگر نوبت مقابلہ کی نہ پہنچی اور اسی سال ماہ جمادی الاول میں غزوہ ذوالعشیرہ پیش آیا۔ مدینہ میں یہ خبر آئی کہ ابو سفیان معہ اپنی جماعت کے شام کی طرف جا رہا ہے۔ پنخیر اسلام نے دو سو اصحاب کو ہمراہ لیا اور روانہ ہو گئے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۷۰

مختصر یہ کہ تمان جنگ چھان ڈالے۔ مگر قریش

کا پتہ نہ چلا۔ آخر دباں سے واپس ہو کر

ذات الشیعہ آ گئے۔ اور شکر گاہ بنالی۔ اس

وقت نبی لحم کے سردار جو لوہا می ذوالعشیرہ

میں رہتے تھے۔ خدمت رسول میں آئے اور

صلح کی درخواست کی۔ اسی سفر میں ایک

دن علی اور عمار یا سرد درخت کے نیچے سو رہے

تھے۔ پنخیر اسلام انکے سر ہانے پہنچے اور علی

کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ابو تراب اٹھو

اسی سفر میں علی کو ابو تراب کی کینت ملی۔ بعد

انہاں پنخیر مدینہ آ گئے۔

بالجملہ ہمہ بیاباں را از و بناں قریش بشتافتند

و بیچ کس را نیافتند لاجرم از انجراہ برگزفتند

بنات الشیعہ آمدند و لشکر گاہ کردند درین وقت

بزرگان نبی لحم کہ در لوہا می ذوی العشیرہ جا

داشتند بخدمت رسول پوستہ کار بر

مصالحہ و مداہنہ نہادند.....

درین سفر روزے علی با عمار یا عرو در سایہ

نخلی نختہ بودند در رسول خدا بم بالین ایشان

گذشت روئے با علی کرد و فرمود تم یا ابتراب

بالجملہ درین سفر علی کینت ابو تراب یافت

وازیں آں پنخیر مدینہ آمد۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ابتداءً اسلام کا بعد ہجرت یہ دو سرا غزوہ ہے۔ اس غزوہ میں بھی اور غزوہ بواط میں بھی لشکر دشمن سے مقابلہ نہیں ہوا۔ اور نہ کسی قافلہ سے جنگ ہوئی نہ کسی قافلہ کا مال و اسباب لوٹا گیا پنخیر اسلام نے دشمنان اسلام کا تعاقب کیا۔ مگر وہ بعد حملہ کرنے کے روپوش ہو گئے۔ جب پنخیر اسلام

اتنی مسافت طے کر کے بارادہ مقابلہ و مقابلہ گئے تھے۔ تو اگر صرف اس سبب کا مقصد منفعت ذاتی و
 طب دولت و مویشی تھا تو جو قریب بھی راہ میں مل جاتا اس کو لوٹ لیا جاتا۔ اور قبیلہ بنی لخم کو تو ضرور لوٹ
 لینا تھا اور ان کو قتل کر دینا ہی چاہیے تھا۔ مگر بجائے قتل و غارت کے پیغمبر اسلام نے بنی لخم کی درخواست
 صلح منظور فرمائی اور ان کو معمولی سا بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اور نہ ان سے کچھ ہرج و مرج ہی وصول
 کیا۔ بلکہ بعد منظوری صلح آپ مدینہ واپس آگئے۔ پیغمبر اسلام کا یہ کردار، شفقت و مساوات و وفا پیش
 کرتا ہے۔ جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ دشمنوں پر یہ رحم و کرم۔ گھر سے بے گھر وطن سے
 بے وطن کرنے والوں کے ساتھ یہ شفقت و عدالت برتنا بیشک پیغمبر اسلام کا ہی کام تھا۔ اس واقعہ سے یہ
 بھی ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اخلاق و عدالت کا بہترین نمونہ قائم کر دیا ہے۔

واقعہ شانہ و حکم، عدالت، مہر یہ عبد اللہ بن حبش

۱۲ ماہ رجب کا ذکر ہے کہ پیغمبر
 اسلام نے بعد نماز عشاء عبد اللہ

بن حبش اپنے خالہ زاد بھائی کو طلب فرمایا اور بارہ افراد کو عبد اللہ کے ہمراہ رہنے کا حکم دیا اور ان کے بعد
 پیغمبر اسلام نے ابی ابن کعب سے ایک رقعہ لکھوایا۔ اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی اور وہ رقعہ عبد اللہ کو دیدیا اور
 حکم دیا کہ تین دن تک مکہ کی جانب سفر کرو اور بعد تین دن کے اس رقعہ کو کھول کر پڑھو۔ جو حکم ہے اس پر عمل
 کرو۔ عبد اللہ نے حکم کی تعمیل کی اور تین دن مکہ کی جانب سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔
 بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عبد اللہ سفر کرو حتیٰ کہ تم کو ایک قافلہ ملے گا۔ شاید خدا اس قافلہ سے
 تم کو کوئی فائدہ پہنچائے۔ مگر یاد رکھو تم اپنے ساتھ کسی شخص کو بہ جبر نہ لے جانا۔ جو چاہے واپس
 آجائے جو چاہے تمہارے ساتھ جائے۔

عبد اللہ نے ایسا ہی کیا۔ مگر ہمراہیوں نے کہا کہ تم راہ خدا میں جان دینا اور شہید ہو جانا پسند کرتے ہیں۔
 مگر تعمیل ارشاد رسول ضرور کریں گے۔ چنانچہ یہ بارہ افراد چلے حتیٰ کہ ان کو ایک قافلہ ملا جو طائف جا رہا تھا۔ عثمان
 بن عبد اللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبد اللہ بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔ اس قافلہ نے اپنے اونٹ پر گاہ
 میں چرنے کیلئے پھوڑ دیئے اور خود باطمینان منزل پر اتر پڑے۔ عبد اللہ بن حبش اور ان کے ساتھیوں نے
 ان پر حملہ کر دیا۔ واقعہ بن عبد اللہ نے سخت حملہ کیا اور عمر بن الحضرمی کو ایسا تیر لگایا کہ وہ مر گیا۔ اور عثمان بن
 عبد اللہ و حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ باقی قافلہ والے بھاگ گئے۔ اور اپنا مال و متاع چھوڑ گئے۔

مسلمان سامان و اموال لیکر مدینہ کی طرف واپس لوٹے۔ جب عبد اللہ بن حبش مدینہ کے قریب پہنچے تو انہوں
 نے اموال کو تقسیم کیا اور اس کا خمس (پانچواں حصہ) خدمت پیغمبر میں ارسال کیا۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا کہ

عبداللہ نے ماہِ حرام میں جنگ کرنا عربوں کے نزدیک بھی حرام تھا، میں جنگ کی ہے اور قافلہ کو لوٹا ہے تو آپ نے اظہارِ ناراضگی کیا۔ اس واقعہ ناراضگی کو بالفاظ ناسخ التواریخ ص ۳۳ ملاحظہ فرمائیے۔

پیغمبر اسلام نے عبداللہ سے کہا کہ میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ ماہِ حرام میں جنگ نہ کرنا۔ یہ فرمایا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس مالِ غنیمت کو نہ لے۔ اور قیدی اسی طرح

قید میں رہیں۔ جب تک اس بارہ میں خدا کا حکم نہ آجائے۔ اس وقت اصحابِ سر یہ اپنے کٹے ہوئے سے پشیمان ہوئے اور چند روز تک سخت پریشانی میں مبتلا رہے کہ

مبادا خدا ان پر اس عمل کی وجہ سے غضب کرے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الشهر الحرام... من القتل۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اموال اسی

طرح باقی رہے اور بدر کے اموال کے ساتھ تقسیم ہوئے۔

(۲) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۳۳ :-

اس طرف کا واقعہ سنئے کہ مکہ کے لوگوں نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کی راہی

کیلئے مشورہ کیا اور ان کا فدیہ جمع کر کے مدینہ پہنچایا۔ جب ان کا آدمی مدینہ آیا۔ تو اس نے

اپنا واقعہ خدمتِ پیغمبر اسلام میں بیان کیا تو پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ۔

سعد بن وقاص و عقبہ بن عمرو جو اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کے پیچھے گئے ہیں آجائیں تو قیدیوں

کو رہا کیا جائے یا ان کا قصاص لیا جائے۔

معہ القصصہ انہاں سوئے مرد ماں مکہ انہ بہرہ نانی حکم بن کیسان و عثمان بن عبداللہ

کہ در مدینہ محبوس ہو در اندر اسے زدند و فدیہ الیشال را فراہم کردہ بمدینہ فرستادند چوں

فرستادہ الیشال بمدینہ آمد و قصہ نوشتن مکشوف داشت رسول خدا فرمود چنداں

ببانشید کہ سعد بن وقاص و عقبہ بن عمرو انکہ بطلب شتر زیادہ خویش رفتہ اند

پدائیم سلامت برسند اسیران شہا بارہ ما کہیم

جب وہ واپس آگئے تو پیغمبر اسلام نے حکم دیا تو
حکم عثمان کو حاضر کیا گیا۔ پیغمبر نے ان پر اسلام
کو پیش کیا۔ حکم بن کدیان تو مسلمان ہو گئے اور
خدمت پیغمبر میں رہے حتیٰ کہ جنگ بزمونہ میں شہید
ہوئے۔ اور عثمان نے فدیہ دیا اور مکہ واپس
ہو گیا اور آخر بحالت کفر ہی موت آئی۔

در نہ قصاص خواہند رسید ہوں بعد از روزے
پسند باز آمدند و رسول خدا حکم عثمان را
حاضر داشت و برایشان اسلام عرض فرمود
حکم بن کدیان اسلام آورد و فدیہ نزد آنحضرت
روز برد۔ تا در غزواتی بزمونہ شہید شد عثمان
فدیہ داد و بکے باز شد و عاقبت کافر مرد۔

نتائج -

(۱) اس سر یہ عبد اللہ بن حبش میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں اول تو یہ ہے کہ جب
پیغمبر اسلام نے عبد اللہ کو معہ بارہ افراد کے خطا دیکر روانہ کیا تو حکم دیا کہ جو بخوشی مرنے پر آمادہ ہو وہ عبد اللہ
کے ساتھ جائے اور جو چاہے وہ مدینہ واپس آجائے۔ کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ پیغمبر اسلام کے اس حکم سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابتدائے اسلام میں اپنے رفقاء و نو مسلم صحابہ کا امتحان وقتاً فوقتاً لیتے رہتے تھے اسی
لئے آپ نے چاہا کہ معلوم نتیجہ مہم پر کچھ لوگوں کو بھیجا جائے اور ان کو مدینہ سے تین دن کی راہ پر رکھ کر ان کے ایمان
کی آزمائش کی جائے۔ جو عبد اللہ کے ساتھ رہیں گے گویا وہ پختہ اور جاں نثار مسلمان سمجھے جائیں گے اور جو واپس
آئیں گے وہ خام اعتقاد متصور ہوں گے۔ اور آئندہ آئیو الے اہم کارناموں میں قابل اعتماد بنانے کے لائق ہونے
علاوہ بریں اس حکم میں یہ بھی مصلحت مضمون تھی کہ وقتاً فوقتاً نامعلوم مہم پر اصحاب کو بھیجا جائے۔ تاکہ ان کی
جھجک نکل جائے اور وہ دشمن پر پے در پے حملہ کرنے کے نوکر ہوتے رہیں۔ اور آئندہ پختہ کار سپاہی اور جاں
نثار بہادر اسلام ثابت ہوں۔ گویا پیغمبر اسلام اس طرح اپنے اصحاب کو تربیت و تعلیم قوانین و قواعد جنگ دے
رہے تھے۔۔۔

(۲) پیغمبر اسلام نے عبد اللہ بن حبش کو حکم دیا کہ جب تم خطا کھو لو تو اپنے رفقاء کو اجازت دیدو کہ جو چاہے
تمہارے ساتھ مرنے پر کمر بستہ رہے اور جو چاہے واپس مدینہ آجائے۔ آپ کا یہ حکم عدالت نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھا
گو آپ بہ مقتضای عدالت اپنے اصحاب کو اجازت دے رہے ہیں کہ چاہے وہ احکام خدا و رسول کے بدل میں
و مطیع رہیں اور راہ خدا میں شہید ہونے کو فوز عظیم سمجھیں۔ یا چاہیں تو وہ آزاد رہیں۔ ان پر کوئی جبر و کفر
نہیں ہے۔ یہ حکم پیغمبر اسلام عین عدالت ہے۔ در نہ آج کی مہذب و متمدن دنیا کے قوانین جنگ تو یہ ہیں
کہ۔ اگر میدان جنگ سے سپاہی واپس ہونا چاہے۔ تو اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا جائے۔ مگر قانون شریعت
میں آزادی ہے اور انسان کو موقع دیا گیا ہے کہ وہ بدل مومن خدا و رسول ہو۔ اور وہ راہ خدا میں شہید
یا اگر وہ واپس جانا چاہے تو واپس جائے۔ مگر اس کا شمار پیغمبر اسلام نہیں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ جنگ احد کی مثال

عبداللہ ابن حبش کو پیغمبر اسلام نے یہ حکم دیکر حقوق انسانی کے ادا کرنے میں کامل عدالت برتی ہے۔ اور بہترین نمونہ عدالت اہل عالم کے سامنے پیش کیا ہے۔

(۳) تقسیم اموال۔ معترضین داعی عدالت نے دین کا اسلام پر یہ اعتراض و الزام ہے، کہ ابتداء میں لشکر اسلام قافلے لوٹ لیا کرتا تھا، اور پیغمبر اسلام مختلف مقامات پر اپنے اصحاب کو بھیج کر قافلوں کے لوٹنے کا حکم دیدیا کرتے تھے۔

مگر میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ان کا یہ الزام کم علمی و تعصب مذہبی پر مبنی ہے۔ میں ابتدائی واقعہ بھی لکھ چکا ہوں اور یہ دوسرا واقعہ بھی ابتداء اسلام کا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ جب عبداللہ ابن حبش نے مالِ غنیمت کا خمس خدمت رسول میں پیش کیا۔ تو آپ نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور پھر یہی نہیں کیا۔ بلکہ تمام مالِ غنیمت کے بارہ میں حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کو نہ لے۔ اگر واقعی پیغمبر اسلام نے بارہ افراد کا لشکر قافلہ لوٹنے ہی کی غرض سے بھیجا تھا تو چھپتے تو یہ تھا کہ عبداللہ ابن حبش اور واقعہ بن عبداللہ قاتل عمر بن حفصہ کو پیغمبر اسلام شہادت دیتے، گلے لگاتے، مالِ غنیمت کو خود لیتے وہ مسلمانوں کو خوشی خوشی تقسیم کرتے۔ کیونکہ مال کی مراد پوری ہوئی تھی۔ مگر پیغمبر اسلام نے بجائے اس اظہارِ خوشی کے عبداللہ ابن حبش اور ان کے ساتھیوں پر عتاب کیا ان کو ڈانٹا کہ انہوں نے کیوں حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور مالِ غنیمت کو تقسیم ہونے سے روک دیا۔ اور حین تک اس معاملہ میں آیت قرآن نہ آگئی اور ان مجرمین کی خطا خدا نے عفو و معاف نہ فرمادی پیغمبر اسلام ان سے راضی نہ ہوئے اور نہ مالی غنیمت کو تقسیم کیا۔

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے کبھی اور کسی دور اسلام میں کوئی مختصر یا بڑا لشکر قافلوں کے قتل و غارت کیلئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اصول و قوانین عدالت کے مطابق حکام نازل فرمائے۔ اور جو حکم عدالت مسلمانوں کیلئے ضروری و مناسب تھا۔ وہ انکو دیا گیا۔ اور اس کی تعمیل کرائی گئی۔ اور جو حکم عدالت دشمنان اسلام کیلئے ضروری و مناسب تھا وہ انکو دیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔

(۴) حکم بن کیسان و عثمان بن عبداللہ کو عبداللہ ابن حبش گرفتار کر کے لائے ہیں۔ یہ دونوں اشخاص مکہ کے مخزوم سردارانِ قبیلہ ہیں۔ اگر پیغمبر اسلام کی غرض صرف حصول دولت تھی تو جب ان کا مذہب کثیر آیا تھا تو آپ کو قبول کر لینا تھا۔ اور ان کو چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ بمقتضائے عدالت فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے دو افراد کھوئے ہوئے اذیت کو ڈھونڈھنے گئے ہیں اور لاپتہ ہیں۔ وہ آجائیں گے تو قیدیوں کو رہا کیا جائے گا۔ یا تعصاں لیا جائے گا۔ گویا پیغمبر اسلام کی عدالت کا یہ اقتضا تھا کہ جب اپنے آدمی واپس آجائیں تو دشمنوں کے

آدمیوں کو واپس کیا جائے۔ اور پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔ پھر جب وہ دونوں آئے تو دوسری عدالت
پیغمبر اسلام کی یہ تھی کہ آپ نے ان قیدیوں کے سامنے دو امر رکھ دیئے۔ ایک قبول اسلام دوسرا واپسی وطن۔ حکم
بن کیسان نے اسلام قبول کیا اور اس کو ہدیہ نہ لیا گیا اور عثمان بن عبداللہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا
اور وہ واپس مکہ چلا گیا۔ یہ دونوں صورتیں پیغمبر اسلام کی عدالت کا ملکہ کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۵) عبداللہ بن جحش اس سر یہ میں جو مال غنیمت لائے تھے۔ وہ اسی طرح محفوظ رکھا رہا۔ اور جب غزوہ بدر
میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کا مال غنیمت آیا تو پیغمبر اسلام نے اس مال غنیمت کو بھی اس کے ساتھ ہی
تقسیم کیا ہے۔ اور اس طرح تقسیم کیا کہ ہر شخص کو اس کے حصہ و حق کے موافق دیا گیا۔ اور کسی کو سچوں چہا کرنے
کا موقع نہ ملا اور نہ کسی نے کسی وقت اس تقسیم اموال پر اعتراض کیا۔ یہ وہ عدالت پیغمبر اسلام جو اہل عالم
کیلئے بہترین نمونہ عدالت بن سکتی ہے

تقسیم مال ہو کہ تقسیم کار ہو۔ یا معاملات سہد گریوں
ان سب میں تو انہیں عدالت پر عمل کرنا عادل

واقعہ ہفتہم، عدالت تقسیم مال غنیمت

کیلئے ضروری ہے۔ صاحبان علم تاریخ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ان تمام معاملات میں ہمیشہ عدالت
کو پیش نظر رکھتے تھے۔ خلاف اصول عدالت نہ آپ کا کوئی کلام ہوتا تھا اور نہ آپ خلاف عدالت خدا
اصحاب معین فرماتے تھے۔ اور تقسیم اموال میں ہمیشہ اصول عدالت قائم رکھتے تھے۔

جنگ بدر پہلی جنگ تھی اس جنگ میں مسلمان کم تعداد تھے۔ نہ ان کے پاس پوری سواریاں تھیں نہ
ہر ایک کے پاس اسلحہ جنگ تھی۔ نہ زار راہ کا انتظام تھا۔ اس بے سرو سامانی میں مجبوراً بطور دفاع
کے پیغمبر اسلام کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور تمام بدترنگ پہنچے اور دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ بہت مردوں مدد خدا
پیغمبر اسلام اور ان کے محترم لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔ مال غنیمت ملا۔ پیغمبر اسلام نے مال غنیمت کی تقسیم میں
تس عدالت کا ملکہ کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل تاریخی عبارت سے ہوگا۔

(۱) نسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۳۰

جب پیغمبر اسلام کے سامنے سے لشکر اسلام
گذرا اور پیغمبر کی نظر اس بے بضاعت جماعت
پر پڑی اور کئی تعداد بے سرو سامانی کو
معاذتہ کیا تو آپ نے خدا سے دعا کرنے کیلئے
ناٹھا اٹھائے اور فرمایا :-

چوں سنگام عرض لشکر پیغمبر برآں جماعت
بے بضاعت افتاد و قلت عدہ و اعداد ایشان
را معاذتہ فرمود دست برداشت و لغت
یارب انہم حفاة فاحملہم و جیاع ناشدہم
و عراة فاکسہم و عالة فاعزہم من فضلکم

اسے رب یہ تیرا شکر پامیادہ ہے۔ اس کو سوار دے۔ یہ بھوکا ہے اس کو سیر کر، یہ غیر مسلح و عریان ہے اس کو لباس واسلحہ دے یہ مفلس ہے اس کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے۔
(۲) کتاب مذکورہ بالا ص ۳۸

و بدیں سخن سچ کس ازاں غزا باز نشہ جز
انکہ اور ازاں سوال و احوال و ملائیس شوٹے
بزرگ بدست شد و همیشه ازاں صحاب کہ
در غزلے بدر متقاعد و غایب بودند بدست
عامد انہ حملہ غازیان بدر شمر وہ شمرند و ایش
را پیغمبر از غنا تم بدر بہرہ فرستاد و ایب حیات
سہ تن از مہاجرہ بودند خست عثمان بن عفان
کہ بدست آوینہ نامندستی رقیہ دختر رسول
خدا کہ در سرے او بود متقاعد گشت و دیگر
طلحہ و سعید کہ بجا سوسی مامور شدند و در
راہ یادہ گشتند و آن پنج تن کہ از انصار
بودند۔

(۱) ابولبابہ بود کہ رسول خدا نے اورا بجائے
ابن مکتوم خلیفہ بنا دواذ نیمہ راہ بمدینہ
فرستاد۔

(۲) دوم عاصم بن عدی العجلانی بود کہ بر مردم
عالیہ خلافت داد۔

(۳) سوم عارت بن حاطب کہ از منزل ردحا
بمیان بنی عمرو بن عوف مامور گشت

(۴) چہارم عارت بن الصمہ۔ و پنجم نوات

(۵) بن جبیر اس پر دورا نقطہ پیش آمد کسری
در اعضا را مکرر دواذ بازہ مدینہ شدند۔

پیغمبر اسلام کی اس دعا کی برکت سے اس لشکر
کا ہر فرد جو اس جنگ سے واپس آیا۔ تو اس
کو مال سواری، لباس وغیرہ بہت سائل
پانچ آیا۔ اور وہ آٹھ افراد جو جنگ بدر میں
شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کو بھی پیغمبر اسلام
نے غازیوں میں شمار کیا۔ اور ان کو بھی پیغمبر
اسلام نے ان کا حصہ مال غنیمت سے بھیجا اور
ان میں سے تین افراد تو مہاجر تھے۔ اول عثمان
بن عفان جو بوجہ بیماری رقیہ دختر رسول و
زوجہ خود شریک جنگ نہ ہوئے دوسرے طلحہ
و سعید جنکو بجا سوسی کی خدمات سپرد کی گئی
تھیں اور وہ راستہ بھول کر ہٹک گئے۔ اور
وہ پنج افراد جو انصار میں سے تھے۔

اول ابولبابہ تھے جنکو پیغمبر اسلام نے ابن
مکتوم کی بجائے مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تھا۔
وہ نصف راہ سے واپس گئے۔ دوم۔ عاصم
بن عدی العجلانی تھے جنکو بلند مرتبہ افراد پر
خلیفہ مقرر کیا تھا۔ سوم۔ عارت بن حاطب
تھے۔ جنکو منزل ردحا سے بنی عمرو بن عوف
پر مامور کر دیا تھا۔ چہارم۔ عارت بن الصمہ
پنجم نوات بن جبیر ان دونوں کو راہ میں ضرب
پہنچی تھی یہ سواری سے گر گئے تھے اور بعض اعضا

لوٹ گئے تھے۔ اس وجہ سے مدینہ واپس کر دیا تھا۔

تعمیر عمارات - پیغمبر اسلام نے جب بموقع جنگ بدر مجاہدین راہ خدا کی بے سرو سامانی دیکھی تو آپ کو انکی حالت پر رحم آیا اور آپ نے ان کیلئے دعائے نیر کی۔ آپ کا یہ فعل شفقت و مکافات و تودد و حسن شرکت اجناس تحت نصیبت عدالت کو ظاہر کرتا ہے۔

گویا پیغمبر اسلام کے دل میں ان غریب مجاہدین کی محبت کا دریا موجزن تھا۔ اور آپ ان کی نیکی و خدمت دین کا صلہ باحسن و جوہ دینا چاہتے تھے۔ لہذا آپ نے دعادی اور خدانے اس دعا کو قبول کیا۔ اور اس بے سرو سامان فوج کو مسلح افواج قریش پر غالب کر دیا۔ اور چند روز کے بعد ہی دعائے پیغمبر اسلام کا یہ اثر ہوا کہ جتنی چیزوں کے عطیہ کیلئے درگاہ خدا میں دست بدعا ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے مجاہدین کو مل گئیں۔ مجاہدین راہ خدا میں پیدل تھے۔ سواری ملی۔ بھوکے تھے۔ شکم سیر ہوئے۔ عریان تھے لباس ملے۔ مفلس تھے۔ غنی ہو گئے۔

(۲) عدالت پیغمبر کا نمونہ اس واقعہ سے بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ آپ نے اپنے اموال غنیمت کو تمام شرکاء بدر پر تقسیم کیا اور مسادی حصہ ہر ایک کو عطا فرمایا۔ اور چونکہ آپ نے رفقاء سفر و جہاد میں سے آٹھ افراد کو کسی عذر معقول کی وجہ سے واپسی کی اجازت دیدی تھی۔ لہذا ان کو بھی غازیان بدر میں شمار کر کے ان کے اعزاد جہاد کو باقی رکھا اور انہائے نوع میں ان کو سرفراز کر کے اپنی عدالت کاملہ کا مظاہرہ فرمایا اور بعد کو ان کا حصہ رسد مال غنیمت سے ان کو دیکر عدالت قولی کے بعد عدالت عملی پر بھی عمل کیا۔ اہل ان کو برابر کا شریک اموال غنیمت کیا۔ یہی وہ تدابیر و نتائج عدالت پیغمبر اسلام تھے۔ جنکی وجہ سے عرب کے ہر لہیں و جنگجو بھی پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اور ان کی عدالت و صداقت کے بدل معترف تھے۔

واقعہ ہشتم، عدالت

جب لشکر اسلام جنگ بدر کیلئے جارا تھا۔ تو سواری کے اونٹ صرف

۱۰ تھے اصحاب پیغمبر باری باری سوار ہوتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے رفیق ابو لبابہ تھے۔ جب انکو مدینہ واپس کیا گیا نور دلیف پیغمبر اسلام بننے کی باری زید بن عارضہ کی آئی۔ تو پیغمبر اسلام نے کہا کہ زید بن عارضہ اور علی ہم ردیف سوار ہو جائیں۔ میں پیدل راہ چلوں گا۔ علی اور ابو لبابہ نے عرض کیا کہ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل ہی سفر کریں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا:-

مَا اَتَمَّ بِلِصْرِي مَنِي وَاَنَا اَعْنِي عَنِ الْاَجْرِ مَنْكُمَا -

تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اس امر سے معنی ہوں کہ تم سے اجر ملوں۔ - (تاریخ التواریخ

اس واقعے کے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام اپنے لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ ایسی مساوات و عدالت بہتے تھے جو اپنی آپ مثل تھی۔ آپ سردار و سپہ سالار فوج اسلامی تھے۔ اگر آپ ہو تو جنگ سوار بھی رہتے تو قابل اعتراض نہ تھا۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام کے یہ امر منافی تھا۔ لہذا آپ نے مثل دیگر سپاہیوں کے پیدل چلنا گوارا کیا اور اس طرح قوانین عدالت پر عمل کر کے نمونہ عدالت کا مظاہرہ فرمایا۔

واقعہ نوردیم، عدالت و مساوات

جنگ بدر میں جب لشکر اسلام مقام بدر پر پہنچ گیا۔ اور چاہ

بدر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو لشکر دشمن جس کی تعداد

۹۵ تھی۔ جو ہر طرح مسلح تھے۔ میدان بدر میں آئے تو ابو جہل فوج کی کمان کر رہا تھا۔ لشکر دشمن کو پانی کی ضرورت پیش آئی۔ سخت مضطرب ہوئے۔ جب کوئی مدد برسی نظر نہ آئی کہ پانی حاصل کر سکیں۔ تو ابو جہل کی فوج کے چند سپاہی آگے بڑھے۔ لشکر اسلام کے اس دستہ نے جو پانی پر حفاظت کیے متعین تھا۔ حرکت کی کہ ان کو روک لیا جاوے۔

مگر جیسے ہی پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ جنگ چھڑنے والی ہے اور پانی کو لشکر دشمن سے روک لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا :-

پیغمبر فرمود بگذا۔ یہ سیراب شونہ۔ (پیغمبر نے فرمایا لشکر دشمن کو آنے دو تاکہ وہ پانی پی لیں اور

سیراب ہو جائیں۔) (ناسخ التواریخ جلد اول ص ۸۳)

یہ سب سے قابل غور معاملہ یہ ہے کہ قریش مکہ نو سو پچاس مسلح فوج لیکر مدینے پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان کم تعداد ہیں، غیر مسلح ہیں، تعداد میں صرف ۱۳ افراد ہیں۔ مدافعتانہ جنگ کی خاطر مدینہ سے نکل کر مقام بدر پر آچکے ہیں۔ کنوئیں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان حالات میں لشکر دشمن پیاسا ہے۔ مسلمان ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ تو پیغمبر اسلام مسلمانوں کو پانی بند کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اور ان کو عام اجازت پانی پینے اور استعمال کرنے کی دیدیتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کیوں نہیں دشمن کو پیاس کی مار دیکر کمزور کیے۔ تاکہ مقابلہ آسان ہو جائے۔ اور فتح یقینی ہو جائے۔ پیغمبر اسلام ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ تعلیم اخلاق کیلئے آئے ہیں۔ ان کا فریضہ اخلاق کریمہ کا درس دینا ہے۔ پھر وہ کب خلاف مساوات و عدالت کر سکتے ہیں۔

پہنا پیغمبر اسلام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ملحوظ نوع ہم اور ہمارے دشمن، مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور مختلف عدالت و مساوات یہی ہے کہ جس طرح ہم کو اور ہمارے لشکر کے افراد کو پانی کی ضرورت ہے۔ ہمارے دشمن کو بھی اس پانی کی ضرورت ہے۔ پانی بند کر دینا اور اپنی بی نوع کو ایک قدرتی نعمت سے محروم کر دینا

خلافت عدالت ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے پانی کی عام اجازت دیکر اپنی عدالت کاملہ کا کامل مظاہرہ فرمایا۔

اور اسی عدالت کی بدولت پیغمبر اسلام کی ذات اس قابل ہے کہ اہل عالم کیسے نمونہ عدالت بن سکے۔

واقعہ بستم، عدالت | پیغمبر اسلام بروز جنگ احد اپنے لشکر کے سامنے تشریف لائے۔ اور حکم دیا کہ صفوف کو درست و سیدھا کر لیا جائے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں

ایک چھتری تھی۔ اس سے آپ صفوں کو درست کر رہے تھے۔ جب آپ سواد بن غیر یہ کے سامنے آئے تو آپ نے

دیکھا کہ سواد بن غیر یہ صفا سے کچھ آگے بے قاعدہ کھڑے ہیں۔ آپ نے اپنی چھتری سینہ سواد پر رکھی اور فرمایا

استویا سواد۔ اے سواد سیدھے کھڑے ہو۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ۔

تو حق آمدہ و بناحق ضربے بہ من آوردی مرا قصاص دہ۔ اے رسول خدا آپ حق پرست

ہوئے ہیں اور آپ نے ناحق میرے سینہ پر چھتری ماری آپ مجھ کو قصاص دیں۔ (تاریخ التواریخ)

آپ نے فوراً اپنے سینہ سے لباس ہٹایا اور فرمایا اے سواد تم قصاص لے لو۔ سواد دوڑا اور

سینہ پیغمبر کے پوسے لینے لگا اور کہا:

گفت اینک نوشتن را با مرگ نزدیک محابتم

تو میں نے چاہا کہ اپنے آخر وقت میں اپنے سب

کو آپ کے جسم سے مس کر لوں۔ رسول خدا امدادی

مس کند۔ رسول خدا اور ادعا لے خیر کرد

نتیجہ ہر ناظرین نے ملاحظہ کیا۔ دنیا کی تاریخ کسی سپہ سالار و بادشاہ و لشکر کش کا انداز مساوات اپنے لشکر

سپاہیوں کے ساتھ ایسا پیش کر سکتی ہے۔ آج کل کی مہذب و تمدن دنیا کے قوانین جنگ تو یہ بتاتے ہیں کہ سپاہی

کی ادنیٰ اتکم عدوی و سرنانی یا بے قاعدگی اس کو قابل گردن زدنی بنا دیتی ہے۔ مگر پیغمبر اسلام میدان جنگ میں

موجود ہیں۔ فوج کے ناظم و حاکم اعلیٰ ہیں۔ سپاہی بیقاعدگی کر رہا ہے کہ صف سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ پیغمبر

اسلام اس کے سینہ پر چھتری مار کر اسے درست رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مگر سپاہی پیغمبر اسلام کی ضرب کا

قصاص اسی وقت میدان جنگ میں طلب کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ پیغمبر حق ہونے کے لحاظ سے پیغمبر سے اسے

قصاص ملنا چاہئے۔ او ہر وہ قصاص لینے کا نام لیتا ہے۔ ادھر پیغمبر اسلام صفوف لشکر اسلام کے سامنے

بیمیت سپہ سالار کے اپنا سینہ کھول دیتے ہیں اور اس سپاہی سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی ہی ضرب آپ کے

سینہ پر لگائے اور اپنا قصاص لے لے پیغمبر اسلام کا یہی وہ طریقہ تھا۔ اور یہی وہ عدالت تھی۔ جس نے آپ کے

ساتھیوں کو آپ کا جان نثار اور کلمہ گو بنا دیا تھا۔

واقعہ بستم و بکم، عدالت، جنگ بدر

تحت اجناس فضیلت عدالت میں صلہ رحم کا بھی شمار ہے

صلہ رحم کی تعریف یہ ہے کہ

”صلہ رحم آن بود کہ خویشاں و پیوستگان را با خود در خیرات دنیاوی شرکت دهد“

ترجمہ یہ صلہ رحم یہ ہے کہ اپنے اعزاء، اقرباء و متعلقین و محققین کو دنیاوی نیکی و جلائی کرنے میں اپنا شریک کیے۔ (اخلاق ناصری)

مندرجہ ذیل واقعہ پیغمبر اسلام کے صلہ رحم و عدالت کا بہترین نمونہ پیش کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جنگ بدر الکبریٰ کی صفوفِ طرفین آراستہ میں۔ پیغمبر اسلام نے اپنے لئے میدان جنگ میں عرشہ نوایا ہے۔ اس عرشہ پر آپ تشریف فرما ہے۔ ابو بکر بن قحظہ بھی عرشہ پر موجود ہیں اور سعد بن معاذ و چند دیگر اصحاب گرد عرشہ حفاظت کیلئے موجود ہیں۔ کفار مکہ خود جنگ کرنے کیلئے بحیثیت حملہ آور آئے ہیں۔ پیغمبر اسلام مدافعت جنگ کی غرض سے مدینہ سے مقام بدر تک پہنچے ہیں۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام عرشہ سے حکم نافذ فرماتے ہیں جو کہ تاریخ التواریخ اول جلد ص ۳۳ سے پیش کیا جاتا ہے۔

۱) از بہر آنکہ جنے سخن نماز عمر ابن خطاب را بسوئے ایشان فرستاد و پیام داد کہ مارا در خاطر نیست کہ در حرب شما مبارزت کنیم چه شما عشرت منید و خویشاوندان من باشید شما نیز سپیدین با من بمحادات و مبارزات نزدیک ما با عرب بگذارید اگر غالب شوم ہم از بہر شما فخری می باشد و عرب مرا کفایت کرد شما بازوئے خود برسیدے آنکہ رنج بکشید عمر رفت و با صف قریش نزدیک شدہ این کلمات را بر صنادید۔ ان جماعت بیان نمود از میانہ عقبہ زباں بکشود و گفت۔ یا معشر قریش اطیعونی الیوم و اعصونی الدھر ان محمداً له ال ذمۃ و هو ابن عمکم فخلوہ و العرب فان بک صادقا فانتم اعلیٰ عینا بہ

پیغمبر اسلام نے صرف اسلئے کہ آئندہ گنجائش شکایت و شکوہ نہ رہے۔ عمر ابن خطاب کو لشکر دشمن کی طرف بھیجا اور پیام دیا کہ تمہارے دل میں نہیں ہے کہ تم سے جنگ میں جلدی کریں کیونکہ تم میری برادری و خاندان سے ہو۔ تم کو چاہئے کہ تم بھی میرے ساتھ دشمنی و محادات نہ کرو اور مجھ کو عربوں پر چھوڑ دو۔ اگر میں عربوں پر غالب ہو گیا تو تمہارے لئے یہ بھی باعث فخر ہو گا۔ اگر عربوں نے مجھ کو قتل کر دیا تو تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔ اور تمکو کوئی تکلیف بھی نہ ہو گی۔ عمر ابن خطاب نے قریش کے سرداروں کے سامنے ان کلمات کو پیش کیا لشکر دشمن سے ایک شخص عقبہ نامی نکلا اور اس نے اپنے لشکر کو اس طرح مخاطب کیا۔ اے گروہ قریش آج تم میری اطاعت کرو میرا کہنا مانو

وان یك كاذبا کفشکم ذوبان العرب
اور زمانہ کو مخالفت کرنے دو یا در کھو محمد ہمارے
سردار کا بیٹا ہے اور تمہارا ابن عم ہے اور تم میں
امرہ -

سب سے بہتر ہے۔ تم اس کو چھوڑ دو وہ جانے اور عرب جانیں۔ اگر وہ سچا ہے تو تمہارے لئے باعث
فخر ہے اور اگر وہ کاذب ہے تو خود عرب اس کے معاملہ کو بھگت لیں گے۔

عتبہ نے نبی عبدالمطلب کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اور اپنے صحیح و سالم واپس ہونے کیلئے یہ بہانا تراشا ہے
عتبہ نے جواب دیا کہ تو مجھ کو بزدل و خوفزدہ سمجھتا ہے۔ یہ کہہ کر عتبہ نے ابو جہل کو اونٹ سے نیچے گرا لیا اور کہا
کہ اے ابو جہل! میں اور تو پہلے مقابلہ کر لیں۔ پھر معلوم ہو گا کہ کون زیادہ بہادر ہے۔ اکا بر قریش نے ان کو بچایا
اور لڑنے سے روکا۔ اس کے بعد جنگ بدر شروع ہو گئی۔ (ناسخ التواریخ ص ۹۵)

مذکورہ تاریخی عبارت نے ثابت کیا ہے کہ نازک ترین مواقع پر بھی پیغمبر اسلام نے قوانین عدالت و صلہ
رحم کی پابندی کی ہے۔ میدان جنگ میں جبکہ معذرت طلبی کی ضرورت تھی آپ نے لشکر مخالف کے حقوق و فرائض
اور وطنیت کو یاد دلایا ہے۔ اور ایسی مدلل بات کہی ہے کہ جس سے انکار کوئی صاحب عقول کر ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ
لشکر مخالف کے ہی ایک شخص نے کلام درائے پیغمبر اسلام کی تائیدی کی۔ حتیٰ کہ سردار لشکر ابو جہل اور عتبہ میں
دھڑک بھی ہو گئی۔

پیغمبر اسلام نے اس موقع پر پیام صلح دیکر اور اعلیٰ دلائل صلح پیش کر کے صلہ رحم اور عدالت کے مظاہر
کے ساتھ ہی ساتھ افواج مخالف و موافق کیلئے ایک دستور العمل بھی پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وقت آنے
تک بھی دو مقابل افواج کو صلح پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور خواہ مخواہ صلح اور صلح کی وجہ سے قتل عام و خونریزی
سے احتراز کرنا چاہیے۔ پہلے تباہی ہے کہ جنگ کا مقصد قیام امن و سلامتی ہے۔ اور صلح کر دار انسانی
نہ کہ جنگ فروری و کثرت مہلک و مذموم کے نشہ میں کی جائے اور طلب ملک و جاہ و دولت اس جنگ کی غرض و
غایت ہو۔ پیغمبر اسلام کے اس موقع جنگ پر یہ کلمات صلح اور تدریج و دفع فساد ایک اعلیٰ نمونہ سیاست و تدبیر
دن و عدالت کا پیش کرتے ہیں۔

واقعہ بست و دوم، عدالت، صلہ رحم -
عباس بن عبدالمطلب اسیران بدر

مسطور بالا میں تحریر ہے کہ صلہ رحم بھی تحت عدالت ہے
جنگ بدر میں عباس بن عبدالمطلب عم پیغمبر اسلام
جب اسیر ہو کر آئے اور سخت بندش کی وجہ سے

شب کو کراہتے تھے پیغمبر اسلام نے جب عباس کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ کے دل میں صلہ رحم کا جوش

پیدا ہوا۔ اس موقع پر اگر پیغمبر اسلام صرف عباس بن عبدالمطلب پر بحیثیت رشتہ دار ہونے کے صلہ رحم کرتے اور ان کو آزاد کر دیتے یا ان پر نرمی بستے تو یہ فعل صلہ رحم میں تو شمار ہو جاتا۔ مگر یہ صلہ رحم ایسا ہوتا جو مساوات و عدالت کے منافی ہوتا۔ کیونکہ سب اسیران بدر کے ساتھ یہ صلہ رحم نہیں ہوتا گیا تھا اور اس نرمی بستے میں عباس کو درجہ امتیاز مل جاتا۔ اور دیگر اسیران بدر اس نرمی سے محروم ہو جاتے۔ اور اگر اس موقع پر کہ عباس عم پیغمبر اسلام بعد گرفتاری سخت تکلیف میں مبتلا رہتے اور شبانہ روز تکلیف و بندش سخت سے کراہتے اور روتے رہتے اور ان پر رحم نہ کیا جاتا تو بھی پیغمبر اسلام کے صلہ رحم میں فرق آ جاتا اور پیغمبر اسلام کے کمال صفت عدالت میں کمی ہو جاتی لہذا پیغمبر اسلام نے جب عباس کے نالہ و فریاد کی آواز سنی تو دریافت کیا کہ یہ آہ و زاری کس کی ہے اور اس کا کیا سبب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ عباس ابن عبدالمطلب نہایت قوی سیکل مہیب صورت اور بہادر ترین عرب ہیں لہذا ان کی بندش کو سخت کیا گیا ہے۔ اس کی تکلیف و کرب سے شبانہ روز کراہتے و نالہ و فغاں کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ان کی بندش کو نرم کر دو و نیز تمام قیدیوں کی بندش بھی نرم کر دو اور ان کے ساتھ بہ نرمی پیش آؤ۔ صاحب تاریخ التواریخ نے جلد دوم ص ۹۱ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے و نیز تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۰۱ پر درج ہے۔

رسول خدا سے روز در بدر توقف کرو و مقرر ہوو کہ ہر جا بد دشمن غلبہ فرمودے سے روز توقف نمودے۔ پوں شب درآمد شقران اسیران را بہ بست و قریب نوالہ کا پیغمبر بازداشت عباس نیز سخت بہ بستہ بود ہمہ شب ازاں تعب می نالید و رسول خدا را از خواب باز می داشت پیغمبر با عبد اللہ ابن کعب کہ او نیز حادث اسیران بود فرمود مرا از غم عباس خواب در نہ برد چہ غم نیم پرد است عرض کرد کہ اگر فرمائی اورا بکشا یم فرمود آستہ کن و او چہاں کہ و پس نالہ باز نشست پیغمبر فرمود چہ شد کہ نالہ عباس را نمی شنوم عرض کرد نہا و را آستہ کردم فرمود بند

پیغمبر اسلام نے مقام بدر میں بعد فتح جنگ تین دن قیام کیا۔ اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جس جنگ میں اسلام کو فتح ہوتی تھی۔ آپ وہاں تین دن قیام کرتے تھے۔ جب رات ہوگی تو شقران نے اسیران بدر کو پیغمبر کی نوالہ کا ص کے قریب قید کیا عباس ابن عبدالمطلب بھی قیدیوں میں تھے وہ سختی سے بانہ مے گئے تھے بندش کی سختی سے رات بھر روتے رہے پیغمبر اس نالہ و فریاد کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے۔ پیغمبر نے عبد اللہ ابن کعب کو قیدیوں کا پاس بان تھا بلایا اور فرمایا کہ مجھ کو چچا کے غم کی وجہ سے رات نیند نہیں آئی۔ کیونکہ چچا بھی نصف باپ ہوتا ہے عبد اللہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں

بمحبوسین را آہستہ کنید و چنان کردند۔ عباس کو آزاد ہو کر دوں۔ تو آپ نے حکم دیا کہ ان کی بندش ہلکی کر دو عبد اللہ نے ایسا ہی کیا اس کے بعد عباس کے رونے کی آواز نہ بنی آئی پیغمبر نے پوچھا کہ کیا ہوا کہ عباس کے رونے کی آواز بند ہو گئی ہے۔ میں نہیں سن رہا ہوں (خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں نے قتل کر دیا ہو۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ میں نے انکی بندش کو نرم کر دیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تمام اسیران بدر کی بندشوں کو نرم کر دو۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔۔

عبارات مذکورہ نے ظاہر کیا کہ پیغمبر اسلام چچا کی تکلیف کی وجہ سے شب کو سونہ سکتے تھے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ چچا نصف باپ کے برابر ہے آپ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ عوام کو تیار رہتے تھے کہ صلہ رحمی انسان پر واجب ہے اور اس کی صفت عدالت کی تکمیل کرتا ہے۔ صرف اسی عرض سے عباس ابن عبدالمطلب کی بندش کو نرم کیا گیا۔ اور چونکہ صرف اپنے رشتہ دار و قریبی عزیز کے ساتھ نرمی کرنا خلاف و منافق تو ائین عدالت و مساوات تھا۔ لہذا آپ نے تمام قیدیوں کے ساتھ اس نرمی کو جائز رکھا اور سب کی بندشوں کو نرم کر دیا پیغمبر اسلام نے اس واقعہ سے اس امر کو واضح کیا کہ دشمن صرف سختی و قتل ہی کا مستحق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بحالت قید حقوق انسانی کا مستحق ہے اور بحالت صلح حقوق مساوات کا مستحق ہے۔ اور بصورت مقابلہ قتل کا مستحق ہے۔ یہ وہ طریقے اور دستور ہیں جن کی تعلیم پیغمبر اسلام نے اہل دنیا کو دینی چاہی ہے۔ اور یہی وہ دستور العمل سلامی ہے جو اہل عالم کیلئے قابل عمل اور وجہ کامیابی ہے۔

واقعہ لیبٹ و سوم، فدیہ اسیران بدر و فدیہ عباس | جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہونی کفار مکہ بھاگ گئے یا قید ہوئے

یا قتل ہوئے۔ قیدیوں کے بارہ میں پیغمبر اسلام نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا عمل ان کے ساتھ جائز رکھا جائے۔ چونکہ یہ معاملہ اختلافی ہے اور میں اپنی اس تالیف و تصنیف کو اختلاف سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ لہذا اس واقعہ کے بارے میں بھی یہ تفصیل عبارات تاریخی کو پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۱، پوں حضرت رسول با خاص اصحاب مشورت فرمود کہ از اسیران فدیہ بستاند دست از ایشان باز داریم یا اں جماعت را بقتل رسانیم۔

جب پیغمبر اسلام نے اپنے مخصوص اصحاب سے مشورہ کیا کہ قیدیوں سے معاوضہ لیکر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ یا ان کو قتل کر دیا جائے۔ صدیق نے کہا کہ یہ قیدی آپ کے ہم قوم و اہل خاندان ہیں۔ اگر ان کو فدیہ لیکر آزاد کیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ راہ

پیدا - شور و از فدیہ اصحاب تو را بے نیازی
و قوت دست دید -

عمر گفت حکم فرماتا مجھ را گردن زنتہ
فلاں خویش مرا بمن دہ و عقیل را بعلی سپار
و عباس را بہ حمزہ تسلیم نما تا گردن ایشان
بنہیم -

راست پر آہائیں یا ان کی نسل سے مومن
و مومنین پیدا ہوں اور ان کے فدیہ سے آپ
کے اصحاب کو مالی منفعت اور معاش بھی
حاصل ہو جائے گی -

عمر نے کہا اے پیغمبر اسلام آپ حکم دیں کہ ان
سب کو قتل کر دیا جائے - فلاں میرے رشتہ

دار کو مجھ کو دیا جائے اور عقیل کو علی کے سپرد کر دیا جائے اور عباس کو حمزہ کو دیا جائے
تا کہ ہملگ ان کی گردن ماریں -

(۲) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۱۵ -

رسول نے فرمایا کہ اے اصحاب تمہاری کیا رائے ہے اس بل
غنیمت کے بارہ میں اور ان قیدیوں کے بارہ میں جو
تمہارے قبضہ میں ہیں - لوگ خاموش رہے سب سے پہلے
عمر ابن خطاب نے سر اٹھایا اور عرض کیا یا رسول
اللہ میری رائے یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو گڑھے میں
دفن کر دیا جائے تاکہ ضائع ہو جائے اور تمام
قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان قیدیوں کو جس کا
کوئی مسلمان عزیز ہے وہی اس قیدی کو قتل کرے -
عباس کا حمزہ سر قلم کریں اور عقیل ابن ابی طالب

رسول فرمود ہی اندیشید در کار اس رجالت ہواں
کہ اسر دستگیر شماست مرد ماں خاموش بودند
نخستین - عمر ابن خطاب سر برداشت دعویٰ کرد
یا رسول اللہ من چنان می بینم ای خواستہ و
غنائم را باید حرفے کردہ نکاک اندر سپرد تا ضائع
ماند و اسیران را حملہ مقبول ساخت و ہر کر ازین
اسیران تویشاوند نیست او باید بقتل رساند
عباس را حمزہ سر بردارد و عقیل را علی از پا در آورد
و دیں قانون اصحاب کار کنند -

کو علی قتل کریں - اور اسی قانون پر سب قتل کئے جائیں -

عباس بن عبدالمطلب نے جب یہ سنا تو کہا
اے عمر تو نے قطع رحم کیا خدا تیرا قطع رحم
کرے - اور پیغمبر اسلام کو بھی یہ بات
پسند نہ آئی -

جب سبکی رائے فدیہ پر طے ہو گئی تو پیغمبر
اسلام نے حکم دیا کہ اصحاب قیدیوں کے
بارہ میں احسان و نیکی کریں اور جن بعض
قیدیوں کے پاس رقم فدیہ نہ تھی - ان کو

عباس گفت یا عمر قطع رحم قطع
اللہ رحمہمک و پیغمبر صلعم را نیز اس
سخن پسندیدہ نیفتاد -

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۱۵ -

و چوں قضیہ اسیران بہ فدیہ گذشت
رسول اشارت فرمود کہ یا ماں در بارہ
ایشال احسان و نیکی کنتہ و بعضی
را کہ مال و استعداد نہ داشتند آزاد

آزاد کر دیا۔ اور جو مفلس فن کتابت جانتے
 والے قیدی تھے ان کو حکم دیا کہ جو فرض فدیہ
 انصار کے دو بچوں کو فن تحریر سکھائیں اس
 کے بعد وہ آزاد ہیں اور حوالہ دار قیدی ہیں
 وہ حسب حیثیت فدیہ ادا کریں۔

فرمودہ و طائفہ از اہل افلاس کہ صنعت کتابت
 می دانستند مقرر فرمود کہ ہر یک دو کو دوک
 انصار را خط نوشتن بیاموزند و بعد از آن
 آزاد باشند و بقدر مراتب بہ متمولان فدیہ
 قرار گرفت۔

(۳) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۱۴۲ :-

ان امور سے فراغت پا کر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم قیدیان قریش کی طرف متوجہ ہوئے پہلے وہ ایک ایک
 کر کے شمار کئے گئے جو ان ہشام کی تعداد کے مطابق ۳۴ تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمام اسیروں کو دو دو
 چار چار کر کے انصار و مہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہی قیدی کو اپنی حراست میں راحت و
 آرام سے رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمام تواریخ و حدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اس وقت
 سے لیکر تب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین و انصار کے پاس رہے۔ صحابہ کا یہ برابر قاعدہ رہا
 کہ گھر میں ہو کھانا پکھانا تھا تو وہ قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا۔ اور اصحاب خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔
 ابو عزیز جو مصعب بن عمیر کے بھائی تھے۔ وہ بھی قید ہو کر آئے تھے اور ایک انصار ہی صحابی کی حوالگی میں
 دیئے گئے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح شام کھانا لاکر سامنے رکھتے آپ ہی
 ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتے اور کھانے
 لگتے۔ مجھ کو اس مکارم اخلاق سے ایسی شرم آتی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا۔ وہ میری حالت دیکھ
 کر کہتے کہ میں نے تمہیں روٹی اسلئے دی ہے کہ تم لوگ نوش غلہ کے خوگر ہو۔ بخلاف تمہارے ہم کھجوروں کے
 عادی ہیں۔ (طبری ص ۱۳۳۸)

استنباط نتائج عبارات مذکورہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور ان واقعات سے مندرجہ ذیل نتائج
 پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) پیغمبر اسلام نے اسیران بدر کے بارہ میں اصحاب سے رائے طلب کی تو کچھ اصحاب نے ان کو قتل کرنے
 اور سامان کو دفن کرنے کی رائے دی اور بعض نے فدیہ قبول کر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کی رائے دی۔
 پیغمبر اسلام نے اس رائے کو پسند فرمایا جس میں حقوق انسانی کی ادائیگی ہوتی تھی۔ اور وہ یہی رائے تھی
 کہ فدیہ لیکر آزاد کر دیا جائے۔ اب رہا فدیہ ادا کرنے کا معاملہ تو آپ نے اس میں بھی انتہائی رعایت
 بہت ہی۔ اول تو یہ کہ جو تاوار و مفلس تھے۔ مگر فن تحریر کے مالک تھے ان کا یہ فدیہ ملے کیا کہ وہ انصار

دو بچوں کو تعلیم تحریر دیدیں پھر آزاد ہیں۔ اور جو مالدار ہیں وہ فدیہ ادا کریں۔ اور ان میں سے بھی جن کے پاس فی الحال رقم فدیہ نہیں ہے۔ وہ اپنے اسباب و اقربا سے طلب کر لیں۔ مذکورہ بالا تمام صورتیں جو ربانی اسیران ہر کیلئے پیغمبر اسلام نے اختیار کیں۔ وہ سب انتہائی صلہ رحم اور عدالت و مساوات پر مبنی ہیں ان کی توضیح کی جائے تو آپ یوں سمجھیں کہ جو نادار قیدی تھے ان کے حق میں یہی اعلیٰ نمونہ عدالت ہو سکتا تھا۔ کہ انکو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا جائے۔ اور پیغمبر اسلام نے انکو بغیر فدیہ کے آزاد کر کے عدالت کا مد کا ثبوت دیا۔ لیکن جو نادار تھے۔ مگر وہ ایک فن و قابلیت ذاتی کے مالک تھے۔ لہذا ان کے ساتھ یہی فعل عدالت تھا کہ جس چیز کے وہ ذاتی طور پر مالک ہیں اسی چیز کو ان کا فدیہ ربانی قرار دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے صرف تعلیم فن کتابت کو ان کا فدیہ ربانی قرار دیا۔

تیسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو سرداران قبیلہ و قریش تھے۔ ان کے ساتھ یہی عدالت تھی کہ ان کا فدیہ فدیہ قبول کر کے انکو آزاد کر دیا جائے۔ اور چونکہ وہ جنگ کیلئے آئے تھے تو ان کا مال ضائع ہو گیا تھا۔ لہذا انکو موقعہ دیا گیا کہ وہ اہل مکہ و اپنے اقربا سے رقم فدیہ طلب کر کے ادا کریں۔ یہ آخری صورت بھی اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کرتی ہے۔ اگر ان ہر قسم کے قیدیوں کو ایک حکم کے ماتحت رکھا جاتا اور در صورت عدم تمہیل انکو قابل گردن زدنی سمجھا جاتا۔ تو بھی خلاف عدالت نہ تھا۔ کیونکہ قاتل کی سزا قتل، قاتلانہ حملہ آور کی سزا بھی جو باقتل ہی ہوتی ہے۔ اور اس قانون کی رو سے ایک جنگ میں اگر ایک دشمن سینکڑوں حملہ آوروں کو قتل کر دے تو بہادری کیلئے گانہ کہ ظالم و جاہل۔

مگر پیغمبر اسلام کا حملہ آوروں دشمنوں کے ساتھ یہ برتاؤ آپ کے اخلاق و مساوات و عدالت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جو ناقیامت اقوام عالم کیلئے قابل تقلید نمونہ باقی رہے گا۔ اور جو اعلیٰ معیار اخلاق و عدالت پیش کرتا رہے گا۔

(۲) عبارات تاریخی سے ظاہر ہوا کہ جب پیغمبر اسلام نے مشورہ کیا کہ قیدیوں کے ساتھ کیا عمل کیا جائے تو عمر ابن خطاب نے باصرار پیغمبر اسلام کو رائے دی کہ ہر شخص کو قتل کیا جائے۔ اور ہر مسلمان اپنے ہر کافر عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ جب عباس ابن عبد المطلب نے یہ الفاظ سنے تو پکارے۔ عمر نے قطع رحم کیا ہے یعنی صلہ رحم کو قطع کیا ہے۔ چونکہ صلہ رحم بھی جنس تحت عدالت ہے۔ لہذا اگر پیغمبر اسلام مطابق رائے اصحاب و عمر ایسا حکم دیدیتے کہ ہر مسلمان اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کر دے تو یقیناً پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف قانون عدالت ہوتا۔ اور خلاف صلہ رحم ہوتا۔ کیونکہ حملہ آور دشمن کو قتل کر دینا تو دستور زمانہ ہی ہے اور ہر عہد اور ہر شخص ایسا کیا ہی کرتا ہے۔ مگر جو مادی عالم اور مدبر عالم ہو۔ اس کا فعل افعال عوام

بالا تر ہونا چاہئے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اس مشورہ کو نہ قبول کر کے اعلیٰ نمونہ صلہ رحم و عدالت پیش فرمایا ہے۔۔۔۔۔

(۳) پیغمبر اسلام نے اسیران بدر کو انصار و مہاجرین پر تقسیم کر دیا۔ اور انکو یہ حکم دیدیا کہ ہر مہاجر و انصاری اپنے قیدی کو با آرام تمام رکھے۔ اور پھر حسب ارشاد پیغمبر اسلام ایسا ہی کیا گیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم حقوق انسانی و حقوق اسیران کے لحاظ سے ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور پیغمبر اسلام کے اس حکم میں عدالت و مساوات انسانی کے اعلیٰ و بہتر نمونے ملتے ہیں۔

یہ اصول و قوانین عدالت جو پیغمبر اسلام نے پیش کئے ہیں شعلہ ملے آتش جنگ کو فرو کرتے ہیں۔ اور جانہین و مخالفین و معاندین کی قلبی نفرت و جذبہ انتقام کو کم کرتے ہیں اور دنیا کو جنگ سے متنفر اور صلح سے قریب تر کرتے ہیں۔ آج کل کی مہذب و متمدن دنیا جتنے بھی قوانین جنگ بنا رہی ہے۔ وہ اقوام کے تباہ باہمی و عداوت داعی کا سرچشمہ بنا رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج دنیا شعلہ ملے جنگ کے درمیان گرد میں بدل رہی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت یہ کوہ آتش فشاں پھٹ کر اہل ارض پر قیامت صغریٰ لے آئے۔

(۱) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۱۴۴ صحیح بخاری

واقعہ لہست و چهارم عبد اللہ ابن ابی سلول رئیس المنافقین کا کفن۔

اسیران بدر حیب مداح خطہ کیلئے۔ خدمت

رسول میں پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے

نہ تھے۔ تھے بھی تو جنگ و پیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہو کر پہنتے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خلق عظیم ان کی برہنہ تنی کو کب گوارا کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انہیں کپڑے پہناؤ تب۔ اپنے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔

فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ اتفاق سے عباس کا لباس بھی پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر تیار ہو گئے۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اسقدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپ کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا۔ اتفاق سے عبد اللہ ابن ابی سلول رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباس کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آ گیا۔۔۔

ہمام بخاری لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن ابی سلول کو رسول صلعم نے اپنے کرتہ کا جو کفن عطا فرمایا تھا۔ وہ اسی کے احسان کا معاوضہ تھا۔ بخاری ص ۱۴۴۔

واقعہ مذکور سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر شفقت و مساوات و عدالت کا بہترین مظاہر

فرمایا ہے۔ اول تو حملہ آور دشمن ترین افراد فوج کو لباس پہنانا ہی کیا کرتا تھا۔ اس پر یہ کہ عبداللہ ابن ابی سلول جو ہمیشہ مسلمان بنکر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اس کو پیغمبر اسلام نے اپنے کرتے کا کفن عطا کیا اور اس معاہدہ میں کہ اس نے عباس بن عبدالمطلب جو قیدی تھے اور دشمنوں کے ساتھ اسیر ہو کر آئے تھے۔ انکو اپنا کرتے دیدیا تھا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کا وہ کارنامے ہیں۔ جن کی مثل تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

واقعتہ نسبت و پنجم شاعر سہیل
ابن عمر کے ساتھ حسن سلوک

اسوۃ الرسول جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ و تاریخ طبری
۱۳۲۲

انہیں قیدیوں میں عرب کا بہترین زبان دان اور سحرالبیان شاعر سہیل ابن عمر شامل تھا۔ یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی نئی تقریریں کیا کرتا تھا۔ جب یہ شخص سستے لایا گیا۔ تو عمر ابن خطاب کو طیش آگیا۔ فوراً عرض کی یا رسول اللہ اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اکٹروالٹے جائیں کہ اس کی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہو جائے۔ اس رحم مجسم نے ارشاد فرمایا۔

اے عمر اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑوں تو یاد رکھو اگرچہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم لیکن خدا نے مستقم اس کے بدو میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا۔

پیغمبر اسلام کا اس دشمن شاعر عرب کیساتھ یہ حسن سلوک کرنا اور اس پر آپ کا عمر کو یہ جواب دینا کہ اگر میں اس کے جسم کے کسی عضو کو بگاڑ دوں گا تو خدا میرے اعضا کو بگاڑ دے گا۔ عدالت و حفاظت حقوق انسانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ بیشک یہی وہ منازل عدالت ہیں جو بال سے زیادہ باریک ہیں اور ان پر صحیح گامزن ہونا اعلیٰ ترین افراد ہی کا کام ہے۔ پیغمبر اسلام کے اس قول سے بھی اور اس کہ دار سے بھی کہ اس کے دانت نہ توڑے گئے عدالت رسول کا پتہ چلتی ہے۔ وزیر تحفظ و تعین حقوق انسانی کی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

واقعتہ نسبت و ششم تقسیم اموال بدر

جنگ بدر میں جب اہل اسلام کو فتح حاصل ہو گئی اور اسیران بدر کا معاملہ بھی بمشورہ اصحاب

ہو گیا تو تقسیم اموال غنیمت کا سوال پیدا ہوا۔ مختصر شکر اسلام جنگ بدر میں تین قسم کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ ایک گروہ تو عرشہ پیغمبر کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس کے سرگروہ سعید بن معاذ تھے۔ دوسرا گروہ کفار قریش سے جنگ کر رہا تھا۔ اس کے دستہ مہاجرین کے علمدار علی تھے۔ دستہ انصار کے جناب بن منذر تھے۔ اور تیسرا دستہ فوج افراد لشکر دشمن کو گرفتار کر رہا تھا۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور تقسیم اموال غنیمت کا

وقت آیا تو ان ہر سہ دستوں کے افراد میں اختلاف پیدا ہوا اور ہر ایک اس کا دعویٰ دیا کہ مال غنیمت اس کا ہی حق ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں عبارت تاریخ سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) تاریخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۱۰۔

چوں کہ ہر قسمت غنائم واخذ فدیہ قرار گرفت سعد بن معاذ عرض کر دیا رسول اللہ ﷺ ما جماعتے بودیم کہ پاس عریض می داشتیم و جہاد نہ کردیم و جمع جہاد می کردند و گروہی اسیر می گرفتند اگر غنائم بہرہ جہاد کنندگان است بسیار از اصحاب را نصیب نخواستند و از سر روئے در میانہ صحابہ سخن در افتاد و ہر یک از می سہ گروہ نوشتن را در اخذ غنیمت ہادی می داشتند پس خدا این آیت فرستاد۔

و یسئلونک عن الانفال قل الانفال لله والرسول۔

یعنی اے محمد سوال می کنند ترا از غنائم بگو اموال از خدا و رسول اوست چوں مردمان این معنی را داشتند مایوس شدند و از مبارزت باز نشستند۔

ب رسول خدا عبد اللہ الصغیر کہ از بنی النجاشہ کہ حافظ غنائم بود بفرمود تا آن اموال را حاضر ساخت و خمس نوشتن را نیز جہاد نہ کرد کہ بہرہ اصحاب زیادت باشد و آن غنیمت را بر جملہ مجاہدین بد قسمت کرد و ہر کہ شہید شدہ بود بہرہ اورا بابل اور ساند و آن ہشت

جب معاملہ تقسیم مال غنیمت اور فدیہ قبول کرنے کا طے ہو گیا تو سعد بن معاذ نے خدمت رسول میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم ایک جماعت ہیں جو آپ کے عرشہ کی حفاظت کرنے میں مصروف تھے۔ اور مجھے جہاد نہ کیا اور ایک گروہ نے جہاد کیا اور ایک دستہ فوج قید کر رہا تھا۔ اس صورت میں اگر حصہ صرف مجاہدین ہی کو دیا گیا تو بکثرت اصحاب حصہ سے محروم رہیں گے۔ اس قسم کی باتیں لوگ آپس میں کرنے لگے اور ان تینوں گروہوں میں سے ہر ایک گروہ اپنے کو مال غنیمت کا مستحق سمجھتا تھا۔ پس اس موقع پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی و یسئلونک عن الانفال قل الانفال لله والرسول یعنی اے محمد لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ مال غنیمت کس کا حق ہے۔ ان سے کہہ دو کہ اموال غنیمت صرف خدا و رسول کا حق ہے۔ جب اصحاب کو حکم خدا ملا تو انہوں نے جھگڑنا بند کیا اور مال ملنے سے مایوس ہو گئے۔ ب۔ رسول خدا نے عبد اللہ الصغیر کو جو قبیلہ بنی نجاشہ سے تھا اور نجران مال غنیمت تھا حکم دیا کہ وہ مال غنیمت کو حاضر کرے پیغمبر اسلام نے اپنا حصہ خمس بھی اس مال سے

عبدانہ کیا تاکہ اصحاب کو زیادہ سے زیادہ
مال مل سکے اور اس اموال کو تمام مجاہدین
پر برابر تقسیم کر دیا اور جو بحالت جنگ شہید
ہو گیا تھا اس کے ورثاء کو اس کا حصہ دیدیا
اور تھوڑے افراد مدینہ واپس چلے گئے تھے
جسکا ذکر اوپر آچکا ہے ان کو بھی حصہ مساوی

کس را کہ از سفر یہ تخلف داشتند چنانکہ
مردوم افتادیم نصیب فرستاد و درین وقت
سعد ابن ابی وقاص عرض کرد کہ سوارہ
مجاہد را مانند پیادہ ضعیف بہرہ می نماید
فرمود شکلتک امک خداوند بרכת ضعفا
شمار انصرت داد۔

بھیجا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آپ مجاہد سوار اور کمزور پیادہ
کو برابر کئے دیتے ہیں اور مساوی حصہ دے رہے ہیں تو پیغمبر اسلام نے سعد بن ابی وقاص سے
کہا کہ تیرا برابر ہوتجھ کو معلوم نہیں ہے کہ خدا نے انہی ضعفا داد کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد
کی ہے۔

مذکورہ عبارت تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے تقسیم اموال غنیمت میں مساوات و عدالت کو قائم
رکھا۔ اور مختلف خدمات جہاد ادا کرنے والوں کو مساوی حصہ تقسیم کیا اور جو بوجہ مجبوری کے واپس ہو گئے
تھے۔ ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ اور سوار و پیادہ کو بھی حصہ مساوی پہنچایا۔ سعد بن ابی وقاص ایک مخصوص
صحابی نے پیغمبر اسلام کو اس مساوی تقسیم پر ٹوک دیا۔ اور اعتراض کر دیا کہ طاقتور اور ضعیف کا حصہ مساوی نہ
ہونا چاہئے۔ پیغمبر اسلام نے اس صحابی کو جھڑک دیا اور ایسا مسکت جواب دیا کہ پھر کسی کی سمت اعتراض کی نہ ہو سکی
بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام تقسیم اموال میں جو طریقہ عدالت برت رہے تھے۔ وہ طریقہ اس سے قبل کبھی عرب کی لڑائیوں
میں نہیں برتا گیا تھا۔ بلکہ طاقتور کا حصہ کمزور سے دو گنا ہوتا تھا۔ اور اسی طرح حسب حیثیت حصے تقسیم ہوتے
تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے عہد جاہلیت کے طریقوں سے پیغمبر اسلام کے طریقہ کو ممتاز پایا۔ بس صبر نہ ہو سکا اور
پیغمبر اسلام پر اعتراض کر دیا۔ معترض نے جواب مسکت پایا اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

آج اہل دنیا کو اپنی قانون دانی و معاملہ فہمی، قوانین عدالت و قوانین فوجی پر ناز ہے۔ موجودہ عہد ترقی کے
جنگجو اور مدد بہ کہتے ہیں کہ آج سے ۱۳ سو سال قبل کی جنگ دور کی بات ہے۔ اب سے پچاس سال قبل کی تاریخ بھی
ایسے اعلیٰ اصول جنگ و تقسیم کار و اموال غنیمت کو نہیں پیش کر سکتی ہے۔ جو آج ہم نے مقرر کر دیے ہیں۔ مگر
افسوس یہ دعویٰ ان سیاست و حکومت اپنے گریبانوں میں اپنے منہ چھپالیں تو بہتر ہے۔ آج ایک سپاہی کو
وہ سپاہی جو سنگلاخ زمینوں کو سینوں کے بل طے کرتا ہے۔ اور جو سپاہی بحالت جنگ برف کی سلوں پر چلتا
ہے۔ جو گہر و دھوپ کی سختی کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو مورچوں خندقوں میں ہفتوں بے آب و دانہ مکین اور گھات

میں رہتا ہے۔ جو اپنے اہل و عیال کو لاوارث چھوڑنے پر بخندہ پیشانی تیار ہو جاتا ہے۔ اور دشمن کے مقابلہ میں ہنچکر بڑھ بڑھ کر گولیاں چلاتا ہے۔ اور اگر موقع آ جاتا ہے تو دست بدست جنگ کرتا ہوا مارا جاتا ہے۔ جو سپاہی بے پناہ آٹم بم و ہائڈروجن بم کے دھواں دھار بارش میں بے خطر پہنچتا ہے اور دشمن کا مقابلہ کرتا ہے جو بحالت سپاہی و کبی و تاخیر کمگ و رسد ہر کڑی گھڑی کو برداشت کرتا ہے۔ اور بے کسی و بے بسی میں تڑپ کر دم توڑ دیتا ہے۔ جو وسیع ملکوں پہاڑوں، دریاؤں اور میدانوں کو سینہ و پشت کے بل طے کرتا ہے۔ جو سپاہی ممالک اقوام۔ وسیع علاقوں طولانی سرحدوں کو فتح کرتا ہے۔ جو سپاہی لا تعداد اموال غنیمت، میوانات سونا، چاندی، خزانے، جواہرات، حدود مملکت پر قبضہ کرتا ہے۔ اور بادشاہوں کو شہنشاہ اور شہنشاہوں کو شہنشاہ اعظم اپنے خون گرم کی بدولت بنا دیتا ہے۔ وہی سپاہی موجودہ عہد ترقی کے دعویداروں کے ہاتھوں بے انتہائی بے قدر و حقیر ہے۔ جتنا کہ ایک مداری کے ہاتھ میں کٹ پتلی کا سپاہی ہوا کرتا ہے۔ نہ اس سپاہی کو اس وسیع حدود سلطنت میں سے کوئی حصہ ملتا ہے اور نہ وہ مال غنیمت میں سے ہی کچھ پلنے کا حق سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ مطابق مثل و کھ سہیں بی فاختہ اور کوئے اندے کھا میں اب صاحبان اقتدار و ارباب حکومت ہی کا حق ہے کہ وہ سپاہی کی جان و اولاد و اموال کے بھی وارث حقیقی ہیں۔ اور مملکت مقبوضہ و مفتوحہ کے بھی مالک ہیں۔

پیغمبر اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اوہنوں نے فدیہ و مال غنیمت کو مال جائزہ تصور کیا۔ ہے اور اس کو سپاہی کیلئے حلال بتایا ہے۔ اس کے جواب کا یہاں موقع نہیں ہے۔ کیونکہ کلام کو طول ہو جائے گا۔ مگر مختصراً اتنا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے جنگ کو اسی حالت میں جائزہ قرار دیا ہے جبکہ وہ حفاظت ذاتی کیلئے مدافعت ہو۔ یا وہ جنگ صرف اصلاح معاشرہ و تہذیب اخلاق انسانی کیلئے کی جائے۔ اس آخری صورت کو علماء اسلام بالفطریہ دیکر یوں کہتے ہیں کہ جو خدا کیلئے لڑی جائے۔ مگر ان علماء کا مقصد بھی ان الفاظ سے نہیں ہے کہ نحوذ باللہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا بھی مثل انسانوں کے اپنی طاقت و قوت اقتدار و حدود مملکت کو وسیع تر کرنا چاہتا ہے۔ اور اسلئے اپنے ماننے والے بندوں کو جنگ کا حکم دیتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ غرض صرف اتنی ہے کہ جو جنگ خدا کیلئے لڑی جاتی ہے اور جس کا نام جہاد ہے۔ وہ صرف اصلاح معاشرہ و دفع اخلاق رذیلہ و تہذیب اخلاق انسانی و درستی کردار انسانی کیلئے لڑی جاتی ہے اور اگر ان صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں جنگ جائزہ ہے تو وہ مدافعت ہے۔

پیغمبر اسلام نے اپنی دس سالہ زندگی غزوات میں ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ہر پہلو سے یہ بات بتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی جنگ مدافعت تھی۔ یا اصلاح کردار انسانی و تبلیغ کلمہ حق کیلئے تھی۔ دوسری بات

یہ ہے کہ جب جنگ کا مقصد ہی آجکل کی جنگوں سے مختلف ہے تو موجودہ عہد ترقی کی تمام جنگیں ہی ناجائز ہیں اور مترادف ظلم و ستم، مترادف سفاکی و خونریزی۔ اس عہد ترقی کی تمام جنگی تیاریاں اور موجودہ لڑائیاں اقتدار طلبی، وسعت حدود مملکت، حصول زر و جواہر، حصول اسباب عیش و لذت وغیرہ کیلئے لڑی جاتی ہیں۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جس سپاہی کی خدمات کا ذکر میں نے سطور بالا میں کیا ہے اس کی گت اتنی ہے کہ جتنی مداری کے نزدیک کٹھ پتلی کی۔

ترقی و تہذیب و تمدن کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ہر فرد اور متنفس اور انسان کو حقوق مساوی حاصل ہو سکیں اور اس مہذب و تمدن دنیا کے شب و روز اور مرد و خورشید مساویانہ روشنی و ضیاء کی برکتیں ہر فرد کیلئے عام کر دیں۔ اگر یہ اندازہ جنگ و صلح انسان پاسکتا ہے تو صرف پیغمبر اسلام کے اندازہ حیات میں۔ اور پیغمبر اسلام کا اندازہ حیات ہی نوع انسانی کے دین و دنیا کی فلاح کا دستور العمل بن سکتا ہے۔

واقعہ لبت و سقیم تقسیم مال غنیمت

۳۲ ہجری میں غزوہ بنی قینقاع واقع ہوا۔ بنی قینقاع نے خلاف معاہدہ عمل کیا تھا۔ بنی قینقاع ساسو

افراد تھے ان کو جلا وطنی کا حکم صادر ہوا اور تین دن کی مہلت ان کو دی گئی۔ ان کا مال و متاع جو وہ چھوڑ گئے تھے مسلمانوں کا حصہ قرار پایا۔ پیغمبر اسلام نے اس مال کا خمس علیحدہ کر لیا اور باقی اموال غنیمت کو حصہ مساوی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

اگر میں ہر غزوہ اور ہر سریہ کے تقسیم اموال غنیمت کا ذکر علیحدہ علیحدہ کروں تو کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ لہذا اس موقع پر اتنی ہی کہے دیتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے ہر غزوہ اور سریہ کے مال غنیمت کو بحصہ مساوی تقسیم کیا۔ اور یہ کام خود بہ نفس نفیس انجام دیا۔ اور کبھی کسی مسلم یا منافق کو یہ موقع نہیں ملا کہ تقسیم مال میں خلاف عدالت کوئی بات دیکھتا اور اعتراض کرتا۔ ہر موقع پر پیغمبر اسلام نے عدالت و مساوات فعلی و قولی کے بہترین نمونے قائم کئے ہیں۔ اور اہل نظر کیلئے اعلیٰ نمونہ عمل قائم کیا ہے۔

واقعہ لبت و سقیم، عدالت بہ ازدواج

باب عفت پیغمبر اسلام میں ازدواج پیغمبر کی تعداد و نیز واقعات کو لکھا گیا ہے۔ دو یا چار ازدواج

میں بھی مساوات و عدالت کا قائم رکھنا دشوار تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کی ازدواج بیک وقت نو یا دس تھیں اور ماہران علم النفس بخوبی جانتے ہیں کہ عورتوں کی فطرت میں حسد و رشک، کا مادہ مرد سے بدرجہا زیادہ ہوا کرتا ہے۔ عورت کیلئے اس کی سوت سب سے بدتر عذاب زندگی ہے۔ اور وہ اس عذاب زندگی سے بچنے کیلئے ہر ممکن تدبیر کرتی ہے۔ اور ہر بد سے بدتر معیبت برداشت کرنے کو آمادہ رہتی ہے۔ مگر وہ اپنے

شوہر کے پاس اپنی سوت کو نہیں دیکھ سکتی ہے باہر ہمہ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج کے ساتھ ایسا عدل و انصاف قائم رکھا کہ وہ سب مطمئن رہیں اور اگر ان میں سے کسی کو اس کی شرارت فطری کی وجہ سے کوئی شکایت بھی پیدا ہوئی تو پیغمبر اسلام نے باحسن طریق اس کو مطمئن کر دیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ اتنی کسی مورخ نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج کے حقوق زوجیت سامان خورد و نوش و لباس یا تعلقات زوجیت میں خلاف عدالت کوئی امر جائزہ رکھا ہو۔ میری اس تحریر میں سووہ بنت زمعہ کا واقعہ گواہ ہے۔ جب غزوہ بدر میں سووہ زہرا رسول کا باپ زعمہ اور دو بھائی عقیل و عمارت قتل ہوئے اور سووہ ان کے غم میں نالہ و لہجہ کرنے لگیں تو پیغمبر اسلام نے اظہار ناراضگی فرمایا۔ اور کہا کہ اے سووہ تو کافروں کے قتل پر مسلمانوں کو برا کہتی ہے۔ اور خدا و رسول پر اظہار ناراضگی کرتی ہے۔ اس پر بھی سووہ نے اپنا رونا پینا اور بین و نوحہ کرنا بند نہ کیا تو پیغمبر اسلام نے سووہ کو طلاق دیدی اور اس سے کہا کہ تو اپنے خاندان میں چلی جا۔ اس کے بعد کے واقعہ کو صاحب ناسخ التواریخ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۱۹۔

آخر کار مدینہ کی عورتوں نے سووہ سے کہا کہ تم پیغمبر سے اجازت لیکر مکہ واپس چلی جاؤ سووہ نے کہا میں اپنے باپ پر دو طرح کی عار کو برداشت نہیں کر سکتی ہوں اول تو یہ کہ اس کے لہڑکوں کو قتل کر دیا۔ دوسرے یہ کہ اس کی لہڑکی کو گھر سے نکال دیا آخر ایک دن مکان عائشہ پہ آئیں وہاں میں یہاں تک کہ پیغمبر آگئے تو سووہ نے خود یوں بات شروع کی۔ یا رسول اللہ میں بوڑھی عورت ہوں۔ مجھ کو وہ حاجت باقی نہیں رہی جو عورت کو مرد سے ہوا کرتی ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ روز قیامت جب عورتوں کو جنت میں لے جائیں تو مجھ کو ان ازواج سے جدا نہ کریں اب آپ مجھ کو قبول کر لیں اور وہ رات جو میری باری کی رات ہے اس شب کو

باجملہ نہ مان مدینہ سووہ را گفتند از پیغمبر ستوری بخواہ و راہ مکہ در پیش گیر گفت دو عار بردار و اندام نخست آنکہ پسرانش را کشتند و دیگر دخترش را بیرون کردند و عاقبت روئے نجانہ عائشہ رفت و درآں جا بود تا پیغمبر بیاید و خود با آنحضرت سخن کرد و بپوش نمود و عرض کرد یا رسول اللہ من زینے پیرم و آن حاجت ندارم کہ زمان از مرداں دارند آن می خواهم کہ روز رستخیز چوں زمان را بہ بہشت بندم از میانہ جدا نہ نکنند اکنون مرا بپذیر و آن شب کہ نوبت من است نجانہ عائشہ باش تا از میان زمان عائشہ را دو نوبت باشد۔

سے جدا نہ کریں اب آپ مجھ کو قبول کر لیں اور وہ رات جو میری باری کی رات ہے اس شب کو

آپ مکان عائشہ پر بیٹے تاکہ آپ کی ازواج میں عائشہ کی دو باری ہو جائے۔
 واقعہ مذکور نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام ازواج کے معاملہ میں عدالت کے سختی سے پابند تھے اور اس
 پابندی کا یہ حال تھا کہ سودہ جو بڑھی عورت تھی اور اتنی بوڑھی کہ بقول خود اس کو تو ہمیشہ مرد باقی نہیں
 رہی تھی۔ نظر پیغمبر میں مستحق عدالت تھی۔ اور عائشہ کم سن ترین زوجہ تھیں۔ مگر نظر پیغمبر میں عائشہ و سودہ
 میں بلحاظ تعلقات جنسی مساوات کوئی فرق نہیں تھا۔ جب سودہ نے اپنی شب بھی عائشہ کو سپرد کر دی تو
 کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ عائشہ کی دو باری ہو جائے۔ اس سے قبل سودہ باوجود پرانہ سالی کے نظر پیغمبر اسلام
 میں اتنی ہی عزیز تھیں جتنی عائشہ اور دیکھا ازواج باوجود کم سنی و نوجوانی کے عزیز ہو سکتی تھیں۔ بادی النظر
 میں یہ معاملہ کم اہمیت رکھتا ہے اور قابل تذکرہ نہیں ہے۔ مگر یہ نظر قیام تو انہیں عدالت یہ معاملہ اہم نتائج
 کا حامل ہے اور پیغمبر اسلام کی عدالت و فضیلت کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

اب رہا معاملہ ازواج کی خورد نوش و لباس و مکان کا تو پیغمبر اسلام نے اپنی ہر زوجہ کو علیحدہ علیحدہ
 مکانات دیئے تھے۔ ان کے طعام و لباس کا انتظام مسادہ طریقہ پر کر دیا تھا۔ بعض ازواج نے چاہا
 تھا کہ ہم سردار قوم و حاکم دین و دنیا کی زوجہ کی حیثیت سے اعلیٰ معیار زندگی بسر کریں اور ٹیسا نشان
 و شوکت سے رہیں۔ جب پیغمبر اسلام کو ان کا یہ تقاضہ معلوم ہوا کہ تو آپ نے پہلے تو کچھ روزہ خاموشی و
 سکوت اختیار کیا۔ بعد کو ان کو قناعت و صبر کی تعلیم و تلقین کی اور جب دیکھا کہ وہ پھر سامان عیش کا
 تقاضہ کرتی ہیں۔ تو ان کو اجازت دیدی کہ ان میں سے جو پیغمبر اسلام کے ہم رنگی اور ہم معیشت ہو گورا یا
 کرے اور مثل پیغمبر اسلام سادہ زندگی بسر کرنا چاہے وہ پیغمبر اسلام کے ساتھ رہے۔ ان کے نکاح میں رہے
 اور جو عورت ان حالات پر قانع نہ رہے وہ طلاق لے لے (حوالہ جات باب عفت و معاملات ازواج
 میں ملاحظہ کیجئے) پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین مطابق عدالت تھا۔ کیونکہ

(۱) اگر آپ اپنی ازواج کو ٹیسا نہ طریقہ پر رکھتے تو یہ خلاف مزاج پیغمبر ہوتا اور لامحالہ پیغمبر اسلام
 کو بمقابلہ دیگر مسلمانوں کے زیادہ شان و شوکت سے رہنا پڑتا۔ پھر ان کا شمار بادیاں عادل و انبیاء قانع
 میں نہ ہوتا۔ بلکہ ان کے ہمسر اور ان کے بعد آئیوں نے آپ کو بھی مثل امراء و رؤساء و بادشاہوں کے
 ایک رئیس ایک امیر ایک بادشاہ سمجھتے۔ اس پردہ میں آپ کی ہدایت و تبلیغ دین کے نقوش، ٹیسا نہ،
 امیرانہ و بادشاہانہ زندگی کے اندر چھپ جاتے اور گویا اسلام کی بیخ کنی ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام
 کو جب دولت کثیرہ منجھ کی حاصل ہوئی تو آپ نے اس کو جلد از جلد غریب و مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ اور
 اس مال میں سے اتنا بھی باقی نہ رکھا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اور خدیجہ کی اکلوتی بیٹی اور اس کے بچے ناقول سے

بچ جاتے۔ ناظمہ چکی پینے سے بچ جاتیں، داماد رسول علی مزدوری و محنت کی کمائی کرنے کی مشقت سے بچ جاتے۔ پیغمبر اسلام راہ ہدایت و تبلیغ سے ہر اس سنگ راہ کو مٹانا چاہتے تھے۔ جو مقصد اصلی کے نمایاں ہونے میں رکاوٹ کا سبب بنتا تھا۔ یا بن سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام نے اپنی بعض ازواج کے تقاضائے دولت کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو بحالت غربت پیغمبر کا ساتھ دینا چاہے وہ رشتہ عقد نکاح میں رہے۔ اور جو امیرانہ زندگی کی طالب ہے۔ وہ پیغمبر سے طلاق لے لے۔ اور پیغمبر اسلام کا مقصد اصلی یعنی اشاعت توحید و نبوت اسی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام کا یہ طریقہ عین حکمت و عین عدالت تھا۔

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ پیغمبر اسلام اپنی ازواج کو تہدید کرتے اور حکم دیتے کہ بس خاموش رہو جو ہم کو میسر ہے اس کو کافی سمجھو اور اسی پر گذر کر دو۔ بحیثیت شوہر اور حقوق زوجہ کے پیغمبر اسلام اپنی ازواج کو ایسا حکم تو دے سکتے تھے اور یہ حکم خلاف اصول و تہذیب معاشرہ بھی نہ ہوتا۔ مگر درحقیقت خلاف عدالت ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام اس حکم سے گویا عورت کے تقاضائے فطرت کو دباتے اور اپنی حکمانہ طاقت سے اس کے جذبات کو روکنا چاہتے اور یہ سراسر ظلم تھا۔ اگر پیغمبر اسلام کی ایک زوجہ بعسرت و افلاس زندگی گزارنے کی عادی نہیں ہے یا اس کا پہلا شوہر مالدار شخص تھا۔ اور اس نے اس عورت کو سامان تعیش کا عادی بنا دیا تھا تو اس کو یہ عسرت و افلاس کی زندگی سخت کٹھن محسوس ہوگی۔ اور اس کا ایک ایک لمحہ قید و بند کا لمحہ ہوگا۔ اس کی زندگی اسیرانہ اور اس کی صحت برباد ہو جائے گی۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام کا اس عورت کو اپنے حصول مقصد کیلئے دہانا اور غربت کی زندگی پر مجبور کرنا۔ صریحی ظلم ہوتا لہذا آپ نے حکم اقتضاء عدالت ازواج سے کہہ دیا کہ جو چاہے وہ غربت پیغمبر میں پیغمبر کا ساتھ دے اور جو چاہے طلاق لے لے۔ یہ حکم مطابق قوانین عدالت و تحفظ حقوق انسانی ہے۔

واقعة بستان و نسیم، تقسیم غنائم | ۱۱، اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۴۱۹۔

انہیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن

عبدالطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ روساء نبی ہاشم سے نوشمال تھے۔ یہ ہر شخص کو معلوم تھا۔ ان سے فدیہ لینے کیلئے جب حضرت صلعم سے استفسار کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا کہ ان سے بیک بار چار فدیہ لے جائیں۔ ایک ان کا خاص دوسرا ان کے بیٹے عقیل ابن ابی طالب کا تیسرا ان کے دوسرے بیٹے نوفل بن عمارت بن عبدالطلب کا چوتھے ان کے حلیف غائبہ بن محمد کا۔

حضرت عباس اس حکم سے چپیں بچیں ہوئے اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھ سے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا

قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ اس وقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انہیں کے ساتھ
اسیر ہو کر آئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عباسؓ نے میرے پاس بولے میرے پاس اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیا تم اس
کو گوارا کر دو گے کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگ دستی کی موجودہ حالت میں ادائے فدیہ کیلئے دوسروں کے آگے دست
سوال پھیلائے۔

جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا۔ چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت اور کسی مقام میں نادار نہیں
کہے جاسکتے۔ ابھی تو آپ کے پاس ایک کثیر رقم اس طلا کی ہے جو آپ مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کی تحویل میں
یہ کہہ کر رکھوائی ہے کہ اگر آپ لڑائی سے نہ آئیں گے تو وہ ان کے اور ان کے بیٹوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ یہ سنتے
ہی حضرت عباسؓ کا چہرہ زرد ہو گیا اور اسی بیت و جلال کے عالم میں کہنے لگے ہر

”محمد خدا شاہد ہے کہ میرے اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں
تھا یہ تمہیں کس نے خبر کر دی یہ کہہ کر اسی جلال و سلطوت روحانی کی عین حالت میں حضرت عباسؓ نے اختیار پکارا
اشھد بان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔“

ان کے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکیہ کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آواز
سے سارا مدینہ گونج اٹھا۔

حضرت عباسؓ کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے ادائے فدیہ کے وقت
چالیس اوقیہ (بمقدار یک جو) طلا جو مسلمانوں نے ان کی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا
چاہا۔ مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت عباسؓ
سے کہا کہ وہ رقم خدا کی طرف سے غنیمت میں مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔ انصاف و حساب فدیہ میں محسوب
نہیں ہو سکتی۔ (طبری ص ۱۳۵)

تفسیر عبارات سابقہ - (۱) پیغمبر اسلام نے اس موقع پر بھی عا دلانہ و منصفانہ فیصلہ فرمایا۔
اول تو یہ ہے کہ عباسؓ ابن عبدالمطلب کو ان کے حلیف اور ان کے بھتیجوں کے فدیہ کا ذمہ دار بنایا۔ وہ جو اس
کی یہ بھتیجی کہ عباسؓ نے رگ و سردار خاندان تھے۔ انہی کے حکم کی تعمیل میں ان کے دونوں بھتیجے اور ان کا حلیف عقبہ
بن جراح آیا تھا ممکن ہے کہ جنگ بدر میں جانب کفار سے شامل ہی نہیں ہوتے چونکہ یہ ہر سہ افراد مطیع و منقاد و متبع
عباسؓ تھے۔ دوسرے بحیثیت مال کے وہ عزیز و نادار تھے۔ ان دونوں حالتوں میں ان ہر سہ افراد کا فدیہ عباسؓ
کے ذمہ لگا دینا ہی انصاف و عدالت تھا۔ اس صورت میں مجاہدین اسلام کا حق بھی حاصل ہوتا تھا اور نیز عقبہ
و عقیل و نوفل کا فدیہ بھی ادا ہو کر وہ آزاد ہو جاتے تھے۔

اگر پیغمبر اسلام عباس کو ان فدیوں کا ذمہ دار نہ بناتے تو وہ ہر سہا فرد مقتدر رہتے اور نہ معلوم مجرب
تو انہیں فوجی کس سزا کے مستوجب ہوتے۔ علاوہ پیغمبر اسلام کو عباس کی مالی حالت کا بھی علم تھا کہ وہ اپنے مال
سے ان سب فدیوں کو ادا کر سکتے تھے۔ ان تمام واقعات سے پیغمبر اسلام کا یہ فعل عدالت پر مبنی تھا۔

(۲) جب عباس ابن عبدالمطلب نے بحیثیت چچا ہونے کے و نیز عقیل و نوفل کے رشتہ بلوری ہونے
کے پیغمبر اسلام سے ایک رعایت طلب کی اور وہ یہ کہ اظہار کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لہذا ان فدیوں کو
معاف سمجھا جائے۔ تو پیغمبر اسلام نے عباس و نوفل و عقیل کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا جو تمام اسیران
بدر کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ یہ بھی عدالت پیغمبر اسلام ہی ہے۔ پھر جب عباس نے اس مال غنیمت کو
جو مجاہدین کا حصہ قرار پا چکا تھا۔ اپنے فدیہ میں محسوب کرنا چاہا تو آپ نے فرما دیا کہ وہ حق مجاہدین پر
وہ مال غنیمت ہے اس پر تم کو حق ملکیت باقی نہیں رہا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم بھی مطابق عدالت تھا۔ اگر اس
موقعہ پر پیغمبر اسلام رشتہ داری، خاندانی بزرگی کا خیال کر لیتے۔ اور ان سپاہیوں کو بغیر فدیہ آزاد
کر دیتے تو یہی دستور اسلامی بن جاتا۔ اور ہر مسلمان خلیفہ یا بادشاہ اسی طرح مجرمین و ملزمان کو رہا کر
دیا کرتا۔ پیغمبر اسلام نے اس خاص موقعہ پر عدالت قائم کر کے اعلیٰ نمونہ سیاست قائم کر دیا ہے۔

واقعہ سیام، عدالت | پیغمبر اسلام قبل بعثت اموال تجارت خدیجہ کو لیکر ملک شام کی جانب
روانہ ہونے والے تھے۔ خدیجہ نے اپنے مخصوص و معتمد غلام میسر

کو آپ کے ہمراہ کر دیا تھا۔ جس وقت مال تجارت کو اونٹوں پر بار کرنے کا ارادہ کیا اور ملازمین و
حمل خدیجہ اونٹوں پر بار کرنے لگے۔ اس وقت عرب کی تیز دھوپ تھی۔ سخت گرمی تھی بار کرنے والی
والی جماعت اور مزدور سامان تجارت کو اونٹوں پر بار کرنے سے عاجز آگئے۔ اور کام میں سستی کرنے
لگے۔ تو پیغمبر اسلام نے مزدوروں سے پوچھا کہ کام میں کیوں سستی کرتے ہو۔ سب نے عرض کیا۔ بزبان
صاحب حیات القلوب سنئے :-

حیات القلوب جلد دوم ص ۱۰ :-
چوں حضرت دید کہ اموال خدیجہ در زمین
ماندہ است و ہنوز بار نہ شدہ است
باغلاماں خطاب نمود کہ ہم بار بار بارشتران
نہ بستہ اید۔ گفتند اسے سید عالم عدو ما
کم است و مال بسیار بس آں معدن

جب پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ تمام قافلہ کے
لوگوں نے اپنا اپنا سامان اونٹوں پر بار
کر لیا ہے اور خدیجہ کا مال تجارت زمین
پر پڑا ہے۔ تو آپ نے غلاموں سے پوچھا
کہ کیوں سامان کو اونٹوں پر بار نہیں کرتے
ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری تعداد کم ہے

فتوت و کرم برایشال رحم نمودہ پا از راحلہ
گردانید و فرود آمد دامن بر کمز و شترال
را بنزدیم پارمی کشید و بقوت ید الہی بیک
طرفۃ العین بار بر شترے محکم می بست
اور تھوڑی سی مدت میں کل سامان اونٹوں پر بار کر دیا۔

اور سامان بہت زیادہ ہے۔ بس پیغمبر
اسلام نے ان پر رحم فرمایا اور اپنے داموں
کو گردانا کرکس کر سواری سے نیچے اتارے
اور اونٹوں پر سامان بار کرنا شروع کیا

واقعہ مذکور نے واضح کر دیا کہ ابتدائے عمر سے پیغمبر اسلام میں ہمدردی اور عدالت کا جذبہ موجود
تھا۔ جس وقت آپ نے یہ سفر کیا ہے اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ اور اس پر آپ نے غلامان
خدیجہ کے ساتھ یہ عادلانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ اور ان کے حقوق انسانی پر نظر لطف و کرم کرتے ہوئے
ان کے مشکل کام کو خود پورا کر دیا۔ اور اپنے اس طریقہ سے واضح کر دیا کہ سردار قافلہ اور مزدور و جمال
و غلام بلحاظ حقوق انسانی مساوات رکھتے ہیں۔ اور مشقت و محنت کے کاموں میں ایک کو دوسرے کے
ساتھ تعاون کرنا انسانی فریضہ ہے۔ اور یہی عین عدالت بین الناس ہے۔

واقعہ سی و دوم، عدالت، فاطمہ

واقعہ مذکور سے زیادہ قابل ذکر وہ واقعہ ہے
کہ جب ایک دن پیغمبر اسلام خانہ جناب فاطمہ
میں تشریف لائے دیکھا بیٹی جس کی عمر تقریباً ۱۲ سال تھی چکی پیس رہی ہے۔ اور ایک سخت کپڑے
کی مثل ٹاٹ جس سے اونٹوں کی جھول بناتے ہیں پہنے ہوئے ہیں۔ آپ نے جب بیانی بیٹی کو اس تکلیف
میں دیکھا۔ تو آپ مصیبت فاطمہ پر با اقتضاء محبت پدری و رحم پیغمبری رونے لگے۔ اور فاطمہ سے فرمایا۔
اے فاطمہ تلخی دنیا را اختیار کن ہر اے نفع ابدی آخرت۔ (حیات الطوبی)
اے فاطمہ دنیا کی مصیبت کو برداشت کر تاکہ آخرت کی ابدی نعمت حاصل ہوں۔

اس واقعہ سے پہلا واقعہ تو ایسا واقعہ تھا جس میں پیغمبر اسلام کو خدیجہ کے غلاموں پر رحم آیا تھا۔ اور
آپ نے ان کی خدمات کو اپنے ذمہ لیکر اونٹوں پر سامان بار کر دیا تھا۔ مگر اس واقعہ میں معاملہ اس سے زیادہ
اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ آپ کی اکلوتی کمسن شادی شدہ بیٹی کا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ فاطمہ سخت کپڑے
لباس پہنے ہیں۔ چکی چلا رہی ہیں۔ تقاضائے محبت پدری تو یہ ہونا چاہئے تھا۔ کہ فاطمہ کو چند کنیزیں عطا ہو جائیں
اور چند غلام دیدیئے جاتے۔ کیونکہ فاطمہ سپہ سالار اسلام کی زوجہ اور حاکم دین و دنیا پیغمبر اسلام کی بیٹی تھیں
مگر پیغمبر اسلام کی نگاہ قوانین عدالت پر تھی۔ آپ کے دل میں جذبہ تحفظ حقوق انسانی موجود تھا۔ لہذا آپ
نے نہیں چاہا کہ اپنی بیٹی اور دیگر مسلمانوں کی عورتوں اور بیٹیوں میں شان امتیاز باقی رہے۔ آپ نے اپنے

اس انداز عدالت سے ثابت کر دیا کہ مساوات و عدالت بین الناس کا قائم رکھنا ہی انسان کامل ہونے کا ثبوت ہے۔

واقعہ سی و چہارم، عدالت، فاطمہ و سوال خادمہ

صحیح بخاری ج ۲۲ باب نفقہ

(۱) قال سمعت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ یحدث عن علی ابن ابی طالب ان فاطمة رضی اللہ عنہا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکلت له فاعاد ما قال الا انک ما هو اخیر لک منه تسبحین اللہ عند منامک ثلاثاً وثلاثین و تحمدین اللہ ثلاثاً وثلاثین و تکبیرین اللہ اربعاً و ثلاثین ثم قال سفیان احکمین اولیج و ثلاثون فما ترکک بعد قیل و لا لیلة صفین و لا لیلة صفین۔

بروایت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ بزبان علی ابن ابی طالب بیان کیا گیا ہے کہ علی نے فرمایا کہ ایک بار فاطمہ خدمت رسول میں آئیں اور ایک خادمہ کیلئے سوال کیا۔ رسول نے فرمایا کہ اسے فاطمہ میں خادمہ سے بہتر چیز بتاؤں۔ سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ سفیان نے کہا کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ سفیان نے کہا کہ اس نے کہا اس کے بعد کبھی اس وظیفہ کو میں نے ترک نہ کیا۔ کسی نے کہا سفین کی لڑائی میں بھی کہاں سفین کی لڑائی میں بھی۔

(۲) صحیح بخاری مترجمہ مرزا حیرت دہلوی باب نفقہ پارہ ۲۲ :-

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ فاطمہ بنی صلعم کے پاس شکایت کرنے آئیں کہ چکی غزو سے ماتھوں میں نشان پڑ گئے تھے اور فاطمہ کو خبر تھی کہ حضرت کے پاس لونڈیاں آتی تھیں۔ حضرت فاطمہ شریف لائیں۔ اور حضرت کو گھر نہ پایا۔ تو عائشہ سے یہ قصہ بیان کیا۔ جب رسول خدا آئے تو عائشہ نے ان سے یہ بیان کر دیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ہمارے گھر شریف لائے اور ہم سو گئے تھے۔ آپ کے آنے سے ہم نے اٹھنا چاہا۔ فرمایا بیٹھے رہو اور آپ ہمارے پیچ میں آ بیٹھے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیروں کی ٹھنڈک میرے پیٹ میں معلوم ہوئی۔ پھر فرماتے لگے۔ کیا تمہیں تمہارے سوال سے بہتر نہ بتاؤں۔ جب تم سونے کو اپنے بستر میں جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ تمہارے

لئے خادم مقرر کرنے سے یہ بت بہتر ہے۔

سطور بالا میں دو اسماؤں کی تاریخی تحریر کی گئیں ان سے ظاہر ہوا کہ فاطمہ بنت پیغمبر نے کام کی نیا دنی چلکی پینے کی محنت بچوں کی پرورش و تربیت کی وجہ سے اپنی پروردگار کو اور پیغمبر اسلام سے ایک کینیز طلب کی۔ مگر پیغمبر نے خادمہ کے عوض فاطمہ کو تیسع کی تعلیم دی اور کینیز عطا فرمائی۔ ایسا آخر کیوں کیا۔ صرف اسلئے کہ پیغمبر اسلام رسم کینیزی و غلامی کو دنیا سے مٹانا چاہتے تھے۔ اپنے طرز زندگی اور احکامات سے ایسی صورتیں امت کے سامنے لانا چاہتے تھے کہ وہ خود بخوشی رسم کینیزی و غلامی کو ترک کر دیں۔ ان عملات میں اگر وہ فرمائش فاطمہ پر کینیز عطا فرمادیتے تو گویا آپ کا یہ فعل خود موید کینیزی و غلامی ہو جاتا۔ اسلئے آپ نے فاطمہ کو تیسع کی تعلیم دی۔ اور اپنے اس فعل سے ظاہر فرمایا کہ کسی انسان کو پہلے وہ کسی حیثیت و مرتبہ کا انسان ہو۔ پہلے وہ پیغمبر ہو یا پیغمبر کی اکلوتی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے انسان کو اپنا زبردست غلام یا کینیز بنا لے۔ چونکہ کسی انسان کو کینیز یا غلام بنا لینا۔ اس کو اس کے درجہ نوعی سے پست کرنا تھا۔ اور یہ خلاف مساوات و عدالت تھا۔

لہذا پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو کینیز عطا نہ کی۔ اب رہا یہ معاملہ کہ آپ نے صاف الفاظ میں فاطمہ کو منع بھی نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر پیغمبر اسلام انکار فرمادیتے تو رد سوال ہوتا۔ بوشان کریمی و نبوت کے خلاف تھا۔ علاوہ یہ کہ مال غنیمت میں کینیز آتی تھیں اور اصحاب پر وہ تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ تو فاطمہ کے شوہر تو اکثر غزوات و سرایا میں خدمت علمداری پر مامور رہتے تھے۔ لہذا بدبہ اولی وہ اور ان کی زوجہ فاطمہ کینیزیں ویسے جانے کی مستحق تھیں۔ اگر اس صورت میں پیغمبر اسلام فاطمہ کو صاف جواب دیدیتے تو بھی قانون عدالت کے منافی ہوتا۔ کیونکہ دیگر اصحاب و شرکائے غزوات کو تو غلام اور کینیز عطا ہوں اور فاطمہ کو باوجود استحقاق اعلیٰ کینیز نہ دی جائے۔ اور فرمائش پر بھی انکار کر دیا جائے یہ صورت بھی عدالت کے خلاف ہوتی۔ لہذا پیغمبر اسلام نے فاطمہ سے کھلے الفاظ میں انکار بھی نہ کیا۔

علاوہ ازیں پیغمبر اسلام اصول و قوانین تہذیب و معاشرہ کی عالمگیر اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ وہ معاشرہ انسانی سے ہر اس صورت کو محو کر دیں۔ جو خلاف مساوات و عدالت ہو رسم کینیزی و رسم غلامی۔ جو اس وقت اس زور و شور سے لایج تھی۔ کہ عورتیں، لڑکیاں، مرد و مرزا فروخت کئے جاتے تھے۔ اور بحالت غلامی و کینیزی سخت ترین تکالیف و مصائب برداشت کرتے تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے چاہا کہ انسانی معاشرہ کو اس گندگی سے صاف کر کے مساوات و عدالت کے اصول کو قائم کر دیا جائے۔ اور جو پیغمبر اسلام نے چاہا تھا۔ وہی ہو کر رہا۔ اور رفتہ رفتہ یہ رسم غلامی و کینیزی

د فر و خشی افراد ختم ہوتی چلی گئی ۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنی اہلوتی بیٹی کو بھی ایک کینز دیدی تھی۔ آخر آپ نے مذکورہ بالا وجوہ کے بعد بھی ایک کینز بھصہ فاطمہ بہہ کر دی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ان حالات کے سمجھنے کیلئے تاریخی عبارات کا بہہ کینز کے بارہ میں مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو :-

۱) ناسخ التواریخ جلد چہارم کتاب دوم ص ۳۳ :-

در صحیحین مرقوم است کہ ان علیا اشتکی
مما انذی بالقریب فقالت فاطمة واللہ
انی اشتکی یدی مما اطحن بالرحی

یعنی علی علیہ السلام شکایت کرد کہ چنداں حمل
مشک نمودہ ام کہ بدن مرا بی زرد و پوست

مرا پر آگندہ است و فاطمہ شکایت فرمود
کہ دستہائے من از زحمت گردانیدن

آسیا از کار شدہ است۔ چوں دریں وقت
در حضرت رسول خدا گردے از اسیران

حاضر بودند۔ امیر المؤمنین علیہ فاطمہ را
فرمود بنزدیک پدہ شود خدمتگاریے طلب

کن لا جرم فاطمہ بحضرت رسول آمد و سلام
داد و جواب بستد و لی آنکہ انہما رہا

کندمرا حجت فرمود۔ امیر المؤمنین علی
فرمود بگو تا چہ داری فقالت واللہ

ما استطعت ان اکلم رسول
اللہ من ہیتہ عرض کرد سو گند

نخدا از بیست رسول خدا نیر وے سخن
کردن نیافتم این وقت علی فاطمہ را برداشت

و بحضرت رسول آمد پیغمبر فرمود ہمانا حاجت

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں لکھا ہے۔ کہ علی

نے شکایت کی کہ مشک اٹھاتے اٹھاتے میری

عہدہ شگافہ ہو گئی ہے۔ فاطمہ نے کہا قسم بخدا

میں شکایت کرتی ہوں کہ چکی پیستے پیستے میرے

ناخن بیکار ہو گئے ہیں۔ جبکہ پیغمبر اسلام کے

ساتھ ایک جماعت قید یوں کی موجود

تھی۔ تو علی نے فاطمہ سے کہا کہ تم اپنے باپ

کی خدمت میں جاؤ اور ایک خدمتگار طلب

کرو۔ فاطمہ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر

ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ پیغمبر اسلام نے

جواب سلام دیا۔ پھر فاطمہ نے اپنی حاجت

کے بیان کئے واپس آگئیں۔

علی نے فاطمہ سے کہا کہ کیا چاہتی

ہو۔ فاطمہ نے عرض کیا کہ قسم بخدا میں جب

خدمت پدہ رگوار میں حاضر ہوئی تو رب

پدہ سے میں کچھ عرض نہ کر سکی۔ علی نے اس

وقت فاطمہ کو ہمراہ لیا اور خدمت پیغمبر

اسلام میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر اسلام نے

فرمایا کہ تم کو اس وقت کیا حاجت ہے

علی نے عرض کیا اور تمام واقعہ فاطمہ کے

شمارا بدیں جانب بنش میرا مومنین
 علی صورت حال را بشرح کرد فقال
 لا وکنی ابیعهم والفق اثمانهم علی
 اهل الصنفه وعلیها تسبیع الزهرا
 پیغمبر فرمود از جماعت اسیران فاطمہ را
 خدمت گارے مئی و ہم والیشاں را می فروم
 وہہائے ایشاں را با صحاب صیفہ بدل می
 فرمایم و در زمانے آن فاطمہ را تسبیح نہ ہرا
 بیاموخت و در کتاب شیرازی مسطور است
 وقتے کہ فاطمہ شرح حال خویش را در
 حضرت رسول خدا لبرض رسانید و جاری
 طلب نمود آنحضرت بگفت - فقال
 یا فاطمہ والذی بعثنی بالحق ان فی
 المسجد اربع صائتہ رجل مالکم
 طعام ولا ثیاب و لو لا خشیتی
 نصلتہ لا عطیتک ما سألک
 یا فاطمہ انی لا ادیب ان ینفک عنک
 اجرک الی باریۃ و انی اعاف لا عطیتک
 ان ینخصک علی ابن ابی طالب یوم
 القیامہ بین ید اللہ عزوجل اذا
 طلب حقہ عنک ثم علمہا صلوة
 التسبیح

جب فاطمہ را جماعت فرمود فقال میرا مومنین
 علی مرضیت ترمیدین من رسول اللہ الدنیا
 فاعطانا اللہ ثواب الآخرة - ابوہریرہ

آنے کا بیان کیا پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں
 کنیز تو نہیں دوں گا۔ بلکہ ان اسیروں کو
 فروخت کر دوں گا اور ان کی قیمت کو اہل
 صفہ (غریب مسلمان جو مسجد میں رہتے ہیں)
 پر تقسیم کر دوں گا اور جو من کنیز دینے کے پیغمبر
 اسلام نے فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی۔
 کتاب شیرازی میں مرقوم ہے کہ جب فاطمہ
 نسائی در خواست خدمت رسول میں پیش کی
 اور ایک کنیز طلب کی اس وقت پیغمبر اسلام
 رونے لگے اور فرمایا اے فاطمہ قسم اس خدا
 اقدس کی جس نے مجھ کو برحق نبی بنایا ہے۔
 کہ مسیحی میں پارسو مسلمان ایسے رہتے ہیں کہ
 جنکو نہ کھانا نصیب ہے اور نہ کپڑا میسر ہے
 اور اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا۔ تو میں تمہارے
 سوال کو پورا کر دیتا۔ اے فاطمہ میں نہیں
 چاہتا کہ تمہارے اجر و ثواب کو کنیز کی طرف
 منتقل کر دوں۔ اور تم کو اس سے محروم رکھوں
 مجھ کو خوف ہے کہ اگر میں نے تم کو کنیز دیدی
 تو علی ابن ابی طالب روز قیامت پیش خدا
 تم سے اپنا حق طلب کریں گے۔ پھر آپ نے
 فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی۔

جب فاطمہ خدمت رسول سے واپس
 ہوئیں۔ تو علی نے فاطمہ سے کہا۔ اے فاطمہ
 تم خدمت رسول میں دنیا کی ایک چیز طلب
 کرنے لگی تھیں۔ مگر رسول خدا نے تمکو ثواب

آخرت عطا فرمایا۔ ابوہریرہ نے کہا ہے کہ
جب فاطمہ زہرا خدمت رسول سے واپس
آگئیں تو خداوند عالم نے اپنے رسول پر
یہ آیت نازل فرمائی۔ **و اما تعرض عنہم البتغا
البتغا و رحمة من ربك ترجوہا فقل
میسورا۔** یعنی اے محمد رحمت و رزق
طلب کرنے کے بارہ میں تم اپنے قرابت
داروں فاطمہ سے اعراض نہ کرو تم ان
کے ساتھ نرم قول کہو۔ آخر کار اس آیت
کے نزول کے بعد پیغمبر اسلام نے ایک کنیز
فضہ نام کی فاطمہ کو عطا فرمائی۔

پس میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے لوگوں
نے کہا کہ فاطمہ کی کنیز ہے۔ اب بیس سال
ہو چکے ہیں کہ علاوہ آیات قرآن کے دوسرے
کلام زبان سے نہیں نکلا۔

بناب سلمان کسی ضرورت سے خانہ فاطمہ میں آئے۔ دیکھا کہ سیدہ فاطمہ جو چکی پیس رہی ہیں پیسے کی سخت
بے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں۔ چکی کی کھونٹی خون آلود ہو رہی ہے۔ قریب ایک گوشہ میں امام
حسین بھوک کی شدت سے رو رہے ہیں۔ سلمان کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں بے قرار ہو گیا اور میں نے فاطمہ
کی خدمت میں عرض کی کہ فضہ کے ہوتے آپ اتنی مشقت اپنی جان پر کیوں اٹھاتی ہیں۔ اور یہ خدمت فضہ
سے کیوں نہیں لیتیں۔ فاطمہ نے فرمایا۔ اے سلمان فضہ کو دیتے وقت میرے پردہ بندر گوارا نہ مجھ پر تاکید فرما
دی ہے کہ ایک دن گھر کا کام کاج میں کیا کروں۔ اور ایک دن فضہ۔ اس حساب سے آج میری بارگاہ
کا دن ہے فضہ کا نہیں۔ اس لئے میں فضہ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی ہوں۔ سلمان کا بیان ہے کہ میں
یہ سن کر بے اختیار رونے لگا۔ اور میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کا آرزو کردہ غلام ہوں۔ مجھے حکم دیکھو
کہ حسین کو پہلا لوں۔ یا چکی پیس دوں۔ ارشاد ہوا کہ حسین میرے بغیر نہ پہلے گا۔ میں اسے پہلا
بیتا ہوں۔ تم اتنے میں تو پیس دو۔ سلمان نے حکم کی تعمیل کر دی۔

مجاوید وقتے بیرون شد فاطمہ زہرا از
نزول رسول خدا این آیت مبارکہ بر او
فرود آمد۔ **و اما تعرض عنہم البتغا
رحمت من ربك ترجوہا فقل
لہم قولاً میسورا۔** یعنی اے محمد در
طلب رزق و رحمت خدا از قرابت و
فرزندہی فاطمہ اعراض نہ فرمائی پس
با ایشا سخن نیکو می فرمائی۔ بالحمہ بعد
از نزول این آیت مبارکہ رسول خدا کنیز کے
کہ فضہ نام داشت نبرد فاطمہ فرستاد۔
۲ ناسخ جلد چہارم ص ۳۴۵۔

پس پرسیدم کہ کیست این زن گفتہ فضہ
کنیز فاطمہ است اکنون بست سال است
کہ بیرون قرآن سخن نہ کردہ است۔
(۳) جلاء العمیون ص ۱۲۱۔

نتیجہ خلاصہ عبارات - مذکورہ تاریخی حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ -

- (۱) علی و فاطمہ آب کشی دیکھنے کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے۔
- (۲) فاطمہ بمشورہ شوہر خدمت رسول میں گئیں اور ایک کنیز طلب کی اور اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔
- (۳) پیغمبر اسلام کے سامنے اسیروں کی ایک جماعت تقسیم کیلئے موجود تھی۔
- (۴) پیغمبر اسلام نے علی اور فاطمہ کو کنیز دینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ اہل صفہ غریب نادار ہیں۔ ان قیدیوں کا فدیہ و معاوضہ ان میں تقسیم کروں گا۔
- (۵) پیغمبر اسلام مصیبت و تکلیف علی و زہرا کو سن کر روئے اور آپ نے ان کی تکلیف کا پورا احساس کیا۔

(۶) جب حکم خدا پیغمبر اسلام کو ملا۔ کہ فاطمہ کو بحیثیت قرابت داری کے محروم نہ کیا جائے تو پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو فسخہ کنیز عطا کر دی۔

- (۷) بقول صاحب جلاء العیون - پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو حکم دیا کہ وہ فسخہ سے ایک دن کام لیں اور دوسرے روز خود کام کیا کریں۔ دونوں میں باری باری گھر کے کام کو تقسیم کر دیا۔
- (۸) باوجود سخت محنت کے اور جبکہ فاطمہ کے ہاتھوں سے چکی پیتے پیتے خون نکلنے لگتا تھا۔ فاطمہ تحمل حکم پیغمبر کرتی تھیں اور فسخہ کو ایک دن آرام دیتی تھیں اور خود کام کرتی تھیں۔

مذکورہ صفحات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے عدالت و مساوات کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جو تاریخ عالم میں اپنی آپ ہی مثال ہے۔ صفحات تاریخ کسی صاحب اقتدار و صاحب جاہ و حشم کی اکلوتی لڑکی کے یہ حالات پیش نہیں کر سکتے ہیں۔

اب آپ اس کی گہرائیوں پر نظر ڈالیں۔ اگر پیغمبر اسلام فاطمہ اور علی کو ان کے حصہ کی کنیزیں اور غلام عطا کر دیا کرتے۔ تو پھر فاطمہ کو سوال کنیز کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام اپنے نفس اور اپنی اولاد کیلئے ہر قسم کی تکلیف اٹھانے کو اپنا فریضہ منجسی سمجھتے تھے۔ اور اس مال کو غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دینا ہی ان کی مساوات کا مترادف سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ ہر موقعہ و ہر غزوه پر کنیز و غلام سے اپنے کو اور اپنے عیال کو محروم رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام ہر قسم کی کنیزی و غلامی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور نہ اس کا رواج آئندہ کیلئے چاہتے تھے۔ لہذا بکثرت قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اور اصحاب کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ کنیز و غلاموں کو آزاد کر دیا کریں۔ یہی وجہ تو تھی کہ انہوں نے فاطمہ سے انکار کر دیا کہ وہ کنیزیں نہیں دیں گے۔ بلکہ اس کے عوض فاطمہ کو بیس زہرا سکھادی۔

تیسرا معاملہ یہ ہے کہ حکم قرآن و حکم خدا پیغمبر اسلام کا اولین فریضہ تھا کہ بحیثیت عہدہ جلیلہ نبوت
تعمیل ارشاد و خدا بدرجہ اتم بجلائیں۔ لہذا آپ نے فاطمہ کو فضہ عطا کر دی۔ مگر اس عطیہ میں بھی آپ نے
انسانی مساوات و عدالت کا کامل لحاظ و پاس رکھا۔ اور فاطمہ سے کہہ دیا کہ فضہ تم کو دی تو جانی ہے
مگر بیٹی اگر تم محمد کی اکلوتی و چاہتی بیٹی ہو تو بیشک اپنی جگہ درست ہے۔ مگر فضہ بھی محمد کو اتنی ہی عزیز
ہے۔ کیونکہ بلحاظ نوع بشری و بلحاظ قبول ایمان اس کے حقوق بھی محمد پر ہیں۔ لہذا گھر کی خدمات کی
تقسیم اس طرح کر دو کہ ایک دن گھر کا سارا کام تم خود کرو۔ اور ایک روز فضہ کرے گی۔۔۔

پیغمبر اسلام نے اپنے اس قول اور اس طریقہ سے اہل عالم پر ظاہر کر دیا ہے کہ محمد و آل محمد ہر فرد انسانی
کو مساوی و ہم درجہ و ہم مرتبہ جانتے ہیں۔ اگر فضہ کسی دوسرے کے حصہ میں جاتی۔ تو کنیز بن کر رہتی مگر
جب وہ اہل بیت محمد کے گھر میں آگئی تو اس کا درجہ بلحاظ نوع انسان بلند ہوا کہ وہ پیغمبر اسلام کی بیٹی کی
شریک کار ہو گئی اور نگاہ پیغمبر اسلام میں اس کی تکلیف و محنت خانہ داری اتنی ہی اہم ہو گئی جتنی کہ فاطمہ کی خدمات
خانہ داری اہم تھیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ سے فاطمہ کو کنیز عطا کر کے اہل عالم کو عموماً و اہل اسلام
کو خصوصاً یہ درس دیا ہے کہ وہ کسی انسان حتیٰ کہ غلام و کنیز پر بھی نگاہ حقارت نہ ڈالیں۔ بلکہ ان کو بھی
اپنا مثل و نظیر و ہم مرتبہ سمجھیں۔ یہ بھی وہ عدالت پیغمبر اسلام جس پر عمل کرنے سے فلاح داری حاصل
ہو سکتی ہے۔

واقعہ سی و پنجم عدالت و مکافات

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶

(۱) بسند معتبر امام جعفر صادق سے روایت ہے

کہ ایک بار ایک سائل خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کوئی چیز مانگی۔ اس وقت پیغمبر اسلام
کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آیا کوئی آدمی ہے جو مجھ کو قرض دے
انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس سے کہا کہ چار و سق نہ
اس سائل کو دیدو۔ اس انصاری نے چار و سق خرما اس سائل کو دیدیا۔

اس واقعہ کو بہت دن گزر گئے۔ ایک دن وہ انصاری آیا اور اس نے اپنا قرضہ پیغمبر اسلام سے
طلب کیا۔ پیغمبر اسلام نے کہا کہ جب مجھ کو ملے گا تو میں ادا کروں گا۔ وہ کچھ دنوں کے بعد پھر آیا
پھر اس نے قرض طلب کیا۔ پھر یہی جواب ملا۔ وہ تیسری بار آیا اور کہا کہ اے خدا کے رسول آپ
ہر مرتبہ ہی فرما دیتے ہیں میرا قرضہ مجھ کو نہیں دیتے۔ بات ناملائم اور خلاف شان تھی مگر پیغمبر اسلام
اس کے اس کلام کو سن کر مسکرائے اور آپ نے پھر اصحاب کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ آیا کوئی ہے جو

قرض دے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کتنا ہے۔ اس نے عرض کیا جتنا آپ چاہیں آپ نے فرمایا کہ آٹھ وسق خرما اس مرد انصاری کو دیدو۔ اس انصاری نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول میں نے صرف چارہ وسق خرما دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے چارہ وسق مزید تجھ کو بخشا قبول کر۔

(۲) امام جعفر صادق نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ جب پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو آپ کے پاس نہ درم اور نہ دینار تھے نہ غلام نہ کنیزیں۔ نہ بکری تھی نہ اونٹ بجز سواری کے اونٹ کے جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی جس کے عوض میں آپ نے اپنے اہل و عیال کیلئے بیس صاع بونٹے تھے۔ اور امام صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام عہد نبی میں فقراء مسجد میں سوتے تھے تو پیغمبر اسلام شبکوان کے ساتھ افطار کرتے اور آپ کے نمبر کے قریب ایک پتھر کی دیگ تھی جس میں افراد اس سے سیر بوجاتے تھے۔

انتساب نساخ - مذکورہ دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام کا ہر عمل عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ مرد انصاری کو ۸ وسق خرما کے عوض آٹھ وسق خرما عطا فرمایا۔ عدل تو یہ تھا کہ اس کے قرضہ کے مطابق درم تعداد ہی ادا کیے قرض کیا جاتا۔ مگر آپ نے بہ تفضل و کرم چارہ وسق مزید دیکر اعلیٰ مسادات و عدالت برتی و نیز دوسری روایت سے واضح ہوا کہ آپ بوجہ ایشیا و کرم کے بحالت عزت زندگی بسر کرتے تھے مگر باوجود اس تنگدستی کے کسی خاص و عام اپنے بیگانہ کے سوال کو رد نہ فرماتے تھے۔ اور مسادات و عدالت کا یہ حال تھا کہ آپ غریب امت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ تاکہ نفوق و برتری کا خیال خواص و عوام امت کے دل سے مٹ جائے اور ایک کو دوسرا اپنا ہم مرتبہ و درجہ و بھد و سمجھتا رہے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اناس علی و بن ملوک ہم۔ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین و طریقہ کے پیرو ہوا کرتے ہیں۔ لہذا پیغمبر اسلام بلحاظ سردار قوم و قائد ملت ہونے کے غریب امت کے ساتھ نہ بین پر سمجھ کر کھانا کھاتے تھے۔ تاکہ عدالت و مسادات بین الناس کا روح عام بوجائے۔

واقعی و ششم. عدالت و حسن شرکت

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۸

(۱) اسلام کی بعثت سے قبل میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور پیغمبر اسلام بھی بکریاں چراتے تھے۔ عمار یا سر نے عرض کیا مقام فح میں اچھی چراگاہ ہے۔ بہت اچھا ہو کہ ہم اور آپ دونوں اس چراگاہ میں بکریاں چرائیں دوسرے روز میں اس چراگاہ میں گیا۔ دیکھا تو پیغمبر اسلام پہلے سے وہاں موجود ہیں اور آپ اپنی بکریوں

کے غلہ کو اس چراگاہ میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں۔ بہر حال جب میں پہنچ گیا تو فرمایا اسے عمار میں نے نہیں چاہا کہ تمہاری بکریوں سے پہلے میری بکریاں چراگاہ میں داخل ہوں اور چارہ کھائیں۔
 (۳) امام صادق نے فرمایا کہ ایک ایک بدریہ عورت پیغمبر اسلام کی طرف سے گزری۔ اس نے دیکھا کہ محمد صلعم زمین پر بیٹھے کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ گفت اے رسول اللہ تو بروش بندگان طعام می خوری و بروش بندگان می نشینی آنحضرت فرمود کہ کدام بندہ از من بندہ ترست۔ یعنی اس عورت نے کہا کہ اے خدا کے رسول آپ غلاموں کی مانند زمین پر بیٹھے ہیں اور زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ کونسا بندہ مجھ سے زیادہ تر بندہ ہے۔

واقعات مذکورہ نے واضح کیا کہ پیغمبر اسلام از عہد طفلی و جوانی تا عہد پیرانہ سالی و تا آخر وقت تو ان عدالت و مساوات پر عمل کرتے رہے۔ آپ کا اعلیٰ و ادنیٰ کوئی فعل بھی خلاف عدالت نہیں ہوتا تھا
 حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۱

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام اپنے اصحاب پر مساویانہ نظر کرتے تھے۔ اور ایک صحابی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک نہیں دیکھتے تھے۔

درحقیقت پیغمبر اسلام ہی وہ اعلیٰ معلم اخلاق کہے جاسکتے ہیں جن کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ مال و دولت وغیرہ تو درکنار صرف معاملہ نظر بھی پیغمبر اسلام کے نزدیک اہم تھا کہ آپ اپنی نظر ہی بطریق عادلانہ دوسروں پر ڈالتے تھے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ کسی کو کسی پر تخصیص حاصل نہ ہو۔ اور طبقات یا افراد بنی نوع انسانی میں تفریق پیدا نہ ہو۔ اور سب مساوی الحیثیت سمجھے جائیں اور ایک دوسرے کو مساوی سمجھیں۔
 حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۵

امام جعفر نے فرمایا کہ کچھ مال پیغمبر اسلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اہل صفہ کو تقسیم کیا۔ ان میں سے بعض کو

ملا اور بعض کو نہ مل سکا۔ پس آپ کو احساس ہوا کہ جن کو مال نہیں ملا ہے وہ تنگ دل و افسردہ خاطر ہوں گے تو آپ نے باہر آکر فرمایا۔ اے اہل صفہ عذر می خواہم بسوئے شما و بسوئے خدا بدستیکہ مال برائے ما آورده و خواستیم کہ بر شما قسمت کنم گنجائش نہ داشت۔ پس مخصوص کر دیم باں جمع را کہ از جنس ایشان ترسیم از بسیار پریشانی۔

یعنی اے اہل صفہ میں تم سے و خدا سے معذرت چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے لئے کچھ سامان لایا گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ تم سب پر تقسیم کر دیا جائے۔ مگر اس میں گنجائش نہ تھی۔ لہذا میں نے صرف ان لوگوں کو دیدیا جو زیادہ

پریشان تھے۔ اور خوف تھا کہ ان کی پریشانی ان کو آہ و بکا پر آمادہ کر دے۔

مگر پیغمبر اسلام نے مستحقین کو اپنا مال دیدیا تھا۔ تو عذر خواہی کی کیا ضرورت تھی۔ مگر فطری اقتضاء عدالت یہ ہوا کہ آپ اہل صفہ و خد سے معذرت پتاپیں۔ تاکہ حق کو مال کا حصہ نہیں ملا تھا وہ تنگ دل نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے تقسیم ملل میں عدالت برقی خاص مستحقین کو دیا۔ اور یہ بھی آپ کی عدالت تھی کہ دیگر اصحاب صفہ کی دلجوئی معذرت سے کر دی۔

واقعہ سی و ہشتم، عدالت، شفقت

حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ ترجمہ

(۱) پیغمبر اسلام عبید الصغری کے دن دو گو سفند قربانی

کرتے تھے ایک اپنی جانب سے اور ایک دوسری ہر ایک اس فراغت کی جانب سے جو قربانی نہ کر سکتا ہو۔

(۲) پیغمبر اسلام نے مدینہ کے باغ کے مالکوں کو حکم دیدیا تھا کہ فصل بہار میں باغوں کے گرد چار دیواری نہ بنائیں یا دیواروں میں دروازے رکھا کریں تاکہ ہر رنگند اور غریب بچوں کو کھانے اور خدائی نعمتوں کا دروازہ کسی غریب پر بند نہ رہے۔

(۳) حیات القلوب ص ۲۳۵ جلد ۲ :-

انس سے منقول ہے کہ بیان کیا کہ میں نے نو سال پیغمبر کی خدمت کی۔ کبھی مجھ سے نہ کہا کہ تو نے کیوں ایسا نہ کیا اور کبھی میرے کام پر عیب نہ لگایا۔

۱ از انس منقول است کہ گفت من نہ سال خدمت آنحضرت کردم یکبار بمن نہ گفت کہ چہ اچنہیں نہ کردی و ہرگز کارے را برائے من عیب نہ کرو۔

ب۔ ایک دن ایک اعرابی آیا اور آپ کی ردا (چادر) کو اتنا زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن میں صرف چادر کا کنارہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کے مال میں سے مجھ کو کچھ دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے بہ محبت اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے اور حکم دیا کہ اس کو کچھ دیا جائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے اس صلہ میں

ب روزے اعرابی آمد و ردائے مبارکش را بعنف کشید بحدیکہ در گردن مبارکش عبا کنار ردا ماند پس گفت از مال خدا چیزے بمن بدہ۔ آنحضرت از روئے لطف باو التفات فرمود و بخندید و فرمود کہ باو عطا دادند بس حق تعالیٰ فرستاد۔ انک لعلی الخلق العظیم۔

پیغمبر اسلام کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ انک لعلی الخلق العظیم۔ بیشک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

اگر واقعات مذکورہ کا تعلق صفت سخاوت سے ہے۔ مگر چونکہ اس صورت واقعہ میں اشتعال نفس کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس پر پیغمبر اسلام کا اس اعرابی کو عطیہ دیدینا گویا آپ نے بیک وقت دو جذبات سے کام لیا ایک تو ضبط نفس دوسرے اس ضبط نفس کے صلہ میں بجائے غضب کے عطیہ دیدینا تو یہ جذبہ صرف آپ کی عدالت کا پتہ دیتا ہے اور یہ فعل اس شخص سے واقعہ ہو سکتا ہے۔ جو کمال صفت عدالت کا مالک ہو۔

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۳۶ ترجمہ :-

واقعہ سی ہنم، عدالت

جابر انصاری نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ۲۱ جنگوں میں خود ہمراہ تھے

(۱) اور میں ان کے ہمراہ ۱۹ جنگوں میں رہا۔ بعض جنگوں یا غزوات میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض سواری کے اونٹ تھک کر بیٹھ جاتے تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام کا یہ طریقہ تھا کہ خود سب کے پیچھے چلتے تھے اور ضعیف و کمزور لوگوں کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر آگے بچھا دیتے تھے۔ اور ان کیلئے دعائے خیر کرتے تھے۔

(۲) جابر کہتے ہیں کہ :-

جب پیغمبر اسلام سوار ہو کر راستہ طے کرتے

پتوں آنحضرت سوارہ می رفت نمی گذاشت

تھے کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی شخص

کے را کہ با پیادہ بود تا آنکہ او را ردیف

آپ کے ہمراہ پیدل چلے حتیٰ کہ آپ اس کو

خود می کرد و اگر قبول نہ کرد می فرمود کہ

اپنا ردیف بنائیتے تھے اور اگر وہ آپ کے

پیش بود و در فلاں مکان مراد ریاب

ساتھ نہیں بیٹھتا چاہتا تھا تو آپ اس سے فرماتے کہ تم آگے چلے جاؤ اور فلاں مقام پر مجھ سے

ملاقات کرنا۔

ملاقات کرنا۔

ان ہر دو واقعات سے بھی یہی امر واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام ہر موقع پر عدالت و مساوات کو پیش نظر رکھتے

تھے۔ اور اس عدالت کو قائم رکھنے کیلئے ہر ممکن تکلیف برداشت کرتے تھے۔

صفحات سابقہ میں تحریر ہو چکا ہے کہ فضیلت

واقعہ پہلیم، عدالت حسن قضا و صلہ رحم

عدالت کے تحت صفت حسن قضا و صلہ رحم

و حسن شرکت و تسلیم و توکل۔

و حسن شرکت بھی ہے۔

قضاء یہ ہے کہ کسی کے حقوق کو بے منت و ندامت کے ادا کیا جائے اور صلہ رحم یہ ہے کہ اپنے اقرباء کے

ساتھ بہ نیکی پیش آئے اور حسن شرکت خوش معاملگی کو کہتے ہیں۔ مختصر تعریفات یہاں لکھی گئی ہیں۔

بعض واقعات زندگی پیغمبر اسلام میں ایسے گزرے ہیں کہ وہ کسی اجناس و فضائل کو اپنے دائرہ میں لے

ہونے میں سگر چونکہ حقوق کا ادا کرنا یا مستحق اقربا کا ادا کرنا یا معاملہ لین دین میں بہ انصاف پیش آنا یہ سب امور عدالت ہی پر منحصر ہیں اور یہ بغیر عدالت کے یا ہتھی لائے جا سکتے۔ مثلاً۔ زید پر اس کے چچا کا یہ حق ہے کہ زید کو بحالت یتیمی پرورش کیا۔ اور جوان ہونے پر باروز گار کر کے اس کی خانہ آبادی کر دی۔ اس صورت میں عدالت زید سے ہے کہ وہ بحالت فراغت اپنے چچا کے حقوق کو اس طرح ادا کر دے کہ نہ اس میں اظہار منت و احسان ہو اور نہ چچا کو ندامت ہو۔ اسی طرح صلہ رحم اور حسن شرکت بھی ہے۔

صلہ رحم حقوق اقرباء کے متعلق ہے۔ اور حسن شرکت میں اقرباء وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ جو بھی آپ کے ساتھ کوئی معاملہ کرے اس کے جواب میں آپ کو اس کے ساتھ خوش معاملگی بڑھانا چاہئے اور یہ خوش معاملگی اس بات کا معاوضہ ہے کہ اس شخص نے آپ کے ساتھ خوش معاملگی کا ثبوت دیا تھا۔ لہذا اس کا جواب یہ خوش معاملگی دینا ہی عدالت ہے۔ اور بقول قرآن ہل جزاء الا حسن الا الاحسان۔ اگر احسان کا بدلہ احسان نہ دیا جائے تو ظلم ہے۔ اور اگر احسان کا بدلہ احسان دیا جائے تو عین عدالت ہے۔

پیغمبر اسلام کے چچا ابو طالب ابن عبدالمطلب کا واقعہ اس موقع پر قابل ذکر ہے۔ چونکہ تاریخ اسلام کا اہم واقعہ ہے اور عہد قدیم سے معرظ اختلاف و بحث میں ہے لہذا میں اس معاملہ میں تاریخی اسناد پیش کرتا ہوں اور واقعہ کی اصلی ذمیت پیشین ناظرین کرتا ہوں۔ تاکہ خود صاحبان انصاف صحیح نتیجہ حاصل کر سکیں۔

ابو طالب عم رسول

تاریخ طبری مولفہ محمد بن جریر طبری و مترجم فارسی ابو علی بن محمد البلععی

۳۷۹

پوں نماز کر دندے بجا نہا شدندے و
بازہ بلوہ حراء رفتندے و تختیں کے کہ
آگاہ شد ابو طالب بود و یا پیغمبرے گفت
ابن چہ دین است کہ تو در میان اوردی۔
آنحضرت اور آگاہ کرد و بدین السلام
خواند ابو طالب گفت من از دین پدر
تویش دست باز ندارم اگر خدائے تعالیٰ
ترا کارے فرمودہ است آنرا بھی کن من ترا
محافظة می کنم تا کسی ترا رنج نداد و پس
روزے ابو طالب علی را دید کہ نماز می کرد

جب محمد علی نماز پڑھتے تھے تو گھروں میں چلے ملتے
تھے اور پھر کوہ حرا جاتے تھے اور سب سے پہلے
جس کو نماز کی خبر ہوئی تو وہ ابو طالب تھے۔ پیغمبر
سے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ پیغمبر نے بتلایا اور دعوت
اسلام دی۔ ابو طالب نے کہا کہ میں اپنے باپ کے
دین کو نہ چھوڑوں گا۔ اگر خدائے تم اولوں کی
سپرد کیا ہے تو وہ کام پورا کرو میں تمہاری حفاظت
کروں گا۔ تاکہ کوئی تم کو تکلیف نہ پہنچائے پس
ابو طالب نے ایک دن دیکھا کہ علی نماز پڑھ رہے ہیں
ابو طالب نے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ علی نے کہا یہ

دین محمد ہے۔ ابو طالب نے کہا کہ اسے بیٹا
اس دین پر قائم رہو کیونکہ محمد محبوب کبھی نہیں
بولتے ہیں۔

پیغمبر اسلام قریب کعبہ آئے اور وہاں تمام
قریش جمع تھے اور ان کے سامنے یہ آیت
پڑھی۔ کہ تم لوگ جسکی عبادت کرتے ہو علاوہ
خدا کے یکتا کے وہ اور تم سب جہنم میں
جاؤ گے۔ قریش نے محمد پر حملہ کر دیا اور
آپ کو مسجد سے نکال دیا اور کہا کہ اب ہمکو
صبر کی طاقت نہیں رہی۔ محمد ہمارے خداؤں
کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارے ابا و
اجداد سب کو دوزخ میں بتاتے ہیں۔ اور ابو طالب
سے کہا کہ محمد سے کہہ دو کہ وہ ہمارے خداؤں کو
گالیاں نہ دے۔ اور اپنے خدا کا اعلان نہ
کرسے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ہم پر ضروری
ہو جائے گا کہ ہم انکو طاریں اور جلاد میں
کریں۔ پس ابو طالب نے کسی کو بھیج کر محمد کو
بلایا۔ اور کل حال بیان کیا۔ اور کہا کہ دیکھو
یہ گروہ تم کو کیا کہتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے سنکر
کہا۔ چچا جان میرے اور اس گروہ کے درمیان
ایک بات ہے۔ اگر وہ کہیں کہ خدا ایک ہے اللہ
میں اس کا رسول ہوں۔ تو پھر میں ان کو کچھ
نہ کہوں گا۔ اور اگر وہ اقرار تو حید و نبوت
کریں گے تو جب تک میری جان بے میں ان کو
دعوت اسلام دوں گا۔ پس ابو طالب نے

ابو طالب گفت این چہ دین است گفت دین
محمد است گفت ای پسرای دین را نگہدار
کہ او دروغ نگوید۔

(۲) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمرکت
آمد و قریش بر آنجا ہمہ جمع آمدہ بودند و این
آیت را بر ایشان خواند و انکم ما تعبدون
من دون اللہ حسب جہنم انتم
لہا و اردون۔ ایشان ہمہ آہنگ او
گردیدند و او را از مسجد بیرون کردند و گفتند
مارا پیش ازین شکیبانی نماند خدایاں مارا
دشنام می دہی و می گوئی کہ پدراں شما ہمہ
بدون دین اند و ابو طالب گفتند او را بگو کہ
بجز ازین خدایاں مارا دشنام نہ دہد و خدا
قریش و دین خویش را نداند اگر چنین
نکند مارا واجب شود کہ او را بنہ نیم و ازین
شہر بیرون کنیم۔ پس ابو طالب کس فرستاد
و پیغمبر را بخواند و ایشان حاضر بودند ابو طالب
گفت بنگر کہ این گروہ ترا چہ می گویند پیغمبر
سخن ایشان را شنید و گفت اے عم میان
من و این گروہ سخن یکے است ہر گاہ کہ ایشان
بگویند کہ خدائے یکے است و من رسول ویم
زبان من بر ایشان کوتاہ گردد اگر نگویند
تا جان با من است ایشان را با خدا نخواہم
تواند۔ پس ابو طالب ایشان را بسخناں
خوش باز گردانید چوں ایشان بہ رفتند پیغمبر

قریش کو سمجھا بچھا کر واپس کر دیا یہ وہ
 سب پلیدیے اور مغیر اسلام تمہارے گئے
 تو ابو طالب نے کہا اے بھتیجے قوم انصاف
 سے کہتی ہے اور تم انصاف نہیں کر رہے ہو
 بس پیغمبر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
 اور فرمایا کہ اے چچا جو کچھ میں کہتا ہوں اپنے
 دل سے نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ خدا نے مجھ کو
 حکم دیا ہے کہ ان سے کہو۔ اگر وہ لوگ میرے
 ایک ہاتھ پر آفتاب اور ایک پر مہتاب
 رکھ دیں یا مجھ کو سخت اذیت دیں۔ میں تب
 بھی ایک طرف کم نہ کروں گا اور آپ روتے
 ہوئے باہر چلے گئے۔

ابو طالب نے جب دیکھا کہ محمد روتے ہوئے
 باہر جا رہے ہیں۔ ان کو واپس بلایا اور ان
 کا سر سینہ سے لگایا۔ اور بوسہ دیا اور کہا
 اے بھتیجے جو تمہارا دل چاہے کرو اور حکم
 خدا کو پورا کرو اور کسی سے نہ ڈرو جب تک
 میں خاک میں نہ مل جاؤں گا۔ اس وقت
 تک تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتا ہے
 تم اپنا کام کرو۔ اور لوگ کہیں گے کہ۔

ابو طالب چونکہ بوڑھا ہو گیا ہے اپنے اجداد کے دین سے پھر گیا ہے۔ ورنہ میں بھی تمہارے
 دین میں داخل ہو جاتا۔ تاکہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں۔

جب خدا کا حکم آیا کہ مشرکوں سے جنگ کرو
 اور حکم قرآن نازل ہوا کہ سب کافروں کو
 قتل کرو تو مشرک یہ سن کر پریشان ہو گئے

تنہا بماند ابو طالب گفت اے برادرزادہ
 قوم انصاف می دہند و تو انصاف نمی دہی
 پس آنحضرت آب از دیدگان فرود آمد و
 گفت یا عم من با ایشاں اس سخنان کہ می
 گویم نہ از خویش می گویم۔ بلکہ خدا تعالیٰ
 می گوید کہ بلوئی و اگر ایشاں چیزے دہند
 کہ آفتاب بیک دست من نہند و مہتاب
 بیک دست من یا مرا چنداں عقوبت کند
 و دور ہم ننگند من ازاں کہ خدا فرمودہ
 است یک طرف کم نہ کنم و ہچنیاں گریاں
 بیرون شد۔ ابو طالب چوں دید کہ محمد گریاں
 بیرون شد اورا باز تواند سہ مبارکش
 در کنار گرفت و بوسید و گفت اے
 برادرزادہ ہر چہ بخوای بکن و فرمان خدا
 را بجا آورد اندر بچکس میندیش تا من بزیر
 خاک اندر نشوم کسے ترا چیزے نیارند گفت
 تو کار خویش کن و مخلوق گویند کہ ابو طالب
 چوں پر شدہ است از دین آباء و اجداد
 خویش باز گشت و گرنہ من نیز دین تو
 بلکہ دیدم تا چشمہائے تو روشن گشتے۔

ابو طالب چون خدا عزوجل فرمود کہ بامشرکان جنگ
 کن۔ قولہ عزوجل اقتل المشرکین کا کہ
 پس مشرکان خیرہ شدند.....

اور ابو طالب کے پاس آئے اور شکایت
محمد کی اور کہا اب بات بہت بڑھ گئی ہے
اور اب خون بہانے اور جنگ کی نوبت آگئی
ہے۔ مبادا ہوانان قریش کا بھٹا اٹھائیں اور
محمد کو قتل کر دیں اس وقت قریش اور بنی
ہاشم باہم دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کے
درمیان خون ریزی ہو جائے گی۔ لہذا آپ
محمد کو ہمکو دیکھئے تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔
اس کے عیوض میں ہم تم کو عمار دیتے ہیں۔
ابو طالب نے یہ سنا تو مسکرائے اور کہا کہ
دنیا میں کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا ہے کہ اپنے
بیٹے قتل ہونے کیلئے دیکے اور
دوسرے لڑکے کو پرورش کرے۔ پس قریش
نامید ہو گئے۔

(ج) مکہ کے قریش نے کہا کہ تدبیر یہ ہے کہ
ہم محمد اور اس کے مانسنے والوں سے الگ
ہو جائیں اور ان سے نہ ملیں اور ان سے
بات نہ کریں اور نہ ان کی عورت کریں اور
نہ اپنی عورت ان کو دیں۔ تاکہ وہ مکہ میں
ذلیل ہو جائیں اور یہاں سے چلے جائیں
پس انہوں نے باہمی معاہدہ کیا اور عہد نامہ
لکھا اور تمام اہل مکہ کو اس پر گواہ کیا اور
اس عہد نامہ کو در کعبہ پر لٹکایا۔ پس مسلمان
پنجپیر کی طرف ہو گئے اور تمام قریش دوسری
جانب ہو گئے۔ ابو طالب محمد کے ساتھ رہے۔

پس مشرکان بنزد ابو طالب آئے اور شکایت
کردند و از محمد گھڑ کر زدند و گفتند این زمان از
اندیشہ گذشت و بخون ریختن و جنگ کردن
انجامید مبادا کہ سپران قریش دست بر آورند
و او را بکشند آنگاہ قریش و بنو ہاشم باہم
دشمن شوند و در میان خون افتد محمد را
بادہ تا او را بکشیم و مادر عیوض عمار را
بتو دیدہم ابو طالب چون اس سخن بشنید
بخندید و گفت در یہاں ہرگز بیچ کس چنین
نہ کردہ است کہ فرزند خویش را بکشتن دہ
و فرزند دیگران را پرورد بس ایشان نامید
شعب ابی طالب میں محصور ہونا، تسلیم و لوکل ہر بیٹے قتل ہونے کیلئے دیکے اور
(ج) پس مشرکان مکہ گفتند حیلت آنست کہ
ما از محمد و از متابعان او جدا شویم و با ایشان
نیامیزیم و سخن با ایشان نگویم و از ایشان
زن نخواہیم و زن با ایشان ندیم تا ایشان در
مکہ ذلیل شوند و بہ خیزند و بہوند پس بریں
نوع شرط کردند و صحیفہ نوشتند و ہمہ اہل
مکہ را بہ خود گواہ گرفتند و ان صحیفہ را بہ در
مکہ بیاورختند پس مسلمانان بسوئے پنجپیر
شدند و ہمہ قریش از دگر سوئے ہودند
مکہ ابو طالب

(د) بول ابوہیل در آمد ز ہیر سپر عاتکہ بنت
عبدالمطلب با و جنگ کرد و ابو طالب بجائے
نوش تہانشستہ ہود گفتند تاکہ اس صحیفہ

ستم اینجا اور نیتہ باشد و بنی ہاشم بدیں سختی
اندر باشند۔۔۔۔۔ و اس صحیفہ را باید درید
(۱۱) پس ابو طالب قوم خود را گز کرد و بہ مسجد
رفت و قریش در کعبہ نشسته بودند پس
ابو طالب را دیدند خرم شدند و گفتند مگر
موافق ایشان شدہ است و گفتند یا
ابا طالب مگر دل خود بر قتل محمد کہ صلاح
ہمہ در راں است خوش کردہ ابو طالب گفت
مصلحتی آمدہ ام کہ صلاح ہمہ در راں است
اگر قبول کنید بنو المراد و الاشمامی دانید نامہ
کہ بہ عداوت لوستہ بودید بسیارید ایشان
پنداشتند کہ محمد را تسلیم بایشان خواہد
کرد بہ فتنہ و آن عہد نامہ در کسبہ بود و پیاوردند
ابو طالب گفت کہ محمد می گوید کہ این عہد نامہ
را ہشمنز خوردہ است و حال آنکہ محمد ہرگز
دروغ نگوید اگر این راست باشد شما ترک
ظلم و جور کنید و کہ دروغ باشد محمد را تسلیم
نہشما کنیم۔ پس صحیفہ را بانہ کردند و بچنان بود
کہ محمد خبر داد و بود آن صحیفہ را بدریدند
و ترک آن عہد جور و ظلم کردند و مسلمانان
انہاں تنگی برستند۔۔

(۱۲) چون ابو جہل درآمد۔ جب ابو جہل آیا
زہیر سپر عاتکہ بنت عبدالمطلب نے اس
سے جنگ کی اور ابو طالب ایک جگہ تنہا
بیٹھے رہے انہوں نے کہا کہ کب تک یہ
عہد نامہ ظلم باقی رہے گا۔ اور بنی ہاشم اس
سختی میں رہیں گے۔ اس صحیفہ کو اب
پارہ کرینا چاہیے۔

(۱۳) پس ابو طالب نے اپنی قوم کو جمع کیا
اور مسجد میں گئے اس وقت قریش کعبہ میں
جمع تھے جب انہوں نے ابو طالب کو دیکھا
خوش ہو گئے اور کہا شاید وہ ہماری طرف
واری پر آمادہ ہو گئے ہیں اور کہا اسے
ابو طالب تم محمد کے قتل پر آمادہ ہو گئے؟
اسی میں طرفین کی بھلائی ہے۔ ابو طالب نے
کہا مصلحتاً آیا ہوں اس میں تمہاری ہماری
بہتری ہے۔ اگر تم قبول کر لو تو بہتر ہے۔
ورنہ تم جانو کہ کیا کہ جو عہد نامہ تم نے لکھا
تھا وہ لاؤ۔ قریش نے سوچا کہ ابو طالب محمد
کو ہمارے سپرد کر دیں گے۔ اس عہد نامہ کو
جو ایک تھیلے میں تھا لائے ابو طالب نے کہا
کہ محمد کہتے ہیں کہ اس عہد نامہ کو وہیک کھا گئی
ہے۔ حالانکہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اگر یہ درست ہے تو تم ظلم ترک کر دو۔ اور اگر
محمد کی بات غلط نکلی تو تم محمد کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔ جب عہد نامہ کو کھولا تو وہ
مطابق قول محمد کرم خوردہ تھا۔ اس عہد کو پھاڑ ڈالا گیا اور ظلم و ستم کو ترک کر دیا گیا
اور مسلمان اس محصوری شہوپ ابی طالب سے رہنا ہو گئے۔

جب نبوت پیغمبر اسلام کو سات سال یا تقوے
پانچ سال گزر گئے تو ابو طالب کا انتقال
ہو گیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابو طالب بیمار
ہو گئے۔ پیغمبر اسلام کو ان کی بیماری سے
سخت تکلیف ہوئی اور آپ بہت پریشان
ہوئے اور ابو طالب کی بیماری کے زمانہ
میں پیغمبر اسلام رات دن ابو طالب کے
مکان پر رہتے تھے۔ اور جو شخص ابو طالب
کو دیکھنے آتا تھا۔ تو ابو طالب اس سے
کہتے تھے کہ تم محمد کے دین میں داخل ہو جاؤ
کہ وہ امین اور صادق ہیں۔ اور پھر ابو طالب
نے وصیت کی۔ اور عباس
بن عبدالمطلب کو نگرانی و تقویت محمد کی
وصیت کی اور کہا کہ محمد کو اس طرح آرام
سے رکھنا جیسے میں آرام سے رکھتا تھا۔
اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ کہ ان
جب ابو طالب نے وفات پائی تو علی نے پیغمبر اسلام
سے کہا کہ میرے باپ اور آپ کے چچا ابو طالب نے وفات پائی۔ پیغمبر اسلام نے علی سے فرمایا
کہ ان کو غسل دو اور دفن کرو۔

(۲) چوں از نبوت آنحضرت ہفت سال
گذشت و تقوے پنج سال ابو طالب ببرد
و چنین گویند کہ ابو طالب بیمار شد و پیغمبر
صلعم ازیں حال سخت تافتہ شد و دران
بیماری شب و روز در خانہ ابو طالب بود
و ہر کس کہ نزد ابو طالب رفتے باو گفتے کہ
بدین محمد در آ کہ او امین و راست گو
است پس ابو طالب وصیت کرد
و عباس را یہ نگہداشت و تقویت محمد
وصیت کرد کہ اور انکو داری همچنان کہ
من ینکو داشتتم و بدین وے اندر شو کہ
دین وے بہترین از دین ماست
و چوں ابو طالب جان داد امیر المومنین
علی رضی اللہ عنہ، بنزد آنحضرت صلعم
آمد و گفت پدرم و عم لتست بگرد آن حضرت
فرمود برو اور البشوی و بگور کن۔
کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ جب ابو طالب نے وفات پائی تو علی نے پیغمبر اسلام
سے کہا کہ میرے باپ اور آپ کے چچا ابو طالب نے وفات پائی۔ پیغمبر اسلام نے علی سے فرمایا
کہ ان کو غسل دو اور دفن کرو۔

(۳) تاریخ طبری جلد اول ص ۲۳۳ ج ۱۱ ج ۱۱

واقعہ قبیل کے آٹھ سال بعد ابو طالب
کی وفات ہو گئی اور رسول خدا کے متعلق
ابو طالب کو وصیت کر گئے۔ ابو طالب اب
عبداللہ ایک ہی ماں سے تھے اس وجہ
سے رسول خدا کی تولیت و نگرانی ابو طالب

فتوئی عبدالمطلب بعد القبیل بثمانی
سنین و کان عبدالمطلب یوصی رسول
اللہ و عمہ ابان اباطالب و عبد
اللہ ابارسول اللہ صلعم کان لام
فکان اباطالب هو الذی یلی امر

کے سپرد ہوئی اور رسول خدا ہمیشہ ابو طالب کے ساتھ رہے۔

رسول اللہ بعد جلد کا وکان یکون
معه۔

(۳) طبقات ابن سعد ص ۴۲ جلد اول۔

(۱) کان ابی طالب یحبہ شدید لایحبہ
ولدہ وکان لانیام لانی جنبہ
و ینخرج فیخرج معه ویصیب
بہ ابی طالب صابۃ یصیب لہا
بشیء قط۔

ابو طالب محمد سے بہت زیادہ محبت کرتے
تھے۔ وہ ایسی محبت اپنے کسی بیٹے سے نہیں
کرتے تھے۔ راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں
سلا یا کرتے تھے۔ اور جب کہیں باہر
جاتے تو اپنے ہمراہ لیکر جاتے تھے اور

جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا تھا اس سے ابو طالب کو بھی برابر رنج پہنچتا تھا۔

(ب) وکان ینخصہ بالطعام.....

ب۔ ابو طالب محمد کے کھانے کا خاص
اہتمام کرتے تھے۔ جب آپ ارادہ کرتے
تھے کہ اپنے بچوں کو کھانا کھلائیں تو ان کو
حکم دیتے تھے کہ جب تک میرا بیٹا محمد نہ

فکان اذا اراد ان یغدیہم قال
کما انتم حتی یحضر ابی فیاتی رسول
اللہ صلعم فی کل معہم۔

(طیناب ابن سعد ص ۴۶)

آجائے کوئی کھانا نہ کھاٹے۔ پس رسول خدا آجاتے تو ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے

(۶) سیرۃ النبی شبلی نعمانی ص ۱۳۰۔

خطبہ نکاح رسول ابو طالب نے پڑھا

تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روضاء
خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت

خدیجہ کے مکان پر آئے ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور پانچ سو درم طلائی مہر مقرر فرمایا۔
خطبہ نکاح رسول جو ابو طالب نے محفل عروسی میں پڑھا۔

تمام تعریف اس خدائے پاک کی ہے جس
نے ہمکو ذریت ابراہیم و اولاد اسمعیل
ونسل سعد بن عدنان و صلب مضر سے
پیدا کیا۔ اور ہمکو اپنے بیت کا محافظ
اور اپنے حرم کا نگہبان مقرر فرمایا ہے

الحمد لله الذی جعلنا من ذریۃ
ابراہیم و ذرع اسمعیل و صنععی
معد و عنصر مضر و جعلنا حصنہ
بیتہ و سوا اس حرمہ و جعل لنا بیتا
محوجا و حرمنا آمننا و جعلنا الحکام

ہمارے لئے ایک گھر قرار دیا جس کا مخلوق خدا
 جمع کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی
 کہ جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے۔
 ماسوا اس کے خدانے ہر کو لوگوں پر حاکم
 بنایا۔ اما بعد میرا یہ بھتیجا محمد بن عبد اللہ
 ہے۔ جس کا اگر کسی سے موازنہ کیا جائے
 تو از روئے فضل و کمال و باعتبار شرافت
 و ذہانت و عقل گرامی تر ثابت ہوگا۔

یہ مالداری اور دولت مندی میں کم ہے۔
 تو مال کیا ہے ایک ڈھلتی ہوئی چھادوں

ہے اور متغیر و متبدل ہونے والا مال ہے محمد سے تو محمد کو قرابت ہے۔ وہ سب کو
 معلوم ہے اس نے خدیجہ بنت خویلد سے ارادہ عقد کیا ہے اور میرے ماں سے اس نے
 خدیجہ کا مہر معجل و موہل ادا کر دیا ہے اور خدا کی قسم محمد وہ شخص ہے کہ جس کے بارہ میں
 کوئی خبر عظیم اور عظیم الشان حصہ نصیب ہونے والا ہے۔

(۷) زرقانی نے دولابی سے روایت کی ہے :-

دولابی کہتے ہیں کہ خطبہ نکاح میں حضرت ابی طالب کے یہ الفاظ بھی داخل تھے۔
 ”معاشر قریش میں آپ لوگوں کے سامنے نکاحوں کر یہ خدیجہ کا خطبہ نکاح بطیب خاطر پڑھتا
 ہوں اور ان کے مہر موہل و معجل میں بارہ اوقیہ سونا دیتا ہوں“

(۸) و نیز حافظ جمال الدین محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں ابی طالب کے یہ الفاظ لکھتے ہیں :-
 ”خدیجہ بنت خویلد کا میں محمد کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھتا ہوں اور ان کے مہر موہل و
 معجل میں بیس مہار اونٹ جو میری ملکیت سے ہیں ادا کرتا ہوں۔“

روضۃ الاحباب ص ۱۰۶ و روضۃ الصفاء

(۹) روضۃ الصفاء جلد ۲ ص ۲۶ :-

۱۔ ابوطالب و ہود اور ابوہریرہ مبارک والہ بر فرزند ان صلیبی تزجیح می نمود۔ ترجمہ ابوطالب
 پیغمبر اسلام کے ہود کو اپنے لئے مبارک سمجھتے تھے۔ اور ان کو اپنے صلیبی بیٹوں پر تزجیح

على الناس ثم ان ابن ابي هذا محمد
 بن عبد الله لا يوزن برجل الارجم
 به شرفاً ونبلًا وفضلًا وعقلًا فان
 كان في المال قل وان المال ظل زائل
 وامر حائل. و محمد من قدر عرفت
 قرابته وقد خطب خديجة بنت
 خويلد وبذل لها ما اجدته وعاجله
 من مالي كذا هو والله بعد هذا
 له بناء عظيم ونظر عظيم.

زرقانی ص ۱۰۶

دیتے تھے۔

ب - ابو طالب پندرہ سال پیغمبر اسلام کو اپنے ہمراہ تجارت مصر میں لے گئے تھے راہ میں ایک صومعہ ملا اس میں ایک عالم عیسائی رہا جب رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اے ابو طالب اس بچے کو ملک شام لے جاؤ۔ کیونکہ یہودی اس کے دشمن ہیں مبادا قتل کر دیں اسی اثناء میں ایک قافلہ یہودیوں کا وارد صومعہ ہوا اور وہ بارادہ قتل محمد ملک روم سے آیا تھا۔

ص ۲۸ روضۃ الصفاء۔

آوردہ اندکہ طائفہ از یہود بقصد قتل حضرت مقدس نبوی از روم متوہب شدہ در روز ضیاء بحیرہ قافلہ خویش را بصومعہ اور سیدند و در خلوت با و گفتند کہ ما از کتب سماوی معلوم کردہ ایم کہ محمد امروز با کمر طاق قریش دریں منزل نزول خواهد کرد و ما اکنون بقصد وے کہرتہ ایم و تو را دریں سفر ہما ہمراہی باید کرد۔

تاریخ میں ہے کہ یہودیوں کا ایک قافلہ محمد کو قتل کرنے کے ارادہ سے روم سے چلا۔ اور جس روز بحیرہ رہا ہے ابو طالب کی دعوت کی تھی۔ اسی روز وہ بھی صومعہ میں پہنچا۔ اور تنہائی میں اس سے کہا کہ ہم نے آسمانی کتابوں سے معلوم کیا ہے کہ آج کے دن محمد قافلہ کے ساتھ وارد صومعہ ہوں گے۔ ہم ان کے قتل کے ارادہ سے آئے ہیں تمکو اس کام میں ہماری مدد کرنی چاہیے

ج - روضۃ الصفاء ص ۲۸۔

ابو طالب اندیشناک شد و متاع خویش را در مصر بحسب و نحوہ فروختہ بکہ مراعت نمود۔۔۔۔۔ و بعد از سفر مصر ابو طالب دیدیچ سفر حضرت ختمی پناہ را مصحوب خود نگر دانند۔

ترجمہ - ابو طالب کو جب معلوم ہوا کہ محمد کو یہود ان شام و مصر بہت دشمن رکھتے ہیں اور وہ بچے قتل ہیں۔ لہذا آپ کو بہت اندیشہ و خوف ہوا۔ آپ نے مصر پہنچ کر اپنے سامان کو حسب و نحوہ فروخت کر دیا۔ اور خود مکہ واپس آگئے اور اس سفر مصر کے بعد کبھی محمد کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے۔

(۹) روضۃ الصفاء ص ۳۳۔

حضرت مقدس نبوی در روز دوشنبہ مبعوث شد و علی روز سہ شنبہ کہ دیگر روز بعثت بود بدوات ایمان استعداد یافت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عارس و پاسبان شماست۔

ترجمہ - حضرت محمد روز دوشنبہ مبعوث رسالت ہوئے۔ اور علی بروز سہ شنبہ بعثت کے

دوسرے دن دولت ایمان سے سرفراز ہوئے

ترجمہ: حضرت علی اپنے حال کو اپنے والد ابو طالب سے چھپاتے تھے اور پیغمبر اسلام کے ہمراہ گوشہ کوہ میں نماز ادا کرتے تھے اتفاق سے ابو طالب نے ان دونوں کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملے فاطمہ والدہ علی سے حال پوچھا۔ فاطمہ بنت الاسد نے کہا کہ علی ہمہ وقت محمد کے ساتھ رہتے ہیں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کر بیٹھے جو ہمارے دین کے خلاف ہے۔ ابو طالب نے کہا کہ میرا بیٹا علی اس قسم کے کام کو بغیر میری اجازت و مشورہ کے نہیں کرے گا۔ پس ابو طالب ان دونوں کو دعوٰی سے نکل گئے ابو طالب نے مرتضیٰ و مصطفیٰ کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں پایا۔ اور دیکھا۔ محمد نماز عصر ادا کر رہے تھے۔ اور علی ادھر ادھر نظر ڈال رہے تھے۔ جیسے ہی باپ کو دیکھا تو خوف کی وجہ سے لرزنے لگے۔ ابو طالب نے محمد سے دریافت کیا کہ یہ کونسا دین ہے۔ محمد نے فرمایا کہ یہ وہ دین ہے کہ جسکو خدائے واحد نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے اور اس کے اظہار کیلئے انبیاء کو مبعوث کیا ہے۔ اس وقت محمد نے ابو طالب کو دعوت اسلام دی۔ اس پر ابو طالب نے کہا کہ میں دین عبدالمطلب سے انحراف نہ کروں گا۔ ہاں تم اللہ جس کام پر خدا کی جانب سے مامور ہوئے ہو اس پر ثابت قدم رہو۔ میں جب تک زندہ ہوں میں تمہاری مدد کامل کرتا رہوں گا۔ اور تمکو کسی دشمن کے سپرد نہ کروں گا۔ اور دشمنوں کے شر سے تمہاری حفاظت کروں گا۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے گا جس کیلئے تم کو مبعوث کیا ہے۔ اس کے بعد ابو طالب نے علی سے کہا کہ اے علی تم کو کچھ خوف نہ ہونا چاہئے اس کام میں جس میں کہ محمد تمہارے ابن عم مشغول ہیں اور جو دین محمد نے تم کو بتایا ہے اس کو اختیار کرو۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر تمہارا حافظ و نگہبان و محافظ ہے۔

(۱۰) ص ۳۵: ایک دن ابو طالب اپنے بیٹے جعفر کے ساتھ شعب عبادت میں آئے دیکھا کہ محمد علی نماز ادا کر رہے ہیں۔ ابو طالب نے کہا کہ اپنے بھائی کے بازو سے بازو ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔ جعفر حکم ابو طالب پہلے پیغمبر اسلام میں کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ پیغمبر اسلام نے جعفر کو دعادی و صلی اللہ علیک جناتین فطیر تھانی الجنة۔ خدام کو لے جعفر دو پر عطا فرمایا جن کے ذریعہ تم جنت میں پرواز کرتے رہو۔ خداوند عالم نے اپنے حبیب کی دعا فوراً قبول فرمائی اور غزوہ موتہ میں جعفر شہید ہوئے اور خدا نے ان کو پر پرواز دیئے جس سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو جعفر طیار کہتے ہیں۔

جب ابو طالب نے جعفر کو حکم نماز دیا تو پیغمبر اسلام بہت خوش و خرم ہوئے اور ابو طالب جب

گھر میں آئے تو فاطمہ مادر علی نے دریافت کیا کہ آپ کا لڑکا کہاں ہے۔ ابو طالب نے کہا کہ اس کا کیا کرو گی۔ فاطمہ نے کہا کہ مجھ کو ایک کیشہ کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ قلاں شعب میں محمد کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کیا آپ کو علی کا یہ کام پسند ہے۔

ابو طالب گفت خاموش باش و دست از دست بردار و اللہ کہ او بحق است در یاری نمودن محمد پسر عم او۔ ابو طالب نے کہا کہ چپ رہو اور اس سے ہاتھ اٹھا لو خدا کی قسم کہ وہ اپنے ابن عم محمد کی مدد کرنے میں حق بجانب ہے۔ اور اگر میرا نفس مجھ کو دین عبدالمطلب کے ترک کرنے پر اجازت دے دیتا تو میں بھی آج محمد کی اطاعت کرتا۔

قریش اس سخن را شنیدہ عظیم کمر و دند و ہراساں شدید۔ قریش نے جب ابو طالب کے یہ الفاظ سنے تو ان کو بڑی اہمیت دی اور نوزادہ ہو گئے۔

(۱۲) روضۃ الصفا ص ۲۷۔

جیت تک ابو طالب زندہ رہے بت پرست
مشرک مکہ کو اتنی مجال نہ تھی کہ وہ پیغمبر اسلام
کو ستا سکیں اور زیادہ تعرض کریں۔

تا ابو طالب در حیات بود عبیدہ اوثان
مجال آن نداشتند کہ زیادہ تعرضے بحضرت
رسول رسانند

(۱۳) روضۃ الصفا ص ۲۸۔

جب قریش مکہ نے بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا ہے۔ اور شعب ابی طالب میں ان کو محصور کر دیا ہے اس وقت کے حالات کے تحت صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں:-

(۱) و طنبطنه کوس نبوت بمباح اقاوی و
ادانی قبائل عرب رسید بمبت بر ہلاک
حضرت مقدس نبوی مصروف داشتند
و این خبر بہ ابو طالب رسیدہ بنی ہاشم و
بنی مطلب را جمع فرمودہ در حفظ و حراست
حضرت رسالت پناہ از ایشان معاونت خواست
..... و ابو طالب بنا بر کمال
احتیاط بار رسول و اصحاب و ر شعب آمانند
و سائر بنو ہاشم بنو عبیدالمطلب در دوتول

عرب پیغمبر اسلام و شہرت دین اسلام
قریب و دور قبائل عرب میں پہنچی تو سب
پیغمبر اسلام کے قتل پر آمادہ ہونے کی
تیاری کرنے لگے۔ یہ خبر ابو طالب کو ملی تو
ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد
کو جمع کیا اور پیغمبر اسلام کی حفاظت کے
بارہ میں ان کی مدد چاہی اور ابو طالب
بطور احتیاط کے شعب ابی طالب میں معہ
اصحاب پیغمبر کے داخل ہو گئے اور تمام

شعب بادے اتفاق نمودند الا ابو لہب۔

(ب) ابو طالب شعب را استوار کردہ در پیچ

وقتے از محافظت حضرت مقدس بنوی

تخلف و تساہل جائز داشتے و چوں آفتاب

عالمتاب در شعب مغرب متواری گشتے

شمشیر جمائل کردے و در گرد خانہ حضرت

رسول کہ در انجا خفته بودے طواف نمودے

و گاہے آنحضرت را از جہٹے کہ در اوائل

شب درال موضع با ستراحت مشغول

شدے بیرون آوردے و در خانہ دیگر

خوا بانیدے۔ و در روز پسراں و سپر

نادگان خود را می فرمود تا بہ صیانت سید

ولد آدم اشتغال می نمودند با وجود محافظت

و خدمت چنین بعضے گویند کہ ابو طالب

کافر مرد و عاشا و چوں مدت سه سال

برای منوال گذشت۔

کرتے کے اور اتنی خدمت پیغمبر اسلام بجالانے کے بعض کہتے ہیں کہ ابو طالب کافر مر گئے

اور اسی طرح تین سال شعب ابی طالب میں رہتے ہوئے گذر گئے۔

اور اسی طرح تین سال شعب ابی طالب میں رہتے ہوئے گذر گئے۔

(ج) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۶۶

حضرت مقدس بنوی با بیان ابو طالب امیدوار

شدہ فرمود کہ اے عم آل کلمہ یہ تو بلو تا فردا

قیامت تو را بوسیلہ آن شفاعت کنم ابو طالب

جو اب داد کہ خدائی کہ اگر نہ اندیشہ از

ملامت قریش بود و طعن مردم کہ بسم مرگ

ایمان آوردم از برائے خاطر تو این کلمہ می گفتم

نبی ناشم و بنو مطلب شعب ابی طالب میں

ابو طالب کے ہمراہ آگئے۔ مگر صرف ابو لہب

نہیں آیا۔

(ب) ابو طالب نے مزید احتیاط یہ برتنی کہ

شعب و گھائی کو ہر جانب سے مضبوط کر لیا

اور کسی وقت بھی اس کی حفاظت و نگرانی

سے کا ہنی نہ کی اور جو آفتاب عالمتاب مغرب

میں غروب ہو جاتا تھا تو ابو طالب کمر میں

تلوار لگا کر اس مکان کا جس میں پیغمبر رہتے

تھے اور وہاں سوتے تھے طواف کرتے تھے

اور کبھی پیغمبر اسلام کو اس جگہ سے جہاں

انہوں نے آرام کیا تھا یا سو گئے تھے باہر

لا تے تھے اور دوسرے مکان میں سلا دیتے

تھے اور مزید یہ کہ بیٹوں اور پوتوں کو حکم

دیا تھا کہ وہ سب پیغمبر اسلام کی حفاظت

کرتے رہیں۔ باوجود اتنی مدد پیغمبر اسلام

کرتے کے اور اتنی خدمت پیغمبر اسلام بجالانے کے بعض کہتے ہیں کہ ابو طالب کافر مر گئے

اور اسی طرح تین سال شعب ابی طالب میں رہتے ہوئے گذر گئے۔

اور اسی طرح تین سال شعب ابی طالب میں رہتے ہوئے گذر گئے۔

(ج) ص ۶۶۔ پیغمبر اسلام کو امید پیدا ہوئی

کہ ابو طالب بھی اسلام قبول کر لیں گے تو

آپ نے فرمایا اے چچا اس کلمہ کو آپ پڑھ لیجئے

تاکہ میں اس کے ذریعہ روز قیامت آپ کی

شفاعت کروں۔ ابو طالب نے جواب دیا

کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ملامت قریش اور طعنہ

کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ملامت قریش اور طعنہ

و دل ترخرم و چشم تراروشن می گردانیدم
 آن گاہ حال و سے تغیر یافته زبان در دہاں
 جنبا نید و حینے می گفت عباس گوش
 نزدیک وہاں ابوطالب بردہ سر بر آورد
 و با پیغمبر گفت اے برادر زادہ من آن
 کلمہ کہ تو گفتی آن امر فرمود می گوید ہر
 چند محمد بن اسحاق کہ از کبار مورخین و اہل
 سیراست روایت کردہ کہ دوران زمان
 کہ حضرت رسالت پناہ عرض کلمہ تو حید را
 بر ابوطالب کرد اگر در اول ابا بنود اما در
 آخر آہستہ گفت چنانچہ عباس شنید -

افراد قوم کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ
 موت کے خوف سے مسلمان ہو گیا تو اسے مجھ
 تو میں تمہاری خاطر اس کلمہ کو کہتا اور تمہارا
 دل خوش اور تمہاری آنکھیں روشن کر دیتا
 اس کے بعد ہی ابوطالب کی حالت غیر ہو گئی
 اور انہوں نے اپنے دہن میں زبان کو حرکت
 دی اور زبان سے کچھ کہنے لگے۔ عباس ابوطالب
 کے دہن کے قریب کان لگا دیئے پھر سناٹھایا
 اور پیغمبر سے عرض کیا۔ اے بیٹھے ابوطالب
 وہ کلمہ جو تم نے ان سے فرمائش کی تھی کہ
 رہے ہیں۔ اگرچہ محمد ابن اسحاق جو ممتاز
 و اکابر مورخین و اہل سیر سے ہیں نے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے
 سامنے کلمہ تو حید پیش کیا۔ تو اول تو انہوں نے الکار کیا اور بعد کو آہستہ کلمہ پڑھا جیسا کہ
 عباس نے گواہی دی ہے۔

(د) مکافات و صلہ رحم - روضۃ الصفا جلد دوم ص ۶۶

منقول است کہ پیغمبر پیش پیش جنازہ
 ابوطالب می رفت و می گفت اے عم صلہ
 رحم بجا آوردی و نیکوئی بنا کردی جزاک
 اللہ خیرا۔ جمہور علماء بر آئند کہ در سال
 دہم از بعثت ابوطالب فوت شدہ و
 اندوہے عظیم از میں جہنمہ بر ضمیر انور
 حضرت رسول استیلا یافت و بعد از
 سہ روز یا سی و پنج روز از فوت ابوطالب
 ہم دریں سال خدیجہ کبری رضی اللہ عنہا
 بمیاض جناب شتافت در اندوہ

جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو پیغمبر
 اسلام جنازہ کے آگے آگے جا رہے تھے
 اور زبان سے کہہ رہے تھے کہ اے حجاب
 میرے ساتھ صلہ رحم بجالائے اور آپ نے
 میرے ساتھ نیکیاں بہت کی ہیں۔ خدا
 آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ علماء
 کا اتفاق ہے کہ بعثت پیغمبر کے دسویں سال
 ابوطالب نے وفات پائی۔ اور قلب پیغمبر
 پر اس کا بہت صدمہ پڑا اور ابوطالب
 کی وفات کے پانچ دن کے بعد یا ۳۵

دن کے بعد خدیجہ نے بھی وفات پائی اور ان دو محب و مشفق افراد کے مرجانے سے غم و الم پیغمبر اسلام پر چھا گیا۔ اور آپ پر اتنا اثر ہوا کہ پیغمبر اسلام کھڑے باہر نہیں آتے تھے۔ اور اسی سال اعوام الحزن۔ غم کا سال نام رکھا گیا۔ اور خدیجہ بوقت وفات ۶۵ سال کی تھیں اور ان کو حجوں میں دفن کیا گیا۔ پیغمبر خود قبر خدیجہ میں گئے تھے۔ اس وقت تک رسم جنازہ اور نماز میت فرض نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ قول کہ بوقت وفات ابوطالب پیغمبر نے علی سے کہا کہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھو خلاف واقعہ ہے جب ابوطالب کا انتقال ہو چکا تو مشرکوں نے پیغمبر اسلام پر دست ظلم و ستم دلا کر دیا

آنحضرت از رحلت آل و دو محب مشفق بہ نہایت انجاسید کہ از منزلت قہر میل بیرون آمدن نمی فرمود و آل سال را عام الحزن نام نهادند و خدیجہ در حین وفات شہت و پنج سال عمر داشت و اورا در حجوں دفن کردند و پیغمبر بہ قبر اور رفت و در آل سال ہنوز رسم جنازہ و نماز میت فرض نشدہ بود و این قول کہ پیغمبر بہ هنگام فوت ابوطالب علی را فرمود کہ ولا تقصل علیہ خلاف واقعہ است چون ابوطالب رحلت فرمود مشرکان نسبت با آنحضرت دست تعدی و راندہ کردند۔

(۱۳) کتاب مناقب ۶۶۷ مصنفہ محمد بن علی مازندرانی :-

کتاب مناقب، کتاب الشیطان، ابویوب انصاری نے بیان کیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اسلام بازار ذوالحجازہ میں کھڑے تھے اور مشرکوں کو اللہ کے دین کی دعوت دے رہے تھے اور عباس کھڑے سن رہے تھے کہ عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو سچوٹا ہے۔ اور عباس یہ کہہ کر ابولہب کی طرف گئے اور اس سے بھی واقعہ بیان کیا یہ دونوں بڑھے اور بازار میں کہتے جاتے تھے کہ ہمارے بھائی کا بیٹا یہ کذاب ہے

کتاب الشیطان راوی ابویوب الانصاری ان النبى وقف بسوق ذى الحجاز فذاعا الى الله والعباس تا ثم لسمع الكلام فقال اشهد انك كذاب ومضى الى ابى لهب و ذكر تولد فاقبلابينا ديان ان ابن اخينا هذا كذاب فلا يعيزكم عن دينكم قال واستقبل عليه السلام ابوطالب فالتفته واقبل على ابى لهب والعباس فقال لهما ما تريدان ان ترتب ايدىكما والله انه الصادق البقيل ثم

انشاء ابو طالب ...

انت الامين الله لا كذب

والصديق القول لا الهو ولعب

انت الرسول رسول الله نعلمه

عديك تنزل من ذي عزه الكتب

ایسا نہ ہو کہ تم کو تمہارے دین سے گمراہ

کر دے۔ پیغمبر اسلام ابو طالب کے پاس

آئے اور ان کو مطلع کیا۔ ابو طالب ابو

لہب و عباس کے پاس آئے اور ان دونوں

سے کہا کہ خدا تمہارے ساتھ شل کرے تم

کیا کہتے ہو خدا کی قسم محمد صادق قول ہے۔ پھر ابو طالب نے یہ اشعار کہے اے محمد تم امین

خدا ہو اس میں ذرا جھوٹ نہیں ہے اور تم سچے صادق القول ہو اور لہب و لعب تمہاری

عادت نہیں اے محمد تم رسول ہو تم کو خدا کا رسول ہم جانتے ہیں۔ اے محمد تم پر صاحب

عزت خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔۔۔

اے لوگو کیا تم نہیں جانتے کہ محمد کو

نبی پایا ہے اور وہ ایسا نبی ہے جیسا کہ

کتب سماویہ میں موسیٰ نبی تھے۔ اے لوگو

تم نے محمد کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے اور تم

ظالم ہو۔ اور یاد رکھو اس کے قتل پر تم میں سے کوئی جرات نہیں کر سکتا ہے اور نہ خیال میں

لا سکتا ہے۔

الم تعلموا اننا وجدنا محمداً نبياً

کھوسی محظنی اول الكتب ارادوا

قتل احمد ظالمیہ۔ و لیس بقتله

فیہم زعیبر۔

ظالم ہو۔ اور یاد رکھو اس کے قتل پر تم میں سے کوئی جرات نہیں کر سکتا ہے اور نہ خیال میں

لا سکتا ہے۔

(۱) تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۲ھ ص ۸

جب عبدالمطلب نے اپنے وقت وفات

ابو طالب کو سرنی و نگران محمد بنا دیا اور ابو

طالب نے نصرت رسول اپنے ذمے لی

تو بہترین طریقہ پر پرورش کی اور ابو طالب

رسول خدا کو اپنے سے مطلق جدا نہ کرتے

تھے اور بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور

اپنی اولاد پر آپ کو ترجیح دیتے تھے۔ اور

اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک اپنے

برابر رسول کو نہ سلا لیں۔ اور کہتے تھے

ثم ان ابا طالب قام بنصرة رسول

الله صلعم وكفالتهم احسن القيام

فكان معه لا يفارته وكان يحبه

حياً شديداً اولي قدم على اولاده

ولا ينام الا وهو الى جانبه وكان

يقول له انك لمبارك النقيته ميمون

الطلعت

(۲) ص ۹ ان ابا طالب لما قام بنصرة

رسول الله صلعم وذب عنه احسن

اے محمد تم پاک اور مبارک ہو اور تمہاری
شکل مبارک و مسعود ہے۔

(۲) جب ابو طالب نے نصرت رسول کی
اور بہترین طریقہ پر دشمنوں کو دفع کیا تو
قریش جمع ہوئے اور ابو طالب کے پاس
آئے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے
خداؤں کو گالیاں دی ہیں اور ہمارے
عقل مندوں کو احمق بنا دیا ہے اور ان کو
گمراہ قرار دیا ہے۔ آپ ان کو ہمارے توالہ
کر دیں یا جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ ابو طالب
نے کہا قسم سچا میں کبھی ان کو تمہارے توالہ
ہنسی کروں گا۔ قریش نے کہا یہ عمارہ بن ولید
موجود ہے جو خوبصورت نوجوان ہے اور
زیادہ حسین ہے اس کو قبول کر لو بیٹا بنا لو
محمد کے عوض میں۔ محمد کو ہمارے سپرد
کر دو تم ان کو قتل کر دیں آدمی کا بدلہ آدمی
ہو جائے گا۔ ابو طالب نے کہا خدا تمہارے
چہروں کو بگاڑ دے۔ افسوس کتنی بُری
بات تم نے کہی ہے۔ اپنا بیٹا مجھ کو دیتے ہو
کہ میں تمہارے لئے اس کو پرورش کروں
اور اپنا بیٹا تم کو دیدوں کہ تم اس کو قتل کر دو
اگر میں ایسا کروں تو کتنا برا آدمی ہوں۔
اور کہا کہ تم چراگاہ میں جاؤ۔ اگر کوئی نافرمانی
بچہ کو دوسرے نافرمانی سے تو میں بھی تم کو محمد دیدوں گا۔ پھر یہ شعر پڑھے۔ ترجمہ۔
قسم سچا میں محمد کو تمہارے توالے نہ کروں گا جب تک کہ میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں۔ اے

الذی اجتمعت الیہ قریش و قالوا
ان ابن اخیك قد سب الہمتا و سفا
احلامنا و ضلل آباءنا فاما ان تسلم
الینا و یقع الحرب بیننا فقال بفیكم
الحجس و اللہ لا اسلمہ الیکم ابد اقولوا
ہذا عمارہ بن الولید بن المغیرہ اجمل
فتی فی قریش و احسنہ فخذہ و اتخذہ
ولدا عوضہ و سلمہ الینا نقتلہ و
رجل برجا فقال ابو طالب قبح اللہ
ہذا الوجوہ و حکم و اللہ بئس ما قلتم
تعطونی ابنکم اغذوہ لکم و اعطیکم
ابنی تفتلوتہ بئس و اللہ الرجل انائم
قال افرقوا بین النوق و فضلانہا
فان حنت ناقة الی غیر فصلیہا
دفعتم الیکم ثم قال س

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم
حق اوسد فی التراب رہینا
فاصدع یا مریک ما عدیک غضاضہ
والبشر و قریبذک منک عیونا
وعرضت دنیا لا محالۃ انہ
من خیر ادیان دیننا
لولا الملامۃ او حذار مسبۃ
لو جتنی سبھا بذک ضنینا

بچہ کو دوسرے نافرمانی سے تو میں بھی تم کو محمد دیدوں گا۔ پھر یہ شعر پڑھے۔ ترجمہ۔
قسم سچا میں محمد کو تمہارے توالے نہ کروں گا جب تک کہ میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں۔ اے

محمد تم کو جو حکم خدا ہے اس کو بجا لاؤ۔ تم پر کوئی سختی نہیں ہے۔ تم اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور خوش و خرم رہو۔ اور تم نے جو دین پیش کیا ہے یقیناً وہ بہترین ادیان ہے۔ اگر مجھ کو خوف ملامت نہ ہوتا تو تم مجھ کو بھی اس دین کا قبول کرنے والا پاتے۔ اور میں اس میں بخل نہ کرتا۔

تذکرۃ النخواس سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۲ھ

صلہ رحم و مکافات

صلہ

(۲) قال ابن سعد بالاسناد المتقدم حدثني الواقدي قال قال علي لما توفي ابو طالب اخبرت رسول الله صلعم فبكاء بكاء شديدا ثم قال اذهب فغسله وكفنته وواربه وغفر الله له ورحمه فقال له العباس يا رسول الله انك ستجول فقال ابي والله اني لا اجول - وجعل رسول الله صلعم يستغفر له اياما مالا يخرج من بيته وقال الواقدي قال ابن عباس عارض رسول الله صلعم جنازه ابي طالب وقال و صلتك رحم وجزاك الله يا عم خيرا -

(۲) ابن سعد نے اسناد کے ساتھ کہا ہے کہ واقدی نے بیان کیا کہ علی نے فرمایا کہ جب ابو طالب کی وفات کی خبر پیچھے کو ہوئی تو آپ بہت روئے اور کہا جاؤ غسل و کفن دو اور دفن کرو۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم کرے۔ عباس نے پوچھا یا رسول کیا تم کو ان کی بخشش کی امید ہے آپ نے فرمایا بیشک قسم خدا مجھ کو ان کی مغفرت کی امید ہے اور پیچھے اسلام ابو طالب کیلئے کسی دن طلب مغفرت کرتے رہے اور اپنے گھر سے نہ نکلے اور ابن عباس نے کہا کہ رسول خدا جنازہ ابو طالب کے ساتھ چلے اور فرماتے تھے کہ۔ آپ نے میرے ساتھ صلہ رحم ادا کیا خدا آپ کو جہانے خیر دے اے چچا۔

(۳) میں کہتا ہوں کہ ابو طالب بے تامل اہل جنت سے تھے۔ اس کے بہت گواہ ہیں اور شواہد کثیر ہیں

(۳) اقول کون ابي طالب من اهل الجنة ما لا ينبغي التأمل فيه وان شواهد اكثر من ان تذكر -

تذکرۃ النخواس ص ۶۳ ترجمہ :-

نصرت ابو طالب

(۱) ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابو طالب اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں محمد داخل مکان ہوئے۔ ابو طالب نے دیکھا کہ محمد کے دونوں شانوں کے درمیان میں گندگی و خون ہے ان کا لباس بھرا ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب محمد نماز میں مصروف تھے۔ اس وقت لوگوں نے ایک شہر بچہ کو ذبح کیا اور جب محمد سجدہ میں گئے۔ تو انہوں نے اس کی اوجھ و خون آپ کے سر پر ڈال دیا جب محمد نے نماز تمام کر لی تو آپ سجدہ سے اٹھ کر سیدھے اپنے چچا ابو طالب کی خدمت میں تشریف لائے۔ ابو طالب نے دریافت کیا :-

(۱) ابو طالب :- ماذاک یا ابن اخی یعنی اے بھتیجے۔ کیا ہوا اور کس نے ایسا کیا؟

(۲) محمد :- قال عبد اللہ بن الزبیری - محمد نے کہا عبد اللہ ابن الزبیری نے ایسا کیا؟

یہ سن کر ابو طالب کھڑے ہو گئے اور اپنی تلوار گھر میں لگائی اور اپنے ساتھ ایک لڑکا بھی لے لیا اور محمد کو ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے۔ خانہ کعبہ کے قریب آئے تو دیکھا کہ جماعت قریش وہاں بھی ہوئی ہے۔ جب ابو طالب کو آئے دیکھا تو بھاگنے لگے۔ پھر ابو طالب نے کہا کہ اگر کوئی تم میں سے کھڑا ہوگا تو میں تلوار سے اس کو ختم کر دوں گا یہ سنتے ہی سب بیٹھ گئے یہاں تک کہ ابو طالب اس جماعت قریش کے پاس پہنچ گئے۔ اور پھر ابو طالب نے محمد سے دریافت کیا۔ یا بنی من الفاعل هذا اے بیٹا! کس نے ایسا کیا۔ محمد نے کہا کہ عبد اللہ ابن الزبیری نے ابو طالب نے لڑکے سے کہا کہ اس گندگی اور خون کو اٹھالے اور عبد اللہ کے چہرے پر لگا دے۔ عبد اللہ کے چہرہ پر وہ خون وغیرہ مل دیا گیا تو ابو طالب نے حکم دیا کہ تمام حاضرین قریش کے چہروں میں فردا فردا وہ گندگی اور خون مل دیا جائے۔ پھر تو اس جماعت میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ پھر ابو طالب واپس آگئے اور اس جماعت میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ کلام بھی کرے۔

ابو طالب مولفہ عبد العزیز مطبوعہ بیروت ۱۹۸۱ء ص ۸۹ :-

عدالت مکافات و صلہ رحم

اصل عبارت عربی :-

فقد جاء من ابلغنا ان ابا طالب

قد قضى نوحم النبى له و حزن حزنا

شديدا اولم يلبث ان ازدحم

المحزن فى نفسه و تبادرت الدموع

ابو طالب مولفہ عبد العزیز مطبوعہ بیروت ص ۸۹ :-

جب پیغمبر اسلام کو وفات ابو طالب کی

خبر ہوئی تو پیغمبر اسلام بوجہ افراط حد

کے خاموش ہو گئے اور آپ کو شدید حزن

و ملال ہوا اور فوراً ہی آپ پر حزن و ملال

الی اجفانہ عجمی و بکی ثم مضی مسرعاً
الی سریر عمہ الذی سجی فیہ و
کشف عنہ و مسح بیدہ الکریمیہ
جبین عمہ ثلاثین لایمن الاربع مرات
وجینہ الا لیسر ثلاثہ مرات
مسح جبین عمہ کما کان یمسح
جبینہ ثم قال یا عم ربیت صغیراً
وکفلت یتیمًا و نصرت کبیراً فجزاک
اللہ عنی خیراً۔

طاری ہو گیا اور آپ کے آنسو ہلکوں پر
آگے پھر اپنے گریہ کیا۔ پھر آپ نور التجلیل
اپنے چچا کے تالوت پر جس میں جنازہ ابو طالب
تھا گئے۔ تالوت کی چادر اٹھائی اور اپنے
دست مبارک سے اپنے چچا کی پیشانی راست
چار بار مسح کی اور پیشانی چپ کو تین بار اپنے
دست مقدس سے چھوا۔ پیغمبر نے اپنے چچا
کی جبین کو اس طرح مس کیا جیسے کہ چچا حالت
حیات میں آپ کی پیشانی کو مس کرتے تھے
پھر آپ نے فرمایا اے چچا جب میں صغیر سن تھا تو آپ نے میری پرورش کی اور جب میں یتیم تھا تو آپ
نے میری کفالت کی اور جب میں بڑا ہوا تو کار تبلیغ نبوت میں میری نصرت کی۔ پس خدا آپ کو میری
جانب سے جزائے خیر دے۔

خلاصہ عبارات: بکثرت کتب تاریخ و احادیث میں ابو طالب کے حالات موجود ہیں جو تکرار
و اطناب ان کو ترک کیا جاتا ہے۔ اب میں عبارات مذکورہ کا خلاصہ درج کرتا ہوں تاکہ استنباط صحیح میں
ناظرین کتاب کو سہولت ہو۔

(۱) جس روز پیغمبر اسلام بعوث برسالت ہوئے اس کے دو سب دن علی نے تصدیق رسالت کی اور پیغمبر
کے ساتھ نماز پڑھی۔ روز دو شنبہ پیغمبر اسلام بعوث برسالت ہوئے اور روز سہ شنبہ علی نے
تصدیق رسالت کی۔ اور نبی و علی کو اول بار نماز
پڑھتے ہوئے ابو طالب نے دیکھا اور اس امر پر اظہارِ رضا مندی و مدد کیا اور علی کو حکم دیا کہ اس
دین پر قائم رہو۔ (دفعہ ۱ و ۹)

(۲) پیغمبر اسلام نے جب آیت و انکم مالعبدون الخ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی تو اکابر قریش نے ابو
طالب سے شکایت کی کہ پیغمبر اسلام ان کے خداؤں کو گالیاں دیتے ہیں ہم ان کو قتل کر دیں گے
تو ابو طالب نے پیغمبر اسلام سے فرمایا کہ تم حسب طرح چاہو تبلیغ اسلام کرو۔ میں جب تک زندہ ہوں
تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ (۲ دفعہ)

(۳) جب پیغمبر اسلام کو خدا کا حکم ملا کہ کفار سے جنگ کرو اور ان کو قتل کرو تو قریش ابو طالب کے پاس

آئے اور محمد کو قتل کرنے کیلئے مانگا اور ان کے عیوض عمار بن ولید کو دینا چاہا تو ابو طالب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور پیغمبر اسلام سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ (دفعہ ۲ ب)

(۴) جب اہل مکہ نے پیغمبر اسلام سے مقاطعہ کیا ہے اور وہ بلاکت پیغمبر اسلام پر متفق ہو گئے تو ابو طالب پیغمبر اسلام کو اپنے قدیم پہاڑی شعب میں لے گئے۔ اور انتہائی حفاظت پیغمبر کی کرتے رہے اور تین سال کی طویل مدت سخت مصائب میں گزار دی۔ (دفعہ ۲ ج دفعہ ۱۳)

(۵) جب شعب انبی طالب میں بنی ہاشم اور پیغمبر اسلام کو سخت مصائب میں رہتے ہوئے دیکھا تو ابو طالب نے اہل مکہ سے ملکر اور بہترین تدابیر کر کے اس حبس بے جا کو ختم کر دیا۔ (دفعہ ۲ د - ر)

(۶) ابو طالب نے پیغمبر اسلام کی تربیت و کفالت ۸ سال کی عمر سے دسویں سال بعد بعثت تک کی۔

ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور کبھی سوتے جاگتے الگ نہ کیا۔ اور اپنی اولاد سے نہ زیادہ پیغمبر اسلام سے محبت کی اور اپنے بچوں کو اس وقت تک کھانا نہیں کھانے دیا جب تک محمد دسترخوان پر نہ بیٹھ گئے۔ (دفعہ ۴)

(۷) ابو طالب نے پیغمبر اسلام کا عقد خدیجہ بنت خویلد سے کیا اور خود اپنے مال سے مہر خدیجہ ادا کیا اور خود خطبہ نکاح پڑھ کر نکاح کیا۔ (دفعہ ۵ و ۶ و ۷)

(۸) ابو طالب نے جب سفر شام میں بحیرا راہ سے پیغمبر اسلام کے قتل ہو جانے کا اندیشہ معلوم کیا تو وہیں سے ابو طالب واپس ہوئے۔ اور پھر کبھی سفر میں محمد کو ہمراہ نہ لے گئے۔ اور ابو طالب نے یقین کیا کہ بحیرا کا قول صادق ہے کہ محمد نبی آخر الزمان ہونے والے ہیں۔ (دفعہ ۸)

(۹) ابو طالب نے پہلی مرتبہ جب ایک گھائی میں محمد و علی کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اے محمد و علی تم دونوں دین اسلام پر قائم رہو اور جب تک ابو طالب زندہ ہے وہ تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا۔ اور خدا اس دین کو کامل کرے گا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ (دفعہ ۹)

(۱۰) ابو طالب ایک دن اپنے بیٹے جعفر کو ہمراہ لیکر گھائی میں پہنچے تو دیکھا کہ محمد نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو ابو طالب نے جعفر کو حکم دیا کہ شانہ سے شانہ ملا کر تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔ جعفر نے نماز پڑھی رسول نے دعا دی کہ جعفر تم کو خدا جنت میں پر عطا فرمائے۔ اس لئے جعفر کو جعفر طیار کہتے ہیں۔

(۱۱) جب ابو طالب کھڑے اور مادر جعفر فاطمہ بنت اسد نے نماز جعفر پر اعتراض کیا تو ابو طالب نے ان کو منع کیا اور کہا کہ تم خاموش رہو۔ محمد صادق ہیں حق پر ہیں۔ (دفعہ ۱۰)

۱۲) جب تک ابو طالب زندہ رہے محمد کو کفارہ اور دشمنوں تکالیف نہ پہنچا سکے۔ مگر بعد ابو طالب محمد کو

مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا اور ہجرت طائف و مدینہ پر مجبور ہو گئے۔ (صفحہ ۱۳)

(۱۳) ابو طالب کے بارہ میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔ صاحب روضۃ الصفا تصاس پر اظہار کیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔

(۱۴) بقول عباس ابو طالب نے وقت آخر موجودگی پیغمبر اسلام کلمہ پڑھا اور بہ تعلیم و حکم پیغمبر کلمہ توحید پڑھا۔

(۱۵) جب باقر ذی الحجاز میں ابولیب و عباس پیغمبر اسلام کو کاذب کہتے پھر رہے تھے۔ تو ابو طالب پیغمبر اسلام کی صداقت و نبوت کا اعلان عام کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ محمد صادق ہیں، امین ہیں، رسول خدا ہیں۔ اور صاحب قرآن ہیں۔ مثل موسیٰ بنی در رسول ہیں۔ (صفحہ ۱۴)

(۱۶) ابو طالب نے بمقابلہ مشرکین مکہ علاقہ کیا کہ محمد کا پیش کردہ دین بہترین دین ہے۔ (صفحہ ۱۶)

(۱۷) ابو طالب نے دشمنان پیغمبر سے استقام لیا اور محمد کے برحق ہونے کا اقرار کیا۔ (صفحہ ۱۷)

(۱۸) شواہد کثیر موجود ہیں کہ ابو طالب جنتی ہیں۔ (صفحہ ۱۸)

استنباط نتائج - دین اسلام کو جتنا نقصان منافقین کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اتنا مشرکین و کافروں سے نہیں پہنچا۔ یہ گروہ عہد پیغمبر اسلام سے موجود تھا۔ اور ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی میں مصروف رہا۔ جب اس گروہ کو طاقت حاصل ہوئی تو تلوار سے نقصان پہنچایا۔ اور جیسا یہ طاقتور ہوا تو شمشیر قلم سے جسد اسلام کو پارہ پارہ کیا۔ قرآن اور پیغمبر اسلام نے ہمیشہ اس گروہ سے باخبر رہنے کا حکم دیا۔ مگر پھر بھی یہ پانچواں کالم بہت حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس نے انوار اسلام پر گمراہی و ضلالت کے تاریک پردے ڈال دیئے جن کی وجہ سے جو بیان حق کو دشواریاں پیش آتی رہیں اور آج بھی پیش آتی ہیں۔ منجملہ صد ہا ہزار ناواقعات کے ایک واقعہ ایمان ابو طالب اور مغفرت ابو طالب کا بھی ہے۔

maablib.org

عدالت، مکافات، حسن قضا و صلہ رحم

تاریخی حوالہ جات و نیز اقوال پیغمبر اسلام سے واضح ہو گیا کہ ابو طالب نے پیغمبر اسلام

کی پرورش، کفالت، حفاظت، ۸ سال کی عمر سے پچاس سال کی عمر تک مسلسل کی۔ اور اپنی جان و مال اولاد ہر چیز کو پیغمبر اسلام پر قربان کر دیا۔ اب اس موقع پر قابل غور یہ امر ہے کہ پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کا اقتضا کیا تھا۔

تعریف عدالت تو یہی ہے کہ حقوق انسانی کو کامل طور پر ادا کیا جائے اور بمقتضا و بمصدق کلیہ

هل جز الا الاحسان الا الاحسان - احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے احسانات ابو طالب کا صلہ ابو طالب کو کیا دیا۔ اگر کوئی صلہ دیا اور حسب استطاعت و حسب تقاریر احسانات کا بدلہ دہلہ دیا۔ تو بیشک یہ عدالت رسول ہے۔ اور اگر اس محسن نبوت و اسلام کی خدمات کا کوئی صلہ دربار نبوت سے نہ ملا تو یہ امر خلاف قوانین عدالت ہے۔ جن محدثین و مورخین نے اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابو طالب کافر مرے اور ان کو جہنم میں سزا دی جائے گی۔ انہوں نے پیغمبر اسلام کی عدالت کے بچانے کیلئے کیا تداہیر سوچی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے حق چھپا نہیں کرتا لہذا اس موقع پر بھی حقیقت ظاہر ہی ہو کر رہے گی۔

اگر کہا جائے کہ حیات ابو طالب میں پیغمبر اسلام نے بعض احسانات کے ابو طالب کی مالی مدد کر دی تھی تو بھی غلط۔ اور اگر کہا جائے کوئی اور بدلہ دیا تھا۔ تو یہ بھی غلط۔ علاوہ بریں معاملہ تو تصدیق دین کا تھا۔ اس کا بدلہ تو صرف عاقبت ہی پر منحصر دینی ہو سکتا ہے کیونکہ مغفرت سے بہتر کوئی نعمت نظر رسول میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر پیغمبر اسلام نے ابو طالب کو جو محسن اسلام و پیغمبر اسلام تھے نعمت آخرت سے محروم رکھا۔ تو واقعی ان کی خدمات کا کوئی صلہ نہیں دیا۔ اور یہ خلاف عدالت رسول ہے مگر در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اسلام نے معمولی سے معمولی موقعوں پر بھی عدالت کا لحاظ رکھا ہے اور کبھی کسی کے معمولی حق کو بھی نہیں روکا ہے۔ اور ہمیشہ پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ پھر یہ کب ممکن تھا کہ وہ ابو طالب کے احسانات لاتعداد کا بدلہ و صلہ نہ دیتے۔ مگر یہ دشمنان اسلام و منافقین کا کارنامہ تھا۔ کہ انہوں نے ہر ممکن ذریعہ سے رسول و خاندان رسول و نبی و نبی و نبی و نبی و نبی نامہ کے حقوق و احسانات کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ سب کچھ اسلئے کیا ہے کہ اسلام کی بیخ کنی ہو سکے مگر خدا نے اپنے رسول سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے محبوب کا ذکر بلند کرے گا اور اسلام اور اسلام والوں کا بول بالا کرے گا۔ لہذا دشمنان اسلام نے ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔

پیغمبر اسلام بیشک عادل تھے اور آپ نے ابو طالب کے حقوق و احسانات کو جس طرح ادا کیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بیشک پیغمبر اسلام بحیثیت روحانی پیشوا کے جو اس محسن اسلام کیلئے کر سکتے تھے وہ کچھ کر دیا۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) جب ابو طالب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو پیغمبر اسلام نے شبانہ روز ابو طالب کی تیمارداری کی ہے (حوالہ دفعہ ۲ ب)

(۲) جب ابو طالب کی وفات ہو گئی تو پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ ان کی تجہیز و تکفین و تدفین کرے

(۳) جب تابوت جنازہ ابوطالب جارا تھا۔ تو پیغمبر اسلام اس کے ہمراہ تھے اور دعائے خیر فرما رہے تھے۔
یا عم ابیت صغیرا و کفلت یتیمان و نصرت کبیرا فجزاک اللہ عنی خیرا۔ یعنی اے چچا عہد
طفلی میں مجھ کو پالا، بحالت یتیمی میری کفالت کی اور بحالت جوانی و نبوت میری مدد کی خدا آپ کو میری
جانب سے اجر خیر عطا فرمائے۔ (حوالہ ۱۳ و ۲۰)

(۴) جب پیغمبر اسلام کو وفات ابوطالب کی خبر ملی تو آپ نے گریہ فرمایا اور بہت سزن و طلال ہوا کئی دن
گھر سے باہر نہ آئے اور ابوطالب کیلئے خدا سے مغفرت طلب کرتے رہے۔

(۵) سال وفات ابوطالب کا نام عام الحزن رکھا۔ (دفعہ ۱۳ و ۱۵)

(۶) جب عباس نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا کہ ابوطالب کی مغفرت ہوگی؟ اور آپ کو امید ہے کہ
وہ جنتی ہیں۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا بیشک میں امید کرتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں۔ (دفعہ ۱۶)

(۷) جب ابوطالب کا جنازہ کفن کیا ہوا رکھا تھا تو پیغمبر اسلام نے چہرہ کھولا اور اپنی پیشانی کو سات بار
ابوطالب کی پیشانی سے مس کیا اور دعائے خیر کی۔ (دفعہ ۲۰)

مذکورہ واقعات ایسے ہیں جو بکثرت کتب تاریخ و احادیث میں موجود ہیں۔ اور میں نے ان حوالجات
کو دفعات وار سطور بالا میں لکھا بھی ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے احسانات
کا صلہ کیسا اچھا دیا ہے۔ بزرگوں کی سہی تمنا ہوتی ہے کہ ان کے خورد اور ان کا بیٹا ان کو دفن کرے۔ پیغمبر
اسلام ابوطالب کے دیگر فرزندوں کو میت ابوطالب سپرد کر سکتے تھے۔ مگر نہیں پیغمبر اسلام نے مودل
و مومن کامل علی کے سپرد ابوطالب کی تجہیز و تکفین کی۔ تاکہ مومن کو مومن دفن کرے اور مومن باپ کو مومن
بیٹا دفن کرے اور اب رہا یہ معاملہ کہ رسول نے خود محبت ابوطالب کا ثبوت کسی حد پر دیا ہے۔ ابوطالب
کی وفات پر پیغمبر اسلام کا گھر سے باہر نہ آنا ایک رات دن یا بقیوںے ۳ رات دن ابوطالب کیلئے طلب مغفرت
کرنا۔ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام ابوطالب کو بدل دجان چاہتے تھے۔ اور بہت محبت کرتے تھے۔ اگر ابوطالب
کافر تھے تو پیغمبر آخر الزمان و سید الانبیاء ایک کافر کو دوست نہیں رکھ سکتے کیونکہ قرآن نے سخت الفاظ میں
ممانعت کر دی ہے کہ مومن کافر کو دوست نہ بنائے۔

مگر چونکہ ابوطالب مومن تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام ان کو محبوب رکھتے تھے۔ علاوہ بریں عباس کے استفسار
پر پیغمبر اسلام نے کہہ دیا کہ مجھ کو یقیناً امید ہے کہ ابوطالب جنتی ہوں گے۔ اور اگر پیغمبر اسلام اس کا اعلان نہیں
کیا کرتے تو بھی پیغمبر اسلام کی دعائے مغفرت ہی ابوطالب کی بخشش کیلئے کافی تھی۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام
نے محبت کی حد کر دی کہ جنازہ ابوطالب کا کفن چہرے سے ہٹا کر سات بار اپنا چہرہ اقدس ان کے چہرے سے مس کیا

یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ رحمت کل شامل حال ابو طالب ہو جائے۔ یہ تو سب ایسے احسانات رسول ہیں جنکا تعلق آخرت و مغفرت ابو طالب سے ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پیغمبر اسلام نے ایک صلہ بجا لایا دینا بھی دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر مومن کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی اس کا نام و کام زندہ رہے۔ اور آخرت میں بھی رضائے خدا اس کو حاصل ہو جائے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے چند روز مسلسل ابو طالب کا غم مٹایا۔ اور گھر سے باہر تشریف نہ لائے۔ اہل اسلام کو اس کا ہوا اور اس سال کا نام عام الحزن رکھ دیا گیا۔ اور یہ صلہ ابو طالب کو پیغمبر اسلام کی سرکاسے ایسا طابہ کہ جو قیامت تک اہل اسلام و اہل دنیا کے سامنے موجود رہے گا۔ اور لفظ عام الحزن جب صفحات تالیخ پر نظر آئے گا تو ان دو محنین اسلام ابو طالب و خدیجہ الکبریٰ کے احسانات کا تذکرہ ہو گا۔ کیونکہ خدیجہ الکبریٰ کا انتقال بھی ابو طالب کے انتقال کے پانچ یا ۳۵ دن کے بعد ہی ہو گیا تھا۔

اگر پیغمبر اسلام یہ دنیوی نعمات ان دونوں حضرات ابو طالب و خدیجہ کو عطا نہ فرماتے تو دامن اسلام پر محسن فراموشی کا دھبہ نظر آنے لگتا اور عدالت پیغمبر اسلام پر حرف آتا۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا جبکہ معلم اخلاق مدبر و مصلح عالم کا معاملہ تھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں حضرات کو وہ نعمات حاصل ہوئے جو تقیام قیامت یادگار و قابل تذکرہ و لائق تعریف رہیں گے۔

مجھ کو ابو طالب کے حالات دیکھ کر اور ان پر انہذا ام کفر کو بعض کتابوں میں پڑھا کہ سیرت ہوتی ہے۔ اور اسلام دشمن منافقین کی حرکات رکب پر افسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے کم از کم اتنا تو خیال کر لیا ہوتا کہ دامن عدالت رسول پر دھبہ آنا تو درکنار ایک اہم بات دوسری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ابو طالب کافر تھے تو خدیجہ الکبریٰ سے پیغمبر اسلام کا نکاح تو ابو طالب نے ہی پڑھایا تھا۔ خود ہی ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا، خود ہی اپنے مال سے مہر خدیجہ ادا کیا۔ اگر ابو طالب کافر تھے تو یہ نکاح رسول کے درست ہو گیا۔ اگر کہا جائے کہ نکاح رسول مطابق رسوم جاہلیت ہوا تو غلط کیونکہ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے اور تمام اہل اسلام کے نزدیک مستند ہے۔

كنت نبيا والادام بين الماء والطين اس وقت میں نبی تھا جبکہ آدم کا حسد مٹی اور پانی کی شکل میں تھا علاوہ اس کے پیغمبر اسلام ابو طالب کی زبان سے وہ الفاظ اور ان کلمات کا اظہار دیکھ رہے تھے تو صرف مسلمان ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ ابو طالب نے تو خطبہ نکاح پیغمبر اسلام کا پڑھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

(۱) الحمد لله الذي جعلنا من ذرية ابراهيم و ذرع اسمعيل -

تعریف اس اللہ کی جس نے ہم کو ذریت اولاد ابراہیم واسمعیل میں پیدا کیا۔

(۲) وجعلنا حصنہ بیتہ وسواہ حرمہ

اس خدا کی تعریف جس نے ہکو اپنے گھر کعبہ کا گنجان و حرم مقدس کا محافظ بنایا۔

(۳) و محمد بن عبد اللہ لایوزن بر جبل الراجح بہ شرفا و نبلا و فضلا و عقلا۔

اور محمد بن عبد اللہ شرف و نمائندان و تفصل و عقل میں ہر انسان سے بالاتر ہیں۔

(۴) و هو واللہ بعد هذا الہ بناء عظیم و نظر جسیم۔

محمد کیلئے اس کے بعد ایک خبر عظیم و حصہ جسیم نصیب ہونے والا ہے۔

ابو طالب کے ان کلمات خطبہ میں پہلے حصہ میں تو توحید خدا کا اقرار ہے۔ دوسرے میں خانہ کعبہ

کو خانہ خدا تسلیم کیا ہے۔ اور حرم کعبہ کو قابل احترام مانا گیا ہے۔ تیسرے جملہ میں محمد کو تمام انسانوں سے

اعلیٰ و افضل تسلیم کیا ہے۔ اور چوتھے جملہ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ عنقریب محمد بنی و رسول ہونے والے ہیں

تو گویا ابو طالب نے پیغمبر اسلام کے ۲۵ سال کی عمر کے موقع پر ہی اقرار توحید و رسالت کر لیا تھا۔

اور اسی ایمان کی بدولت ابو طالب نے حفاظت پیغمبر اسلام و دین اسلام کی۔ اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ

قربان کر دیا۔ اور آخر چلتے وقت اپنی اولاد اور نمائندان کو وصیت کر گئے کہ وہ امن و دین محمد کو مضبوط پکڑے

رہیں۔ کہ یہی بہترین دین ہے۔ چنانچہ آپ کی وصیت کا یہ نتیجہ تھا کہ جعفر طیار و علی حمیدہ کو مارنے یا آخر

دقت رسول خدا و دین اسلام کی خدمات انجام دیں۔ اور بنی ہاشم نے ہمیشہ حمایت اسلام کی اور سخت

سے سخت مصائب برداشت کر کے اسائن اسلام کو قیامت تک کیلئے مستحکم کر دیا۔

ایمان ابو طالب کے اقرار اور ابو طالب کے احسانات و خدمات دین کا اعتراف و تکریم پیغمبر اسلام کا

ان احسانات کا صلہ و معاوضہ دینا ان چند امور کے ماننے سے عدالت پیغمبر اسلام بھی بد اسن و توبہ ثابت

ہوتی ہے اور اعتراض مومنہ الزکر کا رد بھی ہو جاتا ہے۔

عدالت مسافر ہجرت و توبہ پیدارہ می شمر

عدالت کی تعریف حکماء نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ان تہذیب عقل عملی کہ شحمیہ ثانیہ است انہ ہمال وقت عدالت پیدا شود

عقل عملی کی تہذیب سے عدالت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل مطابق تعریفات مندرجہ اجناس

تفصیل یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی قوت بہیمی و شہوی و غضبی پر اپنی عقل کو غالب و حاکم بنا دے۔ اور

جب کبھی کسی وجہ سے اس کے قوائے بہیمی و شہوات میں یا اس کی قوت غضب میں اشتعال و التهاب

پیدا ہو تو وہ ان کے مطابق عمل نہ کرے۔ بلکہ اس کا ہر کام ایسے مواقع پر بھی مطابق عقل و مطابق قوانین فضائل حکمت عفت و عدالت و شجاعت کے ہو۔ اور وہ انسانِ عادل اپنے ذاتی فائدے کو دوسرے کے ذاتی فائدہ پر ترجیح نہ دے اور دوسروں کے حقوق کی کا حقہ حفاظت کرتا رہے۔ پیغمبر اسلام پر ابتدائے اسلام میں بہت مصائب پڑے ہیں۔ سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ اہل وطن دشمن ہو گئے۔ اقربا و اعز مخالف ہو گئے۔ ہزاروں اہل مکہ جانی دشمن بن کر در پے آزار بن گئے۔ حتیٰ کہ قتل پیغمبر اسلام کی تدبیر کی گئیں اور آخر ایک رات ایسی ٹھہرائی گئی کہ اس رات خانہ پیغمبر اسلام میں بہادران عرب گھس جاتے اور بحالت خواب پیغمبر اسلام کو قتل کر دیا جائے۔

جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ وہ اور ان کا گھر دشمنوں میں گھر چکا ہے اور مسلح بہادران عرب بالارادہ قتل گھر کو گھیر چکے ہیں تو آپ نے ارادہ کر لیا کہ اب وطن کی سر زمین کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کشمکش میں پیغمبر اسلام تھے کہ اتنے میں علی آگئے پیغمبر نے علی کو قریب بلا یا اور خاموشی سے کہا کہ میری چادر اور صوفیہ بستر پر سو رہو اور میں مدینہ جاتا ہوں۔ علی نے حکم کی تعمیل کی اور بستر رسول پر سو گئے اور پیغمبر اسلام دعا بلب و دعا بہ زبان دروازہ سے نکل گئے اور تادور پہنچ گئے۔ ان کے عقب میں ابوبکر بن قحاذ چلے اور ایک منزل پر ہر دو کی ملاقات ہو گئی۔ تاریخی عبارت اس ملاقات کے بارہ میں ملاحظہ ہو۔

(۱) ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ ترجمہ :-

ولابن عباس حدیث آخر واصلہ فی الترمذی ولسانی

ابن عباس کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے۔ اس مقام سے حکو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمر بن مہیون سے روایت کی ہے بعد جب رسول خدا تشریف لے گئے تو مشرکین علی پر پتھر برسارہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نبی سورہتے ہیں۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور کہا یا رسول اللہ تو علی نے جواب دیا کہ رسول خدا تو بڑے مہیون کی طرف تشریف لیگئے ہیں۔ تم ان سے جا کر مل جاؤ۔ ابوبکر ادھر روانہ ہوئے اور رسول خدا کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اس کی اصل ترمذی اور لسانی میں ہے۔

(۲) تفسیر در منشور امام سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۴ :-

انخرج ابن مردودیه و ابو نعیم فی دلائل النبوة فاتیبا العار ذلک ۔

ابن مردودیه اور ابو نعیم نے دلائل النبوة میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلعم رات کو نکلے اور غار ثور کے قریب پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبکر بھی آ رہے تھے۔ رسول خدا نے جب ان کی آہٹ سنی تو خوف ہوا

کہ کوئی پکڑنے والا تو تعاقبت نہیں کر رہا ہے جب رسول خدا نے بخوردیکھا تو لا بوبکر (تخت) بوبکر نے کھکھارا رسول خدا نے آواز سے پہچانا اور ٹھہر گئے سستی کہ بوبکر رسول خدا کے ساتھ چلے اور پھر دونوں غار ثور تک پہنچ گئے۔

(۳) مدارح النبوت جلد ۲ ص ۲۴۳ مؤلفہ شاہ عبدالحق دہلوی :-

بوبکر را دو شتر بود کہ بچار صد درم ورد
روایتی ہشت صد درم خریدہ و در مدت
چہار ماہ آنہ اعلف دادہ فر بہ ساختہ نگاہ
داشتہ بود۔ ہر دورا پیش آوردہ تا یکے
را آنحضرت قبول فرماید فرمود قبول کردم
الابشر طیکہ ابتباع پس بہ نہ صد درم آن
ناقہ را از بوبکر صد لقی خرید۔

بوبکر کے پاس دو شتر تھے جن کو انہوں نے چار
سو یا آٹھ سو درم میں خریدا تھا۔ اور چار ماہ
تک ان کو چارہ کھلا کر موٹا کر لیا تھا۔ وہ اونٹ
ان کے پاس تھے۔ بوبکر دونوں اونٹوں کو
رسول کے سامنے لائے تاکہ ایک اونٹ کو
رسول خدا لے لیں۔ رسول خدا نے فرمایا کہ
میں نے قبول کیا۔ بشر طیکہ اس کو میرے ہاتھ
فروخت کر دو بس نو سو درم میں بوبکر سے ایک
اونٹ خرید لیا۔

(۴) امام جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور جلد ۲
ص ۲۰۴ :-

ممکت هو و بوبکر فی الغار ثلثۃ ایام و رکب رسول اللہ و رکب
بوبکر اخری فتوجہوا نحو الممینہ۔

پنجیام اسلام اور بوبکر تین دن تک غار میں ٹھہرے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کے لئے کھانا
لاتا تھا اور علی اس کھانے کا سامان کرتے تھے۔ پس علی نے تین اونٹ بحرن کے اونٹوں
میں سے خریدے اور ایک رہبر کو اجرت پر مقرر کیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو
تو علی اونٹ اور رہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول خدا اور ایک اونٹ پر بوبکر سوار
ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۵) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۶ :-

بوبکر نے پنجیام سے التماس کی کہ ان دونوں
اونٹوں میں سے جو میرے پاس ہیں ایک
اونٹ کو آپ قبول کر لیں۔ پنجیام نے فرمایا کہ

بوبکر التماس نمود کہ از میں دو شتر کہ دام
یکے را قبول فرمائی پنجیام فرمود کہ بہ قیمت
فراگیرم۔

میں قیمت دیکر خریدوں گا۔

توالہ حیات تاریخی نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام تازک ترین و صعب ترین مواقع پر بھی اپنی قاتی تعویض و منفعت کو قبول نہیں کرتے تھے اور اپنا ہر فعل مطابق قوانین و اصول فقہیت عدالت رکھنا چاہتے تھے اس پریشانی میں ہر شخص یہی کرتا ہے کہ دوست دشمن جس کا بھی اونٹ مل جاتا یا کوئی بھی سواری مل جاتی وہ حاصل کر لیتا اور اپنی جان بچا کر شہر سے باہر نکل جاتا۔

مگر جو انسان انسان کامل ہو اور جو مصلح اصول تمدن و معاشرہ ہو وہ بھلا ایسی رکیک حرکت کیا کر سکتا ہے۔ اگر اس موقع توقناک پر پیغمبر اسلام ابو بکر سے اونٹ کو بغیر قیمت قبول کر بھی لیتے تو کیا ہرج واقع ہوتا۔ کیا بحیثیت سردار ہونے کے پیغمبر کو اپنے ماتحت افراد کے مال پر اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے وقت وقتی طور پر ایک سواری لے لیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس احسان کو معاملہ دین میں قبول نہ کیا۔ اور ابو بکر کے اونٹ کی قیمت اصل قیمت سے زیادہ دیکر اونٹ کو خرید کر لیا۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔

(۱) اول تو یہ امر عین عدالت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اونٹ کی قیمت حسب منشاء مالک ادا کی۔ ابو بکر نے دو شتر چار سو درم کو خرید کئے اور ان کو خوب کھلایا پلایا اور فر بہ کیا۔ جیسے ہمارے یہاں قربانی کیلئے لوگ بکروں، دنبوں کو پالتے ہیں۔ اور جب خوب فر بہ کر لیتے ہیں۔ تو دو گنی چو گنی قیمت پر خرید کرتے ہیں۔ ابو بکر نے بھی چار ماہ تک کھلایا پلایا کہ ان کو خوب موٹا کیا اور منافع پر بچنے کا ارادہ کیا۔ اگر پیغمبر اسلام اونٹ کی قیمت معہ منافع کے ادا نہیں کرتے تو بھی خلاف انصاف و عدل تھا۔ اور اگر مفت لے لیتے تو بھی منافی عدالت تھا۔ ہونا یہی چاہئے تھا جو پیغمبر اسلام نے کیا۔

(۲) دوسرا یہ کہ کس موقعہ تازک پر آپ نے قوانین عدالت کا لحاظ رکھا اور کس خوبی سے اپنے اصحاب خاص کو خوش رکھا۔ بادی النظر میں تو یہ معاملہ بہت سادہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر موقعہ کی اہمیت اس مہولہ واقعہ کو نہایت اہم بنا رہی ہے اور بہترین نمونہ عدالت پیغمبر کو ظاہر کر رہی ہے۔

توالہ دفعہ چار میں امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب در منشور میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام اور ابو بکر کی سواری کیلئے مال بحرین میں سے خرید کر علی اونٹ لائے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کیونکہ سفر طویل تھا اور عرب کا موسم گرم تھا۔ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابو بکر سے بھی اونٹ لئے ہوں اور علی کے لئے اونٹ لائے ہوں۔ اور راہبر راہ کو دوسرے اونٹ پر سوار کر لیا ہو اور کچھ سامان خود اپنے لئے خرید کر تیسرے اونٹ پر بار کر لیا ہو۔ اتنی باریک باتوں اور دقیق واقعات کو مورخین نظر انداز کر ملتے ہیں۔ اور ایسا خود بخود بھی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ واقعہ تاریخی اسناد رکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابو بکر سے

اونٹ بمنافع قیمت پر خرید کر اعلیٰ نمونہ عدالت پیش فرمایا۔
واقعہ چہل و دوم - حسن شرکت و مسکانات

صحیح بخاری پارہ ۵ کتاب وکالت ترجمہ مزید

حیرت دہلوی ص ۱۳۳

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اپنے اونٹ کا تعاضا کرنے آیا اور اس نے آپ سے سخت کلامی کی تو آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر رسول خدا نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کی گفتگو ایسی ہی ہوتی ہے۔ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ اسے اسی عمر کا اونٹ دیدو کہ جس عمر کا اس کا اونٹ تھا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس سے عمدہ عمر کے اونٹ کے علاوہ اور کوئی اونٹ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اسے وہی دیدو اس لئے کہ تم میں اچھا وہ شخص ہے جو ادائے حق اچھی طرح کرے۔

(۲) صحیح بخاری چہا باب وکالت

رسول خدا کے پاس جب قبیلہ ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آئے تو آپ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے مال اور ان کے قیدی انہیں واپس کر دیں۔ تو ان سے رسول خدا نے فرمایا کہ مجھے وہ بات پسند ہے جو حق ہو۔ پس تم لوگ بیک بات اختیار کرو یا قیدیوں کو واپس لے لو۔ مال کو اور میں نے تمہارے انتظار میں مال غنیمت کی تقسیم دیر میں کی مگر تم لوگ اس وقت تک نہ آئے (اور بیشک رسول خدا نے کچھ اور پردوں دن ان کی انتظار کیا۔ جبکہ آپ طائف سے لوٹے تھے۔) بس انہیں معلوم ہو گیا کہ رسول خدا انہیں صرف ایک ہی چیز واپس دیں گے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ پس رسول خدا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی تمہارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو دیدوں۔ لہذا جو شخص تم میں سے تبتراً ایسا کرے وہ دیدے اور جو شخص تم میں سے یہ چاہے کہ وہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ تم سب سے پہلے غنیمت سے اسے اس کا معاوضہ دینے میں تودہ اسی شرط پر دیدے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بلا معاوضہ اس کو منظور کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے منظور کیا۔ کس نے نام منظور کیا۔ لہذا تم لوگ لوٹ جاؤ اور تمہارے سردار تمہارا پیغام میرے پاس لائیں۔ پس سب لوگ لوٹ گئے اور ان سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی۔ بعد اس کے وہ رسول خدا کے پاس آئے۔ اور آپ سے بیان کیا کہ وہ لوگ بخوشی منظور کرتے ہیں۔

استنباط تاسیخ - واقعہ اول سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اعرابیوں کو اس کے اونٹ کے بدلے میں

بہتر اونٹ عطا فرمایا اور باوجود اس کی سخت کلامی کے آپ کے مزاج میں مطلق تغیر پیدا نہ ہوا۔ بلکہ صحابہ کو اس کے مارنے سے روکا نہ غصہ کیا نہ بدزبانی کا بدلہ بدزبانی سے دیا اور نہ اسکو معاوضہ سے محروم کیا بلکہ اس کے اونٹ کے بدلہ اعلیٰ نسل کا اونٹ اس کو عطا فرمایا۔

بادی النظر میں کسی کی چیز کے بدلہ کسی چیز کا دیدنیاروزمرہ کی معمولی بات ہے۔ مگر اعرابی کی سخت کلامی سردار قوم و مذہب کیلئے ایک بجا و نامناسب حرکت تھی۔ ایسے مواقع پر معمولی حیثیت کے انسان کو بھی طیش آجاتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کی عدالت اس کی مقتضی تھی کہ اس کی سخت کلامی کو برداشت کیا جائے اور بہتر بدل بھی دیدیا جائے۔

دوسرے واقعے سے عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ عدالت ظاہر ہوتا ہے۔ قبیلہ ہوازن کا مال غنیمت اور اسیروں کا مجاہدین پر تقسیم ہو جانا۔ اور بنی ہوازن کے بعض اشخاص کی فرمائش پر پیغمبر اسلام کا اپنا حصہ واپس کر دینا اور لشکر اسلام سے سفارش کرنا کہ وہ بھی اپنا حصہ واپس کر دیں اور اس پر مزید عدالت یہ کہ ان سپاہیوں کو واپس کر دیا جو حکم رسول اپنا اپنا حصہ واپس کر رہے تھے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں شائبہ تھا کہ شاید وہ بخوشی اپنا حصہ واپس کرنے پر راضی نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے کہا۔ کہ تم لوگ اپنے سرداران لشکر کو بجا اور وہ مجھ کو تمہارا پیغام واپسی مال غنیمت سنا میں۔

گویا پیغمبر اسلام نے ایک نمونہ عدالت کو افراد بنی ہوازن کے ساتھ سلوک نیک کر کے دکھایا۔ اور دوسرا نمونہ عدالت اپنی فوج کے افراد سے ان کی رضامندی کو بخوشی معلوم کر کے ظاہر فرمایا۔ اور تیسرا نمونہ عدالت اپنے کردار واپسی مال غنیمت سے ظاہر کیا۔ اس ایک واقعے میں قوانین عدالت کے تین پہلوئے ایک ذات رسول سے معاملہ تو اپنے سب سے پہلے اپنا حصہ واپس فرما کر عدالت برقی دوسرا پہلو مجاہدین کے حصص مال غنیمت سے تھا تو ان سے سفارش کر کے مال واپس کر دیا۔ تیسرا پہلو مخصوص افراد لشکر اسلام سے تھا۔ کہ وہ چاہتے اپنا مال واپس کرتے اور چاہتے نہ کرتے۔ تو پیغمبر اسلام نے ان کو کامل اختیار دیا۔ اور ان کو پورا موقع دیا کہ وہ حاضرانہ و غائبانہ اپنے معاملہ پر غور کر لیں۔ اس میں ان پر معمولی دباؤ بھی نہ پڑے۔ چنانچہ ان مجاہدین اسلام نے اپنے سرداروں کے ذریعہ پیغام دیا کہ ہم اپنا اپنا مال واپس کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تھی وہ عدالت رسول جو ہمیشہ انسانوں کیلئے نمونہ عدالت پیش کرتی رہے گی۔

واقعہ پہل و سوم، عدالت، حسن شرکت، حسن قضاء | صحیح بخاری ۹ ترجمہ مرزا حیت دہلوی ص ۳۲۹

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد کے اندر ابن ابی حداد سے اپنے ایک قرض کا جو

ان پر تھا اتفاقاً کیا۔ پس ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حتیٰ کہ رسول خدا نے سنا۔ آپ اپنے گھر میں تھے
پس آپ ان کے پاس آئے اور اپنے حجرہ کا پردہ اٹھا کر ان کو آواز دی کہ اے کعب۔ کعب نے کہا بیک یا
رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ تم اپنا قرض اسے معاف کر دو۔ اور آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ نصف ماہوں نے کہا
یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے ابی خندسہ سے فرمایا کہ اٹھو اور ان کا قرض ادا کر دو۔

نتیجہ - اس واقعہ میں صرف پیغمبر اسلام نے دو باہم لڑنے والے مسلمانوں میں حکم عدالت ہی ندیا بلکہ وہ طریقہ
عدالت اختیار کیا کہ ان کے مابین محبت و یگانگت بھی باقی رہی اور قرضہ بھی ادا ہو گیا۔ کیونکہ کعب نے حکم
رسول اپنا نصف قرضہ ابن ابی سلمہ کے حق میں معاف کر دیا۔ تو گویا یہ احسان کیا اور اس احسان کے بدلہ
میں ابن ابی سلمہ ممنون احسان ہوا اللہ ہی پیغمبر دوستی باقی رہی۔ اور چونکہ قرض ادا کر دیا گیا۔ لہذا کعب بن مالک
بھی مطمئن ہو گئے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ہوتی تو ایک تو ایک دوسرے کے مقابلہ میں مقدمہ کی
مارجیت کا ملال زندگی بھر رہتا۔ اور دل صاف نہ ہوتا۔

مگر پیغمبر اسلام نے عدالت کے ذریعہ ایسا حکم دیا کہ ہر دو دوست بھی رہے اور ایک دوسرے کے ممنون
و متشکر بھی۔

واقعہ چہل و چہارم، عدالت، ہجرت، قیام قباء

بعثت پیغمبر اسلام کے تیرھویں سال
واقعہ ہجرت پیش آیا۔ پیغمبر اسلام نے
جب دیکھا کہ کفار مکہ نے چالیس سپاہیوں سے آپ کے مکان کو گھیر لیا ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ وہ رات کو
سونے کی حالت میں مجھ کو قتل کر دیں تو آپ نے علی ابن ابی طالب سے کہا کہ تم اس رات میرے بستر پر میری
چادر اور ڈھکر سوجھو۔ اور میں مکہ سے مدینہ روانہ ہو جاؤں۔ علی نے بخوشی بستر رسول پر سونا منظور کیا۔ اور
پیغمبر اسلام تاریکی شب میں مکان سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ علی نے تین روز مکہ میں قیام کیا۔ اور
پیغمبر اسلام کے پاس کفار مکہ کی جو امانتیں موجود تھیں وہ ان کے مالکوں کو واپس کیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ
کی جانب روانہ ہو گئے۔ ادھر پیغمبر اسلام تین روز غار ثور میں مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کا رخ کیا
اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام قبایم قیام کیا۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ اہل مدینہ آپ کی تشریف آوری کے
مشتاق ہیں۔ آپ جلد مدینہ میں داخل ہوئے۔ مگر پیغمبر اسلام نے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ جب تک علی مجھ
تک نہیں پہنچیں گے میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔ اس واقعہ کی اسناد مختصر اکتب تاریخ سے ملاحظہ فرمائیے
۱۱) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۳۲۱۔

قیام میں مرکب رسالت ۸ ربیع الاول ۳۱ھ بنو ت یا ۳۱ھ روز دوشنبہ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو نبی

(۲) تاریخ التواریخ جلد اول ص ۳۳

مختصر یہ ہے کہ پیغمبر اسلام پانچ رات دن مقام قبا میں مقیم رہے۔ قبا میں پہنچنے کے بعد ابو بکر نے خدمت پیغمبر میں عرض کیا کہ مدینہ کے لوگ آپ کا شدید انتظار کر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ سے آکر نہ ملجائے گا۔ میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔

مع القصة پیغمبر صلعم پنج شبانہ روز داخلہ قبا متوقف بود..... بعد از ورود بقبا ابو بکر در حضرت رسول معروض داشتہ کہ مردم مدینہ بسیار انتظار کرده اند صواب آنست کہ در مدینہ نزول فرمائید۔ آنحضرت فرمودند تا برادرم علی با من ملحق نشود وارد مدینہ نشوم۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۹ :-

جب پیغمبر اسلام مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو علی ابن ابی طالب نے تین دن تک مدینہ میں قیام کیا تا کہ وہ لوگوں کی امانات جو پیغمبر اسلام کے پاس رکھی تھیں۔ بحکم پیغمبر واپس کر دیں۔ اس کے بعد علی پا پیادہ پیغمبر کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ پیغمبر اسلام ابھی مقام قبا میں مقیم تھے کہ علی خدمت پیغمبر میں پہنچے۔ چلنے کی وجہ سے علی کے پیروں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ پیغمبر اسلام اپنے دست مبارک کو پلے علی پر مل رہے تھے۔ اور دعائے صحت کر رہے تھے۔ اس کے بعد علی کے پیروں میں کبھی درد نہ ہوا۔ بعض کہتے ہیں مقام قبا میں چار روز پیغمبر نے قیام کیا پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک گروہ کی رائے ہے کہ چودہ دن یا اٹھارہ دن یا بیس دن

چوں حضرت رسالت پناہ از مکہ بعزم مدینہ روان شد علی ابن ابی طالب سہ روز در حرم توقف نمود تا ودائع کہ نزد رسول بود با مر و اشارت آن سرور بہ صاحبانش سلطنت و پیادہ در عقب پیغمبر روان شد و منور آن سرور در قبا بود کہ امیر المؤمنین علی بخدمت مشرف گشت و از پیادہ رفتن در پائینش آبلہ شدہ بود۔ حضرت رسالت پناہ دست مبارک را بجاں می مالید و دعاء شفافی تواند تاں رنج نہ صحت پیوست و دیگر حضرت دروپا نکشید گویند کہ حضرت رسول بعد از چہار روز کہ در مسجد مملہ قبا توقف نمود عازم مدینہ شد و فرقہ بعد از چہار روز با سجدہ روز و گروہی بعد از بست روز گفتہ اند و گویند کہ روز جمعہ از قبا متوجہ مدینہ گشت کے بعد بروز جمعہ مدینہ روانہ ہوئے۔

توجہ سے

جب رات ہو گئی تو اہل مکہ مطابق اپنی قرار نامہ کے در پیغمبر پر جمع ہو گئے۔ اور انتظار کرنے لگے کہ پیغمبر اسلام سو جائیں تو ان کو ہم قتل و ہلاک کر دیں۔ ابو لہب نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ آج رات بھر محمد کو گھیرے رہیں اور صبح ہو تو صبح کی روشنی میں اس کو قتل کر دیں۔ تاکہ نبی ہاشم کو معلوم ہو جائے کہ ہم سب نے اجتماعی حیثیت سے محمد کو قتل کیا ہے۔ تاکہ وہ فقہاء میں نہ لے سکیں۔ پیغمبر اسلام کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی۔ آپ نے علی مرتضیٰ کو بلا دیا اور ان سے کہا کہ مشرکین نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم جاؤ اور میری چادر کو اڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ۔ اور تم اپنے دل کو مطمئن رکھو کہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ علی مرتضیٰ نے مطابق حکم پیغمبر عمل کیا اور وہ چادر جو پیغمبر بحالت خواب اڑھتے تھے اپنے ادھر پر تان کر پیغمبر اسلام کے خاص بستر پر اطمینان تمام ہو گئے۔ کون شخص ہے جو ایسا ارادہ کر سکتا ہے۔ علی نے اپنے نفسِ نفیس کو ذاتِ اقدس نبوی پر قربان کر دیا۔ اور آیہ کریمہ من لیسری الخ جو کہ بیچ ویتلے اپنے نفسِ دجان کو خدا کی رضا کی طلب کیے اور اپنے بندوں پر مہربان بھائی موقع پر نازل ہوئی

(۱) چوں شب شد بردے سرے مصطفیٰ بدستوریکہ قرار دادہ بودند صبح آمدہ انتظار می بردند کہ آنحضرت در خواب شود تا ایشان بقتل و ہلاک آنحضرت پردازند گو سزا ابو لہب گفت امشب اور الگاہ میداریم کہ چوں صبح شود در روشنی اورا بقتل رسانیم تا نبی ہاشم را معلوم شود کہ بہیسات اجتماعی اس کار ساخته ایم حضرت رسول بر کیفیت قضیہ اطلاع یافتہ علی ابن ابی طالب را فرمود کہ مشرکان قصد قتل من دارند تو برو برو در پوش خود در خوابگاہ من تکیہ کن و دل توی دار کہ بیچ مکر و ہے تو بخواب در سید۔ علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ عمل نمودہ بردے کہ پیغمبر در خواب پوشیدے بردوش کشید و در فرش خاص آنحضرت بفرانحال تکیہ فرمود و من الناس لیرجع نفس نفیس خود را فدائے ذات مقدس او ساخت و آیہ کریمہ من لیسری نفسہ التبعا مرنات اللہ رؤف بالعباد دریاں واقعہ نازل شد۔۔۔

ب دیدند کہ شخصے در خوابگاہ حضرت رسالت است و آنجا غنودہ است گفتند اینک محمد است کہ بر خود پوشیدہ و در خوابگاہ خپیدہ است چوں بعزم دست بردارے

مشرکین مکہ نے دیکھا کہ بستر رسول پر ایک شخص

لیٹا ہوا ہے۔ اور سو رہا ہے تو انہوں نے

باہم کہا کہ یہ محمد ہے جو اپنی چادر اور حصے اپنے

بستر پر سو رہا ہے۔ جب دشمن محمد کو قتل کرنے

کے ارادہ سے گھر میں داخل ہوئے تو علی

بستر سے اٹھ بیٹھے۔ ان لوگوں نے علی کو دیکھا

تو یہ جانتے ہوئے کہ علی صادق القول ہے

علی سے پوچھا کہ محمد کہاں ہیں۔؟ علی نے کہا

کہ تم نے محمد کو میری سپردگی میں دیا تھا جو مجھ سے پوچھتے ہو کہ وہ کہاں گئے۔ مشرک بوجہ سکر

شرمندہ و خجل و ذلیل ہوئے۔ کچھ دیر علی کو گرفتار رکھا۔ پھر ابو لہب کے کہنے سے چھوڑ دیا۔

استنباط تسلیح۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ باعراہہ قتل جمع ہو گئے۔ تو آپ نے اپنے

بستر پر اپنی چادر اور حصے کر سونے کا حکم علی کو دیا۔

(۲) علی نے بخوشی تلواروں کی چھاؤں میں بستر رسول پر سونا گوارہ کیا اور مطابق حکم سو گئے۔

(۳) کفار و مشرکین مکہ حسب قرار داد باہمی خانہ پیغمبر اسلام میں گھس آئے اور علی پر حملہ کیا۔ مگر علی باہر

ہو گئے۔ کچھ دیر قید رہے اور بعد کو چھوٹ گئے۔

(۴) علی نے بوقت شب اجتماع قافلین میں بستر پیغمبر اسلام پر سو کر گویا اپنی جان قربان و فدیہ رسول کریم

اور خدانے علی کو اس خدمت کا صلہ آیت قرآن نازل فرما کر ادا کر دیا۔ اور عدالت خداوندی اس طرح

ظاہر ہو گئی۔

(۵) علی نے مکہ میں بعد رماہی تین دن مسلسل قیام کیا۔ اور پیغمبر اسلام کے فرائض عدالت و نبوت کو اس طرح

ادا کیا کہ پیغمبر اسلام کے ذمہ جو امانات تھیں ان کو ان کے مالکوں کو واپس دیا۔

(۶) علی مکہ سے مدینہ تک پیدل گئے۔ اور علی کے پانچوں میں چھالے پڑ گئے۔ تو پیغمبر اسلام نے ان چھالوں

پر اپنا دست شفا لگایا۔ اور وہ پاؤں کے چھالے درست ہو گئے۔

(۷) پیغمبر اسلام نے مقام تبای میں تین دن یا بچوئے اٹھارہ بیس دن قیام کیا۔ اور جب آپ کے صحابی ابو بکر

نے کہا کہ اہل مدینہ آپ کے منتظر آمد میں آپ جلد چلیں تو آپ نے مدینہ میں داخل ہونے سے انکار کیا۔

اور کہہ دیا کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ سے نزل جائے گا۔ میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔

ورخانہ بہاؤند مرتضیٰ علی از نواب بر حسب

والیشاں اور اویدند دانستند کہ اہل شخصی

در قول صادق بودہ از علی سوال کردند کہ

محمد کجا است۔ فرمود کہ مرا بما فطرت او تعین

نہ کردہ بودند کہ دائم بکدام جانب رفتہ مشرکوں

منفعل و متعیر و خاکسار گشتہ زمانی علی را محبوس

کردند و آخر باشارت ابو لہب دست تعرض

ازد باز۔ داشتند۔

۸ جب علی ابن ابی طالب مقام قبا میں پہنچ گئے تو پیغمبر اسلام علی کو بھراہ لیکر داخل مدینہ ہوئے۔ مندرجہ تاریخی واقعات و رسالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی نظر قوانین عدالت پر تھی۔ لہذا آپ نے نہیں چاہا کہ خلاف قوانین عدالت کوئی کام کریں۔ پیغمبر اسلام مکہ میں پیدا ہوئے مکہ ہی میں مبعوث رسالت ہوئے۔ اور تیرہ سال مسلسل اہل مکہ کو تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ مگر بجز چند اہل مکہ کے مسلمان نہ ہوئے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا مرکز تبلیغ بدلا۔ اور مدینہ کو اس مرکز بننے کیلئے انتخاب فرمایا۔ گویا پیغمبر اسلام مدینہ پہنچ کر کار نبوت و رسالت کی بنیاد نور کھنے والے تھے۔ اور اسی مدینہ کو ہمیشہ کیلئے مرکز تبلیغ اسلام بنانے والے تھے۔ اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام علی کی اس جاں فروشی کی داد نہ دیتے۔ اور بہ نفس نفیس تنہا ہی مدینہ کے کار تبلیغ کو شروع کر دیتے تو گویا علی کی فداکاری، جاں سپاری کو نظر انداز کر دیتے۔ اور علی کے ان کاموں کو حقیر و سبک سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے۔ تو خود ہی صاحبانِ فطر و انصاف غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا یہ فعل مطابق عدالت ہوتا۔ یا خلاف قوانین عدالت۔؟

ہذا تو خود ان خدمات و اس فداکاری علی کو آیت قرآن کے ذریعہ سراہے اور علی کی مدح کرے۔ اور خدا کا نبی اس اہم کار منصبی کی تکمیل و تعمیل کو نظر انداز کر دے یہ صورت برگز مطابق قوانین عدالت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام اگر خدمات علی کا صلہ نہ دیتے۔ تو خلاف عدالت بھی ہوتا اور آئندہ کیلئے مضرت رسان بھی کیونکہ کسی مرد مجاہد و جاں سپارہ کی خدمات کو سبک و حقیر گردانتنا ہی خلاف عدالت بھی ہے اور آئندہ کیلئے باعث عدم التفات و عدم توجہ بھی ہوتا ہے۔ جب کسی جانثار کی خدمات جان نشاری کی داد نہیں دی جاتی تو یقیناً اس مرد مجاہد کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ فطری طور پر بد دل اور مایوس ہو جاتا ہے۔ اور جو کار نامے اس کے ذریعہ انجام پانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے دل ہی میں فنا ہو جاتے ہیں۔

maablib.org

اس موقع پر پیغمبر اسلام کیلئے وہی صورت بہتر و مناسب تھی کہ جو آپ نے اختیار کیا اور فرمایا کہ میں ابتداءً کار تبلیغ کو غیر موجودگی علی میں نہیں کر دوں گا۔ اور جب تک علی مجھ سے نہ مل لیں گے میں مدینہ میں داخل نہیں ہوں گا۔ پھر اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جب پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ان کے پردوں کا گرد و غبار پاک کیا اور پیرول کے پتھاروں کی دوا اپنے دست مبارک کے ملنے سے کر دی۔ پیغمبر اسلام کی پہلی وہ عدالت تھی جس نے ہر خاص و عام دوست و دشمن کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور اسی سادات و عدالت کی وجہ سے ہر سپاہی اسلام جان نشاری کو اپنا اولین فریضہ سمجھتا تھا۔ خدمات و فداکاری کا ایک

صلہ و عیوض تو یہ ہے کہ اس شخص کو نقد انعام دیدیا جائے۔ یا کوئی تمغہ یا خطاب عطا فرمایا جائے اور اعلیٰ انعام یہ ہے کہ اس شخص کو اپنے کار منصبی میں اپنا شریک بنا لیا جائے۔ جس طرح خدمات و فداکاری کے درجات ہیں اسی طرح ان انعامات و معادضہ کے مراتب ہیں۔

علی کی خدمات و فداکاری کو کتب تاریخ اسلام سے پیش کیا گیا۔ واقعی شبِ ہجرت نے غم و غمناک و قاتلین میں بسترِ رسول پر سو کر بعد ہجرت نبوی امانات رسول کو واپس کر کے پھر پیدل سفر کرتے ہوئے مدینہ تک نہایت رسول میں پہنچ کر علیؑ وہ خدماتِ خدا و رسول ادا کی ہیں کہ جن کا مثل و نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ اس صورت میں انعام و معادضہ خدمات بھی اسی درجہ کا ہونا چاہئے تھا۔ جس درجہ کی خدمات و فداکاری تھی۔ چنانچہ مطابق قوانین عدالتِ خدا نے خطاب میں خطاب "مالکِ مرہنی خدا" عطا فرمایا۔ اور سندِ خطاب کو یہ شکل آیت من یشری لنفسہ من البتغ مرصات اللہ واللہ رؤف بالعباد نازل فرمائی۔ اللہ عدالت محمد صلعم کا اقتضایہ ہوا کہ علی کو اپنے کار منصبی میں اپنا شریک و سہم بنایا اور فرمادیا کہ میں ابتداء سے تبلیغ و رسالت کیلئے مدینہ میں داخل نہ ہوں گا جب تک کہ علی مدہ سے واپس آکر میرے ہمراہ مدینہ میں داخل نہ ہوں گے۔

بعض طبائع کو یہ تاویل و تشریح نامناسب معلوم ہوگی۔ مگر وہ خود غور کریں۔ اور انصاف کریں کہ آئمہ پیغمبر اسلام کو علی کی اس فداکاری کا صلہ دینا ضروری تھا یا نہیں۔ اگر صلہ دینا ضروری تھا تو یہ عدالت پیغمبر کے مطابق ہے۔ اور اگر اس موقع پر صلہ دینے سے انکار کیا جائے تو یہ خلاف قوانین عدالت ہے اور پیغمبر اسلام کا ہر کام مطابق قوانین عدالت ہوا کرتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر پیغمبر اسلام علی کو صلہ خدمات عطا نہ فرماتے۔

واقفہ پہل و پیغم، عدالت، اثوت

ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا جس کا مفصل تذکرہ باب حکمت میں ہو چکا ہے۔ مہاجرین جب مدینہ پہنچے ہیں تو وہ مکہ ہی میں اپنا سب کچھ چھوڑ آئے تھے۔ بناتِ افلاس و غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور انصار بوجہ اپنے وطن میں ہونے کے متمول اور صاحبِ ثروت تھے۔ ظاہر ہے کہ مالدار کی نظر غریب پر ہمیشہ بہ حقارت پڑتی ہے اور ابنائے جنس میں ایک کا دوسرے کو نظیر حقارت دیکھنا خلاف قوانین عدالت ہے۔ اور یہ کسی طرح بھی مطابق عدالت نہیں ہے کہ تم جنس اور ہم مذہب و مومن میں بعض افلاس و غربت کی زندگی گزارتے رہیں اور فاقہ پر فاقہ کرتے رہیں اور دوسرے عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں اور غریب کو بہ نظر حقارت دیکھیں چشمِ عدالت پیغمبر میں یہ بات ناپذیر ہوئی آپ نے باقتضائے عدالت

انصار و مہاجرین میں عقد مواعظ قائم کر دیا اور یہاں تک یہ رشتہ اخوت مستحکم کیا کہ ایک مسلم کا دوسرے مسلم کی میراث میں حصہ دار دیدیا۔ اور پیغمبر اسلام نے یہ رشتہ مواعظ دوبارہ قائم کیا۔ ایک وقت تو آپ نے عرف مہاجرین ہی کو باہم رشتہ مواعظ میں منسلک کیا اور دوسرے وقت آپ نے انصار و مہاجرین میں عقد مواعظ قائم کیا اسکی سن میں تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) دوریں سال حضرت مقدس نبوی میان مہاجر و انصار
عقد مواعظ بست دورے مواعظ مواعظتے و یک
بود کہ تعلق بہ مہاجرین و انصار و انصار
بنود و دریاں مواعظ میان ابو کبیر و عمر و عبد رادان
بست و یحییٰ بن میان طلحہ و زبیر و عبد الرحمن بن
عوف و عثمان بن عوف و عثمان بن عفان چون عقد
مواعظ مہاجرین بست حضرت علی مرتضیٰ عرض کرد
یا رسول اللہ برائے من صبح برادر کتین نہ نمودی
حضرت فرمود انا اخوک فی الدنیا و الآخرة
عقد مواعظ قائم کیا تو علی مرتضیٰ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے میرے لئے کوئی بھائی منتخب نہیں فرمایا
پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی میں دنیا و آخرت میں تیرا بھائی ہوں۔

پیغمبر اسلام کی عدالت کا یہ اقتضا تھا کہ وہ تمام اہل اسلام میں مساوات قائم کرنا چاہتے تھے۔ لہذا آپ نے مہاجرین کو علیحدہ بھی رشتہ مواعظ میں منسلک کر دیا اور پھر مہاجرین و انصار میں علیحدہ علیحدہ عقد مواعظ قائم کر دیا۔ اور آل صورت میں مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تم خواہ کسی قبیلہ کسی خاندان کے ذریعہ جو تمکو یہ حق نہیں ہے کہ تم اپنے بنی نوع کو غریب و اطلاس کی معیبت میں دیکھو اور خوش ہو۔ یا مالدار و نوکرتحق نہیں ہے کہ وہ اپنی مالداری کا فائدہ اپنے اور اپنے اہل خاندان ہی تک محدود رکھیں پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقے سے عدالت بین الناس کا وہ نمونہ اعلیٰ قائم کیا ہے جس پر عمل کرنے سے ہمیشہ اہل عالم عموماً اور اہل اسلام خصوصاً امن و امان، عیش و راحت اور مساوات و عدالت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اور اور اہل دنیا کے جنگ و جدال و خود غرضی و خود غور کا خون کا وبال و نجاست دور ہو جائے گی۔

عدالت و اقصیٰ و ششم سلمان فارسی

باقی ہے مہاجر و انصار ہر دو انکو بحد دست رکھتے تھے اور چونکہ یہ قادیان تھا کہ عرب کی نظر غریبیت و بیگانگی پڑتی تھی اسلئے کہ عرب اپنے کو اہل اقصیٰ کہتے تھے۔ مگر ایسے ہی سلمان فارسی کا سلمیٰ تھوڑا تپ ایمانی اس قدر تھا کہ ہر صاحب ایمان انکو اپنے میں شامل کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ ایک دن مجمع انصار و مہاجرین میں :-

یہ سوال پیدا ہو گیا کہ سلمان انصار سے تعلق رکھتے ہیں یا مہاجرین سے۔ انصار کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ اور مہاجرین کا دعویٰ تھا کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ بات نے طویل پکڑا معاملہ پیغمبر اسلام تک پہنچا۔ آپ نے سلمان کے بارہ میں ارشاد فرمایا:-

السَّلْمَانُ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ - روضة الصفا جلد ۲ ص ۳۳ -

میں نے بطور یہ واقعہ معمولی نظر آتا ہے۔ مگر بہ نگاہ عمیق دیکھا جائے تو اس واقعہ میں عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔ بات یہ تھی کہ سلمان فارسی اپنی ڈھائی سو سالہ زندگی میں مختلف حالات زندگی سے دوچار ہو چکے تھے۔ موصوف ایک دیہاتی آتش پرست کے لڑکے تھے۔ ان کا کام تھا کہ آتشکدہ کی آگ روشن کرتے رہیں۔ کچھ زمانہ اہتوں نے کنیسہ و گرجا کی خدمات میں گزارا اور اسقف شام کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد انصار کی خدمت میں آئے اور یہ دعویٰ کیا کہ سلمان غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ قسمت نے یاوری کی تو ان کو مدینہ پہنچا دیا۔ سلمان اپنے مالک کے ساتھ نخلستان میں کھجور بھی چین رہے تھے کہ پیغمبر اسلام ہجرت کرتے ہوئے مقام قبا میں پہنچے۔ سلمان نے خدمت پیغمبر اسلام میں کچھ خیرے پیش کئے اور پیغمبر اسلام کی نظر کھیا اثر نے قلب سلمان میں نور ایمان کا دیا جو بزم کر دیا۔

ان مختصر ترین واقعات نے بتایا کہ سلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور عرب میں نہ خرید غلاموں کو رکھنے کا دستور تھا۔ اور غلام کی منزلت ایک جانور سے بھی کم سمجھی جاتی تھی۔ اب انصار کا یہ دعویٰ کہ سلمان کو اپنے سے متعلق کر لیں اور مہاجرین کا یہ دعویٰ کہ سلمان ہم میں سے ہے۔ سلمان کی حیثیت کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا تھا۔ اور سلمان پر داغ غلامی اسی طرح ثبت رہتا تھا۔ اور تفوق آزاد و تنزل غلام باقی رہتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کب اس کو گوارا کر سکتی تھی۔ کہ ایک معمر و پندار صحابی کی پیشانی پر داغ غلامی نام رہے۔ آپ کی تو غرض تبلیغ ہی یہ تھی کہ بنی نوع انسان کو مساوات و عدالت کا درس دیا جائے۔ لہذا آپ نے انصار و مہاجرین کے بھگڑے کو اس طرح فیصلہ کر دیا کہ فرمادیا کہ "سلمان رجل من اهل بیت" آپ کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ مہاجرین و انصار پھر قبائل عرب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی حیثیت میں تفریق خاندانی ہے مگر سلمان کا درجہ اسلام و ایمان اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو خاتم النبیین و سید المرسلین کے اہل بیت کا ہر تہہ کو دیا جائے۔

پیغمبر اسلام نے سلمان کو یہ تہہ عطا فرمایا کہ دو کام اہم انجام دیئے۔ اول تو یہ کہ سلمان کی پیشانی سے داغ غلامی کو ہمیشہ کیلئے محو کر دیا۔ دوسرے سلمان کے درجہ ایمان کا معاوضہ یہ دیا کہ ان کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا۔ تیسرے سلمان کو اس درجہ جلیلہ پہنچا کہ عدالت بین الناس کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمادیا۔

عدالت واقعہ پہلے و ہفتہ

پیغمبر اسلام مشرکین مکہ کی آزار رسانی دبا لے کر ارادہ قتل سے تنگ آ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ انصار

مدینہ نے پیغمبر اسلام کی ملک و تائید کا وعدہ کیا تھا۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام اس امر کی مقتضی ہوئی کہ آپ انالیانِ مدینہ کو سب سے پہلے جہاد کا حکم دیں۔ لہذا جب آپ کو اطلاع ملی کہ تقریباً دو سو مشرکین مکہ مدینہ کی طرف آ رہے ہیں۔ اور ان کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں ہے کہ وہ کس ارادہ سے مکہ سے نکلے ہیں۔ تو آپ نے بہ نظر احتیاط و مطابقتِ قانون حفاقا تقدّم حمزہ ابن عبدالمطلب کو ساٹھ افراد ہمراہ کر کے ان کے مقابلہ کیلئے روانہ فرمایا۔ یہ ساٹھ افراد سب مہاجرین تھے۔ پیغمبر اسلام نے جامہ سفید کا علم کا پھر سیرا بتایا اور علمدار فوج حمزہ کو بنایا۔ جب ابوسفیان اور اس کے دو سو افراد لشکر کو اطلاع ملی تو وہ واپس فرار ہو گئے اور نوبت جنگ کی نہ آئی۔ صاحبِ روضۃ الصفا ص ۱۳۱ جلد دوم میں رقمطراز ہیں۔

اور وہ اندک حضرت مقدس نبوی قبل از
جنگ بچھیک از انصار را بجہاد امر فرمود
بنظن آن کہ ایشان یاری نخواہند داد مگر
در وقتے کہ اعداے دین متوجہ نفس مدینہ
شوند۔

مورخین کا بیان ہے کہ پیغمبر اسلام نے قبل جنگ
کسی ایک انصار کو جہاد کا حکم نہیں دیا۔ صرف
آپ کو یہ خیال ہوا کہ وہ مدد نہ کریں گے سید
تک کہ مدینہ ہی پر کوئی حملہ نہ کرے۔۔۔۔۔

غزوہ بدر کبریٰ - ایس اول غزوہ بود کہ انصار
بداں فائز گشتند۔

انصار سب سے پہلے غزوہ بدر میں شریک
ہوئے۔

اس تاریخی عبارت سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ عہد پیغمبر اسلام میں بعد ہجرت مدینہ ہی میں یہ بات مشہور
تھی کہ اہل مدینہ کسی وقت خاص مسلمانوں کی مدد کریں گے جبکہ کوئی بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ کرے۔ پیغمبر
اسلام نے اہل مدینہ کے اس عہد کا لحاظ و پاس رکھا۔ اور چونکہ ابوسفیان کا دو سو افراد کا لشکر غیر معلوم مقصد
کیلئے جاریا تھا۔ جس کا وجہ سے بعض مورخین کو خیال ہوا کہ وہ لشکر مشرکین صرف فائدہ تجارت تھا۔ اور شام
سے مکہ واپس موریا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو پیغمبر اسلام کا یہ فعل کہ آپ نے حمزہ کو ساٹھ افراد دیکر ان کے
مقابلہ یا ان کے دافع کرنے کو بھیج دیا اعلیٰ قسم کی سیاست و حکمت تھی۔ اس سے مفردین اہل مکہ پر رعب اسلام
چھا گیا اور پہلے ہی مقابلہ میں ان کے ارادہ ہٹے جنگ اس طرح پسپا ہو گئے کہ وہ پہلے ہی مقابلہ میں ہٹاگ
کھڑے ہوئے۔ علاوہ اس واقعتاً تاریخی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ پیغمبر اسلام نے اہل مدینہ کے ساتھ
عدالت نہ طرز عمل قائم رکھا اور ان کو اس دفاعی حملہ میں دعوت شرکت نہ دی۔ بلکہ خود اپنے آدمیوں اپنی بھی

حفاظت کی وزیران کے شہر کی بھی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ اس واقعہ نے صرف ایفائے عہد کو ہی ظاہر نہیں کیا بلکہ پیغمبر اسلام کی عدالت کا ملہ کا بھی اظہار کیا۔

۲۰ ستمبر ۶۱۰ء میں غزوہ بدر کبریٰ واقعہ ہوا۔ اس غزوہ میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ صرف ۳۱۳ افراد تھے اور یہ بھی ایسی حالت

میں کہ اسلحہ جنگ و سواری و رسد بھی نہ رکھتے تھے۔ جوش اسلامی سے سرشار چند نابالغ نوجوان بھی لشکر اسلام کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل آئے اور انہوں نے بھی میدان جنگ میں لڑنے کا ارادہ و عزم کر لیا۔ پیغمبر اسلام کو اطلاع ملی کہ اس لشکر میں کچھ نوجوان بھی شامل ہو گئے ہیں۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ وہ سب واپس مدینہ جائیں۔ چنانچہ تاریخی سند بالفاظ روضۃ الصفا ص ۶۷ جلد ۲ پیش کی جاتی ہے۔

وطائفہ کہ ہنوز از مہد صبی بمیدان شباب
نخرا میدہ بودند رخصت انصاف یافتند۔
ایک گروہ ان افراد کا جو ابھی تک سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ بحکم پیغمبر واپس کر دیا گیا۔

واقعہ مذکور نے ثابت کر دیا کہ پیغمبر اسلام صرف دنیوی جنگ نہیں لڑ رہے تھے۔ بلکہ آپ اہل علم کو اصول و مقاصد جنگ تعلیم کر رہے تھے۔ آپ نے اس موقعہ نازک پر نوجوانوں کو ساتھ نہ لیکر اور ان کو جنگ کے میدان سے واپس کر کے عدالت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ اور اہل عالم کو بتایا ہے کہ اپنے حصول مقصد کیلئے جائز و ناجائز اسباب سے کام نہ لینا چاہیے۔ بلکہ مطابقت اصول ہر وقت لازم رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ آپ نے میدان جنگ میں جانے کیلئے ایک خاص عمر کی قید و پابندی لگا دی اور اس طرح آپ نے نسل انسانی کو تیغ و شمشیر و نیزہ کی زد سے بچا کر عدالت بین الناس اور حفاظت حقوق طبقات و درجات انسانی کا انتظام فرما دیا۔ یہی وہ کارنامے ہیں جنہوں نے قوانین عدالت کو ابدی زندگی عطا کر دی۔

جنگ بدر کبریٰ کیلئے پیغمبر اسلام مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تو آپ نے بقول
تاریخ روضۃ الصفا ص ۶۷ جلد ۲ فرمایا ہے۔

حضرت فرمود لا ینخر جن معنار حبل
لیس علی دیننا۔
ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کی غرض سے
کوئی شخص نہ جائے بجز اس کے جو ہمارے دین پر ہو

پیغمبر اسلام کا یہ فرمان خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عام دستور تو یہ ہے کہ انسان جب اپنی طاقت کو کمزور پاتا ہے تو ہر ممکن صورت کو اختیار کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی مدد کو بھی منظور کر لیتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام معدودہ چند افراد کو دشمن حملہ آور تو ہی کے مقابلہ میں لے جا رہے ہیں اور یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ ہمارے ساتھ چلیں اور دشمن سے جنگ کریں جو ہمارے دین کے پیرو ہوں۔ باقی واپس چلے جائیں۔

پیغمبر اسلام کے اس فرمان میں کوئی فائدہ تھے اول تو یہ کہ سب کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کی جنگ کی غرض صرف تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ انسانی و تہذیب اخلاق تھی۔ اور جو لوگ اپنے نفوس کو ان اصلاحات کا اہل قرار دے چکے تھے وہ گویا دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اب ان مہذب دنیا داروں کی جنگ ویسے طبقہ انسانی سے تھی جو اشرار معاشرہ سمجھے جانے کے مستحق تھے۔ ان کی اصلاح ضروری تھی یا ان کو مثل عضو بوسیدہ و متعفن کے قطع کر دینا ضروری تھا۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے اس قول سے ثابت کر دیا کہ اپنی غرض و حصول مطلب کیلئے دوسروں کی مدد کے طالب نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا خلاف قانون عدالت ہے اور سہارا مفدا شاعت و نشر قانون عدالت ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم خلاف قوانین عدالت کام کر لیں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ دامن اسلام نصرتِ انبیاء کے دھبے سے پاک و صاف رہا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان ہر مصیبت کا مقابلہ اور ہر فوج کا مقابلہ امدادِ خداوندی کے سہارے کرتا ہے۔ اور وہ کبھی کسی حالت میں انبیاء کی مدد کا طالب نہیں ہوتا ہے۔

عدالت، واقعہ پنجاب، عام معاذ و معوذ

جنگ بدر ۱ء میں واقع ہوئی ہے۔ جب غمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ تو ایک معاذ و معوذ انہیے حارث

کی نظر ابو جہل پہ پڑی۔ ان دونوں نے ابو جہل پر حملہ کر دیا۔ سخت جنگ واقع ہوئی۔ معاذ نے ایک وار تلوار کا ایسا کیا کہ ابو جہل کی ٹانگ کٹ گئی اور وہ دشمن خدا ترنے لگا۔ عکرمہ ابو جہل کے بیٹے جیسے ہی باپ کو تڑپتے ہوئے دیکھا آگے بڑھ کر معاذ پر شمشیر تیز کا وار کیا کہ معاذ کا ماتم۔ قلم ہو گیا اور تھوڑی سی کھال کٹنے سے باقی رہ گئی معاذ برابر لڑتے رہے اور معوذ برابر بھائی کی مدد کرتے رہے آخر معاذ نے تنگ آ کر اپنے لشکرتے ہوئے ماتم کو پیر سے دیا یا اور کھینچ کر جدا کر دیا۔ اور پھر جنگ کرنے لگے۔ آخر ان دونوں بھائیوں نے ملکر ابو جہل کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس دشمن رسول سے سطحِ ارض کو صاف کر دیا۔ معاذ اور معوذ دونوں بھائی خدمتِ پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے اور قتل ابو جہل کا پورا واقعہ بیان کیا۔ گویا دونوں بھائی اپنے کارنامہ کی داد چاہتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ ابو جہل کا قاتل تم دونوں میں سے کون ہے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں قاتل ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اپنی تلواریں زمین پر ڈال دو۔ دونوں نے اپنی تلواریں زمین پر رکھ دیں۔ پیغمبر خدا نے ان دونوں پر گہری نظر ڈالی اور فرمایا کہ بیشک تم دونوں ابو جہل کے قاتل ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے معاذ کو ابو جہل کی صلیب عطا فرمادی اور معوذ کو جہاد کا حکم دیا معوذ جنگ کرتے ہوئے جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ اور معاذ عبد عثمان بن عفان تک زندہ رہے۔ (روضة الصفا جلد دوم)

واقعہ مذکور سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام نے دونوں مجاہدین کے کارنامہ کی داد دی اور چونکہ معاذ کا ہاتھ قطع ہو چکا تھا اور وہ جہاد سے معذور و مجبور تھے۔ لہذا ان کو صلیب ابو جہل انعام میں دیدی اور جہاد سے معاف رکھا۔ اور معوذہ چونکہ سالم و صحیح تھے۔ لہذا ان کو حکم جہاد دیا اور سعادت شہادت عطا فرمائی۔ اگر اس موقعہ پر پیغمبر اسلام معوذہ کو صلیب ابو جہل انعام میں دیدیتے تو خلاف ^{عہدت} ہوتا۔ کیونکہ معوذہ بمقابلہ معاذ صحیح و سالم تھے۔ اور جنگ و جہاد سے معافی کے قابل نہ تھے۔ لہذا اگر ان کو صلیب ابو جہل دیدجاتی تو وہ صلیب پر پھر بھی میدان جنگ میں جاتے تو اول تو یہ صلیب لشکر دشمن کیلئے مزید توش و اشتعال کا سبب ہوتی۔ دوسرے معوذہ کو شہید ہونا تھا لہذا پھر یہ صلیب دشمن کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی۔ اور فعل پیغمبر اسلام خلاف حکمت و عدالت ثابت ہوتا۔

پیغمبر اسلام نے صلیب ابو جہل معاذ کو دیکھ کر صحیح طریقہ اور عادلانہ سلوک اختیار فرمایا۔ وہ صلیب مجبور و معذور معاذ کیلئے ایک قسم کی مالی مدد ثابت ہوئی۔ اور یہی عدالت ہے کہ معذور کی مدد بحالت معذوری و مجبوری کی جائے۔ علاوہ ہمیں معاذ و معوذہ دونوں کو داد شجاعت دیکھ اور قاتل ابو جہل ہونے کا لقب بھی پیغمبر اسلام نے اظہار عدالت فرمایا۔

۱۔ عدالت واقعہ پنجاہ و یکم

۱۔ میں جب لشکر اسلام غزوہ بدر کیلئے مدینہ سے روانہ ہوا تو پیغمبر اسلام نے افراد لشکر سے کہا کہ مجھ کو علم ہے کہ نبی ہاشم کے کچھ لوگ بہ کراہت ہمارے مقابلہ کیلئے آئے ہیں۔ تم لوگ جب ان پر غلبہ پاؤ تو ان کو قتل نہ کرنا۔ اور خصوصاً عباس بن عبدالمطلب کو قتل نہ کرنا۔ و نیز ابوالبخری کو بھی قتل نہ کرنا ابوالبخری ہی وہ شخص تھا جس نے عبدنامہ قریش جو آزار رسانی نبی ہاشم کیلئے لکھا گیا تھا۔ اس پر دستخط نہ کئے تھے اور نہ اس نے کوئی اذیت پیغمبر اسلام یا ان کے اصحاب کو پہنچائی تھی۔ بلکہ مشرکین کو مسلمانوں کو اذیت دینے سے روکتا تھا۔ جب ابو حذیفہ بن غنیم نے پیغمبر اسلام کا یہ حکم سنا تو اس نے کہا کہ ہم اپنے باپ یا بھائیوں بھتیجیوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو زندہ چھوڑیں یہ کیونکر ممکن ہے۔ خدا کی قسم اگر میرا قابو عباس بن عبدالمطلب پر چل گیا تو میں عباس کے چہرہ پر تلواریں ماروں گا۔ پیغمبر اسلام کو حذیفہ کے ایسا کہنے کی جب اطلاع ملی۔ تو آپ نے عمر ابن خطاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا ابا حفص تم سنتے ہو کہ حذیفہ کہتا ہے کہ وہ رسول خدا کے چچا کے چہرہ پر تلواریں مارے گا۔ عمر نے جب سنا تو کہا یا رسول اللہ رخصت فرمائی تا کہ دن و رات ہم کہ منافق گشت۔ (روضة الصفا جلد ۲ ص ۱۷۷)

اے خدا کے رسول آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں حذیفہ کی گردن مار دوں۔ کیونکہ وہ منافق ہو گیا۔

روضة الصفا جلد دوم ص ۱۷۷ :-

حضرت مصطفیٰ در جواب عمر فرمود کہ اذکافر
 و منافق نہ گشت و لیکن از دروید و برادر
 و عم ای سخن میگوید۔ چون عمر الحاح کرد
 کہ در توری فرمائی تا اورا بشم پنیر فرمود
 کہ یا ابا حفص تو اورا ملکش کہ خدائے تعالیٰ
 اورا شہادت دید۔ این شہادت کفارت
 این سخن و لے گرد و دے را بہ بہشت برد
 ماہر اے حضرت و عمر را ابو ذلیفہ شنید
 از سخن خویش پشیمان و از سخط عمر و علا
 تر سال گشت۔

پنیر اسلام نے عمر کے جواب میں فرمایا کہ وہ (مذنیہ)
 کافر و منافق نہیں ہوا ہے۔ لیکن اپنے باپ
 چچا اور بھائی کے قتل ہو جانے کے درد و الم
 میں ایسا کہہ رہا ہے۔ جب عمر نے زیادہ اصرار
 قتلِ ذلیفہ پر کیا اور کہا کہ آپ مجھ کو قتلِ ذلیفہ
 کی اجازت دیں تو پنیر نے کہا کہ اے ابا حفص
 تم اس کو قتل نہ کرو خدا ذلیفہ کو درجہ شہادت
 دیا گا وہ شہادتِ ذلیفہ کے گناہ بدگلامی
 کا کفارہ ہو جائے گی۔ اور اس کو بہشت
 میں لے جائیں گی۔ جب ذلیفہ نے پنیر اور

عمر کی باہمی گفتگو کو سنا تو وہ اپنے بے پر سخت پشیمان اور تلامذہ کی مدد سے توفز وہ ہوا۔

واقعہ مذکورہ سے عدالت پنیر اسلام کے دو پہلو واضح ہوئے۔ اول تو یہ کہ آپ نے حملہ آور جماعت کے
 ان لوگوں کی جان بخشی کا حکم دیا جو بجز میدانِ جنگ میں لائے گئے تھے اور یہ پنیر اسلام کی عدالت تھی۔ کیونکہ
 حق بجز انہی عدالت ہے۔ جو لوگ پنیر اسلام سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور بجز ابو جہل کے دباؤ سے
 میدانِ جنگ میں آئے تھے۔ واقعی وہ قابلِ قتل نہ تھے۔ اور ان کو قتل کر دیا جاتا تو پنیر اسلام کی لاعلمی ہوتی
 اور بجائے عدالت کے ظلم ہوتا۔

چنانچہ پنیر اسلام نے قیام مکہ کے زمانہ ہی میں سمجھ لیا تھا کہ کون دشمن ہے اور کون دوست۔ چونکہ بنی
 ہاشم نے بمشارکت ابو طالب ہمیشہ پنیر اسلام کی مدد کی تھی اور زمانہ حقا طع شریب ابو طالب میں بنی ہاشم نے بھی
 تکالیف و مصائب برداشت کی تھیں۔ لہذا وہ بیشک اس مراعات کے مستحق تھے۔ کہ ان کو عوامِ مشرکین کے
 ساتھ قتل نہ کیا جائے۔ پنیر اسلام کا اس موقع پر بنی ہاشم کے بارہ میں قتل نہ کرنے کا حکم دیکر گویا ان کی خدمات
 کا صلہ ان کو دیا اور یہ فیصلہ پنیر اسلام کی عین عدالت تھا۔

دوسرا پہلو عدالت پنیر اسلام کا یہ نمایاں ہونا ہے کہ ذلیفہ نے عدالت و حکم پنیر اسلام پر اعتراض کیا تھا
 اور عمر نے بار بار اس کے قتل کرنے کی اجازت پائی۔ بادی النظر میں تو مولدہ صاف تھا کہ ذلیفہ نے پنیر
 اسلام کے حکم پر اعتراض کیا تھا اور اس کی نافرمانی کا اعلان کر دیا تھا۔ لہذا قابلِ گردن زدنی تھا۔ مگر پنیر
 اسلام اگر ذلیفہ کو صرف اس کی زبانی خطا پر قتل کر دیتے تو خلاف عدالت ہوتا اور ظلم ہوتا۔ کیونکہ حقیقت

وہ مومن تھا اس کا باپ بھائی اور چچا سب مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنگ بدر میں مارے گئے۔ مگر اس کے ایمان میں لغزش نہ آئی بھلا ایسا مسلمان کب منافق اور کافر ہو سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے موقع کی نزاکت کو سمجھ لیا۔ اور بالآخر عمر سے کہہ دیا کہ حذیفہ کو منافق و کافر نہ کہو بلکہ خدا اس کو درجہ شہادت دیا۔ چنانچہ حذیفہ شوق شہادت میں غزوات میں شریک ہوتا رہا۔ اور آخر جنگ میلہ کذاب میں شہید ہوا۔ اگر پیغمبر اسلام مطابق رائے عمر حذیفہ کو قتل کر دیتے تو درحقیقت یہ ظلم ہوتا کہ مومن کو قتل کر دیا اور ایسا مومن جو نچمہ کار مجاہد بھی ہو۔ پیغمبر اسلام نے حذیفہ کی دکالت بھی کی اور جان بخشی بھی کی اور یہی عین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ پنجاہ دوم تقسیم غنیمت

۲۔ میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ پیغمبر اسلام کو مکہ میں مکہ پر فتح حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے بھاگے ہوئے کفار

کا مال جمع کیا اور ہر مسلمان کو یہ گمان تھا کہ جتنا مال وہ جمع کرے گا وہ اسی کا ہے۔ جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ سب مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اب بعض بہادران اسلام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ مال ان کا ہی حصہ ہوگا۔ مگر پیغمبر اسلام نے بالالفاظِ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۷۸ :-

حضرت نخعی مرتبت فرملا داد کہ اموال
بالسویت هیان اصحاب فتمت نماز سعده
وقاص گفت یا رسول اللہ تعالیٰ فارس
القوم مثل ما تعالی الضعیف حضرت مقدس
بنوی فرمود۔ تکلتک امک ویر تنصرون
الابلضعفا ینکم۔

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ مال غنیمت کو مساویانہ طور پر اہل صحاب کے درمیان تقسیم کر دیا جائے سعد و قاص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ شہسوار قوی بہادر کو بھی دی دے رہے ہیں جو آپ کمزور و نحیف کو دے رہے ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا اے سعد تیرا بھرا ہوتا

نے غور نہیں کیا تمہاری مدد صرف ضعیف کی وجہ سے کی گئی ہے۔ یعنی صرف ضعیف کی وجہ سے خدا نے تمہاری مدد کی اور فتح دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کے نمایاں پہلو اس تاریخی واقعہ میں موجود ہیں۔ غزوہ بدر عہد اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ اہل اسلام بحالت غربت و افلاس بسر کر رہے تھے۔ ان حالات کا اقتضایہ تھا کہ جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل ہو۔ وہ کچھ مساوی سب کو پہنچایا جائے۔ تاکہ ہر مسلم کو یکساں فائدہ پہنچے۔ اب یہ معاملہ کہ کچھ سپاہی میدان جنگ میں بہادرانہ جنگ کر رہے تھے۔ اور کچھ سپاہی ان کی طاقت بڑھا رہے تھے۔ یاد رکھو جنگی خدمات انجام دے رہے تھے اس صورت میں سعد و قاص کا اعتراض کہ ہر مجاہد کو

مساویانہ تقسیم مال غنیمت نہ کی جائے سنانی قوانین عدالت تھا۔ کیونکہ میدان جنگ میں آنے کے بعد ہر سپاہی کے سامنے جو موقع جان نثاری آتا وہ اس کو پورا کرنا لہذا ہر ایک کا حصہ بھی مساوی ہی ہونا چاہئے تھا۔ علاوہ بریں اگر کسی سپاہی کو عذر ضعیفی یا پیری یا دیگر اہم عند پیدا ہو جائے تو اس کا شمار بھی شرکائے جنگ ہی میں کیا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے ان تمام امور اور اصول جنگ کو نظر میں رکھتے ہوئے وزیر قوانین عدالت کی پابندی کرتے ہوئے۔ مساوی طور پر تقسیم مال کا حکم دیدیا۔ چونکہ یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی اور پیغمبر اسلام کے ہمراہی نو مسلم تھے۔ اور عہد جاہلیت کی جنگوں کے طریقوں کو دیکھے ہوئے تھے اور وہ اس بات کے عادی تھے کہ جو آگے بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنے دشمن کو قتل کرے۔ وہی مال غنیمت کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اور باقی محروم رکھے جاتے تھے۔ یا صرف بطور امداد کے ان کو کچھ دیدیا جاتا تھا۔

مگر عہد اسلام میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام تدوین قوانین معاشرہ و تہذیب اور جنگ و صلح چاہتے تھے۔ لہذا آپ نے سعد و قاص کو سختی سے سبک کر دیا۔ اور فرمایا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ تو ہر موقع بے موقع بول اٹھتا ہے یاد رکھ کہ ضعف کی بدولت ہی تم کو فتح بدر نصیب ہوئی ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میدان جنگ میں کمزور و طاقتور دونوں کی خدمات ملحوظ جان فردوسی مساوی ہوا کرتی ہیں۔ بہر حال پیغمبر اسلام نے عرب کے حریفوں طبع انسانوں کو حکم دیدیا کہ وہ کل مال ایک جگہ جمع کر دیں اور پھر آپ نے اس کی تقسیم حصہ مساوی سب پر کر دی اور جو بوجہ عذر اہم کے مدینہ واپس کر دیئے گئے تھے اور حفاظت مدینہ کی خدمات یا نگرانی و خبر رسانی حالات مدینہ کی خدمات ان کے سپرد کی گئی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ تالیخی سند ملاحظہ ہو۔

روضة الصفا جلد دوم ص ۹ :-

غنائم را برہ ماہرانِ محرکہ بدر و برآں ہشت کس کہ سابقہ مذکور شد کہ بعضے از ایشان بنا بہ عذرے مقبول و برنے بفرمان آنحضرت از ملازمت تخلف نمودہ بودند بسویت قسمت فرمود۔

پیغمبر اسلام نے مال غنیمت بدر کو حاضرین محرکہ بدر و نیز ان آٹھ افراد پر من کا ذکر ہو چکا ہے کہ ان میں کے بعض بوجہ عذر معقول اور بعض بحکم رسول جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے ان سب کو مال غنیمت کا مساوی حصہ دیا۔

پیغمبر اسلام نے اس موقع پر تقسیم مال کو حصہ مساوی دیکر صرف عدالت و مساوات ہی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ قوانین جنگ و اصول شرکاء جنگ کا

تعیین فرما دیا۔ موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن و اصول جنگ پیغمبر اسلام کے اس نعل کو خلافت اصول قرار دیں گے
 کیونکہ موجودہ تہذیب و اصول جنگ کے لحاظ سے ہر منفعت و مال غنیمت وغیرہ کا مالک صرف صدر مملکت
 یا ڈکٹیٹر ہے اور اس کی جگہ صرف خزانہ ملک ہے۔ سپاہی کا صرف اتنا ہی حق ہے کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کیلئے اپنے
 خون کا آخری قطرہ تک بہا دے اور اپنے پسماندگان کی بے یار و مددگار دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے۔ اور
 اس کے متعلقین اس کے مرجانے کے بعد در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ گویا اس سپاہی مقتول کا مقصد
 حیات صرف اتنا ہی تھا کہ وہ چند روپوں کی خاطر فوج میں بھرتی ہو۔ اور جب ضرورت فوجی ختم ہو جائے تو
 فوج سے نکال دیا جائے یا اگر وہ میدان جنگ میں کام آجائے تو اس کے پسماندگان زندہ در گور ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام
 نے اس طریقہ کو ظالمانہ طریقہ قرار دیا ہے۔

آپ نے عہد اسلام کی پہلی جنگ ہی میں سعد و قاص کو سمجھتی سے جھڑک کر اور مال غنیمت کو حصہ مساوی
 تقسیم کر کے اہل عالم کو بتا دیا کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ تو حاکم و حکومت کا ہے۔ اور باقی تمام اموال کے
 مالک و حقدار وہی لوگ ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں اپنے خون کو پانی کی طرح بہا یا ہے۔ جسم پر تیرو تیر
 کھائے ہیں۔ اور ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد ان کے مال کی وارث حقیقی ہے۔ اس واقعہ کی بھی سند
 تاریخی ملاحظہ ہو :-

روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۷۹ :-

گفتہ اند کہ رسول خدا نصیب سعد بن عبد
 لہ کہ ہر چند تخلف نمود بود بنا بر آنکہ در
 موافقت و ملازمت بنحایت رغبت داشت
 و مردم را ترغیب بخروج می نمود مقرر ساخت
 از اہل جہتہ کہ ہنگام بیرون آمدن اور امارہ
 گزیدہ در اہل غزوہ باز ماند و پھنچیں گفتہ
 اند کہ سہم سعد بن مالک ساعدی را بورشہ
 اوداد زید کہ سعد را ثناء آنکہ تہیہ خروج
 می کرد مرصق شدہ وفات یافت ۔
 کے حصہ کو بھی ان کے وارثوں کو دیا کیونکہ سعد بن مالک ساعدی جبکہ سامان سفر کر رہے
 تھے بیماری ہو گئے اور مر گئے ۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ رسول خدا نے سعد
 بن عبادہ کے حصہ کو اگرچہ سعد واپس ہو گئے
 تھے۔ مگر چونکہ وہ ساتھ رہنے کو دل سے
 چاہتے تھے۔ اور دو افراد کو آمادہ جنگ
 کرتے تھے مقرر کر دیا وہ اسلئے کہ سعد
 مدینہ سے نکل رہے تھے تو راہ میں ان کو
 سانپ نے کاٹ لیا اور وہ غزوہ بدر میں
 شریک نہ ہو سکے۔ اور الیاسی واقعہ دوسرا
 پیش آیا۔ اور پیغمبر اسلام نے سعد بن مالک
 کو

واقعات و عبارات تاریخی نے بتایا کہ پیغمبر اسلام نے شہد کا درجہ تک رسوخ کیا۔ وزیران کو بھی جو بوجہ معقول عند کے شریک جہد نہ ہو سکے تھے یا جنکو بفرودت پیغمبر اسلام نے مدینہ میں لے لیا تھا یا جو راہ میں بیماری ہو گئے یا جو راہ میں مر گئے۔ یہ تھی وہ مساوات و عدالت محمدی جس نے عالم کو محمد کا کلمہ کو بنا دیا۔ اور فخر یہ دین اسلام قبول کر کے اپنے کو اعلیٰ فرد نوع انسانی بنا لیا۔

عدالت واقعہ پنچاہ و سوم، مکافات، واقعہ عمیر بن و سب

تحت قضیت عدالت جنس فضیلت

مکافات بھی ہے۔ مکافات کی

تشریح حکمانے ان الفاظ میں کی ہے۔ مکافات آن بود کہ احسنے را کہ باو کنند بمانند آن یا زیادہ از آن مقابلہ کنند و در اسات کبتر ازال۔ ترجمہ:

مکافات یہ ہے کہ جو احسان کوئی شخص کرے تو اس کا بدلہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ دے۔ اور جب کوئی شخص برائی کرے اور نقصان پہنچائے تو اس کا بدلہ اس کی برائی سے کم کرے۔ واقعہ مندرجہ ذیل سے ثابت ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے اس جنس فضیلت جو شعبہ عدالت ہے کو کس خوبی سے اپنے دشمن کے ساتھ پورا کیا ہے۔

عمیر بن و سب صحیح بقول محمد بن اسحاق کے زمانہ جاہلیت میں ایک شیطان تھا شیاطین قریش میں سے تخریب بنیاد اسلام میں سرگرم رہتا تھا۔ ایک روز بدر کے مقتولوں پر انہما رہا افسوس کر رہا تھا۔ اور صفوان بن امیہ بھی اس کا شریک عمل تھا۔ عمیر نے کہا کہ اگر مجھ کو اپنے بچوں کے پیچ بونے کا خیال اور اپنے قرض نہ ادا ہو سکے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ جا کر محمد کو قتل کر دیتا۔ کیونکہ اب مجھ کو اپنی زندگی اچھی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ صفوان بن امیہ نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے بچوں کو اپنے اہل و عیال میں شامل کئے لیتا ہوں اور تمہارے تمام قرضوں کو میں ادا کر دوں گا۔

عمیر نے اسی وقت سامان سفر مدینہ شروع کر دیا۔ اپنی تلوار کو نہ ہر میں بچھایا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا جب مدینہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عمر ابن خطاب مع چند مسلمانوں کے ایک جگہ مقتولین بدر کا ذکر کر رہے ہیں اور اپنی فتح پر خوش ہو رہے ہیں۔ جب عمر خطاب کی نظر عمیر پر پڑی تو خوف طاری ہو گیا۔ کچھ مسلمانوں نے عمیر کو گھیر لیا۔ اور اس سے پوچھا کہ کس ارادہ سے مدینہ آئے ہو۔ اس نے کہا کہ اپنے قیدی کا فیہ دینے اور اس کو رہا کرانے آیا ہوں۔ عمیر ان مسلمانوں کے ساتھ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اس وقت عمیر کی تلوار پر عمر ابن خطاب نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ عمیر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ عمیر کی تلوار سے ہاتھ ہٹا لیا جائے۔ اور اس کو آزاد کر دیا جائے۔ اور پھر اپنے پوچھا کہ اے عمیر کیسے آنا ہوا۔ عمیر نے کہا

کہ اپنے قیدی کی رہائی کیلئے آیا ہوں۔ پیغمبر اسلام نے کہا کہ سچ بتا۔ مگر عمر نے وہی جواب دیا۔ تو پیغمبر اسلام نے عمر کو اس کا ارادہ اور صفوان بن امیہ کی پوری گفتگو اس کو سنادی۔ عمر متعجب و متحیر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ صفوان اور میرے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ آپ نے کل حالات کیونکر بیان کر دیئے۔ پیغمبر اسلام نے پوچھا اب کیا ارادہ ہے۔ کیا تو میرے قتل کے ارادہ سے آیا ہے۔ عمر نے پیغمبر اسلام کی رہائی یہ الفاظ سنے تو کانپتے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ آیا تو قتل کے ارادہ سے تھا۔ مگر اب تو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اور اس نے کلمہ توحید پڑھا۔ اس کے بعد کے واقعہ کو الفاظ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۸۷ میں پیش کرتا ہوں۔

چوں عمر بدلت ایمان سرفراز شد ...
حضرت خنی بنیہ با اصحاب گفت کہ بہادر
خود را تعلیم قرآن کنید و اسیر اور اطلاق
نمائید۔ عمر گفت یا رسول اللہ پیش ازین
در اطفائ نور الہی می کوشیدم و اکنون کہ توفیق
الہی رفیق من شد مرا رخصت فرمائی تا بکہ
مراجعت نمودہ قریش را با سلام دعوت
نمائیم۔

عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ عمر بن وہب حجی قتل رسول کے ارادہ سے مدینہ آیا تھا۔ اور جب وہ خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچا اور پیغمبر نے اس کو بتایا کہ وہ صفوان کے معاہدہ کے ماتحت میرے قتل کے ارادہ سے آیا ہے۔ اور عمر تلوار بھی لئے ہوئے تھا ان حالات میں ہونا کیا چاہئے تھا۔ کوئی صاحب انصاف غور کر کے خود بتائے کہ ایسے مواقع پر مدبرین کیا کیا کرتے ہیں۔ ایسے واقعات تو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں کہ جاسوس اور قاتلین جیسے بدل کر حکمرانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ پیغمبر اسلام کو بحیثیت ایک مدبر اور حکمران ہونے کے کیا کرنا چاہئے تھا۔؟

پہی نا! کہ آپ حکم دیتے اور مسلمان عمر کی گردن اڑا دیتے اور اس دشمن خدا اور رسول کے وجود سے نجات حاصل ہو جاتی مگر بادی النظر میں تو یہ صورت صحیح تھی مگر حقیقت میں یہ صورت منافی تو انہیں عدالت و منافی حقوق انسانی تھی۔ پیغمبر اسلام نے عمر کے حقوق انسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے عمر کو پورا موقع دیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ اور جب عمر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے اصحاب سے کہا کہ

اب عمیر تمہارا بھائی جس کو قرآن سکھاؤ اور اس پر یہ اور کرم کیا کہ فرمایا کہ اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔
 عمیر نے کلمہ توحید زبان پر جاری کیا اور چونکہ قول رسول کی تصدیق کی تھی۔ گویا پیغمبر اسلام کے نزدیک عمیر کا یہ فعل
 احسان و نیکی تھا اس احسان و نیکی کا بدلہ دینا عین عدالت تھی۔ اور اس کی نیکی کے اظہار کے باوجود عمیر
 کا قتل کر دینا ظلم صریح تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے عمیر کی نیکی کا صلہ فوراً اس کو دیا۔ اور اس کو انوث اسلامی
 میں شامل کر کے اعلیٰ نمونہ عدالت پیش فرمایا۔

پیغمبر اسلام کی اس عدالت بر محل کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دشمن قسم کھا کر تلوار زہر میں بچھا کر قتل پیغمبر کے ارادہ
 سے آیا تھا وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور ایسا مطیع ہوا کہ فوراً ہی قریش مکہ کو دعوت اسلام دینے کے
 کام اور اسلامی مشن پر روانہ ہو گیا پیغمبر اسلام نے اس موقع پر جو نمونہ عدالت پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر واقعات
 تاریخ عالم کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ اور یہی وہ قوانین عدالت ہیں جو فلاح و بہبود و ترقی و سلامتی عالم
 کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

عدالت، واقعہ پنجاب و چہارم، مکافات و حسن قضا

حکماء نے حسن قضا کی تعریف ان

الفاظ میں کی ہے کہ حقوق دیگر کہ

بروجہ مجازات می گذارد از منت و ندامت خالی باشد۔ دوسروں کے وہ حقوق جو بطور بدلہ کے ادا کئے
 جاتے ہیں اس طرح ادا کئے جائیں کہ ان کی ادائیگی میں احسان و ندامت کا احساس نہ دلایا جائے۔

الواب مذکورہ میں مکافات کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ بعض واقعات تاریخی ایسے بھی ملتے جاتے ہیں کہ
 ان میں چند اجناس فضائل جمع ہو جاتے ہیں۔ اب آپ واقعوں کی کیفیت و تاریخی اسناد ملاحظہ کیجئے۔

ترجمہ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۱۶ پر

جنگ خندق میں جب ابوسفیان اور اس کے لشکر کو شکست ہو گئی تو ابوسفیان مکہ واپس گیا اور اس نے
 اعلان کیا۔ کہ کیا کوئی عرب و قریش میں ایسا نہیں ہے کہ جو مدینہ جائے اور ہمارے خون کا انتقام محمد سے
 لے لے۔ محمد مدینہ کے بازاروں میں بلا روک ٹوک پھرتے ہیں اور ان کا قتل کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔
 ایک بد عرب نے ابوسفیان کا کلام سنا اور خلوت میں آکر عہد و پیمانہ کئے اور کہا کہ اسے ابوسفیان اگر تم میری
 مدد کرو تو میں محمد کو قتل کر سکتا ہوں۔ مدینہ کے راستوں کو بخوبی جانتا ہوں اور میرے پاس نہایت عمدہ لوہے
 کا سنجر تیز موجود ہے۔ اور مجھ کو کبھی کسی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے۔ ابوسفیان نے جب اس بد کو اپنے حسب
 وخواہ پایا تو اس کی دلجوئی کی الغام و اکرام کے وعدے کئے اور ایک تیز رفتار اونٹ اور زار راہ دیا۔ اور
 چلتے وقت اعرابی نے ابوسفیان سے عہد لیا کہ وہ کسی سے اس راز کو افشاء نہ کرے۔ اس کے بعد وہ اعرابی (بد)

مدینہ کی طرف چلا اور مدینہ جا پہنچا۔ مدینہ میں اعرابی کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام قبیلہ بنی عبدالاشہل میں تشریف فرما ہیں۔ اعرابی نے اپنے اونٹ کو مضبوط کر کے باندھا اور پیادہ تلاش پیغمبر میں نکلا جب یہ وہاں پہنچا تو اس وقت پیغمبر اسلام قبیلہ بنی اشہل کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور گفتگو میں مصروف تھے۔ کہ تنے میں آپ کی نظر اس بدو اعرابی پر پڑی آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ یہ شخص کوئی فادو وغر کرنا چاہتا ہے۔ مگر خدا کی نظر لطف ہم پر ہے۔ یہ شخص ہمارا کچھ لگاؤ نہیں سکتا ہے تنے میں یہ قومی ہو سکتا ہے بدو پیغمبر اسلام کے سامنے پہنچ گیا اور جاتے ہی سوال کیا کہ تم لوگوں میں سے عبدالمطلب کا بیٹا کون شخص ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا "انا ابن عبدالمطلب"۔ یہ سنتے ہی وہ اعرابی پیغمبر اسلام کی جانب تیزی سے بڑھا۔ اور ایسا ظاہر کیا کہ گویا وہ پیغمبر اسلام کے قریب جا کر کان میں کچھ کہتا چاہتا ہے کہ تنے میں صحابی پیغمبر اسید بن خفیر نے اس کو پکڑ لیا۔ اور کہا اے ملعون دور ہو اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا کہ اس کے اندر خنجر موہو ہو ہے یا نہیں۔ اس کے بعد اسید نے پیغمبر سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ شخص کمر میں خنجر لگائے ہوئے ہے اور خدا رہے۔ پیغمبر اسلام نے نظر عرب و جلال اس پر ڈالی اور اصحاب کا ہجوم اور اسید کا اس کو پکڑ لینا یہ سب اسباب ایسے جمع ہو گئے کہ وہ اعرابی اسید کے قدموں پر گر گیا۔ اور اس نے رو کر معافی مانگی کہ میری جہاں بخشش کی جائے۔ صاحب روفتہ الصفا کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں۔

اسید بن خفیر معلوم کر دے کہ در زہیر جامہ خنجر سے دارد و گفت یا رسول اللہ هذا رجل عاقد اعرابی بد پائے اسید افتاد و فریاد بہ آورد کہ خون مرا بخشد۔ مگر اسید نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پیغمبر اسلام نے اس اعرابی بدو سے فرمایا کہ سچ بتاؤ کون شخص ہے اور کس ارادہ سے آیا اگر تو سچ کہے گا تو تیرا سچ تجھ کو نفع پہنچائے گا۔ ورنہ یاد رکھ کہ میرے خدا نے مجھ کو تیرے حالات سے باخبر کر دیا ہے۔ اعرابی امان طلبیدہ حضرت اور امین ساخت۔ اعرابی نے جان کی امان چاہی پیغمبر نے امان جان عطا کی۔ اس کے بعد اس اعرابی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر نے حکم دیا کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ وہ قید کر دیا گیا۔ دوسرے دن پیغمبر اسلام نے اپنے سامنے طلب کیا اور اس سے کہا کہ میں نے تجھ کو امان دیدی تھا اور تیرا جی چاہے چلا جا۔ اور اگر تو اس سے بہتر شے کوئی اور چاہتا ہے تو بتا اعرابی نے پوچھا کہ اس سے بہتر شے کیا ہو سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ تو خدا کی حمد نیت اور میری رسالت کا اقرار کرے اور مسلمانوں کا بھائی بن جائے۔ اعرابی نے کہا کہ میں کسی شخص اور کسی شے سے نہیں ڈرا۔ اور نہ کسی کی تلوار کا ٹھوکر خوف ہوا۔ مگر جب آپ کی صورت میں نہ دیکھی تو میری عقل زائل ہو گئی اور سو اس گم

ہو گئے اور میرے اور ابوسفیان کے مابین جو عہد و پیمان تھا اس کا علم میرے اور اس کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ نے وہ بھی ظاہر کر دیا لہذا مجھ کو دین اسلام تعلیم فرمادیکھئے یہ کہہ کر اس نے اپنی زبان پر کلمہ توحید اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ جاری کیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کو آزاد کر دیا۔ چند روز وہ مدینہ میں تعلیم اسلام کے سیکھنے کی غرض سے رہا۔ پھر وہ اپنے وطن چلا گیا۔

واقعہ تاریخی سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اس خاص موقع پر عدالت سے بھی بالا صفت کا اظہار فرمایا عدالت تو صرف یہ ہے کہ مطابق عمل بدلہ دیا جائے اور کسی قسم کی زیادتی و ظلم کو رد نہ رکھا جائے۔ مگر فضیلت مکافات و حسن قضایہ ہے کہ ہوائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے اور پھر اس میں احسان بھی نہ جنایا جائے اور وہ بدلہ مفت دے احسان کے دیا جائے۔ گویا یہ صفت عدالت سے بھی بالاتر ہے۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کا تو تقاضا یہ تھا کہ اعرابی ارادہ قتل سے آیا تھا اور اس نے قریب پیغمبر پہنچ کر قاتلانہ حملہ بھی کر دیا تھا۔ اس کی سزا مطابق قانون عدالت یہی تھی کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یا بصورت کمی سزا اس کو جس دوام کی سزا دی جائے۔ عموماً ایسے مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ سردار قوم پر حملہ کرنے والے کو خود افراد قوم ہی عین موقع پر قتل کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے مملکت پاکستان میں یہ واقعہ ہوا کہ قائد ملت لیاقت علی خان کو جب مجمع عام میں ایک شخص نے گولی مار دی تو اس قاتل کو افراد قوم ہی نے فوراً قتل کر دیا۔ اسی طرح اسیدین خضیر اصحاب پیغمبر موجود تھے۔ انہوں نے قاتل کو گرفتار بھی کر لیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ قاتل بخیر ارشاد پیغمبر کے مار ڈالا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اصحاب کو روکا اور قاتل سے انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور اس کی درخواست جال بخشی پر فوراً اس کو معاف بھی کر دیا۔ صرف ۲۴ گھنٹہ اس کو قید کی سزا دی۔ تاکہ اس کو حق و باطل میں تیز کرنے کا موقع مل جائے اور اس کی عقل انسانی اس کو صحیح نتیجہ تک پہنچا دے۔ ایک رات دن کی سزائے قید کے بعد بلایا۔ اور اس سے دریافت کیا تو وہی ہوا جو پیغمبر اسلام نے اندازہ کیا تھا۔ وہ صداقت اسلام کا قاتل ہو گیا اور بصدق دل مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ میں عدالت پیغمبر اسلام کے کئی پہلو پائے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ صرف ارادہ قتل پر قاتل کی سزا دینا خلاف عدالت تھا۔ وہ پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ دوم قتل عمد کے ارادہ کرنے والے کو بے سزا چھوڑ دینا بھی خلاف عدالت تھا۔ وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ سوم بعد سزائے قید کے اعتراف جرم و طلب معافی پر معاف نہ کرنا بھی سراسر ظلم تھا۔ وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ چہارم ارادہ قتل و حملہ قتل کی سزا قید طولانی بھی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ کسی حد پر زیادتی و ظلم ہوتا۔ لہذا وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ پنجم یہ بھی ممکن تھا کہ اس قاتل کو مدینہ ہی میں رکھا جاتا اور اس کو بجز مسلمان بنا لیا جاتا۔ تاکہ آئندہ اس سے خطرہ جان نہ ہو۔ مگر یہ بھی ظلم تھا کہ کسی کو

اس کے خلاف منشاء کے مذہب کے قبول کرنے کو بجز کہا جائے۔ لہذا یہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام نے جو سلوک اس اعرابی و قاتل کے ساتھ کیا وہ صرف عادلانہ ہی تھا بلکہ اس عدالت سے بھی بالاتر تھا۔ اور حسن قضاء و مکافات اجناس فضائل سے بھی بلند تر تھا۔ پیغمبر اسلام کے یہی وہ اخلاق و فضائل تھے جن کی وجہ سے عرب کے جنگجو اور جاہل پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے اور پیغمبر اسلام کے حکم سے واحد خدا کا کلمہ پڑھنے پر راضی ہو گئے۔ اہل عالم اگر ان نظائر عدالت کو اپنا دستور العمل سمیات بنالیں تو دنیا میں بجائے فساد و خون ریزی کے امن و امان کا دور دورہ ہو جائے اور اس امن و امان کا دوسرا نام اسلام ہے۔

عدالت واقعہ پنچاہ و پنجم | حکماء نے عدالت کو چند اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ عدالت فعلی عدالت قولی۔ انسان اگر عملاً و فعلاً تو ہر کام مطابق عدالت کرے مگر اس کا

قول خلاف عدالت ہو تو بھی وہ عادل نہیں ہے۔ انسان کامل وہی ہے جس کا قول و فعل ہر کام مطابق عدالت ہو۔ اگر زید نے عمر کے ساتھ یا عمر کے خاندان و قبیلہ کے ساتھ کوئی سلوک نیک کیا ہے۔ اور اس سلوک نیک کا صلہ عمر نے زید کو نہیں دیا تو بیشک عمر نے زید کے ساتھ ظلم کیا یہ صلہ چند اقسام کا ہو سکتا تھا۔ اول تو یہ کہ اگر زید کا مقصد روپیہ دینے سے پورا ہوتا تھا۔ اور زید کو مال کی ضرورت تھی۔ تو چاہئے تھا کہ عمر زید کو مالی انعام عطا کرے۔ اور اگر زید کے تعلقات عمر سے اتنے بلند تھے کہ زید عمر سے مال لینا خلاف حق دوستی کے سمجھتا ہے تو عمر ایسی صورت میں اگر زید کو مال دیتا تو عمر کا یہ فعل بھی زید دوستی کے حق میں ظلم ہوتا پھر ایسے دوستانہ ماحول میں حق و انصاف و عدالت یہی ہے کہ زید کے حسن سلوک کی تعریف و مدح زبان عمر سے ادا ہو اور اس انداز سے وہ تعریف و مدح ہو کہ اس کے حسن سلوک کے درجہ کے مطابق ہو۔

واقعہ ذیل ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس سے پیغمبر اسلام کی عدالت قولی کا اظہار ہو گا۔ شاید بعض نظریں کو صداقت قولی و عدالت قولی کی تعریفیات میں اشتباہ ہو جائے اسلئے مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک دوسری مثال سے اس موضوع کو واضح کر دیا جائے۔ اگر زید مطابق واقعہ کوئی بات کہتا ہے۔ تو یہ صداقت قولی ہے اور اگر زید کسی اچھے کلام کی داد دیتا ہے تو یہ عدالت قولی ہے۔ کیونکہ کسی کے کلام خیر و حسن سلوک کی داد دینا اور اس پر خاموش رہنا ظلم ہے۔ جب یہ ظلم قرار پایا تو حسن سلوک کا صلہ بصورت عمل دینا بھی عدالت ہے اور بصورت قول یعنی تعریف کر دینا بھی عدالت قولی ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس دقیق ترین موقع پر قوانین عدالت کا اظہار کیا ہے۔ تاریخی اسناد ملاحظہ ہوں۔

۱۱) شہ کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابو عبیدہ جراح کو ایک جماعت کے ساتھ جانب سیف البحر روانہ کیا اور اس سفر میں مسلمانوں کے پاس صرف خرمانا در راہ تھا۔

۱۲) روایت است کہ ہر کس از غازیان نخست روزے بخرمائے قناعت می کردند و در او اثر بہ نیم شہ ما قرار یافت.....

واقعی گوید قیس بن سعد بن عبادہ گفت کہ کسیت کہ شتران بخر ما فرود شد مشروط بانکہ شتر اکنون تسلیم نماید و خر ما در مدینہ رہتند۔

عمر ابن خطاب گفت عجب است ازیں جوان کہ ہمالی پدر دست درازی می کند و حال آنکہ بیخ چیز از خود ندارد و قیس بمقابله فاروق اعظم سخنان درشت بر زبان آورد و گفت

پدر من پیادگان را سواری می سازد و گر سنگاں را سیر می سازد و قرضے کہ من از جہتہ مجاہدان دین کردہ باشم چگونہ در ادائے آن تاخیر و تسویف مجازہ دارد۔ بعد از ان قیس از مرد

بیخ شتر بدو دستق خر ما خریدہ و بوقت استیجاب آن را صرف کرد۔ چون از ان سفر مراجعت نمودہ بمدینہ رسیدند سعد بن عبادہ بجہتہ احسانے کہ قیس کردہ بود خرم شد و

اور اثنا گفت و چهار نخلستان بویے بخشید و بائع شتران چون بمدینہ آمد سعد بہاء شتران را تسلیم نمودہ آن شخص را خلعت پوشانید و حضرت چون از مردت قیس آگاہ شد

فرمود :-

بیان کیا گیا ہے کہ شکر یاں اسلام کو فی کس ایک خر ما روزانہ غذا ملتی تھی اور وہ اس پر ہی قناعت کرتے تھے اور آخری دنوں میں دن رات میں صرف نصف خر ما کھانے کو ملتا تھا۔ واقعی کا بیان ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ نے کہا اے گروہ مسلماناں تم میں سے کون ہے جو اپنا اونٹ خر ما کے عیوض فرودخت کر دے۔

شرط یہ ہے کہ وہ اونٹ ابھی دیکھے اور خر ما مدینہ پہنچ کر لے۔ عمر ابن خطاب نے کہا تعجب ہے اس نوجوان سے کہ اپنے باپ کے مال پر دست درازی کرتا ہے۔ حالانکہ یہ خود تو کچھ بھی نہیں رکھتا ہے۔ قیس نے جواب میں فاروق اعظم کو بہت سخت سست کہا اور کہا میرا باپ تو وہ ہے کہ جو پیدلوں کو سوار بنا دیتا ہے۔ اور بھوکوں کو شکر سیر کر دیتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو قرض میں مجاہدین اسلام کی خاطر لے لیا ہوں تو کیونکر اس کی ادائیگی میں تاخیر کروں گا اس کے بعد قیس نے ایک شخص سے پانچ اونٹ دو دستق خر ما کے بدلے میں خریدے۔ اور بوقت ضرورت مسلمانوں نے اسکو واپس کیا۔ جب اس سفر سے مدینہ واپس ہوئے سعد بن عبادہ اس احسان کی خبر کو سن کر جو ان کے بیٹے قیس نے کیا تھا بہت خوش ہوئے

وہ تو سخی گھر کا بیٹا ہے (قیس)

لأنه من بيت جواد -

بادی التطریس یہ چند الفاظ ہیں۔ جو زبان پیغمبر اسلام پر جاری ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اس نازک موقع پر جبکہ شکر اسلام مسلسل فاتوں کی حالت گزار رہا تھا۔ اور حکم پیغمبر اسلام اپنے کارِ منصبی کو پورا کرنے کیلئے سفر کر رہا تھا۔ اور تعمیل ارشاد پیغمبر میں شکر یوں کا یہ حال تھا کہ شبانہ روز میں نصف خرما کھانے کو ملتا تھا۔ گویا یہ جماعت اسلام فنا و ہلاکت کے قریب ہو چکی تھی۔ ایسی حالت میں قیس بن سعد بن عبادہ کا حسن سلوک قابلِ مدح و تعریف نہ سمجھا جاتا۔ اور کل حالات کو سنکر پیغمبر اسلام خاموش رہتے تو بیشک پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف عدالت ہوتا۔ اور قیس کے حسن سلوک کا معاوضہ پیغمبر اسلام کی جانب سے کچھ بھی نہ ملتا۔ اور یہ دوسرا ظلم ہوتا۔ اور یہ کب ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام احسان کا بدلہ احسان نہ دیں۔ بلکہ احسان کا بدلہ اس سے بہتر دینا ہی۔ عدالت پیغمبر اسلام تھی۔ قیس کی بروقت تدبیر سے جماعتِ مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ مگر وہ واقعہ محدود زمانی و مکانی میں عارضی زندگی پا کر فنا ہو گیا نہ وہ شکر ہی ہیں نہ وہ اہل اسلام پر بحالتِ افلاس ہے۔ مگر وہ انعام جو پیغمبر اسلام نے قیس بن عبادہ کی خدمات کے صلہ میں دیا آج بھی باقی ہے۔ اور دو صورتوں میں باقی ہے۔

ایک تو اس مادی جہان میں کہ جب تک یہ دنیا باقی رہے گی۔ قیس اور قیس کا گھر انا جواد یعنی سخی و کریم کہلائے گا۔ یہ وہ صفت سخاوت خاندانِ قیس کو زبان پیغمبر اسلام حاصل ہوئی ہے۔ جس کا بدل ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے صرف قیس ہی کی تعریف و مدح نہیں کی ہے بلکہ اس کے خاندان کو جواد کہا ہے۔ اور یہ اور بھی بہتر صلہ ہے۔ تیسرے یہ کہ قیس اور قیس کے خاندان کی تعریف پیغمبر اسلام نے کی ہے گویا پیغمبر اسلام نے خاندانِ قیس کو ابدی نعمات جنت و روضے خدا کا مستحق بنا دیا ہے۔

ہر چہ بر خود نہ پسندی بردیگران پسند
جب اہل اسلام پر افلاس اور جنگوں

عدالت واقعہ پنجاہ و ششم، حفر خندق شد

کی سختیاں پڑی ہیں تو پیغمبر اسلام ہمیشہ ان حالات میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام کا اقتضائے عدالت فطری یہی تھا کہ وہ اپنے کو اور اپنے اصحابِ غریب اور متمول کو یکساں سمجھتے تھے اور جب کوئی کام مشکل آ پڑتا تھا تو اس میں برابر محنت و مشقت فرماتے تھے۔ جنگ خندق کے تاریخی حالات اور پیغمبر اسلام کی سادگی شرکتِ ملاخلہ فرمائیے۔

(۱) اسوۃ الرسول جلد دوم صفحہ ۵۲۸ :-

جنگِ احزاب اسلئے کہتے ہیں کہ عرب کی تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استیصال کیلئے آمادہ ہو کر آئی تھیں

غزوة خندق اس دیر سے مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کفار سے مدافعتاً مقابلہ فرمایا تھا۔

۵۳ - خندق کھودنے کا کام یوں کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ بسی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق تیار کرنے کیلئے زمین تقسیم کر دی گئی۔ ان جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص ذات اور سبھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے تھے۔ اور برابر پھینکتے جاتے تھے۔

۵۳۳ھ - علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبی میں لکھتے ہیں :-

عن علی قال کنا..... منذ
ثلاثة ایام -

علی کا بیان ہے کہ میں پیغمبر اسلام کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہ امیں ان کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ خدمت رسول میں عرض کرنے لگیں کہ میں نے اپنے دونوں بچوں کیلئے روٹی پکائی تھی اس میں کا یہ ٹکڑا آپ کیلئے لائی ہوں۔ تناول فرمائیے۔ آپ نے وہ پارہ نان بیکر فرمایا۔

انہالاول الطعام دخل فی فم ابیک
منذ ثلاثة ایام -

یہی پہلا طعام ہے جو تین دن کے بعد تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔

(۲) روضة الصفا جلد دوم ص ۱۰۱ (غزوة خندق)

اول خط بر موضع خندق کشیدہ براصحاب قسمت فرمود و ہر دہ کس را دہ گز رسید..... رسول خدا مقرر فرمود کہ من و سلمان و عذیفہ و نعمان و شمش کس دیگر از انصار بکندن چہل گز زمین قیام نمایند۔

خندق کے مقام پر پہلے شرط کھینچا گیا۔ اس کے بعد زمین کو اصحاب پر تقسیم کر دیا۔ ہر دس اصحاب کو دس دس گز زمین کھودنے کیلئے دی گئی۔ رسول خدا نے مقرر فرمایا کہ میں اور سلمان و عذیفہ و نعمان اور سچہ افراد دیگر انصار میں ستر پالیں گز زمین کھودیں گے۔

(۳) ص ۱۰۱ - حضرت بنا بر آنکہ مخالفان مبادا اتہانہ فرصت یافتہ از آنجا بگذرند شبہا بہ نفس نفیس و ذات مقدس بتولیش بجر است آل قیام می فرمود۔

(۳) پیغمبر اسلام اس لحاظ سے کہ مبادا دشمن موقع پا کر اس تنگ خندق میں سے گذر جائے خود بہ نفس نفیس شبانہ روز نگرانی کرتے تھے۔

(۴) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۳۴ :-

محاصرہ مدینہ کو تین ہفتے گزر چکے تھے۔ غزوہ خندق میں رسول خدا کے پاس تقریباً تین ہزار فوج تھی
گو یا آپ اس وقت ایک متحدہ فوج کے مالک تھے۔ خود ہی سپہ سالار بھی تھے۔ پھر بھی آپ کا یہ حال تھا کہ بجائے
فاقہ و سخت سردی شبانہ روز میدان جنگ میں کام کر رہے تھے۔

آج بھی اس متمدن زمانہ میں میدان جنگ میں نذوق کھودی جاتی ہیں۔ مگر یہ کام سب سپاہیوں کا
ہوا کرتا ہے خود سپہ سالار فوج ان کاموں کو اپنے ہاتھ سے نہیں کیا کرتا ہے۔ آج کل سپاہی کافر لیضہ ہے کہ وہ
ابتداء سے تا انتہا کل کام خود کرے۔ افسران صرف اس کام دین اور نظام فوج کو باقی رکھیں۔ مگر پیغمبر اسلام
نے اپنی جنگوں میں اس طریقہ سے جداگانہ طریقہ قائم کیا تھا۔ شہر مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودنا
کوئی معمولی کام نہ تھا۔ انتہائی غیر معمولی محنت و مشقت چاہتا تھا۔ مگر عبارت تاریخی نے واضح کر دیا کہ۔
پیغمبر اسلام نے جتنی زمین پیمائش کر کے سادی طریقہ پر اصحاب کو کھودنے کیلئے دی تھی اسی قدر زمین خود بھی
کھودنے کیلئے لی۔ اصحاب بھوک کی تکلیف میں مبتلاء تھے۔ تو پیغمبر اسلام بھی تین دن سے بھوکے تھے اور ہر
سپاہی اسلام کے مقابلہ میں خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ صرف حاکم نہ حیثیت سے حکم نصیحت دینا۔ یہ
دوسری بات ہے۔ حالانکہ یہ بھی عدالت ہی ہے۔ مگر یہ عدالت جو پیغمبر اسلام نے قائم کی ہے وہ اعلیٰ ترین
عدالت ہے۔ فوج کا ادنیٰ سپاہی جو کام کر رہا ہے۔ وہی کام حاکم اعلیٰ بھی اپنے دست و بازو سے کر رہا
ہے۔ یہ عمل پیغمبر اسلام عدالت بین الناس کا اعلیٰ و بہتر نمونہ پیش کر رہا ہے۔ آج کل یہ عملی مساوات خلاف اصول
جنگ قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ حاکم اعلیٰ اور سپاہی کے درمیان بحیثیت درجہات و خدمات کے فرق ہونا لازمی
قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ حاکم و محکوم میں درجہ امتیاز بھی باقی رہے۔ اور عرب حاکم بھی سپاہیوں پر باقی رہے
مگر پیغمبر اسلام نے اس اصول کے خلاف اصول جنگ قائم کئے تھے۔ وہ اصول انانیت کی مساوات و عدالت
پر مبنی تھے۔ پیغمبر اسلام کی جنگ چونکہ حقوق انسانی کے حدود صحیح کو قائم کرنے کیلئے تھی لہذا پیغمبر اسلام کا ہر
فعل جو میدان سے تعلق رکھتا تھا۔ یا جو قوانین جنگ کو مترتب کرتا تھا۔ وہ سب مساوات و عدالت پر مبنی و منحصر
ہوتا تھا۔۔

مزید - اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۳۳ :-

(۲) اکثر نرم دل مسلمان کچھ تو خائف ہو کر اور کچھ بھوک پیاس، شدت کی سردی سے اور راتوں کی تو آئے
تند سے عاجز آ کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بھوک کی شدت رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے
تصدیقاً بیانات کیلئے اپنے شکم کھول کر دکھائے جو پیچھے سے لگا کر تختہ ہو رہے تھے اور بھوک کی شدت رکھنے
کیلئے غریبوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ عرب میں دستور تھا کہ بھوک کی شدت رکھنے کیلئے

اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اس وقت یہی کیا تھا۔

جناب رسالت مآب صلعم ان کی یہ حالت زار دیکھ کر مجید ملوں ہوئے۔ لیکن آپ نے جب ان کے سامنے اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر اپنا شک مبارک دکھلایا تو ان کے دیدہ نئے حقیقت کھل گئے۔ دیکھا کہ رسول کے پیٹ پر ایک کی جگہ دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی۔ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب نادوم ہو کر عرض کرنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ حصنور ہم سے زیادہ بھوکے ہیں۔ تو ہم کبھی دعا کے اظہار کی جرأت نہ کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ہر حالت میں ہلکو اور تم کو خدا کے حکم پر قائم اور اس کی عنایت و کرم پر متوکل رہنا چاہئے۔

استدلال۔ میں اس جنگ خندق کے واقعات میں لکھ چکا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے خندق کے کھودنے کے وقت خود بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شرکت کی اور اس مشقت میں شریک رہے جو مشقت سپاہی کیلئے ضروری تھی۔

مذکورہ عبارت تاریخی نے ایک اور امر منکشف کیا۔ اور وہ اس پہلے واقعے سے بھی زیادہ عدالت پیغمبر پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ چند سپاہی خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے اور اپنی بھوک کی شکایت کی اور تصدیق گرسنگی کی خاطر اپنے پیٹ دکھائے۔ جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے سپاہیوں کو صبر و شجاعت کا درس دیا اور ان کی تسکین خاطر کیلئے اپنے پیٹ کو دکھایا۔ جس پر بجائے ایک کے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ سپاہی مطمئن ہو گئے اور جنگ کا کارنامہ جاری رہا۔

نتیجہ۔ درحقیقت تاریخ عالم از آدم تا انیدم ایسے نمونہ نامے عدالت پیش نہیں کر سکتی جو پیغمبر اسلام نے پیش فرمائے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جنگ ہوتی ہی رہتی ہے۔ اور ہمیشہ جنگ کے گھنگھور بادل دنیا پر چھلے ہی رہتے ہیں۔ مگر سپہ سالار و حاکم اعلیٰ کو کبھی بھوکا پیاسا نہ دیکھا گیا ہوگا۔ جب تک لشکر کا ایک سپاہی بھی لڑ نہ رہے اور فوج اور نشان فوج کا نام باقی ہے۔ حاکم اعلیٰ کے ہاتھ میں کمان فوج ہے۔ مختلف حصوں میں قریب و دور خندق ہو رہی ہے۔ دور و دراز حصوں میں رسد نہیں پہنچ سکتی ہے۔ لہذا سپاہیوں کو فاقہ ہے۔ اور آجکل باوجود ہوائی تہاڑ کے ذریعہ رسد پہنچانے کے بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ فوج دشمنوں میں گھر جاتی ہے، اور رسد نہیں پہنچ سکتی ہے اور وہ بیچارے بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور خود کو غیر کی غلامی میں دیدیتے ہیں۔ مگر پیغمبر اسلام کا عہد حجاب سے پودہ سو سال قبل تھا۔ اس وقت تصور کیجئے۔

موجودہ عہد میں چاہے فوج پر کتنے دن کا فاقہ ہو۔ وہ کتنے ہی دن سے پیاسے ہوں۔ مگر کانڈر
انچیف و حاکم اعلیٰ بادشاہ یا صدر مملکت بہ فراغت کامل اپنے محلات و پالیسیوں میں زندگی گزارتے
ہوں گے۔

ایسا کیوں ہے؟ اسلئے کہ اس حاکم اعلیٰ و صدر مملکت و شہنشاہ نے عوام و سپاہیوں کی
جان کو تنخواہ دیکر خرید لیا ہے۔ اب یہ حاکم ہیں وہ محکوم یہ سپاہی ہیں وہ بادشاہ، یہ فدیہ و قربانی
ہیں اور وہ بادشاہ و شہنشاہ یہ تفوق و تفریق درجات و مراتب انسانی موجودہ تمدن و تہذیب
نے پیدا کئے ہیں۔ مگر پیغمبر اسلام اس تفریق درجات انسانی کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ آپ چاہتے
تھے کہ ملوکیت و مالکیت غلام و آقا، زردار و زر خرید، سپاہی و حاکم کا فرق طبقات انسانی سے مٹا
دیا جائے اور اہل عالم کے دلی و دماغ میں راسخ کر دیا جائے کہ وہ سب ہی نوع انسان کو مہیا نہ و عادلانہ
سلوک کا مستحق سمجھنے کے عادی ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام ہر غزوہ میں خود موجود بھی رہتے
تھے اور ہر سپاہی کے ساتھ مشکل سے مشکل کام و محنت و مشقت میں برابر کے شریک بھی رہتے تھے۔
پیغمبر اسلام کا یہی عادلانہ انداز حکومت تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے اصحاب بھوک و پیاس کی شدت
کو برداشت کرتے تھے۔ مگر قدموں پر شمار ہونے کو اپنا حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ گویا پیغمبر اسلام اور
ان کے اصحاب اپنے اس جذبہ ایشارہ سے مساوات و عدالت انسانی کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم فرما
رہے تھے۔

عدالت، پنجاہ و ہندو ایشارہ

عبارات تاریخی و بیانات مذکور سے واضح ہوا کہ جنگ خندق
کے موقع پر پیغمبر اسلام مع اپنے اصحاب کے گرد مدینہ خندق کھودنے

میں مصروف رہے اور سخت محنت و مشقت میں پیغمبر اسلام نے اصحاب کی مساویانہ شرکت کی۔

اگر پیغمبر اسلام کے پاس بکثرت مال و دولت ہوتا اور آپ اس حالت میں غزباتے اسلام کو کچھ دیتے تو یہ
سخاوت کہلاتی۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنی غزبت و فاقہ کی حالت میں جو کچھ پایا اس کو بھی اصحاب پر تقسیم کر دیا
یہ ایشارہ ہے۔ مگر اس موقع پر تو اندازہ پیغمبر اسلام نے برتا ہے۔ وہ عین عدالت رسول ہے۔ ناظرین پہلے
عبارات تاریخی و سند واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ مسلمان تمام دن خندق کھودنے
میں مصروف رہتے تھے رسول خدا اپنی برکت
شرکت کو اصحاب سے نہیں روکتے تھے۔

۱۱، مع القصہ مسلمانان ہمہ روزہ بکار کندہ رنج
بھی بردند رسول خدا برکت مشارکت از مردم
باز نجا گرفت۔ جابر بن عبد اللہ گوید یک روز

آثار جوع و بے پیمائش مبارک پیغمبر مٹا دیتا کہ وہ
 بیتوانی بخانہ تولید شدم و بزغالہ فریبہ ششم
 آنرا ذبح نمود و زوجه خود را فرمان داد
 تا صاع جو آرد کردہ خمیر ساخت و بزغالہ در
 دیگ کردہ آتش کردم و باز خندق شدہ بکار
 در آدم پوں روز بکراں رفت و مسلماناں ساز
 مراجعت بدینہ طرازہ کردند عرض کردم یا رسول
 اللہ اندک طعامی ساختہ ام تو اند بود کہ
 با چند کس از اصحاب بخانہ من در آئی۔

فرمود کہ چہ مقدار طعام کردہ اند اندازہ آنرا
 باز نمودم۔ فرمود کثیراً طیبٌ.....
 و پیغمبر بانگ بشارت کہ یا اهل الخندق
 ان جابراً صنع لکم شورباً موصیاً
 هلاکم.....

و ہر دہ تن از مردم را جلوس داد تا از اں
 سیر بخوردند و برفتند۔

پر بیٹھتے گئے اور کھانا کھاتے رہ سکتی کہ وہ سب سیر ہو گئے اور چلے گئے۔

واقعہ تاریخ سے ظاہر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے سخت بھوک اور محنت کی حالت میں یہ ایثار نفس ظاہر کیا کہ ایک
 ہزار افراد کو صلائے عام کھانے پر دیدی اور اس میں کسی تخصیص کا لحاظ نہیں کیا۔ گویا آپ کی نگاہ میں ہر صحابی
 دہر سپاہی ایک ہی منزلت و درجہ رکھتا تھا۔ اور آپ نے اپنے نفس کو بھی ان کے ہم درجہ ہی رکھا۔ اور امتیاز
 سرداری مطلق باقی نہ رکھا۔ بس یہی مؤخر الذکر امر عدالت پیغمبر اسلام پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کی نگاہ میں افراد
 لشکر میں جتنے افراد بھی خندق کھود رہے تھے سب برابر اور مساوی تھے۔ اور آپ نے سب ہی کو شریک دعوت جابر
 فرمایا۔ خدا نے اس قلیل کھانے میں برکت عطا فرمائی۔ اور وہ کثیر ہو گیا۔ یہ ایک علیحدہ اعتقادی مسئلہ ہے۔
 مگر عدالت پیغمبر اسلام اور ایسے سخت موقع پر ایک دوسری چیز ہے۔ اور اہل عالم کے لئے ایک اعلیٰ درس
 و نمونہ ہے۔

جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے
 چہرہ پیغمبر اسلام پر آثار گرسنگی پائے۔ فوراً
 اپنے گھر گیا میرے پاس ایک فریبہ بکرا تھا میں نے
 اس کو ذبح کیا اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ ایک
 صاع جو کا آٹا خمیر کر کے روٹی پکائے اور گوشت

دیگ میں ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا۔ اور پھر
 جا کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گیا شام

ہو گئی اور مسلمان واپس مدینہ ہونے لگے تو میں
 نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تھوڑا کھانا

تیار کیا ہے۔ آپ اور چند اصحاب میرے گھر

تشریف لے چکے۔ پیغمبر نے پوچھا کہ کتنا

کھانا ہے۔ میں نے مقدار بتادی تو فرمایا کہ

بہت ہے اور پاک ہے۔ پھر پیغمبر نے اعلان

عام فرمایا کہ اے خندق کھودنے والو تمہاری

جان بچ گئی کہ جابر نے تمہارے لئے گوشت

پکایا ہے۔ پھر دس دس اصحاب دستر خوان

پکایا ہے۔ پھر دس دس اصحاب دستر خوان

واقعہ پنجاہ و ہشتم، عدالت بین مہاجر و انصار

پیغمبر اسلام کے ہموطن اہل مکہ
مہاجر تھے اپنا وطن و اپنا انا

البتہ وغیرہ چھوڑ کر پیغمبر اسلام کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی تھی۔ بیشک یہ کام بھی خاص اہمیت رکھتا تھا۔ علاوہ بریں یہ مہاجر زیادہ تر سب خاندان پیغمبر سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ کئی سبب و وجوہ اس بات کے موجود تھے کہ پیغمبر اسلام اپنے ان ہموطنوں کو خاص و امتیازی سلوک کا مستحق سمجھتے۔ اچھا اگر ایسا نہ سہی تو اہل مدینہ نے مکہ جا کر مدینہ آنے کی دعوت دی۔ جب پیغمبر اسلام کے ہموطن تیرہ سال تک ان کو آزار دیتے رہے تھے۔ اور شدید مصائب میں مبتلا کر رہے تھے۔ تو اہل مدینہ نے پیغمبر اسلام کی مدد کا وعدہ کیا۔ جب پیغمبر مدینہ پہنچے تو ان کو اور دیگر اہل اسلام کو طوع و قیام کے ساتھ ہی ساتھ وعدہ نصرت بھی دیا۔ اور بموقع جنگ مدد بھی کی یہ سب چیزیں ضرور اس قابل تھیں کہ پیغمبر اسلام انصار کو مہاجرین پر ترجیح دیتے۔ مگر یہ سب مہاجر و انصار بحیثیت انسان و بحیثیت مسلمان یکساں تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے ہر موقع پر ان پر دو فریق کو مساویانہ حقوق ادا فرمائے۔ اور جب خدمات دینی سپرد کیں۔ تب بھی یہ خیال و لحاظ رکھا گیا کہ ان میں کسی ایک جماعت کو ترجیح و فوقیت و دوسری جماعت کو سخت و سبکی حاصل نہ ہو سکے۔ چنانچہ جب خندق کھودی جا چکی تو پیغمبر اسلام نے خندق پر نگہبان مقرر فرمائے۔ ملاحظہ ہو سند تاریخی۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۱۳

مختصر یہ ہے کہ جب مسلمان خندق کھود چکے

تو اس کے آٹھ راستے مقرر کئے۔ اس وقت

پیغمبر نے حکم دیا تاکہ ہر راستہ پر دو شخص

ایک مہاجر اور ایک انصار کو مقرر چند افراد

کے ان راستوں کا نگہبان و محافظ رکھا جائے

مع القصة مسلمانان کار خندق را بکران بزدند

و طرق آنرا بر ہشت باب نہادند آنگاہ

پیغمبر فرمان کرد تا در ہر باب یکتن از مہاجر

و یکتن از انصار با چند کس از لشکر حارس

و محافظ باشند۔

اس تاریخی واقعہ سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کی نگاہ ہر معمولی سے معمولی واقعہ کی طرف رہتی

تھی۔ اور آپ چاہتے تھے کہ ہر فرد مہاجر و انصار۔ عامی و جاہل، فقیر و مالدار مسلمان مساویانہ زندگی بسر کرے

اور یہی وجہ ہے کہ عدالت پیغمبر اسلام کے نقوش قلب انسانی پر دیر پار ہے۔ اور ناقیامت باقی رہیں گے

پیغمبر اسلام خندق کے ابواب پر صرف مہاجر یا صرف انصار ہی کو مقرر کر سکتے تھے۔ مگر آپ کا ایک باب خندق

پر انصار کو مقرر کرنا اور دوسرے پر مہاجرین کو معین کرنا اور اسی طرح آٹھ ابواب کو ترتیب وار تقسیم کر دینا

یہ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام حقوق و خدمات کو مساویانہ و عادلانہ تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنی امت کو

اپنے ہر فعل سے عدالت کا سبق دیتے رہتے تھے۔ اور قیامت تک کی آنے والی نسلوں کیسے چھوٹے بڑے عدالت کے نمونے قائم کر رہے تھے۔

عدالت، واقعہ پنجاب و ہم، خدمات علی و العام نبی

عادل کا ہر فعل عدل و انصاف پر مبنی و منحصر ہوا کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام عادل کامل تھے۔ لہذا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت پر منحصر و مبنی تھا۔ یہ معاملات خواہ گھر میں ہوں یا باہر میں ایک دیکر اصحاب کے ہوں، یا رزم میں ہوں، یا بزم رسول میں واقع ہوئے ہوں۔ ہر فعل پیغمبر اسلام کا انحصار عدالت کا ملکہ پر تھا۔ ذلیقعدہ سے جنگ خندق یا احزاب واقع ہوئی۔ معرکہ بہت سخت تھا۔ اور اس جنگ کی نوعیت دیگر غزوات سے سخت تر و عظیم تر تھی۔ تمام قبائل عرب نے اجتماعی حیثیت سے جمع ہو کر مرکز اسلام و پیغمبر اسلام کو فنا کر دینا چاہا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ تعداد قلیل تھی فاقہ و افلاس عام تھا۔ سخت سردی کا زمانہ تھا۔ کہ یکایک معلوم ہوا کہ قبائل عرب اجتماعی طور پر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ پیغمبر اسلام و عام مسلمان پریشان و متروک ہو گئے۔ تدابیر سوچنے لگے کہ اب کیا ہوتا چاہیے۔ دشمن کی تعداد کثیر و افواج مسلح سے فلیس و منفس نوح کا کیسے مقابلہ ممکن ہو سکتا ہے آخر رائے یہ قرار پائی کہ گرد مدینہ ایک خندق عمیق کھودی جائے۔ چنانچہ وہ تیار کی گئی۔ اس کے تیار ہونے کے تین دن کے بعد حملہ ہو گیا۔

افواج بہادران عرب نے مدینہ کو گھیر لیا۔ اور جب دیکھا کہ مدینہ کے اندر داخلہ ناممکن ہے مسلمانوں نے خندق کھود رکھی ہے۔ اور اس پر پہرہ بھی دے رہے ہیں۔ تو وہ یکبارگی حملہ تو نہ کر سکے۔ مگر انہوں نے اپنا کیپ ڈال دیا۔ اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ مدت محاصرہ تقریباً تین ہفتہ تک رہی۔ اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا گیا۔ خود مسلمانوں میں یہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ عبدالرحمن ابن عوف نے اور دیگر منافقین نے آپس میں مشورے کئے کہ ہم میں طاقت مقابلہ تو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ محمد کی خاطر جان دینے سے کیا فائدہ ایسا کیا جائے کہ ہم سب متفق ہو کر محمد کو گرفتار کر لیں اور حملہ آوروں کو سپرد کر دیں۔ اور ہم سب اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہ خطرہ جان اور سب پریشانیوں دور ہو جائیں گی۔ اس باہمی مشورہ کی سند تاریخی ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد اول صفحہ ۲۲ :-

عمر و ابن عبدود نے خندق سے پا۔ اتر کر حیب مبارکہ طلب کیا ہے اور اصحاب پیغمبر سے

و منافقان خیرہ تر شدند عبدالرحمن بن عوف باجماعتے گفت کہ این شیطان کہ عمر و است

یہ سچ کس را زندہ نخواہد گذاشت صواب
 آنست که اگر تو ایم بیکدیگر میدست شویم و محمد
 را گرفته بدو سپریم که اورا بکش و خود با قوم
 پیوسته شویم در روزگار با آسودگی بریم۔
 نہ چھوڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اگر ممکن ہو کے تو ہم سب ملکر محمد کو گرفتار کر لیں اور عمرو و عبدود کے
 سپرد کر دیں وہ محمد کو قتل کر دے اور ہم سب اپنی قوم سے مل جائیں اور با آرام نہ زندگی بسر کریں
 ان حالات میں اور انتہائی پریشانی و مصیبت کے عالم میں علی نے پیغمبر اسلام کی آواز طلب نصرت پر گئے تھے
 کے لبیک کہی اور ظاہر کیا کہ وہ عمرو ابن عبدود بدترین دشمن اسلام کے حملہ سے اسلام کو بچالیں گے۔ اگر علی نے
 ایسے نازک موقع پر ایسا وعدہ پیغمبر اسلام سے کیا اور واقعی اس وعدہ کو پورا بھی کیا تو آپ خود غور فرمائیے کہ
 پیغمبر اسلام کی عدالت کا مقتضا اس موقع خاص پر کیا ہونا چاہیے تھا۔ ؟
 اچھا اس سے پہلے کہ ہم کسی فیصلہ تک پہنچیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موقع کی اہمیت و نزاکت کا اس
 کتب تاریخ کی روشنی میں کریں۔ و صو هذا۔

سیرۃ النبوی شبلی نعمانی ص ۳۱۳۔

(۱) ان سب میں زیادہ مشہور بہادر عمر ابن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر ہونا جاتا تھا۔ جنگ بدر
 میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔
 (۲) عمر ابن عبدود خندق سے پار سے اپنی جماعت کے آگیا تو اس نے مبارزہ طلب کیا اور ان الفاظ میں
 مسلمانوں کو مخاطب کیا :-

يا ايها الناس اتيكم تزعمون ان قتلکم في الجنة وقتلانا في النار انما يحب احدکم
 ان یقدم علی الجنة او یقدم عدوا له الی النار۔

ترجمہ۔ اے مسلمانو! اے لوگو تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے
 اور تمہارے مقتول جہنم میں جائیں گے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ
 اپنے دشمن کو دوزخ میں پہنچادے۔ یا خود جنت کی طرف گامزن ہو جائے۔

اس نے ایک رجز پڑھا جس کا پہلا مصرعہ تھا :-

ولقد نخت من النار بجمعکم هل من مبارز (ناسخ جلد ۲ ص ۲۳)

میرنی آواز تم کو مخاطب کرتے کرتے گرفتہ و سخت ہو گئی۔ کیا تم میں کوئی میرا مقابل ہے۔ ؟

عمر ابن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علی نے اٹھ کر کہا کہ میں ہوں۔ لیکن آنحضرت نے رد کا اصرار کیا کہ یہ عمر ابن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک نبرد آزما اور اہل بختربہ مرد میدان ہے اور تم تو مشفق دلیر مجاہد کا پوٹہ نہیں۔

تھیوڑی ادیب اور مقابل کا انتظار کر کے عمر ابن عبدود نے پھر بڑے زور سے مبارزہ طلبی کی۔ حضرت علی نے رسول صلح سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ جناب سرور کائنات کا وہی جواب تھا۔ عمر ابن عبدود نے پھر کچھ انتظار کر کے تیسری بار ایک غیرت وہ شان میں پکارا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے پھر ویسے ہی خدمت رسول صلح میں اجازت حرب کی درخواست کی۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ عمر ابن عبدود ہے۔ حضرت علی نے جواب میں عرض کیا کہ ہاں میں جانتا ہوں یہ عمر ابن عبدود ہے۔ عرض آپ نے اجازت دیدی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پہ عمامہ باندھا۔

(۴) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۰۹ :-

پہلوں عمر از خندق عبور نمودہ پائے در میدان
شجاعت و پہرہ لی بنادہ مبارز خواست
شکر اسلام کہ تہوڑہ و مردانگی ادی دانستند
از خوف پیناں شدند کہ گویا خون در بدن
ایشان نماز سر تا در پیش افگندہ خشک
با بستادند کاہنا علی۔ و سہم الطیر رسول
فرمود کہ سبب تامل چیست۔ عمر ابن خطاب
از جانب اہل اسلام زبان اعتذار کشادہ
معروض حضرت خیر الانام گردانید کہ نوبتے
بہرہای طائفہ از قریش کہ عمر ابن عبدود در اہل
میان بود برسم تجارت با ملے وافر و متاع
متکاثر متوجہ شام بودیم۔ ناگاہ قریب ہزار
نفر از قاطعان طریق سر راہ بر ما گرفتند
اہل کاروان از مال بگمانہ جان خویش مایوس

جب عمر نے خندق سے عبور کر لیا۔ اور میدان
شجاعت میں قدم رکھ دیا۔ تو اس نے اپنا
مقابل چاہا۔ لشکر اسلام تو اس کی بہادری
و دلیری سے واقف تھا۔ خون سے اس کا
حال یہ ہو گیا کہ گویا ان کے جسم میں خون نہ تھا
گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے تھے کہ ان
کے اڑنے کے خون سے وہ حرکت نہ کرتے تھے
رسول نے پوچھا کہ تامل کی کیا وجہ ہے تو پیغمبر
کے جواب میں لشکر اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے
اور سعادت چاہتے ہوئے عمر ابن خطاب نے
عرض کیا۔ کہ میں ایک مرتبہ قریش کے ایک
قافلہ کے ساتھ تھا۔ اس قافلہ میں عمر ابن عبدود
بھی موجود تھا۔ یہ قافلہ بہت سامان تجارت
لیکر ملک شام کی طرف جا رہا تھا کہ یکایک ایک تلو

وہ علیؑ کا بر عمرو۔

میں پہنالی اور اپنا عمامہ علیؑ کے سر پہ باندھا

اور خدا سے دعا کی اسے خدا علیؑ کو عمرو پہ فتح دے۔

نتیجہ۔ اس موقعہ پر ضروری نہیں ہے کہ میں اس سے زیادہ جنگ خندق کے حالات لکھوں۔ یہاں صرف اتنا بتانا ضروری تھا کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ جنگ خندق میں اہل اسلام کیلئے و نیز شہر مدینہ کیلئے کتنا عظیم خطرہ تھا۔

شکر کفار کی کثرت، ان کا مدینہ پر چڑھائی کر کے آنا، اور مدینہ کا محاصرہ کر لینا، اور ان کے بھادر ترین افراد عمرو بن عبدود، نوفل بن عبد اللہ، ضرار بن الخطاب، عمر بن الخطاب کے بھائی، ہبیرہ بن ابی دھب و عکرہ بن ابو جہل اور مرد اس الغہری۔ خندق سے پار آگئے۔ اور ادھر لشکر اسلام کے تو اس باختمہ ہو گئے۔ اور ان پر موت کی سی خاموشی سچا گئی۔ پیغمبر اسلامؐ لشکر اسلام سے بار بار تعاضا کر رہے ہیں کہ کوئی مسلمان عمرو کا جواب دے۔ مگر تمام مسلمان خاموش ہیں۔ اور اگر ایک صاحب ہونے بھی تو یہ کہ یا رسول اللہ عمرو بن عبدود تو ہزار قزاقوں کو تنہا بھگا چکا ہے اس سے کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے رہے سبے تو اس یہ سنکر اور بھی باختمہ ہو گئے۔

اب ناظرین کتاب خود فیصلہ کر لیں اور نتیجہ نکال لیں کہ ان حالات میں اہل مدینہ کا کیا حال ہوتا۔ اور پیغمبر اسلامؐ اور اہل اسلامؐ پر کیا کچھ نہ بن جاتی، اور دین اسلام ہمیشہ کیلئے فنا ہو جاتا۔ ایسے نازک و اہم و خطرناک موقعہ پر علیؑ ابن ابی طالب نے قربانی کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا اور عمر ابن عبدود و نیز اس کے ساتھی بھادران عرب کو قتل کر ڈالا اور تھوڑی ہی دیر میں عمرو ابن عبدود کا سر لاکر قدم پیغمبر اسلامؐ پر ڈال دیا و نیز اس کے ساتھیوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔

ایک فرزند احمد علیؑ تو ذات پیغمبر اسلامؐ و دین اسلامؐ پر یوں اپنی جان کی بازی لگا دیں۔ چنانچہ اس موقعہ خاص کی ترجمانی صاحب ناسخ التواریخ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۲۱۔

اس وقت علیؑ تھپے سنان دور پھینکی اور سینہ

عمرو پر بٹھ گئے اور اپنی تلوار سے عمرو کے سر

نجس کو کاٹ لیا۔ اور زبان سے اللہ اکبر

کا نعرہ بلند کیا۔۔۔۔۔ مختصر یہ کہ علیؑ

عمرو کو خدمت رسولی میں لائے اور زمین پر ڈال دیا

آنکھ بٹافت و عمرو را سنان انداختہ

بر سینہ او بنشست و با شمشیر سر طپیش

را اندتن سپارید و بانگ تکبیر بر آورد ص ۲۲۳

..... مع انقصہ علیؑ سے عمرو را بنزدیک

رسول خدا آورد و بجا کرد را در انداخت

..... عمر ابن خطاب گفت۔ یا علی
 باز رہ عمر و کہ ماتند آن در عرب یافت نشود
 چہ کردی۔ فرمود شرم و اشم کہ سپر عم خود را
 عریاں سازم۔

ان خاص حالات میں علی ابن ابی طالب کا عمر و ابن عبدود کو قتل کر دینا اور اس کے ساتھیوں کو
 قتل کر دینا بیشک ذات پیغمبر اسلام و دین اسلام پر احسان تھا۔ فیصلہ قرآن ہے و کلیہ تو انہیں
 تہذیب و تمدن ہے کہ ہل جزا الا احسان الا الاحسان احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہو سکتا
 ہے۔ اور یہی عین عدالت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے احسان کے بدلے برائی کرے تو یہ ظلم ہے اور اگر احسان
 کے بدلے احسان کرے۔ تو یہی عدالت ہے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علی کو ان خدمات کا کیا معاوضہ
 دیا۔ اور وہ معاوضہ یا صلہ خدمات علی کے مقابل کم درجہ تھا یا زیادہ بہتر و اعلیٰ صلہ تھا۔ اگر پیغمبر اسلام نے
 علی کو ان خدمات کے معاوضہ میں برابر کا صلہ دیا ہے تو یہی اقتضائے عدالت پیغمبر اسلام ہو سکتا تھا۔
 نتیجہ و صلہ۔ آپ حضرات عبارات تاریخی کی روشنی میں ان دقائق پر غور فرمائیں۔ جب لشکر کثیر کفار نے مدینہ
 کو گھیر لیا اور عمر و بن عبدود نے مسلمانوں کو بالفاظ حقیر لاکارا اور کوئی مقابلہ کو باہر نہ نکلا تو پیغمبر اسلام نے لشکر
 اسلام کو ترغیب دلائی اور تین مرتبہ عمر و کے مقابلہ کے لئے علی اٹھے اور ہر مرتبہ پیغمبر اسلام نے علی کو روک دیا
 آخر ایسا کیوں ہوا؟ ایسے نازک خطرناک موقعہ پر تو پیغمبر اسلام کیلئے یہ مناسب تھا کہ جو بھی ہمت کرتا اس کی ہمت
 افزائی فرماتے نہ کہ یوں خوف دلارہے ہیں کہ یا علی یہ عمر و ابن عبدود ہے؟۔

پیغمبر اسلام کا یہ انداز و طریقہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام حالات و واقعات پر کما حقہ واقفیت رکھتے تھے۔
 اور خدمات علی و کارنامہ علی پر بھی آگاہ تھے اسلئے آپ علی کو بار بار روک دیتے تھے۔ تاکہ کوئی دوسرا مقابلہ عمر و کیلئے
 کھڑا ہوتا ہو تو کھڑا ہو جائے۔ اور اگر کوئی بھی مقابلہ عمر و کو کھڑا نہ ہوگا۔ تو پھر علی کے معاوضہ و صلہ کو باشرکتے غیر
 بنا رہے تھے اور خدمات و جان نثاری کے نقوش کو اور بھی اجاگر فرما رہے تھے۔ اب رہا عملی صورت میں صلہ و معاوضہ
 خدمات ادا کرنا تو آپ کو تاریخی عبارات سے معلوم ہوگا۔

ناسخ التاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰

(۱) پہلا انعام و صلہ جب علی عمر و ابن عبدود کے مقابلہ کیلئے بڑھے تو پیغمبر اسلام نے ان الفاظ میں دعا کی
 اللَّهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ مَنْ فَوْقَ رَأْسِهِ
 وَ مَنْ تَحْتِ قَدَمَيْهِ فَلَا تَزِرْ نِي فَرداً و انت خیر الوارثین

ترجمہ :- اسے خدا تو علی کی حفاظت کر سامنے سے اس کے داہنی جانب سے اور اس کی بائیں جانب سے اس کے سر کے اوپر سے اس کے قدموں کے نیچے سے اور اسے خدا تو مجھ کو تنہا نہ چھوڑ دینا۔

پیغمبر اسلام نے علی کے صرف ارادہ جنگ کے ظاہر کرنے پر یہ انعام و صلہ کامل عطا فرمایا کہ علی کی ذات کا حصار نصرت خداوندی سے کر دیا۔ لہذا اس صورت میں پیغمبر اسلام کا احسان علی پر پہلے واقع ہوا اور علی کا احسان سرفروشی برائے دین بعد میں شروع ہوا۔

(۲) جب علی مرتضیٰ خدمت پیغمبر اسلام سے رخصت ہوئے اور مقابلہ عمر ابن عبدود میں پہنچے تو پیغمبر اسلام نے علی کو دوسرا انعام دیا۔

بَرَزَ الْإِيمَانَ كَلَّةُ الْإِلَى الشَّرِكِ كَلَّةٌ - (آج ایمان کُلُّ شَرِكِ کے مقابلہ میں نکلا ہے) ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔

پیغمبر اسلام نے اپنے اس کلام سے علی کی وہ تعریف و توصیف بیان کی ہے جو درحقیقت خدمات علی کے ہر تہ و ہم پایہ ہے۔ اور عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ پیغمبر اسلام نے ظاہر فرمایا ہے کہ اگر آج مقابلہ عمر و ابن عبدود کو علی نہ جاتے تو ہمیشہ کیلئے ایمان ختم ہو جاتا اور ایمان کی شکست ہو جاتی۔ اور شرک و کفر کا غلبہ و فتح ہو جاتی۔ مگر علی تنہا اس وقت مجسمہ و پیکر ایمان تھیں۔ اور عمر و پیکر شرک و کفر ہے۔

(۳) تیسرا انعام۔ جب علی کا بھر پور وار عمر و ابن عبدود کے سر پر پڑ گیا اور وہ داخل جہنم ہو گیا۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

المبارزة علی ابن ابی طالب لیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة
علی کا یوم خندق عمرو سے جنگ کرنا میری امت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک کریں گے
افضل و بہتر ہے۔

(۴) چوتھا انعام جو علی کو دربار رسالت سے عطا ہوا۔ جب علی مرتضیٰ نے عمر و ابن عبدود کا سر قدم رسول پر لڑا تو فوراً دربار رسالت سے علی کو یہ صلہ عطا ہوا۔

الْبَشَرِ يَا عَلِيُّ فَلَوْ وَزَنَ الْيَوْمَ عَمَلُكَ بِعَمَلِ أُمَّةٍ مَحْسَبَةٍ لَوَجَّحَ عَمَلُكَ عَلِيُّ عَمَلِهِمْ -

اے علی تم کو بشارت ہو کہ اگر آج کا تمہارا عمل میری امت کے اعمال سے وزن کیا جائے تو تمہارا
آج کا ایک عمل میری امت کے اعمال سے گراں تر ہوگا۔ (ناسخ صفحہ ۲۲۳)

(۵) روزنۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۱ :-

رسول اللہ صلعم در شان اسد اللہ فرمود :-
پیغمبر خدا نے علی کی شان میں یہ حدیث فرمائی

مبارزة علی یوم الخندق افضل من اعمال

امتى الى يوم القيامة

چوں امیر المؤمنین علی بخیرت رسول آمد۔

ابوبکر و عمر بہ خواستند سر اور ابوسہ

دادند۔ و عبد اللہ مسعود بہ خواند کہ:

كفى الله المؤمنين القتال بعلى وكان الله

عزيزا حكيما۔

یوم خندق علی کی جنگ میری امت کے اعمال

سے جو وہ قیامت تک کریں گے افضل و برتر

ہے۔۔۔۔۔ جب علی خدمت رسول میں حاضر

ہوئے تو ابوبکر و عمر نے علی کی پیشانی کا بوسہ

لیا۔ اور عبد اللہ ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی

کہ خدا نے جنگ میں مؤمنین کی مدد علی کے ذریعہ

کی اور خدا غالب و حکمت والا ہے۔

عبارت روضة الصفا سے معلوم ہوا کہ علی کو صحابہ رسول بھی بقدر وسعت و حیثیت انعام وصلہ دے

رہے تھے۔ ابوبکر و عمر نے پیشانی علی کو بوسہ دیا مبارکباد دی عبد اللہ ابن مسعود صحابی بزرگ نے آیت قرآن شریف

علی میں پڑھی۔ اور پیغمبر اسلام نے تو خدمات علی کا وہ صلہ و معاوضہ دیا جو تا قیامت باقی رہے گا۔ اور امت

محمدی کے تمام اعمال نیک سے اس کا پلہ گراں تر ہوگا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہ فرمانا کہ اگر عمل علی کو میری

امت کے عمل سے وزن کیا جائے تو علی کے آج کے عمل کا پلہ میری امت کے اعمال سے زیادہ وزنی

رہے گا۔ یہ قول صاف بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے وزن و تول کا ذکر اسی لئے کیا ہے تاکہ اہل عالم کو

معلوم ہوتا رہے کہ عادل کامل مطابق وزن عمل ہی صلہ و انعام دیتا ہے اور اس موقع پر جو انعام وصلہ

علی کو دیا جا رہا ہے۔ وہ قوانین عدالت کے مطابق ہی دیا جا رہا ہے۔ یہ کام بہت دشوار تھا کہ علی کی ان

خدمات اعلیٰ کا بدلہ و معاوضہ کما حقہ کر دیا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام کی حکمت و عدالت نے جس انداز سے

جس معاوضہ کو مقرر کیا ہے۔ وہ بس آپ کا ہی کام تھا۔

دفعہ دخل۔ ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ پیغمبر اسلام خدمات جہاں فردشی کو نظر انداز کر دیتے۔ اور اس

اہم کارنامہ علی کو قابل اعتنا نہ سمجھتے۔ ناظرین کتاب خود انصاف فرمائیں کہ اگر پیغمبر اسلام خدمات علی کا معاوضہ

نہ دیتے تو پیغمبر اسلام کا یہ فعل مطابق قوانین عدالت سمجھا جانا یا مخالف عدالت، کسی مستحق شخص کی برعمل

و مطابق استحقاق داد نہ دینا صریحاً ظلم ہے۔ اور برعمل و مطابق توقع داد و معاوضہ دینا عین عدالت ہے۔

لہذا پیغمبر اسلام نے علی کے ہر کارنامہ پر ایک صلہ و انعام عطا فرمایا۔ جب علی عمر و ابن عبدود کے

مقابلہ کو چلے تو پیغمبر اسلام نے دعائے فتح و کامیابی دی۔ اور جب علی مسلح ہو کر میدان جنگ میں عمر ابن عبدود

کے مقابل میں پہنچے تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ کل ایمان کل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ گویا علی کی تنہا

ذات کو ایمان کل فرمایا۔ اور عمر و ابن عبدود کو مجسمہ شرک و کفر۔ اب علی کی فتح ایمان کل کی فتح اور عمر و

ابن عبدود کی موت و شکست کل شرک و کفر کی موت و شکست ہوگی۔

جب علی نے عمر ابن عبدود کا سر نجس کاٹ لیا اور اس سے جم کر جنگ کی تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ یہ جنگ علی اتنا وزن رکھتی ہے کہ اگر میری تمام امت کے تاقیامت اعمال کو ایک پلہ ترازو میں رکھا جائے اور علی کی اس جنگ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو اس ضرب علی کا وزن زیادہ ثابت ہوگا۔

جب علی نے سر نجس عمر ابن عبدود کو کاٹ لیا اور فاتحانہ و شیرانہ انداز سے واپس ہو کر خدمت رسول میں پہنچے اور قدم رسول پر عمر کو ڈال دیا تو فوراً پیغمبر اسلام نے علی کو انعام و صلہ عطا فرمایا کہ علی کی جنگ وہ یہ ضرب شمشیر میری امت کے قیامت کے اعمال سے زیادہ افضل ہے۔

اسی باب کی دفعہ ۵ میں روضۃ الصفا کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بوقت روانگی جنگ علی کو اپنے پاس بلایا اور اپنی زرہ پہنائی اور اپنا عامہ سحاب علی کے سر پر رکھا اور اپنی تلوار موسوم بہ ذوالفقار علی کو عطا فرمائی۔

پیغمبر اسلام نے علی کو ان کی خدمات کے صلہ و معادضہ میں دو قسم کی اشیاء مرحمت فرمائیں۔ ایک دنیوی دوسری روحانی و باقی۔ سطور بالا میں سب سے پہلے جن انعامات و معادضوں کا ذکر کیا گیا وہ دربارہ رسول سے علی کو باقی و روحانی انعامات دیئے گئے۔ اور بعد کی عبارت میں جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہ دنیوی و مادی انعامات علی کو دربارہ رسالت سے عطا ہوئے۔

درحقیقت پیغمبر اسلام کے ہر فعل کو جب بغور دیکھا جائے گا تو وہ عدالت کاملہ کا بہترین نمونہ ثابت ہوگا۔ اور کبھی کسی واقعہ سے یہ مترشح و ظاہر نہ ہو سکے گا کہ پیغمبر اسلام نے کبھی و کہیں خلاف قوانین عدالت کوئی کام کیا ہو۔

عدالت، واقعہ شصتم، واقعہ بنی قریظہ

۲۴ ذوالحجہ ۳ھ میں واقعہ بنی قریظہ واقع ہوا۔ جنگ خندق کے بعد پیغمبر اسلام نے یہودان بنو قریظہ کی جانب علی ابن ابی طالب کو روانہ کیا علی نے قلعہ کے سامنے علم اسلام کو نصب کیا۔ جب بنی قریظہ نے دیکھا تو در قلعہ بند کر لیا اور بالائے قلعہ سے خدا اور رسول کو گالیاں دینے لگے۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے علی سے فرمادیا تھا کہ تم آگے چلو ہم پیچھے آتے ہیں۔ اسلئے علی نے بنی قریظہ کی گالیوں کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور غصہ کو ضبط بھی نہ کر سکے بلکہ واپس آئے اور پیغمبر اسلام کو راہ میں ملے۔

پیغمبر اسلام نے علی کی واپسی کی وجہ پوچھتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت فرمود گماں میرم کہ چیز سے ازیشاں شنیدہ کہ موجب ایذاء من باشد۔ علی عرض کر دآرے!

پیغمبر اسلام نے فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ تم نے بنو قریظہ سے ایسے الفاظ سنے ہیں جو میرے لئے سبب اذیت ہوتے ہیں۔ علی نے کہا ناں ایسا ہی ہے۔ (رد فتنۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)

بہر حال پیغمبر اسلام معہ تین ہزار لشکریوں کے پہنچے اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور ان کو موقع دیا کہ وہ حلیف بن جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔ یا کوئی صورت مصالحت پیدا کر لیں۔ مگر بنو قریظہ کے سات سو افراد چونکہ ابو سفیان و قریش سے ہم عہد و ہم پیمان تھے۔ اس غرور کی وجہ سے انہوں نے پیغمبر اسلام کی کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ آخر مدت محاصرہ تقریباً تین ہفتہ گزر گئی۔ اور پھر علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ آج مجھ کو حمد کی اجازت دی جائے۔ تاکہ یا تو میں مثل حمزہ کے شہید ہو جاؤں یا قلعہ بنو قریظہ کو فتح کر لوں یہ کہہ کر علی نے سخت حملہ کیا کہ جس کے رعب سے بنو قریظہ کے حواس جاتے رہے۔ ملاخط ہو عبارت تاریخی

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول صفحہ ۲۳۲ :-

ایک دن علی نے کہا کہ میں آج مثل حمزہ کے شہید ہو جاؤں گا۔ یا اس قلعہ کو فتح کر لوں گا یہ کہہ حملہ کر دیا یہودی حملہ علی و رعب حملہ سے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے نباش بن قیس کو خدمت رسولی میں بھیجا۔ اور یہ پیغام دیا کہ ہلوگ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

یک روز علی فرمود من امروز مانند حمزہ شہید شوم یا اس حصار را بکشم و بنجائز حصار حملہ افگند یہودی را از صولت آنحضرت بول و رعبی تمام بگرفت نباش بن قیس را بنحضرت رسول فرستادند و گفتند ما بکومت سعد بن معاذ فرود آئیم

جب ان دشمنان دین اسلام و پیغمبر اسلام نے تحکیم و فیصلہ سعد بن معاذ کو تسلیم کر لیا اور قلعہ کا دروازہ کھول دینے اور قلعہ سے باہر آنے کا اظہار کر دیا۔ تو پیغمبر اسلام نے بھی عادلانہ و منصفانہ انداز اختیار فرمایا چنانچہ یہ واقعہ بھی تاریخی عبارت سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ معترضین و دشمنان اسلام کو موقع نکتہ چینی نہ ملے

ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ :-

پیغمبر نے فرمایا کہ آیا تم راضی ہو کہ میں تم سے ایک حکم بنا دوں اور جو کچھ وہ فیصلہ اس پر عمل کروں۔ بنو قریظہ نے عرض کیا کہ ہم راضی ہیں۔ تو پیغمبر نے فرمایا کہ وہ شخص سعد ہے۔ جو کچھ وہ کہے گا میں عمل کروں گا۔

(۱) رسول خدا فرمود بیچ رضا بستید کہ از میان شما مردے اختیار کنم و او را حکم سازم و بدانچه در میان ایشان حکومت کند بہر دازم گفتند آری فرمود آن مرد سعد است بدانچه گوید چنان کنم۔ پس یہودان در باز کردند

یہودیوں نے دروازہ قلعہ کھول دیا۔

(۲) روضۃ الصفی ص ۱۱

سعد نے بنو قریظہ سے کہا کہ خدا کا عہد و پیمانہ تم پر ہے کہ جو کچھ میں حکم دوں گا تم راضی ہو گے۔ اور میرے فیصلہ سے تجاوز نہ کرو گے۔ سب نے جواب دیا کہ بیشک آپ کا حکم مانیں گے۔ اس وقت سعد نے پیچہ اسلام کی طرف رخ کیا۔ مگر انتہائی ادب و احترام کی وجہ سے مخاطب نہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ جو شخص بھی اس مجمع میں ہے وہ میرے حکم پر راضی ہے؟ پیچہ نے کہا حکم دہی ہے جو تم دو۔۔۔

ب۔ سعد نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے اور ان کا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ج۔ رسول خدا نے فرمایا تاکہ ایک مناسب جگہ خندق کھودی جائے۔ اور اسامہ کے گھر کے گردہ گردہ بنو قریظہ کو لاتے تھے اور حکم رسول سے علی مرتضیٰ اور زبیر ان کی گہرن

مارتے تھے وہ پورا دن رات بنو قریظہ کے قتل میں علی زبیر کو صرف کرنا پڑا۔

واقعہ مذکور پر اسے نہ فی و استنباط نتائج کرنے سے پہلے حقیقت واقعہ کو واضح کرنے کیلئے میں چند سطران سیرت النبی شبلی نعمانی سے بھی نقل کرتا ہوں۔

سیرۃ النبی ص ۳۲۱

(۱) آنحضرت صلعم نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں ان کو پوری مذہبی آزادی

سعد باوسیوں گفت عہدو میثاق خدا
(۲) وند قعالی بر شماست کہ براچیہ حکم کنم راضی
ہستید و از فرمودہ من تجاوز بائز نخواہید
داشت ہمہ جواب دادند کہ آری۔ انکار
نہیستہ
تو ہمہ بحضرت شمتی پناہ آورد و از غایت تقیر
و تبجیل از خطاب استتاب کردہ۔ گفت
بر کس کہ درینجا است حکم من راضی است
رسول خدا فرمود کہ حکم آنست کہ تو کنی۔
(ب) سعد گفت کہ حکم می کنم کہ مردان ایشان
را بکشند و غنای رقیبت بہ رقیبہ زنان دکو دکان
ایشان ہند و اموال آنجماعت را بہ مسلمانان
در میان یکدیگر قسمت نمایند۔

(ج) رسول خدا فرمود تا در موضع مناسب
خندقے کنند و فوج فوج از خانہ اسامہ
بیرون آوردہ علی مرتضیٰ و زبیر بفرمودہ
رسول بضرب اعناق ایشان سپردافتند
..... آن روز تا شب علی و زبیر
بقتل بنو قریظہ اشتغال نمودند

دیگئی اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اسکو صرف آدھا تو نہ ہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا تو نہ ہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی ہلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان سب باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

(۵) ازواج مطہرات جو... حفاظت کیلئے قلعہ میں بھج دی گئی تھیں ان پر جا کر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حنی بن اخطب جو بخاریت کے جرم میں ہلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو براہ کچھ کر کے جنگ

احزاب قائم کی تھی اس کو اپنے ساتھ لائے ہوئے جنگ کی اشتعال کا دیباچہ تھا۔ ان حالات کے ساتھ

بنو قریظہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جاسکتا تھا۔

استنباط نتائج - عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ بنو قریظہ نے نقض عہد کیا مسلمانوں کے پہلو

نشین ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ خندق میں قریش وغیرہ کے ساتھ شرکت کی۔ جنگ خندق فتح ہو جانے کے بعد بھی اپنے معاہدہ کا خیال و لحاظ نہ کیا۔ اور جب پیغمبر اسلام نے علی کو بھیجا تو بجائے صلح و آشتی کی گفتگو کے پیغمبر اسلام کو بالائے قلعہ سے گالیاں دینے لگے۔

دنیا کا کوئی انصاف پسند انسان خود فیصلہ کرے کہ ان حالات میں پیغمبر اسلام کو ان دشمنان اسلام

کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا۔ باب حکمت میں میں بہ تفصیل غزوہ بنو قریظہ کے بارہ میں لکھ چکا ہوں

اس موقعہ پر تو صرف اتنا کہنا ہے۔ کہ اگر پیغمبر اسلام بنو قریظہ کے ساتھ قتل عام کا سلوک نہ کرتے تو آپ کے

بارہ میں مدبرین عالم کیارائے قائم کرتے۔ اور مقتنین عالم کیا سمجھتے۔ قوانین جنگ کے ماتحت خلاف معاہدہ

کر کے مقابلہ جنگ میں آئیوں کی سزا صرف موت و گہرہ دن زنی ہے۔ بنو قریظہ کا اتنا ہی جرم کہ انہوں نے پیغمبر

اسلام سے معاہدہ کر کے توڑ دیا۔ اور جنگ احزاب میں قبائل و افواج عرب کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان

کی سزائے موت کیلئے کافی ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کا ہر فعل انتہائی عدالت پر منحصر ہوا کرتا ہے لہذا پھر بھی

پیغمبر اسلام نے بنو قریظہ کو ایک موقعہ اور بھی دیا۔ اور وہ یہ کہ علی کو پہلے بھج دیا اور خود و لشکر بعد کو گئے۔

علی کا پہلے بھج دینا اور علی کا قلعہ بنی قریظہ کے پاس جا کر علم اسلام نصب کر دینا ہی بنو قریظہ کے سمجھنے

کیلئے کافی تھا۔ اور ان کو کوشش صلح و تجدید معاہدہ کرنا چاہئے تھی۔ مگر بجائے صلح ہونی کے ان کا پیغمبر

اسلام کو گالیاں دینا و نیز حنی بن اخطب بانی مبنی جنگ احزاب کو اپنا سردار بنا کر قلعہ میں رکھنا جرم بالائے

جہاں

تھا۔ علاوہ بریں پیغمبر اسلام نے جب ان کی درخواست پر ابو لہبہ بن عبد المطلبہ اوسے کو جو ان کا حلیف تھا ان کے پاس بھیجا تھا تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ شرط پیغمبر اسلام کو تسلیم کر لیتے اور اقرار اسلام کر لیتے۔ کیونکہ ان کے سردار کعب بن اسد ہی نے اشراف قوم کو بلا کر کہا تھا کہ۔

اے مردمان سے سخن گویم کہے را از من بہ ہنر زید نخستین آنکہ با پیغمبر ایمان اورید چہ دانستہ اید برحق است۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ

(۱) اے لوگو تین باتیں کہتا ہوں ان میں سے ایک کو مان لو۔ اول تو یہ کہ پیغمبر پر ایمان لے آؤ کہ وہ نبی برحق ہے۔

(۲) دوسری بات یہ مانو کہ تم سب اپنے اہل و عیال کو خود قتل کر دو۔ اور خود مسلمانوں پر حملہ کر کے جان توڑ کوشش کر دو کہ تم کو فتح حاصل ہو جائے۔

(۳) تیسری یہ کہ روز شنبہ جو ہمارے نزدیک محترم ہے۔ اور مسلمان جانتے ہیں کہ ہم اس روز کوئی کام دنیوی نہیں کرتے۔ اس روز دھوکہ دیکر مسلمانوں پر حملہ کر دو۔ (ناسخ التواریخ جلد ۲۳)

مگر بنو قریظہ نے اپنے سردار کعب بن اسد کے ان تینوں مشوروں سے انکار کر دیا۔ اور نہ ہی ابو لہبہ کے مشورے سے اتفاق کیا۔ اور نہ ہی پیغمبر اسلام کے موقوریتے سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ اور نہ ہی پیغمبر اسلام سے کوئی مصالحانہ معاملہ کیا۔

اس صورت میں بنی قریظہ کا جرم عہد شکنی و جرم فوج کشی و شرکت جنگ احمزاب باقی رہا۔ اور اس کی سزا بجز موت کے دوسری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اور آج کی دنیا بھی ایسے مجرم حکومت کی سزا موت ہی سزا قرار دیتی ہے۔

اگر ان مجرمین کو پیغمبر اسلام معاف کر دیتے تو یہ خلاف انصاف و عدالت ہوتا۔ کیونکہ عدالت اسی بات کا نام ہے کہ جو جس سزا و سزا کے لائق ہو۔ اس کو وہ سزا و سزا دی جائے۔ اور اس میں کئی بیشی و رورعایت کو مطلق کوئی جگہ نہ دی جائے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے نظریہ سے بھی پیغمبر اسلام کا ان کو چھوڑ دینا معاف کر دینا قابل اعتراض و خلاف عدالت ہوتا۔ کیونکہ جب بار بار یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بنو قریظہ دشمن اسلام ہیں۔ خود بھی دشمن اور دشمنان اسلام کے حلیف بھی تو ایسی حالت میں ان کو رعایت دینا اور ان کو معاف کر دینا، ان کا زندہ رکھنا نفس اسلام و پیردان اسلام پر ظلم تھا۔ کسی ظالم و قاتل کو آزاد کر دینا اور بے نخطا و بے گناہ افراد کے قریب آباد کر دینا۔ انتہائی ظلم و جور ہے۔۔۔!

بالکل سی مثال بنو قریظہ و اہل اسلام کی تھی۔ پیغمبر اسلام نے بنو قریظہ کو قتل کر کے۔ اور ان کے قلعہ کو برباد کر کے دو قسم کی عدالت کا نمونہ قائم کیا۔ اول تو یہ کہ جس سزا کے بنو قریظہ مستحق تھے۔ وہ ان کو دیدی گئی۔ دوسرے یہ کہ اہل اسلام کو ان کے دشمنوں اور قاتلوں سے نجات دلانی۔ اور ہمہ وقت کا خطرہ بیان دور کر دیا۔ مظلوم کی مدد بھی عدالت ہے اور ظالم کو سزا دینا بھی عدالت ہے۔ اور اس واقعہ نے پیغمبر اسلام کی عدالت کے دونوں پہلو روشن کر دیئے۔

پیغمبر اسلام نے اس موقع پر جو عدالت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اس کا اگر حکم پیغمبر اسلام سے بھی عمل درآمد کیا جاتا تو یہی کافی تھا۔ مگر آپ نے بہ اقتضائے حکمت اپنی عدالت پر ایک گواہ بھی پیدا کر لیا ہے۔ وہ گواہ سعد بن معاذ ہے۔ بنو قریظہ نے خود سعد بن معاذ کو اپنا حکم بنایا اور ان کے حکم ہونے پر اپنی رضامندی مطلق دیدی۔ اس صورت میں سودا کا حکم و فیصلہ بحیثیت حکم ہونے کے عین عدالت ہوا۔ اس پر مزید احتیاط پیغمبر اسلام نے یہ بھی کیا کہ جب صحابہ میں سعد نے بنو قریظہ سے پوچھا کہ تم لوگ مجھ کو بخوشی اپنا حکم بناتے ہو تو بنو قریظہ نے بالاتفاق اعلان کیا کہ ہم کو سعد بن معاذ کا حکم ہونا منظور ہے۔ اس کے بعد سعد بن معاذ نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا کہ آپ بھی مجھ کو اس معاملہ کا حکم مقرر کرتے ہیں۔ تو پیغمبر اسلام نے ان الفاظ میں فرمایا :-

رسول خدا فرمود انک از قبل من حکومت تراست ہر چہ خواہی حکم کن۔ (ناسخ جلد اول)

رسول خدا نے فرمایا کہ میری جانب سے تم حکم ہو۔ اب جو تم چاہو فیصلہ کرو۔ پیغمبر اسلام کا سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لینا یہی عدالت کافی تھی۔ تاکہ آپ کا فرمانا کہ میں نے کلی اختیار تم کو دیا تم جو چاہو کرو۔ اور یہی نمایاں امر ہے۔ اور عدالت پیغمبر اسلام پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد سعد نے جو حکم بنو قریظہ کو دیا وہ عین عدالت تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے اس فیصلہ کے مطابق جو عمل درآمد کیا۔ وہ اعلیٰ نمونہ عدالت تھا۔

بعض متعصب و نادان واقف حالات مورخین غیر مسلمین نے پیغمبر اسلام کے اس فیصلہ کو کہ بنو قریظہ کو قتل کر دیا جائے۔ بہ نظر تعصب دیکھتے ہوئے اعترافات کئے ہیں۔ ہم اس کے بارہ میں اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ وہ مورخین غیر مسلمین یا تو سخت دشمنان اسلام ہیں۔ اور متعصب ہیں۔ یا واقعات تاریخی کے وقتی پہلوؤں تک ان کی رسائی معقل و سعی نہیں ہوئی ہے۔ یا وہ بہر دل ہیں کہ معاملہ قتل بنو قریظہ سے ان کے دل متاثر ہو گئے۔ اور وہ نازک دل عورتوں کی طرح روانی خون دیکھ کر رونے لگے۔ یا وہ قوانین حکومت و سیاست سے واقف نہیں ہیں کہ فیصلہ عدالت کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکے۔ یا وہ قوانین یا اصول عدالت سے آگاہ نہیں ہیں کہ مطابق عدالت فیصلہ کو سمجھ سکیں۔

عدالت واقع شدت حکیم حئی ابن اخطب

اسیران جنگ خندق میں حئی ابن اخطب بھی تھا۔ حئی ابن اخطب

سردار قبیلہ تھا۔ پیغمبر اسلام و اسلام کا شدید مخالف تھا۔ اس کے تفصیلی واقعات باب حکمت رسول میں درج کئے گئے ہیں۔ جنگ احزاب یا خندق میں دشمنان اسلام و مشرکین کا پیش پیش کارکن رہا۔ بنو قریظہ پیغمبر اسلام سے عہد کر چکے تھے۔ ابوسفیان نے حئی ابن اخطب سے کہا کہ وہ بنو قریظہ سے عہد شکنی کرادے اور بنو قریظہ کو جنگ احزاب میں ہمارا شریک کر دے۔

چنانچہ حئی ابن اخطب نے چالاکیوں و مکاریوں سے بنو قریظہ کو آمادہ کیا کہ وہ پیغمبر اسلام سے کئے ہوئے معاہدہ کو پارہ پارہ کر دیں۔ یہی حئی ابن اخطب قلعہ بنو قریظہ پر گیا۔ اور کعب بن اسعد پیشوا بنو قریظہ کو اس نے اپنا مخمیاں کر کے معاہدہ شکنی کروائی۔ یہ جس وقت قلعہ بنو قریظہ پر پہنچا ہے۔ اور کعب نے دروازہ کھولا ہے۔ اور حئی نے عہد شکنی کرنے کی رائے دی ہے۔ تو حئی کے جواب میں کعب نے کہا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۰۸ :-

حئی ابن اخطب گفت :-

حئی ابن اخطب نے کہا :-

اے کعب قلعہ کا دروازہ کھول کہ میں حئی ہوں۔

اے کعب در حصن بکش کہ منم حئی -

کعب نے جواب دیا کہ :-

اے حئی تو منحوس آدمی ہے۔ تیری نحوست کی

وجہ سے تو بنی نضیر پریشان و آوارہ حال ہوئے

ہیں۔ اب تو آیا ہے کہ ہم کو برباد کرے۔ واپس

جاکہ ہم نے محمد سے عہد و پیمانہ لیا ہے۔ اور

ہم نے اس مدت میں محمد سے بجز سچائی اور

محبت کے دوسری چیز نہیں دیکھی ہے۔

اے حئی تو مرد نامبار کی دلو اسطہ شامت

تو بنی نضیر پریشان و آوارہ شدہ اندا کنون

آمدہ کہ قلع و قلمح ما کنی باز گرد کہ ما با محمد عہد

بستہ ایم و پیمان را با بیان مو کہ گردانیدہ

دریں مدت بخر صدق و راستی و محبت مشاہدہ

نکردہ ایم۔

مذکورہ عبارت تاریخی نے ظاہر کیا کہ حئی ابن اخطب ہی نے بنی نضیر کو خلاف اسلام بہکایا تھا۔ اور اسی نے ابوسفیان سے ساز باز کر کے بنو قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا اور اسی نے جنگ خندق میں شرکت کی اور یہی پھر جھاگ کہ قلعہ بنو قریظہ میں آ بیٹھا۔ اور خلاف اسلام مہم کو آغاز کرنے کی تدابیر کرنے لگا مدبرین و سیاست دانان عالم تیار ہیں کہ ایسے دشمن کی سزا کیا ہونی چاہیے۔ جان بخشی یا گردن زنی۔ اگر کوئی صاحب یہ فیصلہ دے کہ جان بخشی تو گویا انہوں نے صحیح و مطابق احکامات فیصلہ نہیں دیا۔ لہذا خلاف عدالت ہوا۔

اور اگر یہ فیصلہ دیا گیا کہ ایسا شخص بیشک قابلِ گردن زدنی ہے۔ اور یہی عین عدالت ہے۔ تو پھر یہی عمل پیغمبر اسلام نے بھی کیا ہے۔

میں یہاں حتیٰ ابنِ الخطیب کے باطنی و ظاہری بغض و عداوتِ اسلام و مختصر حالاتِ تاریخی عبارت میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) ردھنۃ الصفا جلد دوم ص ۱۱۵ :-

چوں حتیٰ ابنِ الخطیب را بادست بستہ نزد
حضرت رسول آوردند فرمود کہ یا عدو اللہ
عاقبت حق عز و علا تو را بدست من انداخت
و مرا بر تو حاکم ساخت حتیٰ گفت من نفس خود
را در عداوت تو ملامت نمی کنم من عز نفس
تویش طلب کردم خداے تعالیٰ ترا ظفرداد
با کے نیت در آن زمان کہ حمید ر کتر از
برائے قتل وے ذوالفقار بر کشید حتیٰ گفت
قتل شریف بید شریف علی گفت اختیار را اشرار
بقتل می رسانند و اشرار را اختیار می کشند
و سئے ہمہ از کس کہ اختیار بدست ایشان
کشته نتوند و خوشا حال آنکہ اشرار اورا
بکش حتیٰ گفت آنچه گفتمی راست التماس
آنکہ جامہ مرا از تن بیرون کنی علی گفت ای
معنی آسان ترست۔

حتیٰ نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا درست فرمایا۔ آخر میں میری التماس ہے کہ میری زرہ و لباس کو میرے جسم سے نہ اتارا جائے۔ علی نے کہا یہ کام میرے لئے آسان ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حتیٰ ابنِ الخطیب جس وقت گرفتار کر کے پیش پیغمبر اسلام لایا گیا۔ تو اس نے کس طور سے گفتگو کی۔ اور کہا کہ مجھ کو مطلق ملال نہیں ہے۔ اور میں اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔ یعنی مجھ کو مطلق پشیمانی نہیں ہے کہ میں نے پیغمبر اسلام سے کیوں دشمنی کی۔ اور کیوں اس کے بدلہ میں قتال کیا جا رہا ہوں۔

جب حتیٰ ابنِ الخطیب کو دونوں ہاتھ باندھ کر
پیغمبر اسلام کی خدمت میں لائے۔ تو آپ نے
فرمایا اے دشمن خدا آخر کار خدا نے تجھ کو
میرے قبضہ میں دیدیا۔ اور مجھ کو تیرا حاکم
بنا دیا۔ حتیٰ نے کہا کہ میں اپنے نفس کو تمہاری
دشمنی میں ملامت نہیں کرتا ہوں۔ میں نے اپنے
نفس کی عزت کو چاہا خدا نے تم کو ظفردی کوئی
مضائقہ نہیں ہے۔ اور جس وقت علی مرتضیٰ
نے اس کے قتل کرنے کیلئے تلوار کھینچی حتیٰ نے کہا
شریف انسان شریف انسان کے ہاتھ سے قتل
ہو رہا ہے۔ علی نے جواب دیا۔ نیوں کو شری
قتل کرتے ہیں اور شریروں کو نیک لوگ قتل
کرتے ہیں۔ وائے ہوان پر جن کے ہاتھ سے
نیک لوگ قتل ہوتے ہیں۔ اور خوش بخت
وہ لوگ ہیں جو اشرار کے ہاتھ سے قتل ہوں

اور جب علی نے معنی ابن اخطب کی گردن مارنی چاہی تو بھی معنی ابن اخطب نے یہی کہا کہ میں نے اپنے عزیز نفس کیلئے پیغمبر اسلام سے مقابلہ کیا اور تا آخر وقت میں نے اپنی شرافت کو برقرار رکھا۔ گویا معنی کے خیال میں اسلام دشمنی میں اس کا قتل ہونا بھی شہادت تھا۔ جس دشمن اسلام کی عداوت قلبی اور تداویری کئی اسلام کا یہ ریکارڈ موجود ہو اس کیلئے مدبرانِ عالم کیا حکم لگاتے ہیں۔ اس کو قتل کیا جائے یا راکر دیا جائے۔ اور ان میں سے کونسا حکم مطابق عدالت ہوگا ہر ذی انہم ہی رائے دیکھا کہ ایسے شخص کو قتل کر کے راہِ فتنہ و قتل و غارت بند کر دینا چاہیے تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے مطابق تو انہیں عدالت معنی ابن اخطب کے قتل کا حکم علی کو دیا۔ اور علی نے اس شریعۃ النفس انسان کے وجود سے مسلح ارہن کو پاک کر دیا۔

تاریخ اسلام میں اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک واقعہ لبابہ بن منفذ کا بھی ہے۔ پیغمبر اسلام نے ابو لبابہ کو قلعہ بنو قریظہ کے سامنے بھیجا۔ افراد بنو قریظہ نے ابو لبابہ سے دریافت کیا کہ تمہارے کیا رائے ہے۔ ابو لبابہ نے ان سے اتارہ کرتے ہوئے کہا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ مگر میں محصورین کی گریہ و زاری پر ابو لبابہ کو رحم دہیں آگیا تھا۔ اور ظالم و قاتل پر رحم کرنا اور اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا نہ دینا بھی ظلم ہے اور خلاف عدالت ہے۔ لہذا ابو لبابہ کو لحد کو نہیں آیا کہ ان کے دل میں ایسے موقع پر رحم آنا ہی ظلم تھا۔ اور ظلم گناہ عظیم ہے۔ لہذا ابو لبابہ نے اپنے کو مدینہ کی ایک مسجد کے ستون سے باندھا اور تین دن رات مسلسل گریہ و زاری کی اور خدا سے معافی طلب کی۔ جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ ابو لبابہ نے پشیمان ہو کر اپنے کو ستون مسجد ام سلمیٰ سے باندھ رکھا ہے۔ تو بالالفاظ تاریخ روئے الصفا آپ نے فرمایا۔

چوں رسول خدا بر حال او اطلاع یافت فرمود
 اگر نخست پیش من آمدے از پر ایسے او امر پیش
 می کردم و اکنون اور انکسائم تا اللہ تعالیٰ
 توبہ اور قبول کند و بروایتے از پانزدہ
 روز در شان قبول توبہ ابو لبابہ وحی نازل
 شد۔۔۔

جب رسول خدا کو ابو لبابہ کے حال کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے میرے پاس آجاتا تو میں خدا سے اس کیلئے طلب معافی کرتا۔ مگر اب اس کو ستون مسجد سے نہ کھولوں گا۔ معنی کہ خدا اس کی توبہ قبول کرے۔ ایک روایت سے ۱۵ دن میں آبت قبول توبہ نازل ہوئی۔

(۲) وہو سبب رحم ابو لبابہ (ثبوت تاریخی)
 روئے الصفا ص ۱۱۳۔ ابو لبابہ بھصار در آمدہ
 یہود اور استقبال نمودند و زنان و کودکان
 نزد او مجتمع گشتند و از شدت حال ناله و نفیر
 ابولبابہ یہود قریظہ کا طلب کردہ قلعہ میں جب آیا تو یہودین قریظہ نے اس کا استقبال کیا اور عورتیں و بچے اس کے گرد جمع ہو گئے اور

بند روہ فلک اشیر رسانیدند چنانچہ ابو لبابہ
شدت مصیبت کی وجہ سے ان کا شور و فریاد
و فغاں آسمان کے کنگروں تک پہنچ رہا تھا یہ
را بر الیساں رحم آمد۔

حالت دیکھ کر ابو لبابہ کو ان پر رحم آگیا۔۔۔

تاریخی عبارات نے ظاہر کیا کہ بنو قریظہ کی عورتوں بچوں، مردوں کی گریہ و زاری سن کر ابو لبابہ کو رحم
آگیا۔ ابو لبابہ کا یہ رحم گویا قوانین عدالت کے خلاف تھا۔ عدالت تو یہی تھی کہ ان دشمنانِ اسلام کو
(جن کی دشمنی وقتی و عارضی نہ تھی۔ بلکہ مرض مزمن کے مانند قدیم ہو چکی تھی) قتل کر دیا جائے۔ اور ان کے وجود
پر فتنہ سے نواحِ مدینہ کو صاف کر دیا جائے۔ مگر ابو لبابہ کا ان پر رحم کھانا۔ گویا حکمِ قتل کے غلط ہونے پر
ایک قسم کا احتجاج تھا۔ اور یہ احتجاج خلافِ قانونِ عدالت تھا۔ لہذا اس کا احساس خود ابو لبابہ کو ہوا
اور وہ فوراً مدینہ گئے اور مسجدِ مکہ میں پہنچ کر اپنے کونستونِ مسجد سے باندھ دیا۔

پیغمبرِ اسلام کو معلوم ہوا تو چونکہ ابو لبابہ کا فعل خلافِ اصولِ عدالت تھا۔ لہذا پیغمبرِ اسلام نے بھی فرما دیا
کہ وہ ضرور خطا دار ہے۔ اگر پیسے میرے پاس آجاتا اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا۔ تو میں اس کے لئے عدل سے طلب
عفو کرتا۔ مگر اب اس کو کونستونِ مسجد سے نہیں کھولوں گا۔ اگر پیغمبرِ اسلام اپنے اختیارِ حکومت سے ابو لبابہ
کو کھول دیتے تو یہ امر آسان تھا۔ مگر پیغمبرِ اسلام کا یہ فعل اس امر کو ثابت کر دیتا کہ ابو لبابہ کا اعترافِ حرم
نظرِ پیغمبر میں غلط تھا۔ اس لئے پیغمبر نے ابو لبابہ کو کھول دیا۔ پیغمبرِ اسلام تو خود ہی اثباتِ قوانینِ عدالت پاتے
تھے۔ لہذا یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس موقع پر پیغمبرِ اسلام کا یہ فرمانا کہ میں ابو لبابہ کو کونستونِ مسجد سے نہیں کھولوں گا۔ اور اسی طرح سے
ابو لبابہ ۱۵ دن تک کونستونِ مسجد سے بندھے رہے۔ اور پیغمبرِ اسلام اس تکلیف دہ منظر کو دیکھتے رہے اور
ابو لبابہ کو نہیں کھولا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ پیغمبرِ اسلام کی نظر میں بھی ابو لبابہ کا یہ فعل (رحم آنا) معافی تو ان
عدالت تھا۔ اور چونکہ ابو لبابہ نے حکمِ رسول و حکمِ خدا کے خلاف یہ عمل کیا تھا۔ لہذا اس کی معافی بھی خدا ہی دے
سکتا تھا۔ صرف پیغمبر کو حق نہ تھا کہ وہ قصور بھی اپنے حکم سے معاف کر دیں جو اس نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی
میں کیا تھا۔

اگر پیغمبرِ اسلام اس موقع پر یہ کہہ دیتے۔ کہ اے ابو لبابہ میں نے معاف کیا۔ تو بھی خلافِ عدالت تھا۔
کیونکہ محمد اپنا قصور تو معاف کرنے کے مستدار تھے۔ مگر ابو لبابہ کا وہ حرم نہیں معاف کر سکتے تھے۔ جو اس نے
درگاہِ خدا میں کیا تھا۔

بہر حال اس واقعہ نے مزید تائید و تصدیق کر دی کہ پیغمبرِ اسلام نے بنو قریظہ کے مردوں کے قتل عام کا جو حکم

دیا تھا۔ وہ عین عدالت تھا۔ اور بنو قریظہ اسی سزا کے مستحق تھے۔

کم بصیرت و متعصب مورخین غیر مسلمین نے پیغمبر اسلام کے اس حکم پر اعتراضات کئے ہیں اور قتل عام بنو قریظہ کو خلاف انسانیت فعل قرار دیا ہے۔ مگر یہ سب ان کی تنگ نظری اور تعصب مذہبی ہے۔ ورنہ مدبران عالم کے سامنے اگر بنو قریظہ کا معاملہ رکھا جائے۔ تو وہ یہی فیصلہ دیں گے جو پیغمبر اسلام نے ان کے بارہ میں حکم دیا تھا۔

عدالت، واقعہ شہت و دروم، واقعہ عجیب

جب بنو قریظہ کے سات سو افراد قتل کر دیئے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں

فریاد و فغاں میں مصروف تھیں۔ تو ان کو ایک شخص زبیر بن باطیہ جو بوڑھا شخص تھا سمجھا بھارا تھا۔ جب زبیر بن باطیہ کے قتل کی باری آئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے پاس گیا۔ ثابت بن قیس اس سے پہلے جنگ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ تو زبیر بن باطیہ نے ثابت کے ساتھ بہت مہردی کی تھی۔ زبیر نے ثابت سے پوچھا کہ تم اس وقت مجھ کو پہچان سکتے ہو۔ ثابت نے کہا کہ جیسا کہ تم کہہ سکتے ہو۔ ثابت اس ضعیف العمر زبیر کو ہمراہ لئے خدمت پیغمبر اسلام میں آئے۔ اور بتایا کہ میرے اوپر زبیر کا احسان ہے۔ آپ زبیر کو مجھ کو بخش دیں۔ پیغمبر اسلام نے باعظاظ و وصۃ الصفا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اور فرمود کہ اورا تبو بخشیدم۔ میں نے زبیر کو تمکو بخشا۔ زبیر نے کہا کہ تمہارا انسان بغیر بچوں کے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ پیغمبر نے اس کے اہل و عیال کو بھی آزاد کر دیا۔ پھر زبیر نے عرض کیا کہ انسان بغیر مال و دولت کے کیونکر زندہ رہ سکتا ہے۔ تو پیغمبر نے اس کو سامان و دولت بھی عطا کی۔

پیغمبر اسلام کا یہ فعل اگرچہ سخت عفو میں شمار ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ ثابت نے یہ بتایا تھا کہ زبیر نے اس کے ساتھ حسن سلوک بہ اسیری کیا ہے لہذا ہر ذری اور مطابق عدالت تھا کہ بوقت اسیری ہی زبیر کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ بدی کا بدلہ بدی اور احسان کا بدلہ احسان دینا ہی عدالت ہے۔ لہذا اگر اس موقع پر پیغمبر اسلام ثابت کو منع کر دیتے۔ تو پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف عدالت ہوتا۔ لہذا آپ نے مطابق انصاف عدالت۔ زبیر کو آزاد کر دیا۔ اور اس کے کہنے سے اس کے متعلقین کو بھی آزاد کر دیا۔ اور سامان و دولت بھی عطا کر دی۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل چونکہ جواب و حاد ضمیمہ احسان زبیر ہوا تھا لہذا عین عدالت ہے۔

۱۔ زبیر نے ثابت سے دریافت کیا کہ حی ابن اخطب و دیگر سردار قبیلہ کیا ہوئے۔ ثابت نے بتایا کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔ تو زبیر نے ثابت کو قسم دی کہ وہ اسکو بھی قتل کر دے۔ تو ثابت نے زبیر کو قتل کر دیا۔

عدالت، واقعہ شہادت و سوم، صلہ رحم و شفقت

پیغمبر اسلام نے سلمہ
میں اصحاب کو نجد کی طرف

روانہ کیا۔ انہوں نے ایک شخص کو بنی حنیفہ میں سے گرفتار کر لیا۔ اس امیر کا نام شمامہ تھا۔ اس کو خدمت
پیغمبر میں لائے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو ستون مسجد سے باندھ دیا جائے۔ اس کے بعد پیغمبر نے شمامہ سے
سوال کیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۱۰

ما عندک یا شمامہ - اے شمامہ تمہارے پاس کیا ہے - ؟

شمامہ - تزد من خیر است - میرے پاس نیکی ہے۔ اب محمد اگر تم مجھ کو قتل کر دو گے تو گویا تم نے ایک شخص
کو قتل کر دیا۔ اور اگر تم انعام کر دو گے تو گویا تم نے ایک شکر گزار کے ساتھ انعام کیا۔ اور اگر تم مال
چاہتے ہو تو طلب کر لو۔

دوسرے روز پھر پیغمبر اسلام نے یہی سوال کیا۔ شمامہ نے پھر یہی جواب دیا۔ تیسرے روز پھر سوال کیا
پھر یہی جواب پایا۔

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ شمامہ کو قید سے آزاد کر دیا جائے۔ شمامہ مسجد سے باہر گئے غسل کیا اور پھر مسجد
میں حاضر ہو کر کہا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ۔ اور کہا کہ اے محمد روئے زمین
پر تمہارا دشمن مجھ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ اور آج تم سے زیادہ کوئی شے مجھ کو محبوب نہیں ہے۔ اب
مجھ کو اجازت ہو کہ میں مکہ جاؤں اور اپنے وطن کو واپس ہو جاؤں۔ پیغمبر اسلام نے بخوشی اجازت دیدی
جب شمامہ حرم مکہ میں پہنچا تو کسی دشمن نے اس سے کہا کہ اے شمامہ تو صابی ہو گیا ہے۔ شمامہ نے کہا نہیں
بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور اے اہل مکہ یاد رکھو کہ اب ایک دانہ گندم نجد سے تم تک نہ آئے گا
جب تک محمد کی اجازت نہ ہوگی۔

جب شمامہ وطن پہنچا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ اب وہ مکہ کو گیموں نہ بھیجا کریں۔ قریش مکہ سخت
ہو گئے۔ اور انہوں نے پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اور اس خط میں التماس کی کہ آپ شمامہ
کو حکم دیدیں کہ وہ گیموں ہم کو پہنچا یا کریں۔ حضرت مقدس بنوی از غایت فضل و احسان و بردار منتہان
تشریف رخصت ارزانی داشتہ اہالی حرم از بلیہ عسرت خلاص یافتند پیغمبر اسلام نے انتہائی مہربانی و
کرم سے شمامہ کو حکم و اجازت عطا فرمائی۔ تو اہل مکہ نے قحط کی پریشانی سے نجات پائی۔

ظاہر ہے کہ قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو سخت اذیتیں دیکر وطن سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ محدودے
چند مسلمان تھے ان کو ہر طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے تھے۔ انواں جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی بھی کرتے رہتے تھے

یہ واقعہ ۶ھ کا ہے کہ پیغمبر اسلام نے شامہ کو حکم دیا کہ اہل مکہ کا غلہ بند نہ کیا جائے اور سلسلہ تجارت گندم اہل مکہ سے باقی رکھا جائے ایسے رحم و کرم و ایشار کے واقعات تاریخ عالم میں مفقود ہیں۔ مگر تاریخ اسلام میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر اپنے ہم وطنوں سے یہ صلہ رحم شفتت کا سلوک فرمایا ہے۔ اور اس انداز سے یہ سلوک فرمایا ہے کہ ایسا کرنے میں نہ کوئی آسان ہی محتایا جائے اور نہ کسی کو حقیر کیا جائے بے منت و بدوں ندامت آپ نے یہ عمل شفتت کا فرمایا ہے۔ چونکہ شفتت و صلہ رحم اجناس تحت عدالت میں ہیں۔ لہذا پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عدالت پر مبنی ہے۔

عدالت، واقعہ شفتت و چہارم

۳۱ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ صلح حدیبیہ کے تفصیلی حالات باب حکمت رسول میں لکھے گئے ہیں۔ جب پیغمبر اسلام ارادہ زیارت عمرہ خانہ کعبہ مکہ کے قریب پہنچ گئے پھر کفار مکہ نے مسلمانوں کو زیارت عمرہ کعبہ کرنے نہ دی اور پیغام دے لیا کہ پیغمبر اسلام اس سال واپس چلے جائیں۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے مزید تفصیلی حالات معلوم کرنے کیلئے دس افراد کو مکہ بھیجا۔ تاکہ وہ صحیح حالات کا پتہ لگائیں۔ اور اشراف مکہ سے ملاقات کر کے عمرہ کی اجازت لے لیں۔ اور ان کو یہ بتادیں کہ پیغمبر اسلام معہ ہم اسوا افراد کے صرف زیارت خانہ مذا کیلئے آئے ہیں۔ اس زیارت کے پرورد میں کوئی دوسرا ارادہ نہیں ہے۔ اور مسلمان اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ بھی لائے ہیں۔ اور ہتھیار کسی کے پاس نہیں ہیں۔ جب یہ دس افراد تن کی سرکردگی عثمان بن عفان کے ذمہ تھے۔ مکہ پہنچے تو وہاں ضرورت سے زیادہ ٹھہر گئے۔ اور پیغمبر اسلام و اصحاب پیغمبر میں یہ انواہ اڑ گئی کہ عثمان کو کفار مکہ نے قتل کر ڈالا۔ جب پیغمبر اسلام کو یہ معلوم ہوا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔

پیغمبر اسلام نے مطابق قوانین جنگ کفار مکہ کا یہ طرز عمل دیکھ کر ایک دستہ فوج کو نگرانی و پاسبانی اصحاب کیلئے مقرر کر دیا۔ ان اصحاب کا سردار و نگران و ذمہ دار اوس بن ثوی و عبادہ بن بشر و محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔ ایک شب یہ اصحاب پہرہ دے رہے تھے کہ انہوں نے ایک جماعت سواروں کی دیکھی۔ ان کو خطرہ ہوا ان کا تعاقب کیا اور وہ پچاس افراد تھے۔ ان کو گرفتار کر لیا۔ ان سے حالات دریافت کئے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان و کفار قریش نے یہ پچاس سوار اسے بھیجے تھے کہ جو بھی مسلمان ہاتھ لگ جائے اس کو پکڑ لائیں۔ اتفاق سے یہ سب خود ہی شکار ہو گئے۔

محمد بن مسلمہ نے ان کو خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کیا آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم دیا۔ اس دستہ فوج کفار کا سردار سہیل بن عمیر تھا۔ اہل مکہ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ ان کے پچاس حملہ آور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں تو انہوں نے سہیل بن عمر کو معہ ایک جماعت کے خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا۔ جب پیغمبر اسلام

نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ تم اس سے کچھ نہ کہو میں خود بات کروں گا۔ کیونکہ یہ شخص نہایت خطرناک و عداوت ہے۔ اب میں اس واقعہ کو تاریخی عبارت رد ذمۃ الصفا ص ۱۲۲ میں سے پیش کرتا ہوں۔

جب سہیل ابن عمرو بار بار رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد آپ کے اصحاب کی گرفتاری ہمارے صاحبانِ رائے کے مطابق نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ فعل چند بیوقوفوں کا تھا۔ عقلاً تو اس کام سے کراہت کرتے تھے اب ہماری یہ التماس ہے کہ آپ قیدیوں کو آزاد کر دیجئے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں ابھی تو ان کو آزاد نہیں کروں گا جب تک اہل مکہ میرے اصحاب کو واپس نہیں کریں گے سہیل نے کہا کہ آپ کا فرمان درست اور بجا ہے۔

ب۔ جب قریش مکہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے عثمان کو معہ دس افراد کے واپس کر دیا۔ پیغمبر اسلام نے بھی ان افراد کو جن کو محمد بن مسلمہ نے قید کر لیا تھا۔ آزاد کر دیا۔ ج۔ جب سہیل بن عمرو اور اس کے رفقاء نے دیکھا کہ مسلمان انتہائی شوق سے جلد واپس ہو گئے تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس چھا گیا وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو بتایا کہ مسلمان کتنے متحد و یکجہت ہیں۔ قریش بھی کچھ ڈر سے اور انہوں نے سہیل بن عمرو و حو لیطیب بن عبد العزی و مکرز بن حفص

پو سہیل شرف مجلس حضرت را در یافت۔
 ۱ گفت اے محمد جس اصحاب تو برصنائے خدا وندان رائے و تدبیر بتو و بلکه طائفہ از سفہا بران امر اقدام نمودند و جمیع عقلا آن را کار بودند ملتئم آنکہ حج از یاران ما بتقید اسیر گرفتار شدہ اند اطلاق فرمائی۔
 حضرت فرمود کہ من ایشان را نمی فرستم تا اصحاب مرا نفرستند۔ سہیل گفت کہ سخن تو عین صوابت۔

ب۔ چون این سخن بسمع قریش رسید عثمان را بان وہ نفراتہ سال نمودند و حضرت نیز زمرہ را کہ محمد بن مسلمہ دستگیر کردہ بود اطلاق فرمود۔
 ج۔ چون سہیل بن عمر یاران او بدیدند کہ مسلمانانہ سرد و فوریہ رغبت مساعت نمودند و ہم چہر اس برصنائہ ایشان استیلا یافت بجا ب قوم باز گشتند و ایشان را از اتفاق اہل اسلام اعظام کردند و قریش نیز از استماع این خبر اندیشناک شدند و سہیل بن عمرو و حو لیطیب بن عبد العزی و مکرز بن حفص را بوجہ تمہید باہم مصالحت نمود رسول خدا باز فرستادند۔ سہیل معروض رائے صواب نمائے حضرت نبوی کرد انید کہ قریش با تو

صلح می کند شرط آنکہ اس سال از نیجا باز
گردی و سال دیگر آید بقصد عمرہ قیام
نمائی و حضرت باین معنی مہارستان شدہ
شرط یہ ہے کہ اس سال مسلمان واپس نہ آئیں۔ دوسرے سال اگر عمرہ کعبہ بجالائیں۔ پیغمبر اسلام
کو صلح کی گفتگو کیلئے بھیجا۔ سہیل خدمت رسالت
میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنے مدعا کو عرض
کیا اور کہا کہ قریش آپ سے صلح چاہتے ہیں
اس شرط پر راضی ہو گئے۔

خلاصہ عبارات :- (۱) پیغمبر اسلام مدینہ سے مکہ اسلئے تشریف لینگے کہ زیارت خانہ کعبہ بجالائیں
(۲) قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو روک دیا کہ وہ مکہ میں داخل نہ ہوں اور مراسم عمرہ خانہ کعبہ ادا نہ کریں
(۳) پیغمبر اسلام نے معاہدہ کو سلجھانے کیلئے عثمان بن عفان کو معہ دس افراد کے قریش کے پاس بھیجا تو
قریش نے ان کو گرفتار کر لیا۔

(۴) قریش مکہ نے پچاس افراد کا ایک دستہ سہیل بن عمیر کے ہمراہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے لائیں
(۵) سہیل بن عمیر معہ پچاس افراد کے گرفتار ہو گیا اور پیغمبر اسلام نے ان کو قید کر دیا
(۶) جب سہیل بن عمر فرستادہ قریش خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے افراد کو طلب کیا
تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں اس وقت تک تمہارے قیدی آزاد نہ کروں گا جب تک تم میرے
اصحاب محمد کو واپس نہ کر دو۔

(۷) قریش نے جب پیغمبر اسلام سے چاہا کہ وہ اس سال خانہ کعبہ کی زیارت نہ کریں اور صلح نامہ لکھ دیں تو
پیغمبر اسلام نے اس کو منظور کر لیا۔

ان واقعات کو نظر میں لاتے ہوئے خود ناظرین غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کے ہر معاملہ میں عدالت ہی
عدالت کا مظاہرہ کامل ملتا ہے۔ بلکہ عدالت بھی اعلیٰ پیمانہ کی پائی جاتی ہے۔ جب مشرکین کے پچاس افراد
گرفتار ہوئے تھے اور مسلمانوں کے دس افراد تو پیغمبر اسلام اگر ان دس کے بدلہ صرف دس ہی افراد کو آزاد کر دیتے
تو یہ بھی عدالت تھی۔ مگر آپ نے اپنے کل اصحاب کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا لہذا آپ نے ان کے بھی کل افراد
کو آزاد کر دیا۔ علاوہ بریں جب قریش نے شرائط صلح حدیبیہ پیش کیں تو پیغمبر اسلام نے نجوشی ان سب کو منظور
کر لیا۔ اور اپنے اس عمل سے صلح ہوئی اور عدالت بین الناس و حفاظت حقوق انسانی کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا

عدالت واقعہ شصت و پنجم، واقعہ ابو جندل مکافات و حسن قضاء صلح حدیبیہ

ہوئی ہے شرائط صلح کھجے جاری تھے کہ سہیل بن عمر نے اپنے بیٹے ابو جندل کی دلچسپی کا مطالبہ خدمت

رسول میں پیش کر دیا۔ معاملہ یہ ہوا کہ شرط صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی منظور کی گئی تھی کہ اگر قریش میں کا کوئی شخص اپنے ولی کے خلاف منشاء بے اجازت خدمت رسول میں آئے گا۔ تو اس کو رسول واپس کر دیں گے۔ جب شرط نامہ لکھا جا رہا تھا۔ اور شرط مذکور لکھی گئی تو سہیل بن عمرو نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ اس کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو گیا تھا اور میری قید سے بھاگ کر مدینہ آ گیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھ کو واپس کر دیا جائے۔ ملاحظہ ہو :-

رد صفة الصفا جلد ۲ ص ۱۲۳ :-

سہیل بن عمرو گفت اے محمد ایں اول
امر تست کہ مصالحتہ برائے قرار یافتہ اور
بن سہیل حضرت فرمود کہ من ہنوز از کتابت
فراغت نیافتہ ایم۔ سہیل گفت بریں تقدیر
پیچ نوع میان من و شما طریقی صلح مسدوک
نیت۔ حضرت فرمود کہ این یک را ازہ برائے
خاطر من مستثنی کنی و بمن گذار۔ سہیل
ابا و امتناع نمود و ہر چند رسول اللہ دریں
باب مبالغہ کرد سہیل قبول نہ کرد بعد از ان
پیغمبر فرمود اے سہیل بعد از ان اور اتخذا
و ایذا منما و مکرم بن حفص ضامن شد کہ
مکر وہے بہ ابو جندل نہ رسانند و چوں ابو
جندل دانست کہ اور انکہہ توانند بہر
فریاد بر آورد کہ یا معشر المسلمین مرا بمشتر کا
تسلیم خواہید نمود و من مسلمان شدہ بشما
پناہ آوردہ ام و بہ سمع شما نہ رسید کہ از کافران پر مشقت
بمن رسیدہ حضرت مقدس نبوی فرمود
کہ صبر کن و دل خوش دار و طالب ثواب یا ش از
خداے عز و علاء و اعتماد بہ کرم حق نما کہ تو را باقی

سہیل ابن عمر نے کہا اے محمد یہ وہ پہلی شرط
ہے جس پر معاہدہ صلح طے پایا ہے۔ اب آپ
ابو جندل کو میرے سپرد کر دیں۔ پیغمبر اسلام
نے جواب دیا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا ہی نہیں
گیا ہے۔ سہیل نے کہا کہ صلح نامہ کا انحصار ہی
اس شرط پر ہے۔ ورنہ ہم صلح ہی نہ کریں گے
پیغمبر اسلام نے فرمایا تو اچھا اس ایک شخص
کو میری خاطر مستثنی کر دو اور مجھ کو دیدو
سہیل نے انکار کیا۔ رسول نے بہت اصرار کیا
مگر سہیل نہ مانا۔ پھر پیغمبر نے فرمایا کہ اے
سہیل کہ اب ابو جندل کو ایذا نہ دینا۔ اور
مکر بن حفص کو ضامن ٹھہرایا۔ ابو جندل
کو جب معلوم ہوا کہ اس کو مکہ لے جائیں گے۔
تو اس نے فریاد و فحاشی شروع کر دی اور
کہا اے مسلمانو! کیا تم مجھ کو کافروں کو دیدو
جبکہ میں مسلمان ہوں۔ اور تمہاری پناہ میں
آیا ہوں۔ تم کو نہیں معلوم کہ کافروں نے
مجھ کو کتنا ستایا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا
اے ابو جندل صبر کرو خوش رہو خدا کے ثواب

مسلمانوں کو کہہ دو کہ مکہ آمد فریضہ ایذائی خواہد
داشت جہاں با این جماعت شرطے در میان در
آمدہ و خلاف آل طریقہ مانیت اولی دریا
کار صبر است۔

ملیگا۔ اس کے کرم پر بھروسہ کرو۔ شکوہ
مسلمانان مکہ کو دہی رانی دیگا۔ اب میں نے
اسبات کا معاہدہ کر لیا ہے۔ اس معاہدہ کے
خلاف میں کہہ نہ کروں گا۔ بہتار سے صبر بہتر ہے

معاملہ بہت سنگین تھا۔ عرب میں قدیم دستور تھا کہ اگر دشمن ابھی کسی کی پناہ میں آجائے تو پھر اس کو
دشمن کے سپرد نہیں کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی بازی لگا دیتے تھے اور سینکڑوں حلیف اس معاملہ میں
اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس رسم جاہلیت کو مٹایا۔ اور عدالتِ قوی و فعلی کے خلاف
کوئی امر جائز نہ رکھا۔

ابو جندل کہتا رہتا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میں مسلمانوں کی پناہ میں آیا ہوں۔ مگر پیغمبر اسلام نے
صاف صاف الفاظ میں فرمادیا کہ میں خلاف عدالت کچھ بھی کرنے کو آمادہ نہیں ہوں۔ اور ابو جندل سے
کہہ دیا کہ تمہارے دین و آئین میں یہ جائز ہی نہیں ہے کہ خلاف معاہدہ و خلاف قوانین عدالت کوئی عمل کیا
جائے۔ لہذا اگر تم مسلمان دل سے ہوئے ہو تو پھر اس دین کے اصول کی خاطر صبر کرو۔ خدا سے مدد طلب
کرو اور سخت تکالیف برداشت کرتے ہوئے ثوابِ آخرت حاصل کرو۔

عدالتِ شصت و ششم لفظِ رسول سے سہیل کا انکار

در حقیقت اس واقعہ یہ جس عدالت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام نے
کیا ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم آج تک پیش نہ کر سکی۔ اور نہ
کبھی پیش کر سکتے گی۔ معاہدہ صلح حدیبیہ لکھا جا رہا تھا۔ کہ سہیل بن عمرو نے اعتراض کر دیا کہ تم محمد کے نام کے
ساتھ رسول کا نام نہیں کہتے دیں گے۔ اور اس نے دلیل یہ پیش کی کہ اگر تم محمد کو رسول اللہ تسلیم کر لیتے تو
پھر ان کو خانہ کعبہ کی اجازت ہی کیوں نہ دیدیتے یا ہم مسلمان ہی کیوں نہ ہو جاتے۔ بات معقول تھی اور مردِ عاد
کی نگاہ میں اہمیت رکھتی تھی لہذا پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ کتابت معاہدہ سے لفظِ رسول کو مٹا دو مگر علی بن
نے لفظ کے مٹانے سے معذرت چاہی اور پیغمبر اسلام نے خود لفظِ رسول کو کتابت معاہدہ سے مٹایا۔ یہ واقعہ
ہر دست و دشمن کی کتاب میں بلا اختلاف لکھا ہوا ہے۔ لہذا اس کی سند تاریخی پیش نہیں کی گئی۔

آپ خود غور فرمائیں کہ اس موقع پر بھی پیغمبر اسلام نے صلح جوئی اور عدالت کا کس قدر پاس دلکشا رکھا
ہے۔ عدالت ہی تو ہے کہ معاملات میں کسی پر زیادتی و ظلم نہ کرے۔ معاملہ قریش مکہ سے تھا۔ اگر پیغمبر اسلام
اس بات پر اڑ جاتے کہ میرے نام کے ساتھ رسول کا لفظ تو ضرور لکھا رہے گا۔ تو آپ کا یہ فرماتا بیشک درست
و حق تھا۔ مگر معاملہ فہمی و مقابلہ بندی کے خلاف تھا کیونکہ امر متنازعہ فیہ ہی رسالت تھی۔ پھر اسی پلا صراہ

گو یا معاہدہ کرنے سے انکار تو یہ تو معاملہ نہ ہوا۔ ضدّم خدا ہو گئی۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر اپنے دست مبارک سے لفظ رسول مٹا کر انتہائی عدالت و مساوات کا ثبوت دیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ یادگار رہے گا اور اسی کے ساتھ پیغمبر اسلام کی عدالت کا یہ نمونہ بھی تاریخ عالم کیلئے قابل تقلید رہے گا۔

عدالت واقعہ شصت و ہفتم شتر ہدی

جنگ بدر میں ابو جہل مارا گیا تھا۔ اور اس کا اونٹ مال غنیمت میں آ گیا تھا۔ جب ستر

میں پیغمبر اسلام عمرہ خانہ کعبہ کیلئے سہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر تشریف لائے اور اپنے ہمراہ قربانی کے اونٹ بھی لائے تھے۔ ان اونٹوں میں شتر ابو جہل بھی تھا وہ اونٹ جب مکہ کے قرب و حواہ میں پہنچ گیا تو بھاگ کر مکہ میں خانہ ابو جہل میں پہنچ گیا۔ دشمنان اسلام نے شرارتا چاہا کہ اس اونٹ کو واپس نہ کریں۔ مگر سہیل بن عمرو نے ان لوگوں کو سمجھایا آخر طے یہ ہوا کہ اس ایک اونٹ کے عیوض سوا اونٹ پیغمبر اسلام کو دیدیے جائیں مگر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں اس ایک اونٹ کا معاوضہ سوا اونٹوں سے اسلئے نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اونٹ ہدی یا قربانی کا ہے۔ جو چیز نام خدا کی مقرر کی جا چکتی ہے۔ اس کو واپس نہیں لیتے۔ بلکہ خدا کے نام ہی پر صرف کہتے ہیں۔ وہ چیز ذاتی استعمال کے قابل نہیں رہتی۔ بالفاظ تاریخ رؤفۃ الصفا پیغمبر اسلام کے یہ الفاظ تھے۔ :-

رسول خدا نے فرمایا :-

رسول خدا فرمود کہ اگر آں شتر مسعی بہ ہدی
نمی شد التماس شمار اجابت می کردم۔

اگر وہ اونٹ خدا کے نام پر بہ اسم ہدی موسوم
نہ ہوتا تو میں ضرور واپس کر دیتا۔

پیغمبر اسلام نے بیس اونٹ جن میں شتر ابو جہل بھی تھا ناحیہ بن حنظل کو دے دیئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں داخل ہوں اور ان کا گوشت غراب و فقراء پر تقسیم کر دیں۔ اور باقی اونٹوں کو حدیبیہ میں نحر کر کے قربانی کی گئی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے ایک اونٹ کا بدلہ سوا اونٹ قبول نہ کیا۔ کیونکہ ایک بدلہ میں سہم مثل اشیاء کا لینا خلاف عدالت تھا۔ دوسرے یہ کہ شتر ابو جہل و نیز ۱۹ اونٹ کو مکہ بھیجا گیا اور مکہ ہی میں ان کو نحر کر کے مکہ کے غراب کو ان کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ اس سے ایک مسئلہ تو یہ صاف ہو گیا کہ کفار قریش کے دلوں میں شتر ابو جہل کی وجہ سے کینہ پیدا نہ ہوا۔ دوسرے قتلہ و قتلہ فرود ہو گیا۔ تیسرے قریش مکہ جس چیز پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رہے تھے۔ وہ ان کو عطا بھی کر دی گئی اور پیغمبر اسلام کا اختیار کلی بھی باقی رہا کہ اسکو بصورت گوشت دیا گیا۔ نہ کہ بصورت شتر زندہ ۔۔

پیغمبر اسلام کے اس انداز میں بھی ایک دقیق پہلو عدالت کا ظاہر ہوتا ہے۔ جو صاحبان بصیرت پر ظاہر ہے

واقعہ شصت و ششم واقعہ ابولبصیر

ایفائے عہد و عدالت پیغمبر اسلام مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ

۶ میں ہوئی۔ جب پیغمبر اسلام مدینہ واپس تشریف لائے۔ تو ابولبصیر جو حلیف و ہم عہد ابوزہرہ کا نقاب مسلمان ہو گیا۔ اور مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی۔ احسن بن شریق و زہر بن عبدعوف نے پیغمبر اسلام کو ایک خط لکھا۔ ایک شخص موسوم بہ کوثر یہ خط لیکر مدینہ آیا اور ابی ابن کعب نے وہ خط خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کیا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ حسب عہد نامہ حدیبیہ ابولبصیر کو مکہ واپس کر دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے ابولبصیر کو بلا کر حکم دیا کہ تم واپس مکہ جاؤ اور ابولبصیر ان قاصدوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ ابولبصیر نے خدمت رسول میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ کو دشمن کے ہاتھ میں دے رہے ہیں یہ لوگ سخت ظلم مجھ پر کریں گے۔ اور میرے دین و ایمان کو برباد کر دیں گے۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا:

”قد علمت انا اعطینا القوم عہدا اذ لا یصلح فی الدین العدری“

اے ابولبصیر تم جانتے ہو کہ ہم نے قریش سے عہد کر لیا ہے۔ اور ہمارے دین میں عہد شکنی نہیں ہوا کرتی ہے اس کے بعد فرمایا:

”فانطلق فان الله سيجعل لك وللمسلمين فرجا“

اے ابولبصیر جاؤ کہ خدا تمہارے لئے اور مسلمانوں کیلئے رہائی دیگا۔

مختصر یہ کہ ابولبصیر مسجد میں آئے دو رکعت نماز پڑھی اور ان قاصدوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اثناء راہ میں ابولبصیر نے کسی بہانہ سے عامری کو قتل کر دیا اور دوسرا شخص کو شہر کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔ اور مدینہ پہنچا اور اس نے پیغمبر اسلام سے عامری کے قتل ہو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ اسی اثناء بیان میں ابولبصیر بھی مدینہ پہنچ کر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ۔ آپ تو اپنا عہد پورا کر چکے کہ آپ نے مجھ کو مکہ واپس کر دیا تھا۔ مگر خدا نے مجھ کو ان دشمنوں کے ہاتھوں سے رہائی دیدی یہ سن کر پیغمبر اسلام نے فرمایا:

”بل انه مشتعل حوب نوكان معه احد“

یعنی ابولبصیر شعلہ ہائے جنگ کا بھڑکانے والا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی ہو۔ جیسے ہی ابولبصیر نے پیغمبر اسلام کے اس فرمان کو سنا۔ بس فوراً بھاگ گیا اور منزل عیض تک کسی جگہ ٹھہر کر روم نہ لیا اور جب ابولبصیر بن سہیل کو مکہ میں ابولبصیر کی خبر لگی تو وہ بھی مقام عیض میں ابولبصیر کے ساتھ ہو گئے

اور اس طرح یکے بعد دیگرے مکہ کے مسلمان مقام عیض میں جمع ہو گئے حتیٰ کہ ستر افراد جمع ہو گئے۔ اب ان تمام لوگوں کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ جو قافلہ قریش اس طرف سے گذرتا تھا اسکو لوٹ لیتے تھے۔ آخر مجبور ہو کر قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو خط لکھا جس کی تاریخی شہادت پیش کی جاتی ہے۔

روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۲۶ :-

مکہ کے مشرک ابو بصیر اور اس کے رفقاء کی اس حرکت سے تنگ آ گئے۔ اور انہوں نے ابو سفیان بن حرب کو متحد پیغمبر اسلام میں بھیجا تاکہ خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرے کہ ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ واپس بلا لیں۔ ابو سفیان نے قریش کا پیغام پہنچایا۔ کہ ہم اس شرط سے باز آئے کہ ہمارا آدمی جو محمد کے پاس پہلا جائے اہل ان میں سے ہے اب ہم کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے جو آپ چاہیں کریں۔ پیغمبر اسلام نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ اور ابو بصیر کو بلانے کیلئے خط بھیج دیا۔ چونکہ ابو بصیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابو جندل اور دوسرے مسلمان سب کے سب وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

و مشرک ابن مکازہ کی حرکت تنگ آئند
و ابو سفیان بن حرب را نزد حضرت رسول
فرستادند تا خدا سے را شفیع آوردہ از ان
حضرت درخواست نماید کہ ابو بصیر و یاران
اورا بمدینہ طلب نماید ابو سفیان ملتئم
مشرکوں را معروض داشتہ گفت قریش
گویند کہ ما از سر این شرط درگذشتیم
کہ از ما نزد محمد رود در اماں باشد۔ و بلا
باد دریں باب هیچ مضائقہ و مناقشہ نیست
لکن منظر رحمت عالمیاں مسؤل مخالفان
مبذول داشتہ نامہ با ابو بصیر نوشتہ
ار رسائل نمود۔۔۔۔۔۔۔۔

ابو جندل و ساثر اصحاب روئے توجہ بمدینہ
پہاوند۔۔۔

ابو بصیر مسلمان ہو چکا تھا۔ مکہ سے مدینہ پہنچ چکا تھا۔ خدمت رسول اسلام میں باریاب ہو چکا تھا مسلمانوں کی پناہ میں آچکا تھا۔ ایسی صورت میں اس کا واپس کر دینا۔ اور دشمنوں کے حوالے کر دینا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ مگر پیغمبر اسلام صلح حدیبیہ کی شرائط میں منظور فرما چکے تھے کہ جو شخص قریش کا مدینہ آئے گا۔ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لہذا آپ نے ابو بصیر کو حکم دیدیا کہ وہ واپس مکہ چلا جائے۔ اور بعد کو مکہ کے قاصدوں کے حوالے بھی کر دیا۔ یہ جو پیغمبر اسلام نے کیا۔ وہ اقتضائے عدالت کاملہ تھا۔ اس کے بعد ابو بصیر اثنائے راہ سے اپنے دشمن کو قتل کر کے پھر واپس مدینہ آ گیا۔ اور پیغمبر سے عرض کیا کہ آپ تو مطابق عدالت معاہدہ کی شرائط

کو پورا کر چکے ہیں۔ اب میں پھر واپس آ گیا ہوں۔ مگر پھر بھی پیغمبر اسلام نے ابولہبیر کی حمایت کرنے اور اسے مدینہ رکھنے کو خلاف عدالت پایا۔ لہذا آپ نے پھر یہی فرمایا کہ ابولہبیر کو واپس مکہ ہی جانا چاہیے اگرچہ اس دفعہ یہ امر یعنی تھا کہ ابولہبیر اپنے نگران عامری کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا جاتا۔ مگر چونکہ ایفائے عہد و عدالت پیغمبر اسلام کا تقاضا یہی تھا۔ کہ خلاف قوانین عدالت کوئی فعل سرزد نہ ہو۔ لہذا ابولہبیر کا قتل بھی اگر عامری کے قتل کے جرم میں ہو جائے۔ تو بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ پیغمبر اسلام نے ابولہبیر کو دوبارہ واپس مکہ کر کے انتہائی عدالت کا مظاہرہ فرمایا۔ اب رہا معاملہ عبدگنانہ کہ خود ابولہبیر فرار ہو گیا اور وہ حدود اسلامی سے باہر سکونت پذیر ہو گیا۔ اور اس کے بعد جو کچھ اس نے کیا یا اس کے ساتھیوں نے کیا اس کا وہ خود ذمہ دار تھا۔ یا اس کے ساتھی اپنے اعمال کے ذمہ دار تھے۔ واقعہ مذکور نے عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہی وہ نمونے ہیں جو ہمیشہ اہل عالم کیلئے مشعل راہ بن سکتے ہیں

عدالت و اقصیت و نہم شفقت و حسن قضا

انواع تحت عدالت میں

ایک نوع فضیلت شفقت

بھی ہے۔ شفقت کی تعریف حکماء نے بایں الفاظ کی ہے۔ اما شفقت آں بود کہ از ملے غیر ملام کہ یکے رسد مستعد و متعالم بود و ہمت بر ازالہ آں مقصور دارد۔

شفقت کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی ضرر و تکلیف پہنچے تو اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے پیغمبر اسلام نے اپنی تمام زندگی مصیبت زدہ افراد کی مدد فرمائی ہے۔ صدائے واقعات میں جن کو بہ تفصیل لکھنا کار و شوار ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اوس بن صامت نے اپنی زوجہ سے کہہ دیا کہ ا۔

انت علیٰ کنطہب امی (تو مجھے ایسی ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت میرے لئے) اوس نے یہ کلمات اظہار کئے تو اس کی زوجہ خولید بنت ثعلبہ بن قیس خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئی۔ اور دریافت کیا کہ کیا علاج کیا جائے۔ پیغمبر اسلام خاموش ہو گئے۔ بس خولید بنت ثعلبہ نے زمین پر سجدہ خالق میں سر رکھ دیا اور عرض کیا۔ اللہم اشکی الیک وحدتی و وحشتی و فراق زوجی و علاتی۔ اے غلامیں شکوہ کرتی ہوں تیری جناب میں اپنی تنہائی و وحشت اور جدائی شومر کا۔

ابھی خولید نے سجدہ خالق سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ آیت ظہار ہے۔
قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی ذوجہا و تشکی الی اللہ نازل ہوئی۔ عہد جاہلیت میں ظہار مثل طلاق تھا۔ پیغمبر اسلام نے اوس کو بلایا اور آیت قرآنی سنائی۔ اور حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرو۔ اور اپنی زوجہ سے رجوع کرو۔ اوس نے عرض کیا کہ غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلسل

دو ماہ روزے رکھو۔ ادس نے کہا کہ میں ایسے مرض میں مبتلا ہوں کہ اگر دن میں تین بار غذا نہ کھاؤں۔ تو بیمار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ساٹھ غز باکو کھانا کھلا دو۔ ادس نے عرض کیا تو آپ میری اس کام میں مدد فرمائیں تو ایسا ممکن ہے۔

پیغمبر اسلام نے پندرہ صاع طعام ادس کو دیا تاکہ وہ کفارہ ظہار کو ادا کر سکے۔ ادس نے ساٹھ افراد کو کھانا کھلایا۔ اور وہ اس کفارہ کو ادا کر کے اپنی زوجہ کی جانب رجوع ہوا۔ (روضۃ الصفا جلد دوم) اس واقعہ تاریخی سے واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام نے ادس کی اس وقت مدد فرمائی کہ اس کا گھر تباہ ہوا بار بار تھا۔ اور وہ بچا رہا اس قابل نہ تھا کہ قسم ظہار کے کفارہ کو ادا کر سکے۔ پیغمبر اسلام نے بحیثیت نوعی سلوک شفقت فرمایا۔ اور اس طرح زن و شوہر کے بگڑے ہوئے تعلقات کو ماسا دیا نہ ہوا رکھ کر کے شفقت عدالت فرمائی۔ اور ان کے گھر کو از سر نو آباد کر دیا۔

روضۃ الصفا ص ۱۲۹ :-

واقعہ ہفتادوم۔ عدالت

پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام کو حکم دیا کہ وہ کمر بستہ ہو کر خیبر کی طرف چلیں۔ یہود ان خیبر نے سوچا کہ اب یہود ان خیبر کے ساتھ پیغمبر اسلام کا وہی سلوک ہو گا۔ جو انہوں نے بنو قریظہ اور یہود ان بنی نضیر کے ساتھ کیا ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کو مشورہ دیا کہ وہ ان مسلمانوں پر سختی کریں۔ جو یہودیوں کے قرضدار ہیں۔ چنانچہ منجملہ دیگر یہودیوں کے ایک شخص مسمی ابو ششم یہودی نے بھی عبداللہ بن ابی حذہ پر شدید تقاضا و سختی شروع کر دی۔ ابو شحم کے پانچ درہم بدمہ عبداللہ تھے جب عبداللہ نے دیکھا کہ ابو شحم کسی طرح باز نہ نہیں آتا تو اس نے بھی جھگڑا کر کہہ دیا کہ اہل خیبر پر جب مسلمانوں کی فتح ہوگی اور مال غنیمت مجھ کو ملے گا تو میں تیرا قرضہ بھی ادا کر دوں گا۔

ابو شحم نے مندرجہ اندازہ میں کہا کہ یہود ان خیبر کو مثل دیگر اہل قلعہ یہودیوں کے نہ سمجھتا۔ کیونکہ اس ہزار لشکر ان کے پاس موجود ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ دشمن خدا تو یہ کیا کہتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ تو ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم نے تجھ کو امان دے رکھی ہے۔ بات بڑھی جھگڑا اور نزاع زیادہ ہوا۔ آخر ابو شحم عدالت پیغمبر میں گیا۔ اور دونوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ابو شحم یہودی نے پیغمبر اسلام سے کہا کہ۔

اے ابوالقاسم عبداللہ نے میرا حق مار لیا ہے۔ اور وہ مجھ کو نہیں دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے عبداللہ کو حکم دیا۔ حضرت فرمود کہ حق اور اداہ (روضۃ الصفا) پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے عبداللہ ابو شحم کا حق اسکو عطا کر۔ عبداللہ کے پاس صرف دو لباس تھے۔ عبداللہ نے ایک لباس صرف تین درہم کو فروخت کیا اور دو درہم اس میں اپنے پاس سے شامل کر کے ابو شحم کو دیدیئے۔ اس کے بعد سلمہ بن اسلم نے عبداللہ

کو ایک لباس عطا کیا۔ تو عبداللہ جنگ خیبر میں ان دو لباس کے ساتھ شریک ہو سکا۔
 نتیجہ - عدالت پیغمبر اسلام اس واقعے سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ابو شعم یہودی تھا۔ دشمن اسلام تھا۔
 اہل خیبر کے مشورہ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سختی کرنا تھا۔ عبداللہ مسلمان تھا غریب تھا۔ جنگ خیبر میں
 شرکت کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر ان حالات کی موجودگی میں بھی پیغمبر اسلام نے ابو شعم کو اس کا حق عبداللہ
 سے دلوا دیا۔ چاہے عبداللہ کو اپنا لباس ہی بچنا پڑا۔ اور دوسرے شخص سے لباس لیکر سفر جنگ خیبر
 میں شریک ہوا۔

بادی النظر میں واقعہ معمولی ہے۔ مگر حالات مذکورہ کی موجودگی میں اس کی اہمیت بہت زیادہ
 تھی۔ مگر بایں ہمہ پیغمبر اسلام نے وہی فیصلہ دیا۔ جو قوانین عدالت کے عین مطابق تھا۔

عدالت واقعہ ہفتادویکم

جنگ خیبر کے موقع پر پیغمبر اسلام نے عباد بن بشر کو
 اہل خیبر کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔ اور اس کے ساتھ میں
 سوار بھی کر دیئے۔ عباد نے صحرا میں پہنچ کر ایک شخص کو گرفتار بھی کر لیا۔ اس شخص کو اہل خیبر نے بحیثیت
 جاسوس اہل اسلام کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ عباد نے اس جاسوس سے حالات دریافت
 کئے۔ تو اس نے اہل خیبر اور ان کے لشکر ہزار اور ان کے شرکاء قبائل کی شان و شوکت بیان کی اور بتایا
 کہ دس ہزار مسلح افواج تیار ہیں۔ جو محمد سے مقابلہ کریں گی۔ عباد نے جب یہ سنا تو اس جاسوس کے دو
 تازیانے لگائے۔ اور کہا کہ تو جاسوس اہل خیبر ہے۔ ہم کو ان کے حشم و خدم سے ڈراتا ہے۔ اگر تو نے
 صحیح حالات بیان نہ کئے تو جان سے مار دوں گا۔ جاسوس ڈر گیا اور اس نے کہا کہ جان کی امان ہو تو عرض
 کر دوں۔ چنانچہ اس نے صحیح واقعات بیان کر دیئے۔ اس کے بعد کے واقعہ کو روضۃ الصفا جلد دوم
 صفحہ ۳۱ کی عبارت سے پیش کرتا ہوں۔

۱۱، چوں قاصد عبداللہ بن ابی سلول و
 متالعائش آمدہ پیغام رسانید کسانہ
 ابن ابی الحقیق بجمہت تحقیق کمیت لشکر
 شمارا فرستادہ عباد جاسوس رائز وخواجہ
 کائنات آوردہ کما ہی حالات معروض داشت
 و فاروق اعظم در قتل جاسوس مبالغہ نمود
 عباد گفت من اورا امان دادم ام الشروع
 جب عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے پیرو
 نے آکر پیغام پہنچایا تو کسانہ ابن ابی الحقیق
 نے لشکر اسلام کے معلوم کرنے کیلئے مجھ کو
 بھیجا ہے۔ عباد جاسوس کو خدمت پیغمبر
 اسلام میں لائے۔ اور تمام واقعات کو بیان
 کیا۔ اس وقت عمر ابن خطاب فاروق اعظم
 نے اس جاسوس کے قتل کرنے پر بہت اصرار

جاسوس را بعباد سپردہ داد ہمہ لحظہ ایمان کیا تو عباد نے کہا کہ میں تے اس کو امان دی

آورد و از جنگ مرگ امان یافت - ہے - وہ قتل نہ کیا جائے - پیغمبر اسلام نے

عباد سے یہ کلام سنکر جاسوس کو عباد کے حوالے کر دیا - جاسوس نے جب یہ مہربانی دیکھی

تو اسی لحظہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے موت سے نجات پائی -

نتیجہ :- ظاہر ہے کہ اہل خیبر نے کثیر تعداد افواج جمع کر لی تھیں - اور ان کا ارادہ تھا کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی

جائے - اس حالت میں ان کے جاسوس کا پکڑ جانا - اور حقیقت حال کا اس سے معلوم ہونا کہ وہ بھی دشمن

اسلام ہے اور دشمن اسلام فوج کثیر کا جاسوس ہے - بیشک قابل گردن زدنی تھا - اور عمر ابن خطاب

نے اس کے قتل کرنے کا مشورہ بھی دیا - بلکہ پیغمبر اسلام سے باہر کہہ اس دشمن خدا کا قتل کر دینا ہی

مناسب ہے - مگر جب عباد نے ظاہر کیا کہ اس نے اس جاسوس کو امان دی ہے - تو پھر عدالت پیغمبر اسلام

کا اقتضائی ہوا کہ حقوق امان دہندہ و حقوق امان پائیدہ کو ملحوظ رکھا جائے - اور خواہ وہ جاسوس

کیا ہی دشمن قومی ہو - مگر اب اس کے بارہ میں دی فیصلہ ہونا چاہیے - جو فیصلہ عدالت ہے - تاکہ

عباد کا عہد بھی باقی رہے اور جاسوس جو مجرم ہے اس کو بھی اس عہد کا فائدہ پہنچ سکے - چونکہ پیغمبر اسلام

نے بر محل اور بر موقع اظہار عدالت فرمایا تھا - لہذا اس کا اثر بھی فوری ہوا - اور وہ جاسوس بصدق

دل بخوشی خاطر مسلمان ہو گیا - اور اگر وہ مسلمان نہ بھی ہوتا - تو بھی پیغمبر اسلام اس کو عباد کے سپرد

کر چکے تھے - اور عباد اس سے جاں بخشی کا وعدہ کر چکے تھے - اس لحاظ سے وہ آزاد ہو کر اپنے وطن

ہی واپس جاتا - ایسے ہی نازک مواقع پر قوانین عدالت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام نے اکثر و بیشتر کیا ہے - جو

بہت دشوار و مشکل ہے -

عدالت واقعہ ہفتاد و دوم مکافات حسن قضا و شفقت

پیغمبر اسلام نے خیبر کے قلعوں کے فتح

کرنے کا ارادہ فرمایا - وہ قلعے متعدد تھے - پیغمبر اسلام مختلف افراد کو سردار لشکر بنا کر مختلف قلعوں

کے فتح کرنے کیلئے بھیجتے تھے - واقعات تفصیلی باب حکمت میں لکھے گئے - میں اس موقع پر صرف اتنا

بتانا چاہتا ہوں کہ ایک شب پیغمبر اسلام نے عمر ابن خطاب کو نگرانی لشکر اسلام کیلئے مقرر کیا - اس شب

ایک یہودی گرفتار ہوا - عمر ابن خطاب نے حکم دیا کہ اس کی گردن ماری جائے - مگر اس یہودی نے

درخواست کی کہ مجھ کو خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کر دیا جائے - تاریخی حوالہ ملاحظہ ہو -

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۱ حالات خیبر (قلعہ نظارہ و شق) در

آوردہ اند کہ در شبے از شبہا کہ عمر ابن خطاب
بجراست سپاہ اسلام قیام ہی نمود یہودی
را گرفتہ نزد او آوردند فرمود کہ اور ایک شخص
ان شخص گفت مرا نزد پیغمبر خود برید کہ
باو سخنن دارم.....

پیغمبر آنحضرت از یہودی فرمود کہ یہ سخن
دار می یہودی گفت..... کہ
یہود آلات حرب و حیوانات در موضع نہال
کرد و اند کہ محل آزادی دائم چون فرود
حصار مفتوح کرد و آن موضع را بنام
حضرت گفت انشاء اللہ یہودی گفت
اہل و عیال من در حصن اند ایساں را
بمن بخش - رسول خدا گفت بخشیدم -

بیان کیا ہے کہ محاصرہ قلعہ خیبر کی راتوں
میں سے ایک رات جبکہ عمر ابن خطاب کو
سپاہ اسلام کی نگرانی سپرد کی گئی تھی
لوگ ایک یہودی کو پکڑ کر عمر کے پاس لائے
انہوں نے حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے
یہودی نے کہا کہ مجھ کو اپنے پیغمبر کی خدمت
میں لے چلو مجھ کو کچھ کہنا ہے.....

پیغمبر اسلام نے یہودی سے پوچھا کہ
کیا کہتے ہو۔ یہودی نے کہا کہ یہودیوں
نے اپنے آلات جنگ اور غلہ و رسد
جہاں پوشیدہ کی ہے۔ وہ مجھ کو معلوم
ہے۔ کل جب قلعہ نظارہ فتح ہو جائیگا
تو میں اسلحہ کو دکھا دوں گا۔ پیغمبر نے فرمایا

کہ انشاء اللہ - یہودی نے عرض کیا کہ آپ میرے بال بچوں کو جو قلعہ نظارہ میں محصور ہیں
مجھے بخش دیجئے۔ پیغمبر نے فرمایا میں نے تیرے بچوں کو تجھے بخش دیا۔

ظاہر ہے کہ خیبر کے قلعے باری باری فتح ہو رہے تھے۔ قلعہ نظارہ کا بھی محاصرہ ہو چکا تھا۔
وہ بھی دوسرے دن فتح ہو گیا تھا۔ یہودی گرفتار ہو کر آیا یہ یہودی دشمن اسلام تھا۔ قاعدہ کی
روسے تو عمر ابن خطاب کی رائے درست تھی کہ اس دشمن کی گردن مار دی جائے۔ مگر جب وہ خدمت
پیغمبر اسلام میں لایا گیا۔ تو اس نے اپنی اور اپنے بچوں کی جان بچانے کیلئے۔ ایک بہانہ و حیلہ کیا۔ اور وہ
یہ کہ پیغمبر اسلام سے کہا کہ وہ رسد و لاشکر دشمن کو جانتا ہے اور جب قلعہ فتح ہو جائے گا تو بتائے گا
ظاہر ہے کہ جب قلعہ فتح ہو جاتا تو وہ سب مال و غنہ و اسلحہ اہل اسلام کو مل ہی جاتا اور پوشیدہ ذخیرہ
کا بھی پتہ لگ ہی جاتا۔ مگر چونکہ اس یہودی نے۔ اپنی جان بخشی کی تدبیر اسی حیلہ کو بنایا تھا۔ اور بظاہر اس
سزا رسانی سے اپنا حق ثابت کرنا چاہا تھا۔

لہذا خلق مجسمہ پیغمبر اسلام نے باقتضائے رحم و خلق کریمانہ اس کے حق کو تسلیم کر لیا۔ تو پھر اقتضا
عدالت پیغمبر ہی تھا۔ کہ اس حق کا اس کو صلہ و معاوضہ دیا جائے۔ یہودی نے خود ہی اپنی غرض و غایت

ظاہر کر دیا اور درخواست کی کہ اس کے محصور متعلقین کی جان بخشی جائے۔ پیغمبر اسلام مطابق قوانین عدالت توجہ ہی اس کو اس کے حق سراغ رسانی کا صلہ دینا چاہ رہے تھے۔ لہذا آپ نے بخششی اس کی درخواست کو قبول کر لیا اور فرمایا کہ میں نے تیرے بال بچوں کو تجھ کو بخش دیا۔ جب قلعہ فتح ہو گیا اور اس یہودی کو اس کے بال بچے مل گئے۔ تو اس نے پیغمبر اسلام کی یہ شان کریمانہ دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ خود صاحبِ روضۃ الصفا کی عبارت یہ ہے کہ۔ وہ یہودی با توابع خود ایمان آورد۔ یہودی مع اپنے متعلقین کے مسلمان ہو گیا۔ اس موقع پر عدالت پیغمبر اسلام سے کئی فائدے حاصل ہوئے۔

اول تو اس یہودی کی جان بچ گئی۔ بعد قلعہ فتح کے اس کے متعلقین قتل ہونے سے بچ گئے۔ دوسرے وہ یہودی اور دوسرے متعلقین بخششی مسلمان ہو گئے۔ تو تعداد اہل اسلام میں اضافہ ہو گیا۔

جب اسی جنگ خیبر کے سلسلہ میں مسلمان قلعہ صعب کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ تو ایک

واقعہ ہفتاد و سوم حالات عامر

دن فوج دشمن سے مرہب یہودی نکلا اور اس نے لشکر اسلام کے مقابلہ میں آکر مبارزہ طلبی کی۔ عامر کہ جس کیلئے وقت ہدی تو انی پیغمبر اسلام نے دعائے استغفار کی تھی۔ اور اس کی بخشش کی دعا کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں آیا مرہب بد سخت نے عامر کے سر پر تلوار کا کاری وار کیا عامر کے سر میں مرہب کی تلوار پوسٹ ہو گئی۔ عامر نے بھی اس یہودی کے سر پر وار کیا۔ مگر عامر کا وار خود عامر ہی کی ران پر لگا۔ اور وہ زخم اتنا کاری تھا کہ عامر جان بے نہ ہو سکے۔ اور وفات پائی۔

جب پیغمبر اسلام جنگ خیبر سے واپس ہو رہے تھے۔ تو اثناءِ راہ میں پیغمبر اسلام نے سلمہ بن الماکوع کو جو عامر کا بھتیجا تھا مغوم دلوں دیکھا۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ سے وہ غم و اندوہ پوچھی۔ سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت ایسا کہتی ہے کہ عامر کا عمل جہاد باطل ہو گیا۔ اور اس کا کوئی صلہ عامر کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ عامر اپنی تلوار سے خود قتل ہو گیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ کا بیان سن کر انگلیوں کو باہم ملایا اور فرمایا کہ انہ مجاہد۔ یقیناً عامر مجاہدِ راہِ خدا تھا۔ اور راہِ خدا میں شہید ہوا۔ (روضہ صفا جلد ۲ ص ۱۳۱)

نتیجہ۔ بات دیکھنے میں تو بہت معمولی ہے۔ مگر چونکہ عدالت پیغمبر کو ظاہر کرتی ہے۔ لہذا اس سلسلہ بیان میں یہ واقعہ لکھا گیا۔ پیغمبر اسلام کی نظر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ پر رہتی تھی۔ اور آپ جانتے تھے کہ چاہے معاملہ اجتماعی ہو یا انفرادی۔ معاملہ بڑا ہو یا معمولی۔ ہر ایک میں قوانین عدالت پر عمل کیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ برادر زادہ عامر کے جواب میں فرمایا کہ عامر یقیناً مجاہد تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ

آپ نے ارادہ جہاد عامر کا صلہ بعد موت بھی عامر کو دیا۔ چونکہ عامر کا ارادہ دشمن سے جنگ کرنے کا تھا۔ اور عامر دشمن اسلام سے مقابلہ کر رہے تھے۔ ایسی حالت ہی میں غلطی یا سہواً اپنی وار اپنے اوپر ہو گیا۔ اور دشمنی و جہاد قتل عام ہو گیا۔ اگر اس موقع پر عامر کو مجاہد کا لقب نہ دیتے۔ اور ان کے ثواب آخرت کی خبر نہ دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا کہ ایک شخص جس کا ارادہ و فعل جہاد تھا وہ بوجہ سہواً غلطی کے اجر جہاد سے محروم کر دیا گیا۔ اب چونکہ پیغمبر اسلام نے اعلان فرمادیا کہ عامر کا جہاد حقیقت میں شہادت ہے۔ اور ایسا کرنا ہی عین عدالت تھا۔

عدالت، واقعہ ہتھیار و چہارم شفقت بہ اصحاب

اسی جنگ خیبر کے

سلسلہ کی بات ہے

کہ اہل اسلام اثنائے محاصرہ قلعہ صعیب میں بوجہ کمی زاد سخت تکلیف میں تھے۔ اور فاقہ نے ان کے حواس پر اگڑہ کر دیئے تھے کہ دشمنان اسلام محصورین قلعہ صعیب کی چنہ گو سفند چرنے کیلئے قلعہ سے باہر میدان میں آگئیں۔ ان میں سے دو گو سفند کو ابو الیسیر کعب بن عمر انصاری نے پکڑ لیا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ان کو پکایا جائے۔ جب وہ گو سفند پکا کر پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کی گئیں۔ تو آپ نے تمام اصحاب کو بلایا اور کچھ مسادی ان سب کو وہ تورش تقسیم کر دی۔ چنانچہ صاحب ردضتہ العنقاء نے۔ ان الفاظ میں صورت واقعہ کو نقل کیا ہے۔

و در اں معسکہ بیج کس نمائند کہ از اں خوردنی محفوظ نگشت۔ اس شکر میں کوئی ایسا باقی نہ تھا جس کو اس تورش کا حصہ مسادی نہ ملا ہو۔

جب کبھی حالت رزم یا بزم میں سختی و فاقہ میں قلیل سے قلیل طعام یا کوئی از قسم تورش شے خدمت پیغمبر اسلام میں لائی گئی تو کبھی آپ نے باوجود سخت گرسنگی کے تنہا نہیں کھائی اور نہ چنہ مخصوص اصحاب کو کھلائی۔ بلکہ تمام حاضرین پر اس تورش کو تقسیم کیا۔ ایسے واقعات سے صفحات تاریخ مملو پائے جائیں گے یہ ہتھیار و انصاف اور یہ تھی وہ عدالت جس نے پیغمبر اسلام کو محبوب ترین افراد بنا دیا تھا۔ اور ہر شخص آپ کو اپنی جان، مال، اولاد سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔

عدالت واقعہ ہتھیار و پنجم جنگ خیبر و صلہ علی و معاملہ اصل خیبر

جنگ خیبر میں سب سے زیادہ دشواری قلعہ قموں پر پیش آئی یہ قلعہ سامان رسد و اسلحہ سے مسلح تھا۔ بلحاظ تعمیر بہت مستحکم و بلند تھا۔ فوجی طاقت بھی اس قلعہ میں بکثرت تھی۔ پیغمبر اسلام نے اپنے مخصوص اصحاب کی سرکردگی میں

افواج روانہ فرمائیں۔ مگر روزانہ ہر شخص معہ فوج کے ناکام رہا یوس واپس آتا اور ہر سپاہ اور اسلامی اپنی معذوری اور استحکام قلعہ بیان کرتا تھا۔ یہ غزوہ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت و شہرت رکھتا ہے۔ میں مختصراً تاریخی حوالہ جات عبارات پیش کر کے اپنے موضوع کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۳۵۶ :-

نام کے بعد اور قلعے باسانی فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ قموص مرتب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھیجا۔ لیکن وہ دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب شہری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت کی خدمت میں آکر عرض کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت بھی یہی شکایت کی۔

(۲) خصائص امام نسائی :-

عن ابی بربید قال حاصرنا خیبر
فاخذ الراية ابوبکر ولم یفتح له
فاخذها من الغد عمر فالصرف
ولم یفتح له واصاب شدّة و
جهد۔۔

ابو بربیدہ کا بیان ہے کہ جب حملو گوں نے
قلعہ خیبر کا محاصرہ کیا تو ابوبکر علم لیکر نکلے
مگر بغیر فتح کے واپس آئے۔ دوسرے دن
عمر علم لیکر گئے وہ بھی ناکام آئے اور سخت تکلیف
و محنت اٹھانی پڑی

(۳) روضة الاحباب صفحہ ۳۸۵ ترجمہ :-

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک روز ابوبکر نے علم رسول کو اٹھایا۔ اور قلعہ کے پاس
آئے اور شدید جنگ کی۔ مگر بغیر فتح کے واپس آئے۔ دوسرے دن عمر علم رسول لیکر نکلے
اور پہلے دن سے بھی نہ یا وہ سختی سے مقابلہ کیا پھر بھی قلعہ فتح نہ ہوا۔ ایک دوسری روایت میں
ہے کہ پہلے دن عمر نے جنگ کی دوسرے دن ابوبکر نے جنگ کی اور تیسرے دن پھر عمر نے جنگ کی
مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ تو نوقت شب پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

لا عطين الراية غداً رجلاً كسر داعية
فواد يجب الله ورسوله ويجب
الله ورسوله يفتح الله على يديه
میں کل صبح کو ایسے شخص کو علم اسلام دینا
جو مرد ہو گا بار بار حملہ کرنے والا ہو گا وہ
بھاگنے والا نہ ہو گا۔ خدا اور رسول کو
وہ دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول

(روضة الاحباب صفحہ ۱۸۵)

اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ خیبر کو فتح کر دے گا۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۲۔

(۴) چوہاں قلعہ بود در غایت تصانت و نہایت

اصانت زیادہ کار سے از پیش یعنی رفت

از موئدات ابن مقال آنکہ روز سے

فاروق اعظم متصدی امر محاربہ گشت

و علم برداشته با فائزہ از عامیاں بیضہ

اسلام پیائے قلعہ اہل مشرک و ظلام

رفت و ہر چند دست و پائے زو

فتح در آئینہ مراد روزے نمود و روزہ و دیگر چیز

صدیق اکبر رایت برگزینہ با جمع از شجاعان

و البطل بمقابلہ اہل عدال شتافت و

مبارہ عظیم در میان فریقین واقع شدہ

بے حصول مقصود بازہ گشت و در نوبت

سیوم بازہ۔ عمر ابن خطاب بازہ مرہ از

اصحاب روزے جنگ بہ محصوران قلعہ قموص

آورد و کوشش بسیار نمودہ بدستور سابق

مراست فرمود۔

چونکہ قلعہ قموص بے مدد مضبوط تھا لہذا

اس پر اہل اسلام کا قابو نہیں چلتا تھا۔

اس امر کی تائید اس واقعہ سے ہوئی کہ

ایک دن فاروق اعظم جنگ کیلئے گئے علم

اسلام و لشکر اسلام ہمراہ لیا اور زبردیوار

قلعہ پہنچے اگرچہ بہت کچھ ماتہ پاؤں مارے

مگر شاہد فتح نے اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔

دوسرے دن صدیق اکبر نے علم

اسلام لیا اور شجاعان اسلام کو ہمراہ لیکر

اہل قموص پر حملہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی

مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بار دیگر

تیسرے دن پھر عمر ابن خطاب لشکر اسلام

ہمراہ لیکر حملہ آور ہوئے۔ اور بہت کوشش

کی مگر محصورین قموص پر کچھ قابو نہ تھا اور

بے نیل مرام واپس ہوئے۔

اب۔

جبکہ شاہ انجم اپنی شعاعوں کا علم لیکر دیار

مغرب کے فتح کر چکے تھے متوجہ ہو اور شب

ہو گئی تو پیغمبر اسلام نے اپنی زبان کھنشاں پر

یہ کلمات جاری فرمائے۔ میں ضرور کل ایسے

شخص کو علم اسلام عطا کروں گا۔ جو مرد ہوگا

بارہ بار حملہ کرنے والا ہوگا کبھی بجاگاہ ہوگا

خدا در رسول کو وہ دوست رکھتا ہے اور

اب، بعد ازاں کہ خسرو انجم با علم زرنگار متوجہ

تسخیر دیار مغرب شدہ آئندہ در بطحا و شرب

بہ زبان گوہر شمار معجز آثار بگذرانید۔

لا عظیم الرایتہ عنداً رجلاً کراراً

غیر افراراً یحب اللہ ورسولہ و

یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی

یہودیہ۔

اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں
خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ قموں کو فتح کر دیا
ج - بیان کیا گیا ہے کہ علی مرض آشوب
چشم میں مبتلا تھے اسلئے اس غزوہ میں
شریک نہ ہو سکے تھے اور مدینہ میں قیام پذیر
تھے۔۔

۵ - جب رسول خدا نے اپنا لعاب دہن
علی کی آنکھوں میں لگا دیا اور علی کو مرض آشوب
چشم سے شفا ہو گئی تو پیغمبر اسلام نے علم اسلام
علی کے ہاتھوں میں دیدیا۔ اور فرمایا کہ لے
علی اس وقت تک جنگ کر کہ قلعہ خیبر فتح
ہو جائے۔ علی حسب ارشاد پیغمبر آگے کھڑے
بڑھے اور پھر وہیں سے باواز بلند دریافت
فرمایا کہ کب تک اور کس امر پر جنگ کروں
پیغمبر نے فرمایا کہ اس وقت تک کہ وہ کافر
کلمہ تو تہذیب زبان پر جاری کریں۔ جب وہ
مسلمان ہو جائیں تو ان کا مال و جان وغیرہ
ان کا ہی حق ہے اور خدا ان کا حساب کرے گا
(۱)۔ جب علی علم اسلام لیکر آگے بڑھے
تو فرمایا یا رسول اللہ میں اس وقت تک
جنگ کروں کہ وہ ہمارے مثل۔۔ ہو جائیں
یعنی مسلمان ہو جائیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ لے
علی جنگ میں جلدی نہ کرنا۔ جاؤ اور ان کے
سامنے میدان میں ٹھہرو پہلے ان کو اسلام
کی دعوت دو اور خدا کے حقوق جو ان کے

(ج) گویند کہ علی کرم اللہ وجہہ بنا بر عارضہ سرمد
در مبداء حال از میں غزوہ تھلف نمودہ
در مدینہ توقف فرمودہ بود۔

(د) چون مرتضیٰ علی از بلیہ رمد خلاصی یافت
رایت را باو دادہ فرمود بر و والتفات
مکن تا آن زمان کہ خدا عز و علا خیبر را بر دست
تو مفتوح گرداند علی اندک مسافت قطع
کرده آواز بہ آورد کہ یا رسول اللہ علی ماذا
اقاتل حضرت رسول فرمود۔

قاتلہم حتی تشہلوا وان لا الہ الا اللہ
وان محمد رسول اللہ فاذا فعلوا ذلک
فقل منعوا منا و ماؤہم و اموالہم
الا بحقہا و حسب ما جہم علی اللہ۔

(۱) چون امیر المؤمنین علی علم بہ گرفتہ برہاہ درآمد
گفت یا رسول اللہ بالایشان مقاتلہ کنم
تا مثل ما شوند یعنی مسلمان گردند حضرت
فرمود یا علی در مقاتلہ تعجیل منما و بہرہ
تا آن زمان کہ بساحت ایشان فرود آئی
ایشان را با اسلام دعوت کنی و اختیار نما
از حقوق کہ خداوند را بر ایشان واجب
است و بخدا سوگند کہ اگر یک کس را خدا
لتعالی بواسطہ تو ہدایت دید بہتر است تو
را از شتران سرخ موی کہ در راہ حق غزو
علا تصدق کنی۔

رس، بالجملہ چوں اہل تمہیں قموں و مردم قلعہ

ذمہ و واجب ہیں وہ ظاہر کرو۔ خدا کی قسم کہ
اگر ایک شخص کافر کو بھی تمہارے ہدایت کر کے
مسلمان کر لیا تو اس سے بہتر ہے کہ تم کلمے ہی
شتر سرخ راہ خدا میں لقمہ لکرو۔

مس۔ جب علی کی بہادری، باب قلعہ خیبر
کا اکھاڑنا، مرحب اور اس کے سات رفقاء

بہادریوں کو قتل کر دینا۔ اہل قلعہ و اہل خیبر

نے دیکھا تو ان پر خوف و رعب علی طاری

ہو گیا۔ فریاد الامان الامان طلب کرنے لگے

علی ابن ابی طالب نے پیغمبر اسلام سے اجازت

لیکر ان کو امان دی۔ مگر شرط امان یہ تھی

کہ ان کا ہر شخص ایک اونٹ معہ سامان کے

اپنے ہمارے جہاز اور شہر بدلے ہو جائے۔

ص۔ جب فتح خیبر کی خبر پیغمبر اسلام کو

ملی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ جب خیمہ رسول

کی طرف آئے تو پیغمبر اسلام نے آگے بڑھ کر

علی کا استقبال کیا لگا یا علی کی دونوں

آنکھوں کو بوسہ دیا۔ اور فرمایا اے علی

مجھ کو وہ خبر ملی جو قابل شکر ہے۔ اور وہ

سچی معلوم ہوئی جو یادگار رہے گی۔ یقیناً

خدا تم سے راضی ہے۔ اور میں بھی تم سے راضی ہوں۔ جب علی نے پیغمبر اسلام کے یہ کلمات سنے

تو آپ رونے لگے۔ رسول خدا نے دریافت فرمایا۔ یا علی یہ گریہ خوشی ہے یا گریہ غم۔ علی

نے جواب دیا کہ یہ گریہ مسرت ہے۔ میں کیونکہ مسرور و خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی

ہیں رسول نے فرمایا کہ میں ہی صرف تم سے راضی نہیں ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ اس کے فرشتے

جبرائیل و میکائیل بھی تم سے خوشنود و راضی ہیں۔

خیبر پنپال امرغریب از امیر المؤمنین حمید

مشاہدہ کردند فریاد الامان بر آوردند علی

ابن ابی طالب اجازت رخصت از حضرت

رسالت ایشان را امان داد مشروط

بہ آنکہ ہر مردے یک شتر دار طعام بردا

از اہل دیار بیرون روند۔

اصل) چوں خیبر فتح بسیم ہمایوں حضرت رسول

رسید بغایت مسرور و شاد ماں گشت

و در حین توجہ علی ببلانہ مت از خیمہ با استقبال

او قدم مبارک بیرون نہاد و پیرادر کنار

گرفتہ ہر دو چشمین بسوسید و قد بلغنی

بناءك المشكور و سعيت المذکور قد

رضی اللہ عنک و رضیت انا عنک

امیر را این سخن رقت پوست داد گر یہ

شد حضرت فرمود کہ اے علی این گریہ شادما

است یا گریہ سوزن۔ جواب داد کہ گریہ سوزن

است و چلو نہ فرسناک و شادماں بنام

کہ تو اہل راضی باشی رسول فرمود کہ نہ من

تنہا از تو را صنیم بلکہ خدا عز و علا و فرشتگان

و جبرائیل و میکائیل از تو راضی اند۔

خدا تم سے راضی ہے۔ اور میں بھی تم سے راضی ہوں۔ جب علی نے پیغمبر اسلام کے یہ کلمات سنے

تو آپ رونے لگے۔ رسول خدا نے دریافت فرمایا۔ یا علی یہ گریہ خوشی ہے یا گریہ غم۔ علی

نے جواب دیا کہ یہ گریہ مسرت ہے۔ میں کیونکہ مسرور و خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی

ہیں رسول نے فرمایا کہ میں ہی صرف تم سے راضی نہیں ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ اس کے فرشتے

جبرائیل و میکائیل بھی تم سے خوشنود و راضی ہیں۔

جبرائیل و میکائیل بھی تم سے خوشنود و راضی ہیں۔

عبارات مذکورہ بالا کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے -

(۱) جنگ خیبر کی فتح قلعہ قموں کی فتح پر منحصر تھی۔ کیونکہ وہ قلعہ

مرفوع سے مسلح تھا۔

(۲) حکم پیغمبر اسلام مخصوص اصحاب اور بہادران اسلام نے پے درپے قلعہ قموں پر حملے کے سلسلے میں وہ سب ناکام واپس ہوئے۔

(۳) پیغمبر اسلام نے اعلان فرمایا کہ وہ علم اسلام ایسے شخص کو دیں گے۔ جو بغیر فتح کے واپس نہ ہوگا۔۔۔

(۴) پیغمبر اسلام نے علی کو علم اسلام عطا فرمایا اور علی نے قلعہ خیبر کو فتح کیا۔

(۵) پیغمبر اسلام نے علی کی خدمات اور جہاں نشاری کا صلہ ان الفاظ میں ادا کیا۔۔۔
”یا علی میں اور خدا اور اس کے ملائک تم سے راہنی ہیں۔“

(۶) علی سب حکم رسول علم اسلام لیکر بجانب فوج دشمن بڑھ رہے تھے۔ تو پیغمبر اسلام نے علی کو آداب جنگ بتائے۔ وہ یہ تھے۔۔۔

(۱) یا علی جنگ و قتل فوج دشمن میں تعجیل نہ کرنا۔ (۲) جنگ سے پہلے ان کو دعوت

اسلام دینا۔ (۳) جب وہ کلمہ توحید کا اقرار کر لیں تو ان کے مال و اسباب ان کو ہی

دیدینا۔ (۴) یا علی ایک کافر کو ہدایت کر کے مسلمان بنا لینا بہترین شے راہ خدا میں تصدق

کرنے سے بہتر ہے۔ (۵) بعد فتح خیبر علی نے پیغمبر اسلام سے اجازت لی اور سب اہل خیبر

کو ایک ایک شتر سامان دیکر آزاد کر دیا۔

استنباط نتائج۔ اگر اس اہم موقعہ جنگ پر پیغمبر اسلام علی کی خدمات و جہاں فرشتی کا علی کو

(۱) صلہ نہ دیتے تو صاحبان انصاف غور فرمائیں کہ یہ فعل کیسا فعل ہوتا۔ آیا مطابق عدالت یا

خلاف عدالت۔ درحقیقت پیغمبر اسلام نے اپنی و خدا اور ملائک کی رضا کی سند علی کو عطا کر کے

خدمات جہاں نشاری کا صلہ و معاوضہ ادا کر دیا۔ اور یہی فعل رسول مطابق قوانین عدالت

ہو سکتا ہے۔

(۲) پیغمبر اسلام نے علی کو لشکر دشمن کی جانب جاتے ہوئے۔ اور حکم فتح خیبر دیتے ہوئے پیغمبر اسلام

لگا دی کہ جاتے ہی ان پر حملہ نہ کیا جائے نہ ان کو قتل و غارت کیا جائے۔ بلکہ ان کو کفر و اسلام

کے فرق محسوس کرنے اور اسلام کے قبول کرنے پر غور کرنے کیلئے موقعہ دیا جائے۔ پیغمبر اسلام

راہ بیت المال سپارہ نذ و نصف دیکھتے بھینتے
آمدنی یہودی خود اپنے مصرف میں
اجرت خویش تصرف نمایند۔
لائیں گے۔

صاحبان انصاف و ارباب سیاست و عقل خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے یہود ان خیبر کے
ساتھ کتنا رواداری و انصاف کا سلوک کیا ہے۔ اہل خیبر کی فوجی تیاریاں ان کی دشمنی اسلام، ان کا
افواج اسلامی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ ان کا اہل اسلام کو قتل کرنا یہ سب کچھ ایک طرف رہا۔ اور جب
اہل انصاف نے درخواست ترحم خدمت پیغمبر میں پیش کی۔ تو اقتضائے عدالت پیغمبر اسلام یہی ہوا کہ ان
کی درخواست کو منظور کر لیا۔

پیغمبر اسلام کے اس فعل سے اہل خیبر کی کامل آبادی کو اطمینان حاصل ہو گیا اور وہ حسب سابق اپنے
کار و بار زراعت و باغبانی میں مصروف ہو کر اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنے لگے۔ اور اپنے ان کے ساتھ
سلوک بھی ایسا ویاہ و عادیانہ کیا جس کی مثال تاریخ دنیا ان حالات کی موجودگی میں پیش نہیں کر سکتی
کہ آپ نے نصف آمدنی مال بیت المال قرار دیا۔ اور نصف حصہ ان یہودیوں کو بحق اجرت عطا فرمایا۔ گویا
آپ نے اپنے اس عادلانہ اندازہ تقسیم منافع سے ایک دستور عدالت قائم کر دیا۔ اور ایک دائمی مثال عدالت
معین فرمادی۔

عدالت واقع ہفتاد و ہفتم
معاملہ زینب بنت جحش

جب یہود ان خیبر کو اطمینان حاصل ہو گیا تو زینب بنت
جحش کو سب معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام بکری کے گوشت
میں سے گوشت دست کو دست رکھتے ہیں اور یہ بھی

اس کو معلوم ہوا کہ دعوت کو آپ رد نہیں کرتے ہیں۔ تو اس نے ایک بچہ بکری کا ذبح کیا اور اس کے گوشت
دست میں پارچہ گوشت کے اندر نہر چھپا دیا۔ اور وہ اس گوشت دست کو بطور ہدیہ کے خدمت پیغمبر
اسلام میں لائی پیغمبر اسلام نے عادتاً اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں تاکہ شام کا کھانا ساتھ کھائیں۔ پیغمبر اسلام
اور اصحاب دسترخوان پر باہم بیٹھ گئے۔ پیغمبر اسلام نے اس گوشت ہدیہ کو بھی سامنے رکھا اس میں کا ایک
ٹکڑا توڑ کر اپنے دہن اقدس میں رکھا۔ اور اس کے بعد اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس گوشت
کو نہ کھانا۔ کیونکہ اس پارچہ گوشت میں نہر ملا ہوا ہے۔ اسی آثناء میں بشیر بن البراء کہ ایک صحابی نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تو اس گوشت کا ایک لقمہ کھالیا ہے۔ میں نے جب اس گوشت کو منہ میں
رکھا تو مجھے کراہت محسوس ہوئی۔ مگر میں نے صرف اس لحاظ سے کہ آپ کی طبیعت اس دسترخوان پر رکھو
و متسفر نہ ہونا موٹی اختیار کی اور اس لقمہ کو طوعاً و کرہاً نکل گیا۔ بشیر بن البراء کہ یہی گفتگو کر رہا تھا کہ کچھ

دیہ میں اس کا انتقال ہو گیا اور نہ ہرنے اس کا کام تمام کر دیا۔

بہر حال کھانا ختم ہوا اور پیغمبر اسلام نے زینب بنت جحش کو معہ رؤساء یہود کے طلب فرمایا۔ ان یہودیوں سے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے باپ کون کون ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے باپ کے نام بتائے۔ آپ نے فرمایا کہ جھوٹے ہو بلکہ تمہارے باپ فلاں فلاں ہیں۔ دوسرے یہودیوں نے تصدیق کی اس کے بعد آپ نے پوچھا کس نے اس گوشت بزرگالہ میں نہ ہر ملا یا ہے۔

زینب نے عرض کیا کہ میں نے یہ بہرات کی ہے۔ پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ کس امر نے تجھ کو اس کام پر آمادہ کیا۔ زینب نے جواب دیا۔

زینب گفت کہ پدر و عم و شوہر مرا کشتی۔ یعنی تم نے میرے باپ و چچا اور شوہر کو قتل کیا ہے۔
بالفاظ صاحب روضۃ الصفا جلد دوم۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے زینب کو معاف کر دیا۔ اور ایک گروہ مورخین کہتا ہے کہ پیغمبر نے زینب کو قتل کر دیا اور رسولی دیا۔

بعضے گفتند کہ رسول اللہ از زینب عفو فرمود و زمرہ گویند کہ اور القتل آورد و بعد ازاں صلب کردند۔

یہ تاریخی اختلاف ہے۔ بہر حال اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام نے زینب کو معاف بھی کیا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو قتل بھی کیا گیا۔ مورخین نے دونوں صورتوں کو لکھ دیا۔ لیکن حقیقت حال پر غور نہیں کیا گیا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام نے یہ دونوں کام کئے۔ آپ نے زینب کو عفو تو اس لئے کر دیا کہ زینب نے پیغمبر اسلام کے ساتھ دشمنی کی تھی۔ اور آپ ہمیشہ اپنی ذات کے مجرم کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ علاوہ بریں زینب کے زہر سے پیغمبر اسلام کی جان بچ گئی تھی۔ آپ اس زہر سے ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ لہذا آپ کا اقتضا عدالت ہی تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔۔

maablib.org

دوسری صورت یہ کہ پیغمبر اسلام نے حکم دیا اور زینب کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زینب کے زہر سے بشیر ابن البراءہ ایک مسلمان کی موت واقع ہوئی تھی۔ اگر پیغمبر اسلام اس مسلمان کی ہلاکت کے بعد بھی زینب کو معاف فرمادیتے۔ تو یہ عدالت و انصاف نہ تھا۔ بلکہ ظلم تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے بشیر ابن البراءہ کے مرنے کے بعد اس کے قصاص جہان کے بدلہ میں زینب کے قتل کا حکم دیدیا پیغمبر اسلام نے یہ دونوں کام مطابق تو انین عدالت و انصاف کئے۔ پیغمبر اسلام کے ان عادلانہ کارناموں میں اہل سیاست و اہل ممالک و حکومت کیلئے اعلیٰ عدالت کے نمونے موجود ہیں۔

عدالت واقعہ ہفتادویں شتم معاملہ عبداللہ بن سہیل

اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۹۹

اسلام نے یہود کے ساتھ جن رعایات و خوش اسلوبی سے معاملات طے کئے تھے وہ بتا رہے ہیں کہ فتح کے بعد بھی ان کی اہلک ان کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی۔ گویا مستنصر ہو جانے

کے بعد بھی یہ اپنی اہلک پر ویسے ہی مالک و متصرف رہے جیسے سابق میں تھے۔ مگر مسوس ان کی کج فطرتی نے اسلام کی اس محنتانہ مراعات کی کوئی قدر نہیں کی چند روزوں کے بعد مدینہ میں قحط پڑا اور غلہ کی گہرائی ہوئی تو عبداللہ بن سہیل صحابی رسول عیال کے آدو قہ کیلئے خیبر سے غلہ خریدنے کی عرض سے گئے۔ یہود نے اس مخالفت پر کہ یہ مسلمان ہیں ان کا خون ان کی جان حلال ہے۔ ان کو دھوکہ سے نہر میں ڈبو دیا۔ محیصہ ان کے ہمراہی کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ تہمتا ہونے کی وجہ سے یہود سے کوئی باز پرس نہ کر سکے۔ اور مدینہ لوٹ آئے۔ رسول اللہ صلعم سے روئداد۔۔۔ عرض کی اور یہود ان خیبر سے عبداللہ کی دیت دلوانے کی استدعا کی جناب رسالت صلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بیان کی صداقت پر حلف شرعی دے سکتے ہو محیصہ نے عرض کیا کہ میں تو ضرور حلفاً بیان کر دوں گا۔ لیکن یہود تو ایک کیا پچاس مسلمانوں کو بھی قتل کر ڈالیں تاہم جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ آئیں گے رحمت عالم نے ابلی بار بھی یہود کی اس خونخوارانہ حرکت سے چشم پوشی فرمائی اور معاملہ کو زیادہ طویل دینا نہ چاہا۔ بیت المال سے عبداللہ کی دیت دلوادی اور قصہ رفت و گذشت ہو گیا۔

مؤلف موصوف نے اس تاریخی واقعہ میں اپنی رائے سے بھی اضافی الفاظ و عبارت لکھی ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس واقعہ صحت اتنا ہے کہ عبداللہ ابن سہیل ایک مسلمان شخص یہودان خیبر سے غلہ خریدنے گیا یہودیوں نے اس کو نہر میں ڈبو کر مار ڈالا۔ پیغمبر اسلام کو محیصہ نے اگر اطلاع ہو اب واقعہ نہ کورہ کی وہی صورتیں تھیں۔ اول تو یہ کہ عبداللہ خود غسل کرنے نہر پر گئے ہوں گے اور اس میں اتفاقاً ڈوب گئے اور انتقال کیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عبداللہ کو بچر بکیر نہر میں ڈبو کر مار ڈالا گیا۔

پیغمبر اسلام کے سامنے ایک مسلمان شخص محیصہ نے شہادت واقعہ پیش کی مگر وہ بھی شنیدہ نہ کہ دیدہ پھر جب پیغمبر اسلام نے محیصہ سے شرعی و قانون اسلام کے مطابق گواہی طلب کی تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہود کا تو سب جھوٹے ہیں۔ محیصہ کا یہ قول یک طرفہ تھا۔ اور خلاف حقوق انسانی سب کو جھوٹا سمجھنا خلاف قوانین عدالت تھا۔

پیغمبر اسلام اگر محیصہ کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے عبد اللہ کا خون بہا اہل خیبر سے دلوادیتے اور کوئی شہادت طلب نہ کرتے تو گویا یہ کیٹرفر ڈگری ہوتی۔ اور برخلاف عدالت تھا۔ اصول و قوانین عدالت کے مطابق تو یہی تھا کہ کم از کم دو گواہ واقعہ کی تصدیق کرتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے محیصہ سے ان گواہوں کا مطالبہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ شہادت کامل نہیں ملتی ہے۔ تو یہود اہل خیبر کو بے قصور سمجھ لیا گیا۔ اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی اور یہی عین عدالت تھا۔

آپ رہا یہ کہ ایک مسلمان جان سے گیا اور اس کے متعلقین بے یار و بے مدد گار ادارت رہ گئے۔ لہذا اگر ان ادارتوں کو بغیر مدد کے چھوڑ دیا جاتا۔ تو یہ بھی ظلم اور خلاف عدالت تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے عبد اللہ کا خون بہا بیت المال سے دلوادیا۔ اس طرح عبد اللہ کے پسماندگان کے ساتھ بھی عدالت کا سلوک ہو گیا۔ اور یہود اہل خیبر کے ساتھ بھی عدالت برتی گئی۔ اب اگر کوئی دشمن عقل یہ اعتراض کرے کہ پیغمبر اسلام کو بیت المال سے دیت عبد اللہ دلوانا نہیں چاہئے تھی۔ کیونکہ بیت المال تو تمام اہل اسلام کا مال ہے۔ تو ایسا خیال غلط فہمی پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بیت المال صرف اہل اسلام کی ضرورتوں ہی پر صرف ہونے کی چیز ہے۔

اگر بیت المال سے عبد اللہ کی دیت نہ دلوائی جاتی۔ تو بھی عبد اللہ کے ادارت بچوں اور زوجہ کی پرورش کا بار بیت المال ہی پر پڑتا اور مسلسل یہ بار قائم رہتا۔ اس صورت میں کہ کیمشت رقم دیت دارشان عبد اللہ کو دیدی گئی۔ بہتر صورت ہوئی۔ بہر حال اس واقعہ سے بھی عدالت پیغمبر اسلام کا بہترین نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔

عدالت واقعہ ہفتاد و نہم تقسیم غنائم خیبر
 ترجمہ روضۃ الاحیاب محدث
 شیرازی :-

(۱) در روز جمعہ غنائم واخذ سبا یا حضرت فرمود (۱) غل سہام گریبانید۔ جس دن مال غنیمت جمع کیا گیا۔ اور قیدیوں کو گرنار کیا گیا۔ اسی روز پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے پانی کو دوسرے کی زراعت پر نہ ڈالے اور قیدی عورتوں میں سے کسی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جب تک کہ اس کی عدت کا زمانہ ختم نہ ہو جائے۔ اور چاہئے کہ جب مال غنیمت تقسیم ہو جائے کوئی چیز فروخت نہ کرے۔ جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ اہل لشکر کی تعداد معلوم کر دے۔ شمار کیا گیا تو ۱۴ سو آدمی تھے۔ پس آپ نے پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصہ اور عورتوں کو جو مجاہدین کی

خدمت کیلئے ساتھ تھیں کچھ حصہ دیا۔

(۲) بلاذری - :-

ولرسول الله صلى الله عليه وآله

وسلم سهم احد لهم

پیغمبر اسلام کا بھی حصہ عام لوگوں کی مانند
ایک حصہ تھا۔

(۳) سنن ابوداؤد :-

البنی صلعم معهم له سهم كسهم

احد لهم -

پیغمبر اسلام بھی مجاہدین کے ہمراہ تھے اور
آپ کا حصہ بھی ایک آدمی کے حصہ کے برابر تھا

تاریخی حوالہ جات سے واضح ہوا کہ اموال و اسیرانِ خیبر کی تقسیم پیغمبر اسلام نے مساویانہ کی۔ اور
مجاہد کو مساوی حصہ عطا فرمایا۔ اور جب تک کل اموال تقسیم نہ ہو گئے۔ آپ نے کسی شخص کو نہ اراضی نہ کھیتی نہ
مال نہ عورت پر کسی پر کسی کو دست درازی کا موقع نہ دیا اور سخت ممانعت فرمادی۔ اور مزید عدالت یہ
فرمائی کہ اپنا حصہ بھی مساویانہ ہی رکھا۔

آپ تو حاکم افواج، شہنشاہِ عرب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کا حصہ تو کچھ زیادہ

ہونا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ جاں نثاری و جاں فروشی میں ہر مجاہد کی حیثیت مساوی تھی اور ہر شخص کو جان
کا خطرہ برابر ہی تھا۔ لہذا عین عدالت تو یہی تھی کہ مالِ غنیمت میں حصہ بھی برابر ہی ہو۔

عدالت واقعہ ہنزدہم معاملہ سپردگی فدک

پیغمبر اسلام بحیثیت بشر تمام
لوازمات بشریت رکھتے تھے۔

اور اسی طرح بحیثیت رسول و نبی تمام خصائص و اوصافِ نبوت و رسالت کے مالک تھے۔ بعض محدثین و
مورخین نے حیاتِ رسول کے اوقات کی تقسیم دو طرح پر کر دی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی
اور آپ کا نبوت انجام دیتے تھے۔ تو آپ وہی کرتے تھے جو خدا کا حکم ہوتا تھا۔ مگر جب آپ اپنی اہل و عیال
زندگی کے لمحات و ساعات گزارتے تھے تو آپ سے مطابق اقتصادِ بشریت غلطیاں بھی سرزد ہو جایا کرتی
تھیں۔ اس قسم کے واقعات بکثرت کتبِ احوال و کتبِ تاریخ میں اہل اسلام کے قلم سے درج ہو گئے ہیں
اور یہی وجہ ہے کہ ایک طبقہ اہل اسلام کا عصیت پیغمبر کا قائل نہیں ہے۔

مگر ان مورخین و محدثین نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور انہوں نے صرف یہی ایک غلطی نہیں کی
ہے۔ بلکہ صدنا دیگر غلطیاں بھی ایسی کی ہیں جن کا وجہ سے اسلام نظرِ انبیاء و اقوام دیگر میں ہر نظرِ انسانی
بیخ بن گیا ہے۔ مگر جب مختلف محدثین و مورخین کے کتب مختلف کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا

ہے کہ وہ واقعات غلط ہیں۔ روایتاً و درایتاً دونوں طریقہ پر غلط ہیں۔ اپنی واقعات میں سے یہ خیال بھی غلط ہے کہ محمد صلعم بحیثیت بشریت مرتکب خطا بھی ہو جاتے تھے۔!

درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اسلام کا ہر لمحہ حیات اور ہر ساعت زندگی احکام خدا کے سنا میں ایسا ڈھل گیا تھا کہ آپ سے غلطی کا امکان ہی مفقود ہو گیا تھا۔ آپ کی حیات طیبہ کے تمام واقعات کو بغور مطالعہ کر جائیے ابتدا سے انتہا تک کوئی ایک چھوٹا سا واقعہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو خلاف حکم خدا ہو۔ یا خلاف قوانین مکارم اخلاق ہو۔ اسی مقصد کو ثابت کرنے کیلئے یہ کتاب "النسان کامل" لکھی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو جب بلحاظ بشریت دیکھا جاتا ہے۔ تو آپ کے انحال و اعمال اتنے مطابق منشاء خدا نظر آتے ہیں کہ ان میں تصویر رسالت و نبوت نظر آنے لگتی ہے۔ اور جب آپ کو بلحاظ رسالت و نبوت دیکھا جاتا ہے تو رسالت و نبوت کے اعلیٰ ترین مراتب پر آپ فائز نظر آتے ہیں۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ آپ نے بشریت کو منشاء و منائے الہی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔

یہ سب کچھ سہی مگر پھر بھی آپ کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ اور آپ کی حیات کے دو نمایاں فرائض تھے ایک فریضہ رسالت و نبوت خداوندی اور دوسرا بلحاظ بشریت حقوق ناس، حقوق اولاد، حقوق اعزاء، حقوق ہمسایہ، حقوق ملکی، حقوق اہل مذہب، حقوق ازدواج، حقوق قوم، حقوق خدا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پیغمبر اسلام نے ان تمام حقوق کو بدرجہ کمال ادا کیا ہے۔ اور یہی اسلام کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام بلحاظ ادا ایگی حقوق خدا و مخلوق خدا تمام انبیاء اور تمام نبی نوع ان سے برتر تھے۔ ع "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"۔ کا یہی مقصد ہے۔

اگر حیات پیغمبر اسلام میں کوئی واقعہ ایسا مل جائے جو کسی قسم کے حقوق کی ادا ایگی میں تقصیر کا پہلو دکھائے تو یہ نقص نبوت و رسالت ہی نہ ہو گا۔ بلکہ یہ نقص بشریت و عبدیت بھی ہو گا۔ اور جو بلحاظ انحال عبدیت کی منزل و مرتبہ ہی میں ناقص ہے وہ رسالت و نبوت کے درجہ بلند کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے یا تو خدا نے جیسا بھی جی چاہے کہئے اہل اسلام کو یہ الفاظ بتائے ہیں۔ اشہد ان محمداً عبداً و رسولاً۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کا عبد اور رسول ہے۔ ان کلمات سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ محمد اول عبد تھے اور بعد کو رسول خدا تھے۔

جب حقوق کی ادا ایگی کا نقص عبدیت ہی کو ناقص قرار دینا ہے۔ تو پھر رسالت کا تو بہت بلند تر مقام ہے۔ اہل اسلام کو بالاتفاق یہ امر تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اہل اسلام کے علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بلحاظ ادا ایگی فرائض بشریت و رسالت کوئی نقص نہیں چھوڑا

اب معاملہ فدک کو لے لیجئے۔ یہ مسئلہ اہل اسلام میں ہمیشہ پذیر بخت رہا ہے۔ میں تحت عدالت پیغمبر اسلام اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔ لہذا کتب آغاز و تاریخ اسلام سے پہلے صورت واقعہ کو پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد فیصلہ خود ناظرین کتاب کے پر رہے گا۔

تاریخی عبارات۔ تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۹۰۔

(۱) قال ابن اسحاق فلما فرغ رسول الله لم يوجف عليها نجيل وركاب

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول خدا نے معاملات خیر سے فراغت پائی تو خداوند عالم نے اہل فدک کے قلوب میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ انہوں نے خود نصف حاصل فدک پر مصالحت کرنے کیلئے پیغمبر اسلام کو پیغام دیا ان کا قاصد خود خدمت رسول میں آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قیام خیر ہی کے زمانہ میں آیا اور بعض کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں حاضر خدمت ہوا، بعض کہتے ہیں کہ بعد از مدینہ باریاب خدمت رسول ہوا۔ بہر حال پیغمبر اسلام نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ لیکن فدک پیغمبر اسلام کا خالصہ قرار پایا۔ اسلئے کہ اس میں جنگ اور سوار و پیادہ سے کام لینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

(۲) طبری ص ۱۵۸۹ ہرمین :-

فكانت فدك لرسول الله خالصه
لانه لم يوجف عليها نجيل وركاب
بغير لشكر كشي کے حاصل ہوا۔

(۳) تاریخ البوالفداء :-

كان فتح خيبر في صفر سنة سبع
للهجرة فتحت
بغير ايجاف خيبر۔

نصف ملا کہیں اور پیغمبر اسلام جب چاہیں ان کو جہاد وطن کر دیں۔ چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اور ایسا ہی معاملہ اہل فدک کے ساتھ بھی طے پایا خیر کی آمدنی مسلمانوں کیلئے تھی اور فدک کی آمدنی خالص رسول خدا صلعم کیلئے اس لئے کہ وہ بغیر جنگ کے فتح ہوا تھا۔

(۴) روضة الصفا جلد دوم (ذکر صلح فدک) ص ۱۳۵ :-

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم ترجمانی گہری ہے۔ اور جو کچھ بھی اموال کا فریق

شہید العقیاب سے بچنے رسول کو دیا تمہارے سوار اور

پیادوں نے اس پر تاخت نہیں کی ہے لہذا وہ سب پیغمبر کے اقربا، پیغمبر کے مساکین و ایتام و مسافرن کیلئے ہے۔ تاکہ دولت مندوں کے درمیان میں دست بدست نہ بجاوے پس پیغمبر جو تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روکے اس سے بچو اور خدا سے ڈرو کہ اس کا عذاب شدید ہے۔

(۶) فاسخ التواریخ ص ۳۰۲ :-

اس وقت ہیرٹیل نائیل ہوئے پیغمبر کو سلام کیا اور عرض کی کہ خدا فرماتا ہے کہ اپنے اقربا کا حق ادا کرو اور یہ آیت لائے۔

ایں ہنگام ہیرٹیل علیہ السلام فرود شد و در حضرت پیغمبر اسلام سلام داد و عرض کرد خدای فرماید حق خویشاں بدہ و این آیت مبارک بیاورد۔

دید و اپنے اقربا و مساکین و ابن السبیل کو ان کا حق یہ ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو سفنوری خدا کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پائے ہوئے ہیں۔

فان ذالقریبی حقہ والمسکین و ابن السبیل ذلک خیر اللذین یریدون وجہ و اولئک هم المفسحون۔

یہ فرمان خدا پہنچا کہ اپنے اقربا کا حق ادا کرو۔ پیغمبر نے پوچھا وہ اقربا کون لوگ ہیں ہیرٹیل نے عرض کی کہ وہ فاطمہ ہے لہذا علاقہ مذکور اس کو دید و اس میں سے اپنا حق بھی نہ لو

چوں ایں فرمان رسید کہ حق خویشاں بازوہ پیغمبر فرمود کہ ایں خویشاں کدام آمد عرض کرد کہ فاطمہ است تو ائٹ مذکور را باو گذار حق خویش مطلب چه خداوند نیز حق خود باو گذاشت۔۔۔۔۔

کیونکہ خدا نے اپنا حق بھی بحق فاطمہ چھوڑ دیا ہے۔ پیغمبر نے فاطمہ کو بلایا اور یہ آیت تلا فرمائی اور جو کچھ کہ مذکور سے ملا تھا وہ فاطمہ کے سپرد کر دیا اور مذکور بھی فاطمہ کو دیدیا

لاہرم رسول خدا فاطمہ را طلب داشت و این آیت مبارک برد قرأت فرمود و امورے کہ از مذکور بدست کردہ بود تسلیم داد و سوا ائٹ مذکور را بہرہ گذاشت۔۔۔

مندرجہ بالا تاریخی عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ :-

(۷) جنگ پیغمبر کی فتح کے رعب نے اہل مذکور کو مرعوب کر دیا۔ اور اہل مذکور نے علاقہ مذکور پیغمبر اسلام کے

سپر دکر دیا۔

(۲) علاقہ فدک پیغمبر اسلام کا خالصہ قرار پایا۔ اور اس میں جو حصہ خدا و رسول کا تھا وہ موصلاً اصل فدک کے حکم خدا پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو مہر کر دیا۔

(۳) پیغمبر اسلام نے باقاعدہ تحریری دستاویز بہ نامہ کی بحق فاطمہ لکھی تھی۔

(۴) قرآن نے کئی آیات کے ذریعہ تصدیق کی ہے کہ فدک پیغمبر اسلام کا خالصہ تھا۔ اور پیغمبر کے حکم قرآن فدک فاطمہ کو مہر کر دیا تھا۔

(۵) فاطمہ نے بعد وفات پیغمبر اسلام اپنا دعویٰ و دستاویز تحریری محررہ پیغمبر اسلام دربار ابوبکر میں پیش کی تھی۔

مذکورہ عبارات تاریخی کی روشنی میں ہم اگر پیغمبر اسلام کے عملیہ پر غور کریں تو ہم کو چند امور پیش نظر رکھنے پڑیں گے۔

اول یہ کہ پیغمبر اسلام نے کل علاقہ فدک کو صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لیا۔ آیا یہ عدالت کے مطابق تھا یا خلاف قوانین عدالت تھا۔ چونکہ فدک پر اہل اسلام و لشکر اسلام کی چڑھائی کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اور وہ علاقہ صرف علی و محبصہ کے جانے اور معاملے ہو جانے سے حاصل ہوا تھا۔ لہذا لشکر اسلام کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ ہر غزوہ میں ہر مجاہد کو خوف و خطرہ جہاں ہوتا تھا۔ لہذا اس کا صلہ سال غنیمت میں حصہ سادہ ملنا ہی عین عدالت تھا۔ اور جبکہ فدک کے معاملہ میں خطرہ جہاں تو دور کنار چند قدم چلنے کی بھی نہ حمت کسی سپاہی کو نہ دینی لہذا فدک پر کسی کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔

پیغمبر اسلام کے ایسا کرنے سے ایک اعلیٰ اصول قائم ہو گیا۔ وہ یہ کہ حاکم اعلیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنی نجی و خاص جائداد و علاقہ بھی رکھ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں اہل ملک و اہل قوم کا مال و حصہ غصب نہ کیا گیا ہو۔

بلکہ اپنی ذاتی استعداد و قابلیت و قوت سے حاصل کیا گیا ہو۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے فدک کو اپنا خالصہ قرار دیکر اس اہم مسئلہ کو ہمیشہ کیلئے جائز بنا دیا۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ حاکم اعلیٰ اپنی ضروریات زندگی و نماندانی میں بیت المال قومی کا محتاج نہ رہتا۔ اور اس کا بار اس کی ذاتی املاک سے متعلق ہو گیا۔ علاوہ

بہرین وہ نگاہ لشکر و قوم و ملک میں باوقار زندگی گزار سکنے کا مجاز ہو گیا۔ اور تیسرے یہ کہ وہ اپنی زندگی اور اپنی موت کے بعد اپنے اہل و عیال کی پرورش و نگہداشت کیلئے منجرا نہ قومی کا محتاج نہیں رہتا۔ اس صورت

میں اس کے بعد اس کی اولاد فقرو فاقہ و افلاس کا شکار نہ ہو سکے گی اور باوقار زندگی گزار سکے گی۔ ان حالات کے تحت پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔ اور اس میں کوئی جزوی بھی خلاف عدالت نہیں پایا

جائے۔

دوم یہ کہ پیغمبر اسلام پر شخصی و بشری ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ساتھ احکام خدا کی تعمیل بھی فرضی و لایسہ تھی۔ قرآن کا حکم نافذ ہوا کہ جس علاقہ پر فوج کشی کرنے کی ضرورت اہل اسلام کو پیش آئی ہے وہ علاقہ خالصہ پیغمبر ہے۔ اس نظریہ سے بھی پیغمبر اسلام کو فدک کو اپنا خالصہ مقرر کرنا تھا۔ اور چونکہ تعمیل حکم رب الارباب عین عدالت و جان عدالت ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام کا فدک کو اپنا خالصہ قرار دینا۔ اصل عدالت تھا۔

تیسرے اب رہا یہ معاملہ کہ آمدنی فدک پیغمبر اسلام کس کو دیں اور اس کا وارث کس کو بنادیں۔ تو جب تک پیغمبر اسلام زندہ رہے آمدنی علاقہ فدک غرباء، یتیم، مسکین اہل اسلام و بنی ہاشم کو تقسیم ہوتی رہی۔ اور وہ اسے کہ حیات پیغمبر میں کوئی مسلم بجاالت فاقہ و افلاس گزارے اور پیغمبر یا آرام زندگی گذارے یہ کسی طرح بھی مطابق قوانین عدالت نہیں ہو سکتا۔ حاکم اعلیٰ و ہی عادل ہے۔ جو غرباء و مسکین رعایا کو پہلے شکم سیر کر دے اور بعد کو خود کھائے۔ لہذا پیغمبر اسلام اور آل پیغمبر اسلام نے اپنی مخصوص آمدنی کو جو علاقہ فدک سے آتی تھی ہمیشہ غرباء امت پر صرف کیا اور اقتضائے عدالت تھا۔

چوتھا معاملہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک کا وارث حقیقی فاطمہ کو بنا دیا تو آپ کا یہ فعل آیا مطابق عدالت تھا یا خلاف عدالت! اس معاملہ کو آپ اس طرح حل کیجئے۔ کہ پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک بحکم خدا فاطمہ کو ہبہ کیا جیسا کہ آیت قرآن نے ظاہر کیا ہے۔ اور حکم خدا کی تعمیل ہی سب سے بڑی عدالت ہے۔ علاوہ بریں ہم پیغمبر اسلام میں بعد غزوات و سرایا غرباء امت صاحب جائداد و باغات و جاگیر و صاحب دولت و ثروت ہو گئے تھے۔ اور اہل اسلام کا افلاس روز بروز زیادہ رہا۔ اور وارثت سے بدلتا جاتا تھا۔ یہ سب مجاہدان اسلام اپنی محنت و جان فروشی سے خدمت اسلام ہی بجاالت تھے اور اپنی اولاد و عیال کیلئے اسباب حیات ہی جمع کرتے جاتے تھے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام کا یہ حکم تھا۔ (صحیح بخاری باب وصایا) دیکھو یہ بات کہ تم اپنے داروں کو مالدار چھوڑ جاؤ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ماتھ پھیلاؤ۔

پیغمبر اسلام اہل اسلام کو تو حکم عام دے رہے ہیں کہ اپنے بعد اپنی اولاد کو بجاالت افلاس نہ چھوڑو اور خود اپنی اولاد اور وہ بھی اکلوتی بیٹی فاطمہ کو بجاالت افلاس چھوڑ جائیں تو یہ کسی طرح بھی قابل مدح فعل نہیں ہو سکتا اور کیا یہ عمل مطابق عدالت قرار پاسکتا ہے۔ اگر پیغمبر اسلام فاطمہ کو علاقہ فدک نہ دیتے اور ان کو اسی حالت غربت و افلاس میں چھوڑ جاتے تو یقیناً یہ خلاف عدالت فعل ہوتا۔ اور قابل اعتراض بات ہوتی۔ مگر یہ ممکن تھا کہ عدالت محکم کا کوئی فعل عدالت کے خلاف ہو لہذا آپ نے فاطمہ کو علاقہ فدک ہبہ کر دیا۔ اور

آئینہ کیلئے تحریری دستاویز بھی لکھ دی اور یہی معاملہ عین عدالت ہو سکتا تھا۔

دفع اشکال - مورخین و محدثین اسلام نے واقعہ و معاملہ فدک کو فرقہ وارانہ رنگ دیدیا ہے۔ یہ سب ایجا و بندہ ہے۔ پیغمبر اسلام کی ذات گرامی اس قسم کے معاملات سے کہیں بالاتر ہے کہ ان سے کوئی قابل اعتراض امر سرزد ہو جائے۔ بعض محدثین و مورخین کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی وفات کے بعد جو کچھ چھوڑا وہ ترکہ و میراث نہ تھی بلکہ صدقہ تھا۔ اور صدقہ آل رسول پر حرام ہے۔ اسلئے اس میں صرف امتِ رسول کا یہی حق تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حکم و وصیت پر قرآن کی آیت نص میں لہذا جس طرح ہر ہستی کو حق ہے کہ وہ وصیت کرے لہذا پیغمبر اسلام کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں وصیت کریں۔ یہ معاملہ فرقہ ہائے اسلام میں معرکہ الارامٹھ بنا ہوا ہے۔ ہمکو ایسے نرا می معاملات سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ ہمکو تو اس کے علاوہ بات کہنی ہے۔ اور وہ بات ہمارے موضوع عدالت کیلئے ضروری ہے۔

تاریخی عبارات سے واضح ہوا اور مسلمانوں کی ہر کتاب اس امر پر گواہی دیتی ہے کہ علاقہ فدک پیغمبر اسلام کا ترکہ نہ تھا۔ ورنہ و ترکہ تو وہ چیز ہوتی ہے جو انسان مرنے کے بعد چھوڑ جائے اور اس کے حق میں وصیت کیے یا نہ کرے۔ مگر معاملہ علاقہ فدک کا ترکہ و ورثہ سے کوئی تعلق و درکار بھی نہیں ہے۔ علاقہ فدک تو پیغمبر اسلام کا خالصہ قرار پایا۔ اس پر تاریخی و قرآنی شواہد پیش کئے گئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی حیات ہی میں سٹھ حصہ میں ہی علاقہ فدک فاطمہ کو سپرد کر دیا۔ کاغذ لکھوایا، قبضہ دیدیا۔ اب علاقہ فدک فاطمہ کی ملکیت ہوانہ کہ پیغمبر اسلام کی ملکیت۔ اس صورت میں تنازع ترکہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

مزید توضیح - ناظرین کتاب کو یاد ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے قبل بعثت جب فاطمہ کی ماں خدیجہ بنت خویلد سے عقد کیا ہے اور جب کچھ مدت کے بعد حیات خدیجہ ہی میں مبعوث برسالت ہوئے ہیں تو آپ نے دولت کثیر خدیجہ کو غریب امت پر خرچ کر ڈالا۔ سبھولیاں بھر بھر کر روزانہ درہم و دینار باہر بیجاتے تھے اور بے دریغ غریب پر لٹاتے تھے۔ کچھ ہی مدت گزری تھی کہ مسند نشین شہزادی عرب اور متمول ترین تاجر عرب و عجم کے گھر میں بجز بوریہ کے بستر بھی نہ رہتا۔ اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا فرض اور اقتضا عدالت کیا تھا۔ اور خدا جو عادل ترین ذات ہے اس کا کیا فرض تھا۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ خدا عادل ہے لہذا اس نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ علاقہ فدک جو پیغمبر فوج کشی کے تم کو ملا ہے تمہارا خالصہ ہے اس کے بلاشبہ کتے غیر سے تم مالک ہو۔ اور جبکہ تم اس کے مالک ہو تو ہم اپنا حصہ بھی فاطمہ کو دیتے ہیں۔ تم اپنا حصہ بھی فاطمہ کو دیدو تاکہ اس کا حق اسکو پہنچ جائے

اور اس کی مال خدیجہ بروز ششہ یہ نہ کہہ سکے یا اس کو یہ خیال نہ گذرے کہ اسے خدا اور اسے وارث میری
بچی کو اتنا بھی نہ دیا کہ وہ فاقد شکنی بھی کر لیتی۔

پیغمبر اسلام اگر فاطمہ کو علاقہ فدک نہ دیتے تو حقیقت میں خدیجہ کے اموال کا جو پیغمبر نے اصلاح
امت کیلئے اور تبلیغ دین اسلام کیلئے خرچ کیا تھا کوئی بدل نہ ہوتا۔ اور یہ خلاف عدالت بنوسی ہوتا۔
لہذا پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک فاطمہ کو دیکر جہاں عدالت کا مظاہرہ کیا وہاں حقوق اولاد خدیجہ کو بھی ادا
کر دیا اور یہی شان عادل کامل کی ہونی چاہیے۔

عدالت واقعہ ہشتاد و یکم ام عمارہ دختر حمزہ
پیغمبر اسلام غزوہ عمرہ القضاء
سہ ماہ میں جب مکہ سے واپس ہوئے

تو پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ ام عمارہ دختر حمزہ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلیں۔ واقعہ تاریخی اس طرح ہے
کہ علی مرتضیٰ نے خدمت پیغمبر اسلام میں بوقت روانگی مکہ عرض کیا کہ ام عمارہ دختر امیر حمزہ مکہ میں بحالت
تنہائی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہم کیوں نہ ان کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلیں۔ پیغمبر اسلام نے علی کی رائے کو
پسند فرمایا۔ اور حکم دیدیا کہ ام عمارہ کو فاطمہ کے مودع میں بٹھا کر مدینہ لے چلو۔ جب علی ام عمارہ کو مدینہ
لے گئے تو جعفر ازہر زید بن حارثہ اور علی میں کفالت و ولایت ام عمارہ کے معاملہ میں نزاع واقع ہو گئی ان میں
کا ہر شخص یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ام عمارہ کی کفالت کا ذمہ دار ہونا چاہتا ہے۔ زید بن حارثہ کا دعویٰ
اور دلیل یہ تھی کہ چونکہ بذریعہ رشتہ عقد موالات حمزہ میرے بھائی ہیں لہذا ام عمارہ کی کفالت میرے ذمہ
ہونی چاہیے۔ جعفر کا دعویٰ و دلیل یہ تھی کہ ام عمارہ میری قریبی رشتہ دار ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں
ہے۔ علی کا دعویٰ یہ تھا کہ ام عمارہ میری بھتیجی ہے اور فاطمہ بنت رسول میری زوجہ ہے۔ لہذا مجھ کو کفالت
کرنی چاہیے۔ علاوہ یہیں مکہ کے کفار سے میں ان کو نکال کر ہمراہ لایا ہوں۔

بادیہ النظر میں بات معمولی تھی۔ مگر صاحبان احساسات اور صاحبان جذبہ کفالت و مجددی کیلئے مسئلہ
اہم اور اپنی ذمہ داری کا تھا۔ لہذا بات نے طول پکڑا۔ آوازیں بلند ہو گئیں پیغمبر اسلام کو معاملہ کی اطلاع
ہوئی تو اپنے ان ہر سہ دعویداروں کو طلب فرمایا۔ اور اس طرح فیصلہ فرمایا۔

فیصلہ پیغمبر اسلام بالفاظ صاحب تاریخ روضۃ الصفات ص ۱۰۱ جلد اول :-

حضرت فرمود کہ من در میان شما حکم کنم و نخست
ہر یک را فراتر مرتبہ نمودنواختہ در شان علی
فرمود کہ ہر
پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں تم سب کے بارہ
میں حکم دیتا ہوں۔ آپ نے پہلے تو ان
سب کے مراتب کے لحاظ سے نوازش و مہربانی

انت منی و انا منک :-

و جعفر از فرمود :-

اشبهت خلقتی و خلقتی :-

و در بارہ زید فرمود :-

انت اخونا و مولانا :-

بعد ازاں با جعفر فرمود کہ تو سزاوارتری

بہی فطرت ام عمارہ بنا بر آنکہ خالہ او

در خانہ تست و خالہ بمنزلہ مادر است

و فرمود **لا تنکم المراتع علی عمتھا ولا**

حسالتھا -

جعفر ازین فیصلہ مسرور گشت

جعفر اس فیصلہ سے مسرور ہو گئے -

واقعہ قضیہ مذکورہ کو جس طرح پیغمبر اسلام نے سلجھایا ہے - اس کی کیا تعریف ہو سکتی ہے - معاملہ صحابہ

و عزیز ترین افراد میں تھا - فیصلہ تو ہر طرح اور ہر عبارت میں ممکن تھا اور کسی کو بھی سرتانی کی مجال نہ تھی

مگر عدالت کی خوبی یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی جگہ مسرور اور مطمئن ہو اور اس کا دل اس کی قوت فیصلہ

نور اس فیصلہ کو بخوشی قبول کرے - پیغمبر اسلام نے اس فیصلہ میں صرف اظہار عدالت ہی نہ فرمایا - بلکہ

حقوق مراتب اقربا کی تصریح بھی فرمادی - تو انین نکاح کو بھی واضح کر دیا - اور فریق کو مطمئن بھی کر دیا اور

دلیل و حجت بھی بیان فرمادی - کہ جعفر کی زوجہ ام عمارہ کی خالہ ہے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے -

دوسرے شخص کو بھی یہ ورثہ و کفالت نہیں پہنچتا ہے -

یہ ہیں وہ نمونے عدالت نبوی کہ جو نمونہ بنی نوع انسان بن کر ان کو مطمئن کر سکتے ہیں - اور ان کی

اصلاح معاشرہ کر سکتے ہیں -

عدالت واقعہ ہشتاد و دوم قتل عامر بدست محکم خاتمہ

عبداللہ رواحہ کو کچھ فوج

دیکر اعم کی جانب روانہ کیا - ابو خادہ و محکم خاتمہ اس سر یہ میں شریک تھے عامر بن الاموات

الاشجعی اثنائے راہ میں ان سے ملا - عامر ایمان لا چکا تھا - اور خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہی کیلئے آ رہا

تھا - جب عامر اہل اسلام سے ملا - تو اس نے اہل اسلام کو مبارکباد دی - مگر مسلمانوں نے کوئی جواب

نہ دیا۔ اور محکم ختامہ نے آگے بڑھ کر عامر کو قتل کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر پیغمبر اسلام کو ملی اور محکم حاضر خدمت رسول ہوا۔ تو پیغمبر اسلام نے اس پر عقاب فرمایا اور دریافت کیا کہ اے محکم تو نے کیوں ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ محکم نے عرض کیا کہ عامر نے موت سے بچنے کیلئے اظہار اسلام کیا تھا۔ جو اب میں پیغمبر نے فرمایا کہ تو نے اس کے دل کو سپر کر دیکھ لیا تھا۔ کہ اس کے ارادہ سے واقف ہو گیا تھا۔ یاد رکھ زبان ہی دل کی سیفر اور ترجمان ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے محکم کے حق میں بددعا کی۔

محکم بعد از ساعۃ جان شیریں بقالبین اروح مسلم داشت و ادراچوں دفن کردند۔ زمینش بیرون افگند و دسہ نوبت مدفون گشتہ بیرون انداخت و عاقبت اور در میان سنگھا پنہاں کردند
روضۃ الصفاء ص ۱۳۷ جلد اول۔

کچھ دیر کے بعد محکم نے اپنی جان ملک الموت کے حوالہ کر دی اور جب اس کو دفن کیا گیا۔ تو زمین نے اسکو باہر پھینک دیا۔ اور تین مرتبہ دفن کیا لیا ہی ہوا۔ آخر پتھروں کے درمیان اس کی لاش کو چھپا دیا۔۔۔

اس قضیہ میں خود صاحب الصفاء غور فرمائیں کہ کیا ہونا چاہئے تھا۔ اگر پیغمبر اسلام عامر کے قتل کا کوئی لحاظ و پاس نہ رکھتے اور محکم سے کوئی باز پرس نہ کرتے تو یہ ظلم تھا کہ خون کا بدلہ خون نہ لیا گیا اور جبکہ عامر اظہار اسلام کر چکا تھا اور اگر محکم ختامہ کو عامر کے قتل کے بدلہ میں قتل کر دیتے۔ تو بھی عدالت تھا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ محکم نے عامر کو بجاالت کفر و عداوت اسلام قتل کیا جو۔ اور یہ قتل صحیح ہو پھر غور فرمائیے کہ اصل فیصلہ مطابق عدالت کیا ہونا چاہئے تھا۔ صرف وہی جو پیغمبر اسلام نے تجویز کیا۔ ادل آپ نے محکم سے باز پرس و مواخذہ کیا۔ پھر اس کو ہدایت کی و نیز دیگر اہل اسلام کو ہدایت کی کہ کبھی کسی اظہار اسلام کرنے والے کو قتل نہ کیا جائے۔ چاہے وہ کافر و دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دل کی بات کا جاننے والا صرف خدا ہے۔ ان تو صرف زبان کی ترجمانی پر یقین کرنے ہی کو کافی سمجھے۔ تیسرے معاملہ کفر و اسلام کا تھا۔ اور خدا عالم الغیب و واقف اسرار قلب ہے۔

لہذا پیغمبر اسلام نے محکم کیلئے یہ سزا تجویز کی کہ اس کے عمل پر اظہار ناراضگی کیا۔ اور خدا کا معاملہ خدا کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ اور خدا سے ہی کہہ دیا کہ تو محکم کو سزا دے۔ سزا ہمیشہ فعل بد پر ہوتی ہے اس صورت میں اگر عالم غیب کے نزدیک محکم قاتل عامر تھا تو خدا سزا بھی دیتا۔ اور اگر محکم نے عامر کو صحیح طور پر قتل کیا تھا۔ تو وہ معاف کر دیتا۔

بہر حال پیغمبر اسلام نے قطعی فیصلہ عدالتِ اعلیٰ خداوندی میں پیش کر دیا۔ اور یہی مطابق عدالت

ہوئی تھی۔ علاوہ بریں ایک اور قبائست بھی تھی۔ وہ یہ کہ اگر پیغمبر اسلام محکم کو قتل کر دیتے اور عامر کا قصاص قتل کے لیے لیتے تو اسلام عامر تو معلوم نہ تھا۔ لیکن محکم مسلمان تھا۔ اس صورت میں اہل اسلام میں ناراضگی و اشتعال کا فطری جذبہ پیدا ہو جاتا کہ پیغمبر اسلام اپنے جان نثار مسلمانوں کو بے قصور قتل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اشتعال اہل اسلام وین اسلام کے انتشار کا سبب بن سکتا تھا۔ اور وجہ فساد ہو سکتا تھا۔ لہذا وہی صورت النسب تھی جو پیغمبر اسلام نے تجویز فرمائی۔ پیغمبر اسلام کی زبان سے الفاظ بدو معانی نکلے تو معاملہ سچ تھا کہ عامر بدل مسلمان ہو چکا تھا اور محکم اس کا اقراری قائل تھا۔ لہذا وہ بار خداوندی سے محکم کا حکم موت صادر ہو گیا۔

واقعہ شہاد و سوم ایفاء عہد بنی نجران و انتقام زقریش

روضۃ الصفا جلد دوم

صفحہ ۱۰۰

یکے الا شرط صلح حدیبیہ آں بود کہ مسلمانان
تعرض جمعیکہ در عہد قریش باشند نمایند
قریش نیز رسم ہمیں مویب عمل نمایند در آں
جہیں خزانہ کہ آباد اجداد عبدالمطلب بودند
عہد نامہ اور معروف حضرت گروانیدند آں
از معاہدہ ایشان با عبدالمطلب آگاہی
داشتہ و بنا بر التماس خزانہ را رسول اللہ
در امان خویش آوردہ بر عہدیکہ در ایام تجلیت
استحکام پذیرفتہ باشد وہ زمان اسلام
مستحکم تر گردد و زیادہ شدت می پذیرد

عہد میہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان
اس جماعت سے کوئی تعرض نہ کریں جو قریش
سے ہم عہد ہو اور قریش بھی ایسا ہی کریں گے
اسی زمانہ میں یعنی شہ میں بنو خزاعہ جو عبدالمطلب
کے آباؤ اجداد میں تھے آئے اور اس عہد نامہ کو
جو عبدالمطلب سے ہوا تھا پیش خدمت کیا۔ پیغمبر
اسلام اس عہد نامہ سے واقف تھے۔ لہذا پیغمبر
اسلام نے بنو خزاعہ کو اپنی امان میں لے لیا۔ اور
جو عہد نامہ عہد جاہلیت میں ہوا تھا وہی عہد اسلام
میں بھی باقی رہا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ مستحکم و
پابدار ہو گیا۔

یہ واقعہ ادھر ہوا اور ادھر ایسا ہوا کہ قریش میں سے ایک شخص نے پیغمبر اسلام کی شان میں کلمات ناسزا
کہے ایک شخص خزانہ نے اس کو روکا مگر وہ کافر پھر بھی پیغمبر خدا کو برا کہتا رہا۔ اس پر اس غلام خزانہ
کو غصہ آگیا اور اس نے اس شخص کے چہرہ دوسرے کو زخمی کر دیا۔ یہ شخص زخمی بنی ذیل کا آدمی تھا۔
بنی ذیل بنی بکر و بنی نضیر قبائل کے پاس گئے اور انہوں نے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ بنو خزاعہ سے لینے
کا غرض سے ایک جماعت کثیر جمع کی اور بنو خزاعہ کے انتقام کے اور اپنی طاقت کو زیادہ مزایم کرنے کی غرض

سے وہ قریش کے پاس آئے۔ قریش نے اسلحہ بھی فراہم کئے اور عہد شکنی کرتے ہوئے خود شریک بھی ہوئے۔ چنانچہ ان میں کے معروف اشحنی ص کے چند نام یہ ہیں۔ سہیل بن عمرو جو یط بن عبد العزی و عکر بن ابی جہل و صفوان بن امیہ و مکہ زین حفظ اپنے چہروں پر نقابیں ڈال کر بھیس بدل کر جنگ میں شریک ہوئے۔ اور بنو خزاعہ پر رات کو حملہ کر دیا۔ خوب گھسان کی لڑائی ہوئی بنو خزاعہ کم تعداد و کم اسلحہ تھے۔ لہذا ان کے بس افراد قتل ہو گئے۔ آخر خزاعہ ایک مکان میں محصور ہو گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی جان بچائی۔ خزاعہ عبدالمطلب کے ہم عہد تھے۔ اور پیغمبر اسلام نے اس عہد نامہ کی بجز اسلام تجدید فرمادی تھی۔ لہذا خزاعہ نے اس معاملہ کی اطلاع پیغمبر اسلام کو کرنا چاہی اور اس کا بندوبست کیا۔ اب قریش کے معرورین کو اس سے ہوا کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے عہد نامہ و شرائط کے خلاف عمل کیا ہے۔ اور یہ بات پیغمبر اسلام سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ اور چونکہ وہ عادل اعظم ہیں لہذا بنو خزاعہ کا انتقام ضرور لیں گے۔ اور اب ہماری تیر نہیں ہے۔

قریش کے عمائدین نے یاہم مشورہ کیا۔ آخر بیٹے ہوا کہ ابوسفیان کو خدمت پیغمبر اسلام میں تجدید صلح کیے بھیجا جائے۔ اور ابوسفیان روانہ ہو گیا۔ اب آپ ادھر کا معاملہ سنئے کہ بنو خزاعہ نے اپنے منتخب چند افراد کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا یہ افراد تعداد میں پچاس تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے۔ اس وقت پیغمبر اسلام مسجی میں جلوہ افروز تھے اور اصحاب جمع تھے۔ بنو خزاعہ کے فریاد یوں نے دربار نبی میں ان الفاظ سے فریاد شروع کی :-

لاھم انی شاھد محمداً حلف ابینا و ابیہ اللاتلدا

کوئی غم نہیں ہم محمد کو وہ معاہدہ یاد دلائیں گے جو ہمارے قریب خاندان میں ہوا ہے۔
(باقی شعر ترک کر دیئے گئے ہیں۔)

جب پیغمبر اسلام نے ان فریاد یوں کی فریاد اور داستان مصیبت و قتل سنی۔ تو آپ جذبات کھردری سے بھین ہو گئے۔ حالت یہ تھی کہ آپ تہل رہے تھے اور آپ کی عیا کا ایک گوشہ زمین پر خط دے رہا تھا۔ آپ نے اسی جوش عدالت میں فرمایا :-

”حسبک یا عمر“ (عمر خزاعہ کا فریادی)

آے عمر ابن سالم بس کافی ہے۔

نصرت دادہ نشوم اگر نصرت نہ ہم خزاعہ بن بنی کعب را بعون اللہ تعالیٰ۔
اگر میں تمہاری مدد نہ کر دوں تو میری مدد بھی نہ کی جائے۔ خدا مدد گاہ ہے۔

اب آپ اس طرف کا واقعہ سنئے کہ ابوسفیان قریش کا بھیجا ہوا خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا
اصحاب کی خدمت میں گیا کہ وہ سفارش کر دیں۔ اپنی بیٹی ام حبیبہ زویہ رسول کے پاس گیا کہ وہ سفارش
کر دے۔ اس کے بعد علی کو حسین کا واسطہ دیا کہ وہ سفارش کر دیں۔ مگر سب نے صاف انکار کر دیا۔
آخر یونس و مجبور مکہ واپس گیا۔ اور قریش کو کل واقعات سنادینے قریش اپنی عبد شکنی پر پشیمان تھے۔

مگر چہرہ کار سے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ پیغمبر اسلام نے اہل اسلام و لشکر اسلام کو مکہ کی فتح کرنے
کیلئے روانگی و تیاری کا حکم دیدیا۔ واقعات فتح مکہ باب حکمت میں ملاحظہ کیجئے۔

استنباط نتائج

سطور بالا میں مختصر واقعات تاریخی کو درج کیا گیا۔ سب سے پہلے آپ پیغمبر اسلام

کے اس فیصلہ پر غور فرمائیے جو آپ نے خزانہ کے معاہدہ قدیم کی تجدید پر دیدیے
آپ نے فرمایا ہم عہد جاہلیت و عہد قبل اسلام کے معاہدہ پر بھی سب سے زیادہ استحکام کے ساتھ قائم ہیں۔
درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہی حکم مطابق عدالت تھا۔ اس کے علاوہ جو بھی فیصلہ ہوتا۔ وہ خلاف قوانین عدالت
ہوتا۔ دوسرے جب بنو خزاعہ پر وقت مصیبت پڑا اور وہ قتل بھی اور لوٹے بھی گئے۔ اور انہوں نے دربار
رسالت میں فریاد کی تو پیغمبر اسلام نے نہایت زوردار الفاظ میں ان کی نصرت و حمایت کا وعدہ کیا۔ اور اس
وعدہ کو اس طرح فوراً پورا کیا کہ لشکر اسلام کو فتح مکہ کا حکم دیدیا۔ تاکہ قریش کو اتنی جرأت ہی نہ ہو سکے کہ
وہ بار دیگر خزانہ کو قتل و غارت کر سکیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور بنو خزاعہ ہمیشہ کیلئے پر امن زندگی
گزارنے کے حقدار بن گئے۔

اس واقعہ میں عدالت نبوی کے دو اہم پہلو موجود ہیں۔ ایک تو معاہدہ قدیم پر بہرہ قرار رہنا۔ اور
دوسرے خزانہ جو مظلوم تھے ان کی حفاظت کرنا اور ان کے انتقام لینے کیلئے ان کے دشمنوں پر لشکر کشی
کر دینا اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ ان حالات میں کوئی دوسری صورت پیغمبر اسلام اختیار کرتے تو وہ
مطابق قوانین عدالت نہ ہوتی ایک ہی صورت تھی جو اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کرتی ہے۔

واقعہ شہداء و چہارم، عدالت فتح مکہ و عام معافی

حقوق طبقات انسانی کو بہرہ محل ادا کر دینا بھی عدالت
ہے۔ اگر کسی فرد یا جماعت یا قوم یا مہوطن وغیرہ کے
حقوق کو ادا نہ کیا جائے۔ اور ان میں سے خطا دار

اور بے خطا کل افراد کو ایک حکم میں شامل کر لیا جائے اور اس سے اپنی تشنگی انتقام کو فرد کر لیا جائے
تو یہ امر ظلم کہلائے گا۔ اس کلیہ و قاعدہ کی روشنی میں آپ واقعات فتح مکہ کو ملاحظہ کیجئے۔ پیغمبر اسلام
بارہ ہزارہ کا لشکر ہجرت لیکر فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اور مورخین جانتے ہیں کہ اہل مکہ نے

ہر ممکن تکلیف و اذیت پیغمبر اسلام کو پہنچانی تھی۔ یہ تکالیف و اذیت بحالت قیام مکہ بھی دیکھیں اور بعد ہجرت مدینہ بھی ان ہی اہل مکہ نے بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر کے چاہا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو صفحہ مستی سے مٹا دیا جائے۔ مگر جب پیغمبر اسلام نے قریش مکہ کی بد عہدی و عہد شکنی بنو خزاعہ کے معاملہ میں دیکھی اور بنو خزاعہ اپنے حلیف و ہم عہد قبیلہ کا انتقام لینا چاہا اور آپ بارہ ہزار کی جمعیت لشکر ہمراہ لیکر مکہ پہنچے تو آپ نے یہ اقتضایہ عہد بہ انتقام اہل مکہ کے قتل عام کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ وہ عویدہ ان تہذیب و تمدن موجودہ زمانہ میں ایسے مواقع پر عام رعایا کو قتل و غارت کرنے کو قانون موجودہ کے لحاظ سے برا نہیں سمجھتے ہیں اور عام طور پر ایسے مواقع پر رعایا ملک دشمن کو برباد و فنا کر دیتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کو اپنی بہادری و بہتات مندانہ کا نامہ سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

مگر آج سے ۱۱ سو سال قبل پیغمبر اسلام نے موقع فتح مکہ پر ظاہر کر دیا کہ بدترین دشمن قوم و ملک کی رعایا کے ساتھ انتقامی سلوک نہ کیا جائے۔ اور یہ انتقامی سلوک خلاف قانون عدالت ہے۔ اور عین ظلم ہے۔ فتح مکہ کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی طاقت لشکر ہی اہل مکہ کے فنا و برباد کرنے کیسے کافی تھی اور آپ ہر ممکن انتقام لے سکتے تھے۔ مگر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کیسے عام حکم معافی و حکم امان دیدیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر پیغمبر اسلام ان سے داخلہ مکہ کے موقع پر انتقام لیتے تو یقیناً بے گناہ بچے بوڑھے، عورتیں، سریعین ضعیف قتل عام میں آجاتے۔ اور ان کا قتل ہونا ظلم و ظم تھا۔ میدان جنگ میں تو وہی جماعت مقابلہ میں جاتی ہے جو مسلح ہوتی ہے۔ اور مقابلہ فوج کا دم ختم ہوتا ہے۔ ان کا مارا جانا حق بجانب ہوتا ہے۔ مگر اندرون شہر تو پرامن رعایا بھی موجود ہوتی ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اپنے لشکر کو حکم عام دیدیا کہ اہل مکہ پر کوئی تلوار نہ اٹھائے۔ ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۸ :-

شرفاء و عظماء و عمادین مکہ حوالی کعبہ میں
صف بصف موجود تھے۔ اور انتظار کر
رہے تھے کہ ان کے بارہ میں پیغمبر اسلام کا کیا
حکم صادر ہوتا ہے۔ پیغمبر نے اہل مکہ سے خطاب کیا
کہ تم لوگ کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو۔
اہل مکہ نے جواب دیا۔ کہ ہم خیر کی امید
رکھتے ہیں اور خیر کا گمان کرتے ہیں پھر کریم

اکثر منادید قریش و عظماء مکہ در حوالی
کعبہ صف کشیدہ انتظار می بردند کہ دربار
ایشان پر حکم واقعہ خواهد شد۔ آنسرور...
باہل مکہ خطاب کرد کہ :-
مَا تَقُولُونَ وَمَا تَطْمَئِنُّونَ ؟
اہل مکہ جواب دادند :-
لَقَوْلٍ خَيْرًا وَّلَطْمِ خَيْرًا اَخْ كَرِيم

و ابن ابی کرم قدر قدرت علیہ
بھائی سے جو تمہارے کریم بھائی کا فرزند
ہے۔ بیشک آپ نے ہم پر قدرت پائی ہے
ہم سب بے بس اور مجبور سے ہر خدمت میں۔

اذھبوا فانتم الطلقاء

پیغمبر اسلام نے ان کا جواب سنکر ارشاد فرمایا۔ "جاؤ تم کو میں نے آزاد کر دیا۔"

اس موقعہ اہم پر پیغمبر اسلام کا یہ کارنامہ عدالت جس کی مثال تاریخ عالم کبھی پیش نہیں کر کے گی ایسا نمونہ
عدالت کا ملہ ہے۔ جو ہمیشہ کیلئے اقوام عالم کے مدبرین و مسلمین کیلئے مشعل ہدایت رہے گا۔ پیغمبر اسلام نے
اس موقعہ پر اہل مکہ کو آزاد کر کے ہزاروں بچوں بوڑھوں عورتوں و مرغان کی جانیں بچالیں۔ کیونکہ لشکر
اسلام کے سپاہی اہل مکہ سے بے دردی کے ساتھ انتقام ضرور لیتے اور قتل عام کا بازار کئی روز تک گرم
رہتا۔ حقوق انسانی کی حفاظت اور بے گناہوں کی جانوں کی حفاظت بھی عین عدالت ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام
نے وہ طریقہ اختیار فرمایا جو مطابق عدالت تھا۔ اس فتح مکہ کے موقع پر خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر اپنی عبادت
کو حکم جنگ دیدیا تھا۔ جس میں تقریباً تیس افراد دشمن قتل ہو گئے اور گیارہ مسلمان سپاہی بھی مارے گئے
تھے۔ جب اس واقعہ کی اطلاع پیغمبر اسلام کو ہوئی تو آپ نے فعل خالد بن ولید سے بیزاری کا اظہار فرمایا
اور خالد کو ان الفاظ میں ڈانسا۔

روضة الصفا جلد دوم ص ۷۱

حضرت مقدس نبوی با او خطاب فرمود کہ
با وجود آنکہ پیغام دادند کہ دست از
قتل ایشان باز دار سپہا خلاف کردی

پیغمبر اسلام نے خالد سے خطاب کیا کہ باوجود
اس کے کہ میں نے پیغام دلوایا تھا کہ ان کے
قتل سے باز آ پھر تو نے خلاف حکم کیوں کیا؟

مذکورہ تاریخی عبارت سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اہل مکہ سے جنگ اور ان پر حملے کرنے کو منع
کر دیا تھا۔ اور جب خلاف حکم رسول حملہ کر دیا تو آپ نے خالد بن ولید کو ڈانسا اور منع کیا۔ اور خالد
نے معذرت چاہی۔ علاوہ بریں اس واقعہ سے یہ ثبوت مل گیا کہ پیغمبر اسلام اہل مکہ اور عام رعایا مکہ
کے حقوق انسانی کی حفاظت کر رہے تھے اور لشکر اسلام کے دامن کو داغ ظلم سے بچانا چاہتے تھے۔ اور
ایک بہترین نمونہ عدالت اہل دنیا کیلئے قائم کرنا چاہتے تھے۔

عدالت واقعہ ہشتاد و پنجم توطن مدینہ
پیغمبر اسلام نے جب اہل مکہ کو آزاد
کر دیا اور بہ آواز بلند اعلان کر دیا

کہ اسے اہل مکہ اور اہل مدینہ تم سب مساوی حقوق انسانی رکھتے ہو۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کو

دوسرے پر ترجیح دے کیونکہ تم سب آدم خاکی کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو
صاحب تقویٰ ہو اور مطیع خدا و رسول و محقق حقوق انسانیت ہو۔ جب انصار و اہل مدینہ نے پیغمبر
کے یہ الفاظ سنے تو باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اب تو محمد نے اپنے وطن کو حاصل کر لیا۔ اور اپنے
ہموطنوں اور ہم قبیلہ افراد پر اظہار شفقت کرنے لگے۔ ہم اہل مدینہ سے ان کو اب کیا سروکار رہے گا اور
مدینہ سے کیا واسطہ ہوگا۔

جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ انصار ایسا کہہ رہے ہیں۔ اور ان کا ایسا خیال ہے کہ میں فتح مکہ کے
بعد مدینہ کو ترک کر دوں گا اور اپنا وطن مکہ ہی کو بنا لوں گا۔ تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا اور بالفاظ
تاریخ روضۃ الصفا ص ۲۸ فرمایا :-

آنحضرت نے فرمایا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ میں
ایسا کروں کہ مدینہ کو ترک کر کے پھر مکہ کو وطن
بنالوں۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور خدا کا رسول
ہوں۔ میں نے خدا کی جانب اور تمہاری جانب
ہجرت کی ہے۔ اب میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور میری موت تمہاری موت کے
ساتھ ہے۔ یہ سن کر انصار رونے لگے اور معذرت چاہی۔

انصار و اہل مدینہ کو خیال تھا کہ جب کبھی پیغمبر اسلام مکہ کو فتح کریں گے تو ان کو ان کی دشمنی کی سزا
دیں گے۔ اور ان کا قتل عام جائز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اب تک قوموں کو انہوں نے ایسا ہی کرتے ہوئے
دیکھا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ پیغمبر اسلام نے خلاف دستور زمانہ سب اہل مکہ کو آزاد کر دیا۔ تو انکو
تعجب ہوا۔ اور یہ خیال ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ہموطن ہونے کی حیثیت سے اہل مکہ کے ساتھ یہ شفیقانہ
سلوک کیا ہے۔ اب ان کو بدگمانی پیدا ہوئی کہ شاید پیغمبر اسلام اہل مدینہ اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ ہی میں سکون
اختیار کریں گے۔ ان کا یہ خیال کسی حد تک صحیح ہو سکتا تھا۔ مگر اس حالت میں جبکہ پیغمبر اسلام کی جگہ ایسے موقع
پر اگر کوئی دوسرا فاتح مکہ ہوتا۔ مگر حکیم عادل کامل سے خلاف عدالت و حکمت کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا
تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے انصار کو طلب فرمایا کہ ان کے شبہ کا ازالہ کر دیا۔ اور ان سخت و مستحکم الفاظ میں
مدینہ ہی کو وطن بنانے کا اعلان کیا۔ جن سے بہتر الفاظ ممکن ہی نہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میری زندگی اور
موت تمہاری زندگی اور موت سے وابستہ ہے۔

اگر فتح مکہ کے بعد پیغمبر اسلام مکہ کو اپنا وطن قرار دے لیتے۔ تو ظاہر ہے کہ مکہ پیغمبر اسلام کا وطن

قدیم تھا ہی۔ پھر اس میں ہرجائی کیا تھا۔ مگر درحقیقت یہ امر خلاف عدالت تھا۔ کیونکہ ابتدا سے انتہا تک تو مصائب و تکالیف و افلاس میں اہل مدینہ نے سائقہ دیا تھا۔ اب اگر طاقت حاصل ہو جانے کے بعد مرکزیت یا دارالسلطنت پھر مکہ ہی کو حاصل ہو جاتی تو اہل مدینہ کے حقوق سب ختم ہو جاتے اور یہ کام خلاف قوانین عدالت ہوتا۔ اس لئے پیغمبر اسلام نے انصار کو ان الفاظ میں تسلی دی۔ اور ان کو یقین دلایا کہ میں نے مدینہ کو اپنا ایسا وطن بنایا ہے کہ جس فتح مکہ بھی میں مکہ واپس نہ آؤں گا۔ اور تا قیامت ارغون پاک مدینہ ہی میں رہوں گا۔ اور بروز قیامت بھی مدینہ ہی کی سرزمین سے اٹھوں گا۔ یہ یعنی وہ عدالت پیغمبر اسلام جس کی نظیر کبھی تاریخ عالم پیش نہ کر سکے گی۔

عدالت واقعہ ہشتاد و ششم حکم قتل بعض اعدائے دین

مطابق عمل سزا دینا

دینا عین عدالت ہے

سطور مندرجہ ذیل میں کچھ ایسے واقعات بالترتیب درج کرتا ہوں۔ جن سے عدالت پیغمبر اسلام کا اظہار ہوگا جب مکہ فتح ہو گیا تو۔ پیغمبر اسلام نے گیارہ مرد اور چھ عورتوں کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ وہ حرم یا بیرون حرم جہاں بھی پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں ان کی مختصر تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱، عبد العزیز بن حنظل۔ عبد العزیز قبل فتح مکہ مدینہ میں آیا اور خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کا نام اسلامی عبداللہ رکھا اور اس کو زکوٰۃ وصول کرنے کی خدمت پر مامور کر کے روانہ کر دیا۔ ایک شخص خزاعی کو اس کے ہمراہ اس کی مدد کیے کر دیا۔ عبداللہ نے اس مرد خزاعی کو حکم دیا کہ جب وہ خواب راحت سے بیدار ہو تو اس کیلئے طعام تیار کر رکھے۔ اس مرد خزاعی نے سستی کی اور وقت پر طعام تیار نہ کر سکا جب عبداللہ خواب سے بیدار ہوا تو اس نے غصہ میں اس مسلم خزاعی کو قتل کر دیا۔ اور پھر سوچا کہ اگر میں مدینہ جاؤں گا تو نقصان میں قتل کیا جاؤں گا۔ لہذا صدقہ کے مویشیوں کو ہمراہ لے بیٹھے مکہ واپس ہو گیا۔ اور دین اسلام سے مرتد ہو گیا۔ یہ عبد العزیز مکہ ہی میں رہا یہاں تک کہ مکہ پر اہل السلام کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت عبد العزیز نے اپنے کولیس پر وہ خانہ کعبہ چھپا دیا۔ مگر پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اس کو وہیں قتل کر دیا جائے اور وہ قتل کر دیا گیا۔ نقصان مسلمان لیا گیا لہذا یہ فعل عدالت ہے۔

(۲) عبداللہ بن سعد بن سعد بن رضاعی عثمان بن عفان بن ابی سرح یہ شخص مدینہ میں تھا۔ اور پیغمبر اسلام کے حکم سے کتابت

واقعہ ہشتاد و ششم
عبداللہ بن سعد

وحی پر مامور تھا۔ مگر جب آیات قرآنی کو لکھتا تھا تو ان میں ترمیم و تبدیلی کرتا رہتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ محمد کو تو کچھ خبر نہیں ہے میں جو چاہتا ہوں لکھتا ہوں اور جو چاہتا ہوں محمد کو بتا دیتا ہوں۔ علاوہ میں قرآن محمد پر بھی نازل ہوتا ہے اور مجھ پر بھی نازل ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کو عبد اللہ کی ان سرکات کی اطلاع ہوئی۔ اور اس کو اس بات کا پتہ لگ گیا تو وہ مکہ بھاگ گیا۔ پیغمبر اسلام نے اہل اسلام کو حکم دیدیا کہ اس کو جہاں پاؤں قتل کر دیں۔

۱۱، ایسا حکم کیوں دیا گیا اس کا تعلق قوانین عدالت سے کیا تھا۔ عبد اللہ کے تین بھائی تھے۔ پہلا بھائی قرآن کی آیات میں تحریف۔

۱۲، دوم خدا اور رسول پر افتراء و انتہام۔

۱۳، سوم محبط وحی اپنی ذات کو ظاہر کر کے دعوت رسالت و نبوت۔

ان ہر سہ جرائم کی سزا قتل تھی۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اس قتل کا حکم عام دیدیا اور یہی حکم مطابق عدالت ہو سکتا ہے۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ دوڑا ہوا عثمان بن عفان صحابی پیغمبر اسلام کے پاس گیا اور اپنے حقوق بحیثیت برادر رضاعی جتنا کہ سفارش کی درخواست کی۔ عثمان عبد اللہ کو ہمراہ لیکر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ اور نہایت ہی زور دار الفاظ میں مختلف حقوق یاد دلا کر سفارش کی مگر پیغمبر اسلام نے منہ پھیر لیا۔ عثمان نے پھر پیغمبر اسلام کا سر اپنی بغل میں لے لیا اور بہت تفرقہ و زاری سے عبد اللہ کی سفارش کی۔ اور بار بار عرض کیا کہ آپ زبان مبارک سے کہہ دیجئے کہ میں نے معاف کیا۔ آخر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ معاف کیا۔

جب عثمان اور عبد اللہ بن سعد پیغمبر اسلام کے سامنے سے چلے گئے تو پیغمبر اسلام نے ہاتھ

سے فرمایا :-

”تم کو کیا ہو گیا تھا کہ اتنی تاخیر کرنے کے بعد بھی تم نے اس کتے کے سر کو قلم نہ کیا۔“

عباد بن بشر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اشارہ چشم بھی کر دیتے تو ہم اس کی گردن اڑا دیتے

پیغمبر نے فرمایا کہ :-

”کوئی پیغمبر انکھوں کے اشارہ سے کلام نہیں کرتا ہے یہ شان پیغمبری کے خلاف ہے۔“

بہر حال عبد اللہ نے پھر اسلام قبول کر لیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۴۹۔

غور طلب امر یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے گیارہ افراد کے بارہ میں نام بنام اعلان کر دیا تھا کہ ان کو

جہاں پایا جائے قتل کر دیا جائے ایسی حالت میں عثمان کا عبداللہ برادر رضاعی کی سفارش کرنا ہی خلاف حکم رسول تھا۔ پیغمبر اسلام نے پھر بھی عثمان کی دشمنی بحیثیت ایک مصلح کے کی۔ اور تا دیر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور یہ خیال فرماتے رہے اور اس بات کا موقعہ دیتے رہے کہ کوئی دوسرا مسلمان عبداللہ کی گردن مار دے۔ مگر کسی نے ہمت نہ کی اور ارادہ بھی نہ کیا تو پیغمبر اسلام پر ظاہر ہو گیا کہ عثمان کے ہم خیال سب حاضرین ہو گئے ہیں۔ لہذا اس صورت میں اگر عبداللہ کی گردن ماری جاتی ہے تو اصحاب کی دشمنی ہوگی اور ان نو مسلموں میں پھوٹ پیدا ہو کر حالت فساد فی الاسلام پیدا ہو جائے گی۔ لہذا آپ نے باقتضاء مصلحت و حکمت عملی عبداللہ کو معافی دیدی۔ عبداللہ پہلے مسلمان تھا۔ پھر اس نے جو ہم سنگین کیا۔ مجرم تو انہیں ہو گیا۔ پھر اپنے فعل بد سے توبہ کی اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ علاوہ بریں ایک مسلمان کی سفارش بھی لایا۔ اس سفارش پر حاضرین دوبارہ رسالت نے سکوت و فرمانبرداری بھی ظاہر کیا ان حالات میں مطابق حکمت و عدالت یہی تھا کہ عبداللہ کی خطا کو معاف کر دیا جائے۔ اگر اس موقعہ پر ان حالات کی موجودگی میں پیغمبر اسلام عبداللہ کو قتل کر دیتے تو گویا یہ خدا اور اصرار حکومت سمجھا جاتا۔ حکمت و عدالت کے مطابق یہ فعل نہ ہوتا۔

لہذا عبداللہ کی معافی مطابق قوانین عدالت تھی۔ اور اگر قتل معافی کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو بھی مطابق قوانین عدالت تھا۔ کیونکہ جرائم ہی اسکو مستوجب قتل قرار دیتے تھے۔ علاوہ بریں ایک پہلو اس واقعہ میں یہ بھی تھا کہ عبداللہ کے قتل کا حکم تو پہلے دیا جا چکا تھا۔ مگر جب معذرت خواہ ہوا اور اس نے اپنے فعل سے توبہ کی تو وہ پھر اپنے سابقہ حقوق انسانی و اسلامی کا مستفاد ہو گیا۔ اور حق یہی تھا کہ اس کو معاف کر دیا جائے اور یہی مطابق عدالت تھا۔ مزید یہ کہ جب عثمان بن عفان نے عبداللہ کی سفارش اپنا برادر رضاعی ظاہر کرتے ہوئے کی تو گویا عثمان نے اپنے حقوق اسلامی و انسانی میں عبداللہ کو شریک کر لیا۔ اور ان حقوق کی ادائیگی پیغمبر اسلام پر مطابق عدالت واجب تھی لہذا عبداللہ قابل معافی قرار پایا لہذا اس واقعہ میں وزیر متفاد احکام پائے جاتے ہیں۔ مگر ہر دو حکم مطابق محل و موقعہ عدالت میں۔

عدالت واقعہ ہشادو ششم

(۳) حویرث بن نفیر۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کی جو گوی کرتا

تھا اور بہت برا کہتا تھا پیغمبر اسلام نے اس کا خون

بہر کر دیا تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کی تلاش کی جا رہی ہے تو وہ روپوش ہو گیا۔ علی ابن ابی طالب اس کے مکان پر پہنچے مگر وہ مکان سے نکل کر مفرور ہو گیا۔ علی رضی نے اس کا تعاقب کیا راہ میں ایک جگہ

۱۔ اس سے دو چار ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ تو انہیں اسلام نے خدا اور رسول کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل رکھی ہے اور تو انہیں سلطنت بھی پہنچی ہے کہ حکومت کے باغی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تو ان حکومت کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ دین اسلام کا معاملہ تھا۔ دین اسلام عبادت خدا اور رسول کا حکم دیتا ہے۔ تو اس صورت میں جو بیعت خدا اور رسول کا بدگو اور باغی تھا۔ اس کی سزا قتل ہی ہو سکتی تھی۔ اور یہی حکم عدالت تھا۔

عدالت واقعہ ہشام و پنجم | (۴) مقیس بن سبایہ۔ واقعہ یہ ہوا کہ مقیس کا بھائی ہشام مدینہ آ کر مسلمان ہو گیا غزوہ مریسہ میں اسکو

ایک انصاری نے کافر سمجھتے ہوئے قتل کر دیا مقیس مکہ سے مدینہ آیا اور اپنے بھائی کا خون بہا انصاری سے طلب کیا پیغمبر اسلام نے حکم عدالت انصاری کو حکم دیا کہ وہ ہشام کا خون بہا اور کہیں۔ مقیس مسلمان ہو گیا اور اپنے بھائی ہشام کا خون بہا انصاری سے وصول کر لیا اور جب اس کو موقع ملا تو اس نے اپنے بھائی کے انتقام میں اس کے قاتل کو قتل کر دیا۔ اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔

پیغمبر خدا نے اس کے خون کو پھر کر دیا تھا۔ جس روز مکہ فتح ہوا اسی دن مقیس مشرکین مکہ کے بھر مٹ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ ایک مسلمان نے اس کو وہیں قتل کر دیا۔ مقیس نے ہشام کا خون بہا طلب کیا پیغمبر اسلام نے انصاری سے ہشام کا خون بہا مقیس کو دلایا۔ یہ حکم عدالت تھا۔

جب مقیس خون بہانے چکا تو مسلمان ہو گیا اور اس نے ہشام کے قاتل مسلمان انصاری کو قتل کر دیا اس کے بعد مرتد ہو کر مفرور ہو گیا۔ اس صورت میں مقیس پر دو قسم کا جرم عاید ہوا۔ ایک مرتد ہونا اور دوسرے مسلمان کا قتل کرنا۔ لہذا اقتضائے عدالت یہی تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور وہ قتل کیا گیا۔

عدالت واقعہ لودرام | (۵) ہبار بن اسود یہ شخص پیغمبر اسلام کو اذیت دیتا تھا بہر اکتفا تھا۔ روز فتح مکہ یہ شخص بخوف جاں ردپوش ہو گیا۔

جب پیغمبر اسلام مدینہ واپس ہو گئے تو وہ خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا معافی مانگی زبان پر کلمہ توحید جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کی خطا معاف کر دی۔

چونکہ ہبار کا جرم صرف ذات پیغمبر سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ پیغمبر اسلام کا مخصوص مجرم تھا۔ اس نے جرم کا اقرار کیا، پھر معافی مانگی اسلام قبول کیا۔ اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام اس کو قتل کر دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا۔ پیغمبر اسلام کی ذات اس سے بالاتر تھی کہ ان سے کسی قسم کا ظلم سرزد ہو۔ لہذا اپنے

اس کے جرم کو معاف فرمادیا اور مقصدانے عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نو دو ویکم

(۶) صفوان بن امیہ یہ شخص مذمت پیغمبر اسلام میں بہت

مبالغہ و غلو کرتا تھا۔ اور سخت دشمن اسلام تھا۔

پیغمبر اسلام نے روز فتح مکہ دیکھا کہ وہ جہاں کہیں پایا جائے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ بعد فتح مکہ سفر پر ہو گیا۔ یہ شخص کشتی کے ذریعہ دریا عبور کر رہا تھا کہ عمیر بن وھب نے خدمت پیغمبر میں واقعہ یا کیا اور اس کی جان بخشی کی درخواست کی۔ پیغمبر اسلام نے معاف فرمادیا۔

عمیر نے جا کر صفوان کو اطلاع دی۔ اس کو سخت تعجب ہوا کہ پیغمبر اسلام کیونکر اس جیسے خبیث دشمن کو معاف کر سکتے ہیں۔ لہذا اس نے قسم کھائی کہ وہ ہرگز واپس نہ ہو گا جب تک کہ محمد اپنی کوئی نشانی میرے پاس نہ بھیجیں گے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا عمامہ مبارک عمیر کو دیدیا۔ عمیر عمامہ پیغمبر کو لیکر صفوان کے پاس پہنچے۔ صفوان مکہ واپس آ گیا اور حاضر خدمت رسول ہوا اور عرض کی اے محمد عمیر کتنا ہے کہ تم نے دو ماہ کیلئے امان دی ہے کیا یہ مطابق واقعہ ہے یا نہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے صفوان میں نے تجھ کو چار مہینے کیلئے امان دی۔ صفوان باوجود مشرک ہونے کے غزوہ طائف اور حنین میں پیغمبر اسلام کا ہمرکاب رہا۔ جب مقام جحرانہ پر پہنچے تو صفوان نے ایک گھاٹی میں بہت سے مویشی دیکھے تاہم ان کو دیکھتا رہا اور ان میں سو چتا نہ تاکہ وہ ان سب کو خرید سکتا تو کیا اچھا ہوتا۔۔۔

پیغمبر اسلام نے صفوان کی لہجائی بونی نظروں کو پہچانا اور فرمایا کہ اے صفوان میں نے یہ سارے مویشی تجھ کو بخشے۔ صفوان نے خوشی خوشی ان اونٹوں اور گوسفندوں کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اور کہا

مَا طَابَتْ نَفْسٌ أَحَدٍ مِّمَّنْ هَذَا إِلَّا لِنَفْسٍ نَبِيٍّ - اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

ایسا پاکیزہ نفس بجز نبی کے کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا ہے۔

واقعہ صفوان اور اس کی جان بخشی و عطیہ پیغمبر اسلام وغیرہ واقعات ایسے ہیں جن سے عدالت

پیغمبر اسلام حکمت، سخاوت و مروت، رواداری وغیرہ اجناس فضائل کا اظہار ہوتا ہے۔ صفوان

دشمن پیغمبر اسلام تھا۔ اور باوجود عامری دربار رسالت مہینوں حالت مشرک و کفر پر رہا مگر

چونکہ عمیر نے اس کی سفارش کر دی تھی اور اس سفارش میں حقوق انسانی کی ادائیگی تھی لہذا پیغمبر اسلام

نے سفارش عمیر منظور کر لی۔ پھر اتنا ہی نہ کیا۔ بلکہ اس کو ہمرکاب بھی رکھا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر اس

کو کثیر التعداد مال مویشی شتر و گوسفند وغیرہ بخش دیئے۔ ایسی مثال مروت و عدالت و کرم تاریخ

عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

واقعہ نود و دوم

(۷) کعب بن زہیر۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کی بھوکیا کرتا تھا۔ اور جو قصائد کہتا تھا۔ روز فتح مکہ مفروز ہو گیا۔ بعد کو اس نے اپنے بھائی

بحیر بن زہیر کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا تاکہ معلوم کرے کہ پیغمبر اسلام کا سلوک کیا رہتا ہے۔ بحیر خدمت پیغمبر میں گیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب کعب کو معلوم ہوا کہ بحیر مسلمان ہو گیا اور بحیر نے آکر کعب کو واقعہ کی اطلاع دی تو کعب سال نہم میں مدینہ آکر مسلمان ہوا اور اس نے پیغمبر اسلام کی شان میں ایک بلند مضامین قصیدہ پیش کیا پیغمبر اسلام بہت مسرور ہوئے اور اس کو انعام کثیر دیا۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام نے کعب کو صرف معاف ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے قصیدہ مدحیہ کے صلہ میں انعام کثیر بھی دیا۔ یہ فعل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پر مبنی تھا۔

عدالت واقعہ نود و سوم

(۸) عبداللہ بن الزبیری شاعر عرب جو پیغمبر اسلام کی بھوکیا میں قصائد لکھتا تھا اور قریش مکہ کو جنگ اہل اسلام کی تہمت

دیتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ بعد فتح مکہ پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم عام دیدیا ہے تو مکہ سے فرار کر کے بخران چلا گیا۔ آخر اس کے دل میں نور اسلام ہمیا پاش ہوا۔ وہ بخران سے روانہ ہوا۔ پیغمبر اسلام نے جب دور سے آتے ہوئے اسے دیکھا تو کہا۔ یہ ابن زبیری ہے اس کے پہرے سے نور اسلام جھلک رہا ہے۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور آتے ہی کہا۔ اشھد ان اللہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اور میں نے دشمنی اسلام میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ جو چاہیں آپ مجھے اس کی سزا دیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ قبول اسلام سابقہ خطاؤں کو محو کر دیتا ہے۔

پیغمبر اسلام نے ابن الزبیری کے بارہ میں قتل کا حکم عام دیا۔ تو یہ عدالت پیغمبر تھی۔ کیونکہ دشمن خدا و رسول کی ہی سزا ہے۔ اور جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ حقوق اسلامی و انسانی دونوں کا تحفظ ہو گیا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اس کے حقوق ادا کر کے اظہار عدالت فرمایا۔

واقعہ نو و چہارم

(۹) سارث بن الطالعہ یہ شخص پیغمبر اسلام کو اذیت دیتا تھا۔ اور بھوکتا تھا پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ علی ابن ابی طالب نے پورے

فتح مکہ اسکو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ دشمن خدا و رسول کی سزا قتل ہی ہو سکتی تھی۔ لہذا باقتضا

واقعہ نو روپہم، عدالت

(۱۰)

وحشی۔ اس شخص نے امیر حمزہ ابن عبدالمطلب کو قتل کیا تھا۔ اہل اسلام کو اس شخص کے قتل کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ شخص بروز فتح مکہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ کہیں مفر نہیں ہے تو مجبوراً ایک جماعت طائف کے ساتھ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔ پیغمبر اسلام نے وحشی سے دریافت فرمایا کہ تو قاتل حمزہ ہے۔ وحشی نے عرض کیا ہاں میں ہی قاتل حمزہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ بیٹے ماجا اور میرے چچا حمزہ کے قتل کا حال بیان کرو وحشی نے پورا واقعہ قتل حمزہ کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے سے چلا جا اور اب کبھی میرے سامنے نہ آنا۔ وحشی اس کے بعد ملاقات پیغمبر سے گزریاں رہتا تھا۔ عبدخلافت ابوبکر میں برفاقت خالد بن ولید مسلمہ کتاب کی جنگ میں شریک ہوا۔

تیسرے - حمزہ ابن عبدالمطلب بہادر ترین خاندان کے بہادر ترین فرد تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے بعد پیغمبر اسلام کی طاقت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بہادران عرب ان کے مقابلے سے گزریاں رہتے تھے۔ ان کا رعب قریش پر چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام کو ان کی شہادت پر بہت افسوس ہوا تھا۔ بایں ہمہ عدالت پیغمبر اسلام کا منظر ویدنی ہے کہ ایسے دشمن اور قاتل حمزہ کو بعد قبول اسلام معاف کر دیا۔ بادیہ النظر میں ایسا معذور ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہوا کیونکہ قتل کی سزا قتل ہے۔ مگر یہاں حالات مختلف ہیں۔ حمزہ کو جب وحشی نے قتل کیا تھا تو وحشی کافر تھا اور حمزہ مسلمان تھے۔ اسلئے وحشی کیلئے قتل عام کی اجازت عین عدالت تھی۔ مگر جب وحشی مسلمان ہو گیا تو مطابق وعدہ پیغمبر اسلام کے قبول اسلام ان کے پہلے افعال بد کو محو کر دیتا ہے۔ بعد قبول اسلام وحشی اس فیصلہ و حکم کے تحت آگیا۔ اس حالت اسلام میں اگر وحشی کو پیغمبر اسلام قتل کروا دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا۔ اور وعدہ خلافی و خلاف قانون اسلام فعل ہوتا۔

لہذا ان حالات میں وحشی کے جرم کو معاف کر دینا ہی عدالت تھی۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے اس کو معاف کر دیا۔ مگر باقتضاء محبت رشتہ اسلام و بلحاظ احترام شہدائے راہ خدا پیغمبر اسلام نے قاتل مسلم کے لئے یہ حکم دیدیا کہ وہ آپ کے سامنے کبھی نہ آئے۔ پیغمبر اسلام کے اس فعل سے اہل اسلام پر یہ امر واضح رہا کہ وحشی نظر پیغمبر اسلام میں قابل ملامت ہے۔ اگرچہ قبول اسلام نے اس کی جاں بخشی کر دی ہے مگر پیغمبر اسلام کی ناراضگی اور نفرت اس کو نجات عافیت و آخرت سے محروم ہی رکھے گی۔ اور پیغمبر اسلام

کے ایسا کرنے سے دوسروں کیلئے عبرت اور نصیحت کا موقع بھی نکل آیا۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر ظہار عدالت بھی فرمایا ہے اور حقوق اسلامی و حقوق انسانی کی حفاظت کر کے نمونہ ہدایت بھی ظاہر کیا ہے۔

عدالت واقعہ نو و ششم | (۱۱) عکرمہ بن ابی جہل - روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۰

”از انجملہ عکرمہ بن ابی جہل بود و سبب اہلاروم او آنکہ در

ایام حیات پدر خود در ایذا آنحضرت باو شرکت فرزندید سے و بعد از وفات او با ابوسفیان و

دیگر مشرکان بقصر حضرت مقدس نبوی بر مسلمانان لشکر کشیدے۔“

ترجمہ: منجملہ دیگر افراد کے ایک شخص عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اس شخص کے قتل کا حکم اسلئے دیا گیا تھا

کہ یہ شخص اپنے باپ ابو جہل کی زندگی میں پیغمبر اسلام کی اذیت رسائی میں باپ کا شریک کار تھا۔

اور ابو جہل کے مرنے کے بعد ابوسفیان اور دیگر مشرکین مکہ کے ہمراہ پیغمبر اسلام کے قتل کرنے کے

ارادہ سے مسلمانوں پر بار بار لشکر کشی کرتا تھا۔

عکرمہ بہت پیالاک تھا سال فتح میں جانب یمن بھاگا۔ عکرمہ کی زوجہ ام حکیم بنت عمارت بن ہشام تھی

اور عمارت ابو جہل کا بھائی تھا۔ اس زمانہ میں کہ زمانہ مکہ نے اسلام قبول کیا تو ام حکیم نے پیغمبر اسلام سے

عرض کیا کہ میرے چچا کا بیٹا آپ کے خوف سے یمن بھاگ گیا ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید ہے کہ

آپ اس کو عمان کی امان دیں گے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ اے ام حکیم میں نے تیری خاطر اس کو امان دی اور

حکم دیا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کرے۔

اس کے بعد ام حکیم ساحل پر گئی دیکھا کہ عکرمہ کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو چکا ہے۔ ام حکیم نے دور سے اشارہ

کیا کہ وہ واپس آئے۔ عکرمہ ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر واپس آیا۔ ام حکیم نے کہا اے عکرمہ میں بہترین خلاق اور

محکم اخلاق کے پاس سے آ رہی ہوں واپس آؤ واپس آؤ کہ تجھ کو پیغمبر اسلام نے امان دیدی ہے۔ عکرمہ کو بہت

تعجب ہوا اور کہا کہ اے ام حکیم یہ کیا کہتی ہو۔ یہ کب ممکن ہے کہ باوجود اسقدر اذیت رسانی و لشکر کشی کرنے کے

مجھ کو امان دیدی جائے۔

ام حکیم نے کہا کہ پیغمبر اسلام کا کرم و اخلاق اس سے کہیں زیادہ ہے جس کی تعریف ہو سکے۔ عکرمہ واپس

راضی ہو گیا۔ جب وہ قریب بارگاہ رسالت پہنچا تو پیغمبر اسلام کو معلوم ہو گیا آپ نے اصحاب سے فرمایا۔

یا تیکم عکرمہ بن ابی جہل مومننا مهاجرا فلا تمبوا ایا لافان سب المیت یوذی الھی

ولا یبلغ المیت۔

اے اصحاب عکرمہ بن ابی جہل آ رہا ہے وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ مہاجر ہے اس کے باپ

ابو جہل کو اس کے سامنے گالیاں نہ دینا۔ یقیناً میت کو گالی زندہ کو اذیت پہنچاتی ہے وہ گالی میت کو نہیں لگتی ہے۔

اتنے میں عکرمہ حاضر خدمت رسالت ہوا۔ عرض کیا کہ امی حکیم کہتی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دی ہے پیغمبر اسلام نے فرمایا بیشک میں نے تجھ کو امان دی ہے۔ عکرمہ نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اور عرض کیا اے محمد میں نے آپ کی مروت و صداقت اور وفا کی بصدق دل تصدیق کی اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایذا رسانی و بیخ کنی اسلام و آپ کی تکذیب میں سے جو کچھ کیا ہے اس کو آپ معاف فرمائیں گے۔ اور خدا سے میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں گے۔

پیغمبر اسلام نے عکرمہ کیلئے دست بردار ہو کر طلب مغفرت فرمائی۔

طیغیہ ہر واقعہ تاریخی سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کی معافی پیغمبر اسلام کا عفو عظیم تھا۔ بیشک پیغمبر اسلام نے اس موقع و دیگر مواقع پر ایسے ہی عفو عظیم کے نمونے پیش فرمائے ہیں۔ مگر میں نے اس واقعہ کو تحت عدالت رکھا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ وفادار صلہ رحم و شفقت وغیرہ باب عدالت کے تحت اجناس فضائل ہیں، دوسرے یہ واقعہ بھی مثل سابقہ واقعات کے عدالت پیغمبر اسلام پر بھی ردنی ڈالتا ہے۔ غور فرمائیے ام حکیم مسلمان ہو چکی تھی دوسری مسلمان عورتوں اور مردوں نے اپنے اعز ان کی سفارش کی تھی۔ اور وہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام اگر ام حکیم کی عرضداشت کو رد کر دیتے تو گویا حقوق اسلامی و حقوق انسانی کو رد کر دیتے۔ اور یہ خلاف عدالت تھا۔ دوم یہ کہ پیغمبر اسلام کا وعدہ تھا۔ کہ قبول اسلام بچھلی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔ تو اگر اس موقع پر پیغمبر اسلام اپنے قول سے پھر جاتے اور عہد پر قائم نہ رہتے تو یہ بھی ظلم لطف تھا۔

اب عکرمہ کے اعتزاز و طلب معافی و قبول اسلام کے بعد بھی پیغمبر اس کی گردن زنی کا حکم دیتے تو یہ بھی ظلم تھا۔ ظلم کے متقابل عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے وہ طریقہ اختیار فرمایا۔ جس سے بلحاظ انسان عکرمہ کے حقوق انسانی کی بھی حفاظت ہوئی۔ اور بلحاظ مسلمان حقوق اسلامی کی بھی حفاظت رہی اور بلحاظ حقوق اسلامی عکرمہ کی زوجہ ام حکیم کے حقوق بھی ادا ہو گئے۔ یہ عدالت کاملہ کا نمونہ تھا۔

واقفہ نو و وصفتہ، عدالت | (۱۲) ہند مادر معاویہ۔ ہند وہ عورت ہے جس نے روز

جنگ احد حمزہ بن عبدالمطلب عم پیغمبر اسلام کی شہادت کے

بعد ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر مار بنا کر پہنا تھا۔ اور ان کا ہجر سینہ سے نکال کر چھپایا تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے ان کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ جب بعد فتح مکہ عورتیں قبول اسلام کی عرض سے خدمت

پنچیر اسلام میں حاضر ہوئیں تو ہند بھی نقاب پوش عورتوں کے مہرٹ میں ملکر آئی اور اول اس نے
 اظہار اسلام کیا۔ بعد کو نقاب چہرہ بٹائی اور کہا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ پنچیر اسلام نے سنا اور فرمایا
 کہ اب تو مسلمان ہو گئی ہے خوش آمدید۔ !!!
 ہند نے اظہار محبت و اخلاص و معذرت کیا۔ پنچیر اسلام نے اس کے عند کو قبول کر کے اس کے
 اسلام کو تسلیم کر لیا۔۔

ہند بنت عتبہ نے ہر جنگ میں عورتوں کی قیادت کی تھی سخت دشمن اسلام عورت تھی اور لاش
 امیر حمزہ کے ساتھ جو کچھ بے ادبی کی تھی وہ تو ان کے دل کو ہلا دیتی ہے۔ پنچیر اسلام نے اس کے
 قتل کا حکم عام دیدیا تھا۔ اور یہ فیصلہ عین عدالت تھا۔ کیونکہ قاتل کی سزا قتل ہے اور جیکہ قاتل دشمن
 اسلام ہو اور مقتول مسلمان ہو تو یہ جواز قتل پہلے سے بھی زیادہ قرین عدالت ہو جاتا ہے۔ مگر ہند کے جرائم
 کا معاف کر دینا یہ معاملہ ذرا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مگر ہند خفیہ طور پر بھیس بدل کر عورتوں کے مجمع میں
 چھپ کر خدمت پنچیر اسلام میں حاضر ہوئی اور جب تمام عورتیں قبول اسلام کرنے لگیں تو اسی ہجوم و ہنگامہ
 میں اس نے بھی اظہار قبول اسلام کر لیا۔ جب وہ اظہار اسلام کر چکی تو اس نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا دیا
 اور ظاہر کر دیا کہ میں ہند بنت عتبہ وہی عورت ہوں کہ آپ نے اس کے قتل عام کا حکم دیدیا ہے۔ لیکن جیکہ
 میں مسلمان ہو چکی ہوں اور میرا اسلام قبول بھی کر لیا گیا ہے تو اب میری گردن سے یہ عدا شرعی ہٹ چکی ہے
 پنچیر اسلام نے صورت واقعہ پر غور فرمایا اور اس کو معاف کر دیا۔

اس واقعہ میں رد صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اول تو یہ کہ پنچیر اسلام بعد اظہار اسلام ہند بھی اس
 کو قتل کر دیتے اور اپنے پہلے حکم کو باقی رکھتے اور دوسری صورت یہ تھی جو آپ نے اختیار فرمائی۔ پہلی صورت
 میں اگر پنچیر اسلام ہند کو قتل کر دیتے تو یقیناً اپنے اقرار و عہد کے خلاف کرتے۔ کیونکہ آپ قبول اسلام کو
 وجہ معافی قرار دے چکے تھے۔ اس کے خلاف کرنا صریح ظلم ہوتا ظلم بغیرہ و ظلم لنفسہ۔ غیر کے ساتھ
 کر کے اس کو قتل کر دیا اور اپنے عہد کو توڑ کر دوسرے کو قتل کر دیا۔ ان دونوں قسم کے ظلم کے اظہار کے بعد عدالت
 پنچیر اسلام قابل اعتراض ہو جاتی۔ مگر ایسا ہونا ہی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ سیکر عدلی سے خلاف عدالت فعل سزا
 ہونا ہی ناممکن تھا محال تھا۔ لہذا آپ نے وہ حکم صادر فرمایا جو عین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نو در ہاشتم | ۱۳۱ | قرینہ کنیز ابن حنظل یہ عورت دف و سرود بجا کر جو پنچیر
 اسلام کرتی تھی۔ پنچیر اسلام نے اس کے قتل کا بھی حکم دیدیا تھا۔

اس کو قتل کر دیا گیا۔

(۱۳) قرنا کثیر ابن منظل یہ عورت بھی مثل قرینہ کے عمل کرتی تھی اس کو جب معلوم ہوا کہ بعد فتح مکہ پیغمبر اسلام نے اس کے خون کو بدر کر دیا ہے تو یہ مفرور ہو گئی اور بہت دنوں کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی جان بچ گئی۔

(۱۵) غلام ابن منظل جو روز فتح مکہ پیغمبر اسلام قتل کر دیا گیا۔

(۱۶) سارہ غلام بنو مطلب جو حکم پیغمبر بدست علی بروز فتح مکہ قتل کیا گیا۔

(۱۷) ام سعد اس کو بھی روز فتح قتل کیا گیا۔

یہ چند غلام اور کنیزیں جو پیغمبر اسلام وف بجا کر اور گیت گا کر کرتی تھیں۔ چونکہ دشمن خدا اور رسول کی سزا ہی قتل ہے۔ لہذا ان کا قتل مطابق قوانین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نود و نہم حرم کعبہ کی حرمت و عظمت

فتح مکہ کے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص

مسمیٰ جناب بدیل سے مکہ میں آیا فراش بن امیہ کعبہ نے اپنی تلوار اس کے پیٹ میں گھونپ دی کہ جناب کی آنتیں باہر نکل پڑیں اور وہ ہلاک ہو گیا۔ پیغمبر اسلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا۔

روضة الصفا جلد دوم ص ۱۵۱۔

خدا نے اہل مکہ کے خون کو حرام قرار دیا ہے۔ اس دن سے جس دن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ارض و سما شمس و قمر کو پیدا کیا ہے اور تاریخ قیامت حرام ہے۔ کسی مومن کو جو خدا اور رسول پر ایمان لا چکا ہے یہ حق نہیں ہے کہ وہ مکہ میں کسی کا خون بہائے اور کسی انسان کو جائزہ نہیں ہے کہ مکہ کے درختوں و گیاہ سبز کو توڑے یا مکہ کے حدود میں جانور ان شکار کا شکار کھیلے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ پیغمبر اسلام نے مکہ میں کچھ لوگوں کو قتل کیا ہے۔ تو اسے لوگوں سے کہہ دو کہ اس سے پہلے کبھی اور اس سے بعد مکہ میں خون بہانا جائز نہیں ہو گا۔ میرے لئے کبھی صرف چند رعیت کیلئے یہ امر حلال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سابقہ حکم بحال ہو گیا اور اب مجھ کو بھی مکہ میں خون بہانے کا حکم نہیں ہے۔ اے بنو خزاعہ تم قتل کرنے سے ہاتھ روک لو اور اس مقتول کا خون بہا دو۔ اور اگر اس حکم کے بعد کوئی شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کے داروں کو اختیار ہے کہ وہ خون بہائیں یا اس کا قصار لیں۔

پیغمبر اسلام نے واقعہ مذکور میں اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ نے مرکز اسلام اور

امان عالم مکہ کو قرار دیا۔ یہ مرکز امان عالم بنا دینا ہی حقوق انسانی کی حفاظت ہے اور یہ اعلیٰ عدالت ہے کہ ہر انسان کو حقوق حیات مساویانہ عطا کر دیئے جائیں۔

دوم یہ کہ مکہ کے بر ذی روح و ہر نباتات کے حدود حفاظت کا اعلان فرما دیا۔ گویا عدالت پیغمبر اسلام کا دائرہ صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کی عدالت کا اقتضایہ تھا کہ آپ حیوانات و نباتات کی بھی حفاظت کا انتظام فرماویں۔ جو حیات انسانی کے لئے بہتر و اعظم ہیں۔

سوم یہ کہ بنو خزاعہ جن سے آپ نے مدینہ میں وعدہ کیا تھا کہ ان کی جان و مال کی حفاظت قریش و بنی بکر سے کی جائے گی لہذا آپ نے اس وعدہ کو پورا کر دیا اور فتح مکہ کے بعد بنو خزاعہ مغلوب و مقہور بنی بکر و قریش نہیں رہے۔ جب بنو خزاعہ کے ساتھ یہ عادلانہ سلوک ہو چکا تو آپ نے حکم دیدیا کہ اب کوئی کسی کو اگلے پھلے قصاص میں قتل نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ بنی بکر کا جو شخص قتل ہوا ہے اس کا خون بہا بنو خزاعہ ادا کر دیں۔ یہ حکم و فیصلہ پیغمبر اسلام کا اعلیٰ قوانین و عدالت پر مبنی ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن مکہ میں جنگ ہوئی اور کچھ لوگ مارے گئے یہ واقعہ خالد بن ولید کا ہے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کو جیسے ہی معلوم ہوا آپ نے خالد کو منع کر دیا اور سخت باز پرس کی جس کی خالد نے معذرت چاہی۔ البتہ پیغمبر اسلام نے بنو خزاعہ کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ وہ اپنا قصاص قتل و غارت بنو بکر سے لے سکتے ہیں لہذا بقول صاحب روضۃ الصفا :-

”حکم فرمود و دیگر تیغ در نیام کنند و دست از کشتن باز دارند۔ مگر خزاعہ کہ آں قبیلہ مختارند کہ ہر کسے از بنی بکر کہ دست ما بندہ قتل رسانند۔“

پیغمبر اسلام نے حکم دیا تھا کہ خالد بن ولید اور اس کے رفقاء اپنی تلواروں کو نیام میں کر لیں اور کسی کو قتل نہ کریں۔ البتہ بنو خزاعہ کہ مظلوم ہیں اور بنی بکر کے ہاتھوں لڑنے جا چکے ہیں قتل کئے گئے ہیں ان کو حق ہے کہ بنی بکر کا جو آدمی پائیں قتل کر دیں۔

تیسرے پر غور فرمائیے کہ آپ نے خالد بن ولید کو خون پیزی سے روکا۔ اور سخت باز پرس کی۔ حالانکہ خالد دشمنان اسلام سے جنگ کر رہا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کی عدالت نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ معافی مانگنے والا ہر تلوار اٹھائی جائے اور ان کے حقوق انسانی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ علاوہ یہ آپ نے اعلیٰ قوانین عدالت کو اس موقع پر پیش کیا جبکہ اس موقع پر خزاعہ کو اختیار دیدیا کہ وہ اپنے در ثائقہ قاتلین کو قتل کر سکتے ہیں۔ اگر اس موقع پر آپ بنو خزاعہ کو بھی قصاص و در ثائقہ سے روک دیتے تو گویا بنی خزاعہ کے ساتھ عادلانہ سلوک نہ کرتے کیونکہ خزاعہ مدینہ جا کر فریاد ہی ہوئے تھے۔ اور پیغمبر اسلام نے امداد و قصاص لینے کا وعدہ کیا تھا۔

لہذا پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ کو سب و فاکیا اور خزاہ کے مقتولین کا قصاص بھی نبی بکر سے دلو کر کامل عدالت کا نمونہ پیش کیا۔

عدالت واقعہ صدام

اقتضائے عدالت یہ ہے کہ فیصلہ میں لیگانہ و بیگانہ کا لحاظ نہ کیا جائے
خالد بن ولید نے مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی اور ان مسلمانوں کو بحالت نماز جمعہ شہید کر دیا۔ خالد کو سہ سالاری کا عہدہ حاصل تھا۔ اور ابھی اسلام کو ایسے جانناز اور بہادروں کی ضرورت تھی۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام نے خالد کی غلطی کو بھی معاف نہ کیا اور خالد کے مغل بد و قتل و غارت سے درگاہ خدا میں بیزاری و بریت ہی چاہی۔ اور مقتولین کے در ثناء کو خوں بہا بھی دلوایا۔ معاملہ چونکہ اہم ہے لہذا میں تاریخی عبارات پیش کرتا ہوں۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۵۱

پیغمبر اسلام نے خالد بن ولید کو یلملم کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ قبیلہ خزیمہ کے حالات معلوم کرے واقعہ یہ ہوا تھا کہ عہد جاہلیت میں قبیلہ خزیمہ کے لوگوں نے خالد بن ولید کے چچا غاک بن مغیرہ اور عوف پدر عبدالرحمن کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ تجارت یمن سے واپس ہو کر جب منقام یلملم پہنچے بنی خزیمہ نے طمع مال و زر میں ان دونوں کو قتل کر کے اسباب و مال پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب خالد بن ولید ایک سو پچاس اسلامی سپاہیوں کو ہمراہ لیکر بنی خزیمہ پہنچے تو بنی خزیمہ کے کچھ افراد مسلح باہر نکلے خالد نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا "ما جماعت مسلمانیم ہم مسلمان ہیں اور شریعت محمدی کے ہم پابند ہیں۔ خالد بن ولید نے کہا کہ تم نے اسوہ جنگ کیوں نہیں رکھے ہیں بنی خزیمہ نے جواب دیا کہ دشمنوں کے حملہ کے خوف سے ہم ایسا کرتے ہیں۔ خالد نے حکم دیا کہ سب اپنے ہتھیار اتار دیں سب نے ہتھیار اتار دیئے اس وقت خالد نے ان پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ ملاحظہ ہوا اصل عبارت تاریخ۔

روضۃ الصفا :-

بالجملہ چوں حضرت رسول معلوم فرمود کہ خالد بن ولید جمع را کہ در مساجد خویش باو جمعہ جماعت قیام می نمودند کشته است و روئے فرخندہ بقبلہ دعا آوردہ سہ نوبت گفت اللهم انی ابرؤ و مما صنع خالد آنگاہ ماے خطیر محبوب امیر المؤمنین علی مختصر یہ کہ جب رسول خدا کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید نے ایک جماعت کو جو مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں مصروف تھی قتل کر دیا ہے۔ تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک بجانب قبلہ کیا اور تین مرتبہ زبان پر جاری فرمایا اے خدا میں بیزاری و ہمت چاہتا ہوں۔

اس کام سے جو کہ خالد نے کیا ہے۔ اس وقت مال کثیر
امیر المومنین علی کے ساتھ بنی خزیمہ کے پاس بھیجا
تاکہ وہ اس مال سے مقتول و سامان غارت کا بدلہ
و خوں بہا ادا کریں۔ تاکہ خطائے خالد کا تدارک
ہو جائے اور منظلوم بنی خزیمہ کے زخموں پر مرہم کا
کام دے علی نے بموجب فرمان رسول بنی خزیمہ
کو خوشنود و راضی کر دیا۔ جب علی نے یلملم واپس
ہو کر رسول کو مطلع کیا کہ بنی خزیمہ راضی ہو گئے
تو صحابہ مس سے کسی صحابی کی سفارش سے پیغمبر اسلام
نے خالد سے رضامندی کا اظہار کیا۔

جہت دیت قتل و غارت اموال تلف شدہ
بنی خزیمہ فرستاد تا سہوے کہ از خالد
بن ولید صادر شدہ تدارک نماید و بہر بہت
بھیجا گان مرہم نہد و علی مرتضیٰ بفرمودہ
عمل نمودہ بنی خزیمہ را خوشنود گردانید۔
رسول خدا بعد از مراجعت علی مرتضیٰ از یلملم
و استرضائے خاطر بنی خزیمہ بشفاعت یکے
انہ یاران انہ کردار خالد در گذشتہ پیر
رضاء آید۔

خالد بن ولید نے اپنے چچا غاک بن مغیرہ اور عوف پسر عبدالرحمن کا بدلہ بنی خزیمہ سے لیا۔ یہ بدلہ عہد جاہلیت
قبل اسلام کا لیا گیا۔ اور ان کافروں کے عوصن میں مسلمانوں کی نمازی جماعت کو قتل کیا گیا۔ پیغمبر اسلام کو معلوم
ہوا تو آپ نے خالد سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور اس کے فعل سے درگاہ خدا میں پریت پھاری۔ اس کے بعد اپنے
مستعد علی مرتضیٰ کو بنی خزیمہ کے پاس بھیجا اور مال کثیر دیکر ان کا توں بہا ان کے ورثہ کو ادا کیا گیا۔ ان کے اموال
کا بدلہ و معاوضہ ان کو دیا گیا حتیٰ کہ ان کو راضی کر لیا گیا۔

یہ پورا واقعہ اس امر پر شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام نے اس تاریخی واقعہ میں اعلیٰ عدالت کا سلوک کیا ہے
اول درگاہ خدا میں بحیثیت حکم افواج اپنی معذرت و پریت کا اظہار کیا یہ عدالت لنفسہ تھی تاکہ عند اللہ بدلہ
نہیں ناسحق نہ ہوں۔

دوم خالد بن ولید سے اظہار نفرت اور اس کے فعل سے اظہار پریت کر کے اظہار عدالت فرمایا۔
تیسرے بنی خزیمہ کو بہانہ و مال کا معاوضہ و پیر قوانین عدالت کی پابندی کی مدبرانہ و سیاستدان عالم پیغمبر
اسلام کے نمونہ نائے عدالت کو اگر اپنا منارہ راہ بنالیں تو عالم سے فتنہ و فساد نہ ہو جائے۔ اور کوئی شخص
حاکم یا محکوم کسی انسان کے ساتھ کوئی ظلم نہ کر سکے اور حقیقی معنی میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو جائے۔
عدالت واقعہ صد و یکم صلہ رحم و شفقت | والدین و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک
صد رحم کہلاتا ہے اور شفقت و صلہ رحم
کو تحت فضیلت عدالت ایک فضیلت سمجھا گیا ہے۔ واقعہ مندرجہ ذیل پیغمبر اسلام کی ان دو صفات کو ظاہر کرتا ہے۔

صلہ رحم چونکہ خدمات و اسانات والدین و اقرباء کا حق معاوضہ ہے اور محسن کے احسان کا بدلہ عدالت متصور ہوتا ہے لہذا اس فضیلت صلہ رحم کو تحت عدالت شمار کیا گیا ہے۔ اور شفقت کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی پر کوئی معیبت پڑے تو اس کو دیکھ کر خود المناک ہو اور اس کے دفع و ازالہ کی صورت کرے چونکہ حقوق انسانی کی ادائیگی بھی عین عدالت ہے لہذا صفت شفقت کو بھی تحت عدالت متصور کیا گیا ہے کیونکہ ان کی حالت مجبوری و معیبت میں اس کی شرکت کرنا گویا اس کے حقوق انسانی کی حفاظت و ادائیگی ہے۔ اور ادائیگی حقوق کا ہی دوسرا نام عدالت ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد واقعہ تاریخی بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین واقعہ ہوا کفار کی تعداد فوجاً تقریباً تیس ہزار تھی۔ اور تعداد لشکر اسلام تقریباً سولہ ہزار تھی۔ ابتدائے جنگ میں اہل اسلام کو شکست فاش ہوئی اور میدان جنگ میں بجز پیغمبر اسلام کے اور چند رفقاء کے کوئی باقی نہ رہا سب اصحاب مفرد ہو گئے۔ مگر پیغمبر اسلام و بعض رفقاء اسلام کی وجہ سے میدان جنگ پھر متحد آیا۔ اور لشکر اسلام واپس آیا۔ اور فتح اہل اسلام کو حاصل ہوئی۔ مال غنیمت کی مقدار و تعداد یہ تھی۔

شش ہزار بدمہ و بست و چھ ہزار شتر

ترجمہ سچے ہزار غلام و چوبیس ہزار اونٹ

و پھل ہزار اوقیہ نقرہ زیادہ از چیل ہزار

اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس

ہزار سے زیادہ گوسفند مسلمانوں کو حاصل ہوئے

گو سفند بہت ارباب توحید و عرفان افتاد

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اس مال غنیمت کو مقام جزانہ میں جمع کیا جائے۔ تاکہ وقت فرصت تقسیم کیا جائے

تمام اموال و اسیران کو عباد بن بشرہ کی نگہبانی میں رکھا گیا۔ ان میں ایک عورت مسماة اسماء بنت عمارت بن عبد العزیز بھی تھی۔ نہ مانہ گرفتاری اس پر کچھ سختی کی جاتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ میں پیغمبر اسلام کی خواہر رضاعی ہوں۔ مگر کسی نے اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا۔ بالآخر اس کو خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچایا۔ اسماء نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ میں آپ کی رہنمائی بہن ہوں۔

پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ اس کی کوئی علامت ہے۔ اسماء نے اپنے جسم کے بعض نشانات دکھائے

اور پیغمبر کو یاد دلایا۔ پیغمبر اسلام نے اس کو پہچانا اور فوراً آپ اس کی تعظیم کی خاطر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

اور اپنی چادر و عبائے پاک کو بچھا کر اس پر اس کو بٹھایا اور اپنی پیشہماہی مبارک سے رخسار مائے پاک پر آنسو بہاتے ہوئے سلیمہ کا ذکر کیا اور اس کا اور اس کے خاندان کا حال دریافت کیا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے

اسماء سے کہا کہ اگر تمہاری خوشی ہو میرے پاس با آرام تمام رہو اور جاؤ تو اپنے وطن و قوم میں واپس چلی جاؤ

اسماء نے اپنے وطن کی واپسی کو تہنیت دی۔ پیغمبر اسلام نے اسماء کو ایک کینز اور تین غلام۔ چند شتر و گوسفند

دے دی۔ پیغمبر اسلام نے اسماء کو ایک کینز اور تین غلام۔ چند شتر و گوسفند

عطا فرمائے۔ اسماء قبول اسلام کے بعد وطن واپس چلی گئی۔ جب اس کے اہل وطن کو پیغمبر اسلام کے اخلاق کہ بیانہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اسمائے کہا کہ تو نے بجا دہ کی رہائی کی درخواست کیوں نہ کی بجا دہ قبیلہ حلیمہ کا ایک شخص تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک مسلمان کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اور اس کو پارہ پارہ کر کے جلا دیا تھا پیغمبر اسلام نے اصحاب کو حکم دیدیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بجا دہ کو پائیں گرفتار کر کے لائیں چنانچہ مجاہدین اسلام جب مفروز بن حنین کے تعاقب میں گئے تھے تو یہ شخص بجا دہ گرفتار ہو گیا تھا۔ اور اس کو پیغمبر اسلام نے قید کر دیا تھا اور جب اسماء کو رہائی ملی ہے تو بجا دہ قید ہی میں تھا۔

اسماء پیغمبر اسلام کی خدمت میں واپس آکر حاضر ہوئی اور بجا دہ کی جان بخشی کی درخواست کی پیغمبر اسلام نے بجا دہ کو اسماء کے سوا کہہ دیا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ تمہارے دیگر اقربا کہاں ہیں؟ اسماء نے عرض کیا کہ میرا بھائی میری بہن اور میرا چچا نہ زندہ ہیں اور قید میں ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنے قبیلہ کے ہمراہ واپس جاؤ اور مقام جحرانہ میں ٹھہرو۔ جب میں وہاں پہنچوں گا تو رہا کر دوں گا۔

چنانچہ پیغمبر اسلام جحرانہ میں پہنچے تو آپ نے اسماء کے ان اقرباء کو بھی آزاد کر دیا۔ اور اسماء اور اس کے افراد خاندان کو بہت سے مویشی اور کثیر مال عطا فرما کر رخصت فرمایا۔

پیغمبر اسلام نے اسماء کو جو کچھ معاوضہ عطا فرمایا وہ حلیمہ کی خدمات کا صلہ تھا۔ حلیمہ نے تقریباً پانچ سال پیغمبر اسلام کو اپنی نگرانی میں رکھا شبانہ روزہ خدمت کی اپنے بچوں سے زیادہ چاہا اور دو سال تک اپنا دودھ پلایا۔ اگر آج فاتح مکہ و حنین ہونے کے بعد پیغمبر اسلام اسماء کی درخواستِ عفو کو مسترد کر دیتے۔ تو یقیناً یہ صرکی ظلم ہوتا اور خلافتِ قوانین عدالت ہوتا۔ اسماء نے بھی پیغمبر اسلام کو گودوں میں کھلایا تھا۔ اور خدمات انجام دی تھیں۔ ان خدمات کا صلہ ملنا تو عدالت تھا۔ اور درخواستِ رحم کو ٹھکرا دینا ظلم تھا۔ چنانچہ مجسمہ عدالت پیغمبر اسلام نے اسماء کی ذاتی رہائی کو بھی منظور کیا۔ بجا دہ کی جان بخشی بھی فرمادی و نیز اقربائے اسماء و حلیمہ کو بجا آزاد کر دیا۔ اور ان کو کثیر مال مویشی اور غلام بھی عطا فرمائے۔ چونکہ یہ سب کچھ پیغمبر اسلام نے معاوضہ خدماتِ حلیمہ و اسماء کیا تھا۔ لہذا یہ تمام عطیات مطابق قوانین عدالت عین عدالت تھے۔ ان افعال پیغمبر اسلام نے اظہارِ عدالت بھی کیا اور شفقت و صلہ رحمی کو بھی باحسن وجوہ ادا کیا

عدالت یکصد و دوم

غزوہ طائف کے حاضرین میں سے ایک نے بیان کیا کہ جب میں غزوہ

طائف سے واپس ہو رہا تھا تھا۔ تو میرے پیروں میں نہایت سخت ہوتا

تھا۔ اتفاقاً میرا اونٹ پیغمبر اسلام کے اونٹ سے رگڑ کھانا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور میرے اس سخت و گرفتار ہونے سے پیغمبر اسلام کی پنڈلی رگڑ کر نہ جھی ہو گئی۔ آپ نے میرے پاؤں پر ایک تازیانہ مار کر فرمایا کہ دودھ پل

کہ میری پندلی میں درد ہو گیا۔ اور جب میں گھر پہنچ گیا تو دوسرے دن پیغمبر اسلام نے مجھ کو طلب فرمایا۔ میں سوچا کہ کل میری دوسرے پیغمبر خدا کے پر میں تکلیف پہنچی ہے۔ اس کی تہنیت کیلئے طلب فرمایا ہو گا۔ جب میں خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کل میں نے ایک تازیانہ تیرے پر پر مارا تھا۔ آج میں نے اسے بلا دیا ہے کہ اس کا بدلہ وصلہ تجھ کو ادا کر دوں اور آپ نے یہ فرمایا کہ اسی کو سفند عطا فرمائے۔

(۲) ایک دوسرے صحابی نے بیان کیا ہے کہ جب پیغمبر اسلام منزل قرن پہنچے اس وقت آپ ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ میں اپنے ناقہ پر بربادی میں رہا تھا۔ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ناقہ پر تازیانہ مارنا چاہا۔ مگر وہ تازیانہ میرے لگ گیا۔ پیغمبر اسلام میرے قریب تر ہوئے اور پوچھا کہ یہ تازیانہ کیا تمہارے لگ گیا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں یاپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ جی ہاں۔ تو جب پیغمبر اسلام مقام حنرانہ پہنچے تو آپ نے ایک سو بیس گوسفند مجھ کو عطا فرمائیں اور میں ان گوسفندوں کی بدولت مالدار ہو گیا۔

پیغمبر اسلام کے ان افعال سے مکانات شفقت، حسن قضاء کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ ہر درد واقعات عدالت پیغمبر اسلام پر دلالت کرتے ہیں۔

عدالت واقعہ صد و سوم تقسیم اموال حنین

پیغمبر اسلام نے اموال غنیمت حنین کو جب تقسیم کیا تو مہاجرین و انصار کو حصہ کم دیا۔ اور مولفہ

القلوب نو مسلموں کو زیادہ حصہ دیا۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب معادیہ بن ابوسفیان ویزید بن معاویہ وغیرہ جو پہلے بدترین دشمن اسلام تھے۔ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹنی کس دیئے۔ اگرچہ انصار مومن کامل تھے۔ مگر ان بعض اوقات فطری تقاضوں سے متاثر ہو جاتا ہے۔ لہذا اس موقع پر انصار کو طلال پیدا ہوا اور انہوں نے کہا کہ پیغمبر اسلام بعد مکہ فتح و حنین اپنے سہوطنوں اور ہم قبیلہ افراد کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور ہماری طرف سے توجہ کم کر لی ہے۔ پیغمبر اسلام کو اس امر کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے ایک خیمہ نصب کرایا۔ اور صرف انصار کو اس میں جمع کیا اور فرمایا

روضة الصفا جلد دوم ص ۱۵۲ :-

”اے انصار تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم کو یاد ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم کو پتہ آتش میں محبوس تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم کو اس سے نجات دی۔ انصار نے اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے کہ خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت کی۔ کیا تم باہم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم میں الفت پیدا کی۔ تم کمزور اور کم تعداد تھے۔ خدا نے تم کو طاقتور اور کثیر تعداد کیا۔ تم درویش و فقیر تھے خدا نے

میری دہ سے تم کو متمول بنا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم کیوں میری بات کا جواب نہیں دیتے۔ انصار نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ بیشک ہم تصدیق کرتے ہیں۔ اور آپ ہمارے سید و سرور ہیں۔ پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کہتے اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور تم ایسا کہنے میں حق بجانب اور راست گور ہو گے۔

آپ ہماری جانب آئے جبکہ آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی تھی اور ہم نے آپ کو صادق و راست گو تسلیم کیا۔ کسی نے آپ کی مدد نہ کی اور ہم نے آپ کی مدد و نصرت کی۔ آپ کو وطن سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ ہم نے تم کو پناہ دی۔ تم بحالت مفلسی و عزت ہمارے پاس آئے تھے۔ ہم نے مالی امداد کی۔ آپ بحالت خوف ہمارے پاس آئے تھے ہم نے آپ کو پناہ دی جب انصار یہ سب کچھ کہہ چکے۔ تو بالفاظِ رسول اللہ صفا جلد ۲ ص ۱۵ پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

فرمود کہ اینہامی گوئید ہمہ صدقست حضرت
 ہوں ایں سخن یا اینجا سائید انصار در گریہ
 شدند و پیران ایشان بہ نواستہ بہ تقصیل
 دست و زانوئے پیغمبر سر فرزند شدند
 و گفتند یا رسول اللہ انہ خدا در رسول او
 خوشنود گشتیم و اموال خاصہ مارا اگر
 خواہد قسمت فرماید کہ مارا نظر بہ متاع
 دنیا نیست۔ مارا اندیشہ و بیم از مفارقت
 تو بود نہ از قلت مال۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا انے انصار جو کچھ تم
 کہو وہ سب سچ ہے۔ جیسے پیغمبر اسلام نے
 یہ کہا۔ تو انصار رونے لگے اور ان کے
 بزرگوں نے اٹھ کر آپ کے زانو اور ہاتھوں
 کے بوسے لئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ
 ہم خدا اور اس کے رسول سے راضی و
 خوش ہیں۔ آپ چاہیں تو ہمارا ذاتی مال
 بھی تقسیم فرمادیں۔ کیوں کہ ہم مال دنیا کو
 نہیں چاہتے۔ بلکہ تو یہ اندیشہ تھا کہ آپ
 ہم سے جدا ہو کر مکہ واپس آجائیں گے۔ ہماری نظر قلت مال پر نہ تھی۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں نے جو مال غنیمت کو تقسیم کیا ہے۔ تو وہ مال مکہ و مولفۃ القلوب
 کو دیا ہے۔ و شمارا بایمان شما باز می گزارم۔ اور تمہارے لئے تمہارے ایمان ہی کو کافی
 سمجھتا ہوں۔ دوسرے اونٹ اور بکریاں لیکر گھر جائیں گے اور تم رسول خدا کو ہمراہ لیکر
 اپنے گھر کو واپس ہو گے۔ خدا کی قسم کہ جو چیز تم لے لیکر واپس ہو رہے ہو وہ اس سے
 کہیں زیادہ بہتر ہے جو وہ لوگ ساتھ لیکر واپس ہو رہے ہیں۔ وہی خواہم کہ وثیقہ تو ایم

کہ بعد از من بجزین خاصہ ازال شتابا شد کہ بہترین موضع است۔ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک
و شیعہ تمہارے لئے لکھوں کہ بجزین تمہاری ملکیت ہے جو بہترین موضع ہے اور فرمایا
انکہ مستلقون بعدی اثر کا فاصدہ و احتی تلقونی علی حوض۔

ترجمہ: عنقریب میرے بعد تم کو مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وقت تم صبر کرنا سستی کہ تم مجھ
کو جو حوض کوثر پر ملو اس کے بعد پیغمبر اسلام نے انصار و اولاد انصار کیلئے دعائے خیر کی۔

نتیجہ واقعہ: مذکورہ تاریخی واقعہ عدالت کاملہ پیغمبر اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ تشریح و تصریح ملاحظہ
فرمائیں۔ (۱) اموال غنیمت خنین کو پیغمبر اسلام نے تقسیم کیا۔ اور اس تقسیم میں دو طرح کا لحاظ رکھا گیا۔ ایک تو
مومنین کا حصہ، دوسرے مؤلفۃ القلوب کا حصہ، پیغمبر اسلام نے مؤلفۃ القلوب کو جتنا

دیا وہ ان کی امیدوں سے کہیں زیادہ تھا۔ لہذا ان کو تو مزید طلب مال کی خواہش نہیں ہوئی۔ اب
ہر مومنین مومنین پیغمبر اسلام نے ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ مگر چونکہ وہ بمقابلہ مؤلفۃ القلوب
کے حصہ کے بہت کم تھا لہذا انصار کو شکوہ پیدا ہوا۔ اور انہوں نے عدالت پیغمبر اسلام پر اعتراض
کر دیا۔ اس صورت میں اعتراض کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کو بھی وہی حصہ دیا جاتا۔ جو مؤلفۃ
القلوب کو دیا گیا اور اس طرح ان کو خوشنود کر دیا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ انکو
سمجھا دیا اور بتا دیا کہ مؤلفۃ القلوب اپنے دلوں میں کفر و شرک رکھتے ہیں۔ یہ نعمات خداوندی
جنت و نجات آخری کے حقدار نہیں ہیں۔ تم مومنین صادق ہو اور مومن کی سب سے بڑی نعمت
ذات رسول و ذات خدا ہے۔ میں نے تم کو یہ اختصاص آخری عطا کیا ہے۔ اور ان کو صرف مال دنیا
کیونکہ وہ اسی کے خواہشمند اور مستحق تھے۔ اور تم بوجہ ایمان کامل محبت خدا و رسول کے مستحق تھے
اور نعمات آخری کے حقدار تھے۔ اگر پیغمبر اسلام مومنین انصار و مہاجرین کو بھی اتنی ہی دیدیتے
تو جتنا کہ آپ نے مؤلفۃ القلوب کو دیا۔ تو مساوات و عدالت نہ ہوتی۔ کیونکہ انصار کو اس صورت
میں دنیا کا مال کثیر بھی ملتا اور نعمات آخری بھی۔ اور ایک جماعت کو صرف مال دنیا اور آخرت
میں کچھ بھی نہیں۔ آخرت کے حصول کیلئے عقیدہ و ایمان ضروری تھا۔ اور اس کیلئے انسان خود مختار
ہے کہ وہ ایمان قبول کرے یا کفر۔ انصار نے چونکہ ایمان کامل حاصل کیا تھا۔ لہذا وہ دولت ایمان
سے مالا مال تھے۔ ان کو مال دنیا اتنی ہی ضروری تھا۔ جو ان کی ضروریات زندگی کیلئے کافی ہو اور
بس۔ پیغمبر اسلام نے ہر موقع پر لشکر اسلام کو مساویانہ حصے تقسیم کئے ہیں۔ مگر مؤلفۃ القلوب کو ہر قسم
زیادہ دیا ہے۔ جس کی تصریح سطور بالا میں کی گئی ہے۔ اگر اس کے خلاف پیغمبر اسلام اپنے ملنے

والوں، اپنے پیڑوں اور اپنے مذہب والوں کو زیادہ حصہ دیتے اور نو مسلموں مولفۃ القلوب کو کم دیتے تو بادی النظر میں یہ بات مناسب معلوم ہوتی اور تمام رفقاء پیغمبر راضی بھی رہتے اور عام دنیا والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر یہ صورت خلاف عدالت ہوتی۔ کیونکہ صرف اپنے ہی اپنوں کو زیادہ دینا اور شہرہ کا اعتبار کو کم سے کم دینا یہ تو سب ہی کرتے ہیں۔ مگر عدالت پیغمبر کا اقتضاء طریقیہ عام سے بالا تر تھا۔ اپنے اپنوں کو دولت ایمان و خلوص بخدا اور رسول کی دولت عطا فرمائی اور اہل دنیا کو مال دنیا دیا۔ اور یہ عدالت کا ملکہ محمدی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

(۲) جب انصار نے شکوہ کمی مال کیا۔ تو پیغمبر اسلام نے ان کی دولت ایمان کی قدریں اور مقدار میں ان کو دکھا دی اور وہ مطمئن ہو گئے۔ مگر پھر بھی پیغمبر اسلام نے اہل مدینہ کی ہمت افزائی مزید کی اور وہ اس طرح کہ آپ کے احسانات جو ان پر تھے وہ ایک ایک کر کے گنوائے اور جب انصار نے ان احسانات کے سامنے اپنی گردن سمجھا دی اور تصدیق کلام پیغمبر کر دی تو پیغمبر اسلام نے انصار سے کہا کہ تم بھی اپنے احسانات بتاؤ۔ چنانچہ انصار نے بھی جتنے احسانات کئے تھے وہ سب بتا دیے۔ پیغمبر اسلام نے بصدق دل ان کے قول کی تصدیق کی۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر عدالت کا ملکہ کا وہ نمونہ دکھایا جس کی مثال تاریخ عالم اور تاریخ حاکم و محکوم میں نہیں ملے گی۔ پیغمبر اسلام نے انصار کو بوجہ ایمان کامل اپنا عدلی قرار دیکر اعلیٰ نمونہ عدالت قائم کر دیا۔

(۳) علاقہ بحرین پیغمبر اسلام نے جماعت انصار کیسے مستقل و پائیدار انتظام کیا اور وہ یہ کہ فرمایا کہ میں علاقہ بحرین کو تمہاری ملکیت میں دیدوں گا کہ تم اور تمہاری اولاد کبھی تنگ دستی میں مبتلا نہ ہو۔ پیغمبر اسلام نے انصار کو ان کی تصدیق نبوت و رسالت اور نصرت کا صلہ مال دنیا میں سے بھی دیا اور نعمات اخروی بھی عطا فرمائیں۔ مال غنیمت حنین اور نیز علاقہ بحرین یہ سب کچھ انصار کو ان کی خدمات دینی کا صلہ دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ اس بہتر نمونہ عدالت اور کیا ہو سکتا ہے۔

عدالت واقعہ یکھد و چہارم

پیغمبر اسلام جب بحرانہ میں تقسیم اموال میں مصروف تھے۔ اس وقت ایک جماعت قبیلہ

ہوازن کی حاضر خدمت ہوئی۔ ان کا خطیب زبیر بن عرد سعودی اور پیغمبر اسلام کا رضاعی چچا سانے آئے اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول آپ کے مال غنیمت میں آپ کی رضاعی خالہ اور چچو پھیان بھی ہیں آپ رضاعت کو ملحوظ رکھ کر ہم پر نظر کر م فرمائیں۔ پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا۔

”کہ من تاخیر غنائم بسبب شما کردم و انتظار میروم کہ بیاید و شما بدیر آمدید (روضة الصفاء)
 میں تقسیم مال غنیمت میں تمہاری وجہ سے تاخیر کر رہا تھا۔ اور میں نے تمہارا انتظار کیا کہ تم آؤ مگر اب
 تم دیر سے آئے۔ خیر اب اسیروں اور مال میں سے کسی چیز کو طلب کر لو اور نماز کے وقت تک ٹھہرو میں
 مسلمانوں سے تمہاری سفارش کروں گا۔“

چنانچہ جب نماز سے فراغت ہو چکی تو پیغمبر اسلام نے بعد حمد خدا کے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ
 میں نے اپنا اور بنی ہاشم کا حصہ خمس مال غنیمت بنی ہوازن کو بخش دیا۔ اور تم لوگ بھی ان
 کے قیدیوں کو ان کو بخش دو میں نے ان سے تمہاری جانب سے وعدہ کر لیا ہے۔“

مسلمانوں نے حکم رسول پر اظہارِ رضامندی کیا۔ مگر افزع بن مالس پیشواے قبیلہ سلیم وعتبہ
 بن حصین فرازی پیشواے بنی فزارہ مال غنیمت کی واپسی پر راضی نہ ہوئے اور سامنے آکر عباس بن
 مرد اس نے عرض کیا کہ ہم اس حکم پر راضی نہیں ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ
 ”فرمود کہ ہر کہ راضی نیست بازائے ہر اسیرے شش شتر بدھم از اول غنیمتے کہ خدا تعالیٰ
 کرامت فرماید۔“

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جو قیدیوں کے آزاد کرنے پر راضی نہیں ہے۔ میں ہر قیدی کے عیوض
 چھ اونٹ اس مال غنیمت سے دوں گا جو خدا کرامت کرے گا۔“

بہر حال بنی ہوازن کو ان کے قیدی واپس کر دیئے گئے۔

نتائج واقعہ - (۱) پیغمبر اسلام نے بنی ہوازن سے فرمایا کہ مجھ کو تمہارے آنے کا انتظار
 تھا اور میں اسلئے تقسیم غنائم میں تاخیر کر رہا تھا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فرمان باقتضائے عدالت تھا
 کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جس شخص کا احسان بنی خدا پر ہو اس کو ادا کر دیا جائے۔ اور حقوق کی
 ادائیگی کا نام عدالت ہے۔

(۲) بنی ہوازن بدیر پہنچے تو پیغمبر اسلام نے ایسا نہ کیا کہ ان کے قیدیوں کو ذاتی حکم سے آزاد کر دیا ہو
 کیونکہ وہ قیدی تقسیم ہو چکے تھے اب وہ اہل اسلام کا حصہ تھا۔ لہذا آپ نے مجمع عام میں ان کی
 سفارشات کی اور اپنا اور بنی ہاشم کا حصہ پہلے بخش دیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔

(۳) جب بنی سلیم و بنی فزارہ قیدیوں کی واپسی پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا
 تو پیغمبر اسلام نے حکمانہ حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ میں ہر قیدی کے عیوض چھ اونٹ ادا کروں گا
 یہ تھی عدالت کا طہ پیغمبر اسلام جو ہر موقع پر ظاہر ہوئی۔“

عدالت واقعہ یکصد پنجم سببیہ عامریہ

سببیہ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت سما
سببیہ عامریہ نے پیغمبر اسلام کے سامنے

آکر اقرار نہ کیا اور درخواست کی کہ مجھ پر حد شرعی جاری کی جائے تاکہ میں گناہ تہا سے عند اللہ بری
و پاک ہو جاؤں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تو واپس جا اور خدا سے مغفرت طلب کر اور درگاہ خدا میں توبہ
و استغفار کر سببیہ نے عرض کیا کہ میں حاملہ نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ صبر کر تاکہ وضع حمل سے
فراغت حاصل کرے۔ آپ نے یہ فرما کر ایک انصاری کو حکم دیا کہ سببیہ کی وہ کفالت کرے جب تک کہ اس
کے بطن سے بچہ پیدا ہو۔ جب سببیہ کے بطن سے بچہ ہو چکا تو پیغمبر اسلام کو مطلع کیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا
کہ اس حالت میں بھی اس کو سنگسار نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس کا بچہ کمسن ہے۔ اور کوئی ایسی عورت نہیں
ہے جو اس کو اپنا دودھ دیکر پرورش کر سکے۔ اس کے بعد سببیہ اس بچہ کی پرورش کرتی رہی۔ اور جب وہ
روٹی کھانے لگا اس وقت وہ اس بچہ کو لیکر پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے بچہ کو ایک
مسلمان کے سپرد کر دیا اور سببیہ کو سنگسار کا حکم دیا۔ سب سے پہلے خالد بن ولید نے سببیہ کے پتھر مارا
سببیہ کے خون سر کا پھد قطرہ خالد پر پڑا خالد نے سببیہ کو گالیاں دیں۔ خالد کو پیغمبر اسلام نے گالی دینے
سے منع فرمایا اور کہا کہ قسم بخدا سببیہ کی توبہ قبول ہو چکی ہے۔ اور اب وہ مغفور ہے۔ جب سببیہ کی روح
قیس عنصری سے نکل چکی تو پیغمبر اسلام کے حکم سے نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا۔

پنجم :- واقعہ مذکور سے پتہ امور پر روشنی پڑی :-

(۱) اول تو یہ کہ پیغمبر اسلام نے مطابق قانون شریعت اسلامی سببیہ کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور
وہ سنگسار کر دی گئی۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم عین عدالت تھا۔

(۲) چونکہ سببیہ حاملہ تھی اسلئے پیغمبر اسلام نے اس کو مہلت دی اور تین سال کی طویل مدت تک اس کو بہت
دیکھی تاکہ بے گناہ پر ظلم نہ ہو جائے۔ اور وہ ظلم یہ ہو سکتا تھا کہ بجا ت حمل اس کو سنگسار کر دیا
جاتا۔ اور جنین بھی قتل ہو جاتا۔ حالانکہ جنین بے خطا تھا۔ حالانکہ سببیہ اس لئے پیغمبر اسلام کے پاس
آئی تھی کہ اس کے حاملہ ہونے کا معاملہ چھپ جائے گا۔

مگر پیغمبر اسلام حکیم تھے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ وہ حاملہ ہے اور جب اس نے خود اقرار حمل کر لیا تو بچہ پیغمبر
اسلام نے اس کے سنگساری کے معاملہ کو روک لیا حتیٰ کہ اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو گیا۔ پیغمبر اسلام
کا یہ فعل عجب عین عدالت تھا۔

۳۔ سببیہ کے بچہ کی ولادت کے بعد بھی پیغمبر اسلام نے دو سال تک سببیہ کو سنگساری سے بچایا تاکہ اس کے

بے خطا بچہ پر مال کے ہونے کی سبب سے ظلم عاید نہ ہو جائے اور جب بچہ غذا معمولی کھانے لگا تو پیغمبر اسلام نے سبیحہ کی سنساری کا حکم دیا۔ یہ حکم بھی عین عدالت تھا۔

(۳) خالد بن ولید نے جب سبیحہ کے پہلے پتھر مارا ہے اور سہ سبیحہ سے خون اچھل کر چہرہ خالد پر پڑا ہے تو خالد نے سبیحہ کو گالیاں دیں۔ روضۃ الصفحہ کے یہ الفاظ ہیں ص ۱۶۰
وقطرہ چند خون از زخم سبیحہ بر روی خالد آمدہ سبیحہ را دشنام دادہ حضرت خالد را تکبیر دادہ۔

پیغمبر اسلام نے خالد کو گالیاں دینے سے منع فرمایا کہ سبیحہ کی توبہ قبول ہو گئی اور پھر سبیحہ کی نماز جنازہ کے بعد حکم دیکر دفن بھی کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حرم سبیحہ کی سنساری سے مل چکی لہذا وہ مغفور ہو گئی۔ اس حالت میں اسکو گالی دینا یا دفن نہ کرنا نماز جنازہ نہ پڑھوانا یہ سب ظلم کے تحت میں آتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے منع فرمایا کہ یہ ظلم اس پر جائز نہ رکھے جائیں۔ بلکہ آپ نے مطابق عدالت اس کے بارہ میں احکام نافذ فرمائے اور یہ سب عدالت کا ملکہ کا نمونہ ہیں۔

عدالت واقعہ یکصد و ششم

صداقت کو فضائل اجناس تحت عدالت میں شمار کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اپنے قول کے مطابق عمل

کریے تو عادل ہے۔ اور اگر اپنے قول کے خلاف عمل کرے تو ظالم ہے۔ صداقت، قول، عہد، قرار وغیرہ وغیرہ سب ہی خصائل سے تخصیص کھتے ہیں۔

میں ناظرین کی خدمت میں تمہیداً چند واقعات تاریخی پیش کرتا ہوں۔ ان واقعات پر غور کرنے کے بعد ان کے نتیجہ پر بھی غور فرمائیے گا۔ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل کس قدر مطابق قوانین عدالت ہے۔

۱۰ کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال جلد ۶ ص ۳۹۷ تاریخ طبری مطبوعہ مصر

دعوت ذوالعشیرہ و علی

علی سے مروی ہے کہ جب آیت وانذر عشرتک الاقربین پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اقربا کو عذاب خدا سے ڈراؤں لیکن میں نے اس کام میں پسندے

عن علی قال لما نزلت هذه الآية وانذر عشيرتک الاقربین علی رسول اللہ صلعم فقال یا علی ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی فی الاقربین فضقت بذاک ذرعا و عرفت انی منی اباد لیلم

بہذا الامراری منہ ما کرہ فصمت
علیہا منی جاءنی جبرئیل فقال یا محمد
ان لم تفعل ما تو مر یہ یعذبک
ف صنع لی صاعاً من طعام

ثم تکلم رسول الله صلعم فقال یا بنی
عبدالمطلب انی واداء لاء اعلم شاباً
فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد
جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدین
والآخرة وقد امرنی الله تعالی ان
ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی هذا
الامر علی ان یکون اخي ووصی و خلیفتی
فیکم فاجم القوم عنہا جمیعاً و قلت و
هذا ثم سنذ وار مصہم عینا
واعظہم لبناً واحشہم ساقاً
انا یا بنی الله صلعم اکون وزیرک علیہ
فانحد برقبتی فقال ان هذا اخي و
وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له و
اطیعوا نقم القوم لیضحکون ویقولون
لا بی طالب قد امرک ان تسمع و
تطیع بعلی .

پر جاو دیا ہے۔ لوگ یہ سن کر متفرق ہو گئے۔ دو سو دن پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ پھر تم
وہی انتظام کرو۔ میں نے پھر انتظام کیا۔ وہ لوگ آئے انہوں نے طعام کھایا۔ پھر رسول خدا
نے فرمایا۔

وقف کیا اس وجہ سے کہ مجھ کو کھانا ہوا کہ
وہ میری ہدایت سے اکراہ کریں گے اور میری
بات کو نہ مانیں گے۔ اس بنا پر خاموش
رہا۔ تاہم پھر جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے
لگے کہ خدا فرماتا ہے کہ تم نے محمد اگر تم نے

ایسا نہ کیا جیسا کہ ہم نے تم کو حکم دیا ہے
تو تم پر عذاب کیا جائے گا۔ پس تم تین
علی بقدر ایک صاع طعام تیار کرو ایک بکری
کا گوشت پکالو اور ایک کاسہ شیر مہیا کر لو
اور تمام بنی عبدالمطلب کو دعوت میں بلاو
تا کہ میں اسی مجلس دعوت میں ان سے کلام
کروں اور جو کچھ کہ حکم خدا ہوا ہے اس کو
بجالاؤں۔ علی کہتے ہیں کہ میں نے حسب
ارشاد پیغمبر تمہیل کی سب ہی عبدالمطلب
کو بلایا وہ تعداد میں چالیس افراد تھے اور
ان میں آنحضرت کے چچا ابوطالب، حمزہ،

عبدالاس ابولہب سب موجود تھے یہ لوگ جمع
ہو گئے اور طعام کھا کر سیر ہو گئے۔
اس کے رسول خدا نے کلام کا قصد کیا
اس اثناء میں ابولہب نے اٹھ کر آپ کا
کلام قطع کیا اور کہا کہ اے لوگو محمد نے تم
کو حکم دیا ہے۔ دو سو دن پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ پھر تم
وہی انتظام کرو۔ میں نے پھر انتظام کیا۔ وہ لوگ آئے انہوں نے طعام کھایا۔ پھر رسول خدا
نے فرمایا۔

اسے اولاد عبدالمطلب خدا کی قسم میں جو انان عرب میں کسی شخص کو ایسا نہیں جانتا جو میری

طرح تمہارے لئے دین و دنیا کی خبر لایا ہو۔ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں پس تم لوگوں میں اس امر خاص میں میری وزارت کون شخص کرتا ہے۔؟
 علی کا بیان ہے کہ میرا مجمع میں کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے کہا یا رسول اللہ گو میں ان لوگوں میں سب سے کمسن ہوں میری آنکھیں پر آشوب ہیں۔ گو میرا پیٹ بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں پتلی و کمزور ہیں۔ مگر میں آپ کا وزیر بننے کو مستعد ہوں۔

یہ شکر رسول خدا نے میرے شانہ پر ناظر رکھ کر فرمایا۔ ”اے لوگو! دیکھو! یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا دوصی ہے۔ اور یہ میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتوں کو سنا اور اس کی اطاعت کرو یہ سب لوگ ہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابوطالب سے بطور تمسخر کہنے لگے۔ کہ آج سے تم اپنے بیٹے کے مطیع بنا دیئے گئے۔

(۳) سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد ۱ ص ۱۵۴ :-

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علی سے کہا کہ دعوت کا سامان کر میرے در حقیقت اسد م کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ، ابوطالب اور عباس سب شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے کھانے کے بعد فرمایا :-
 ”میں وہ چیز لیکر آیا ہوں۔ جو تمہارے دین و دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔“

تمام مجلس میں سناٹا تھا کہ دفعتاً علی نے اٹھ کر کہا۔ گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ قریش کیلئے ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ جوان ہے۔ دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بیاختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چلکر زمانہ نے بتلا دیا کہ یہ سہرا پا بیچ ہے۔

(۴) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۳ (مفہوم مثل عبارات سابقہ) :-

انہ علی مرتضیٰ نقل کردہ اند کہ فرمود کہ چوں آیت کریمہ و انذر عشرتک الا قرین نازل گشت حضرت رسول مرا امر کرد کہ طعائے ترتیب کنم.....
 علی گوید گفتم یا رسول اللہ منک از لیشا و لبال خورد ترم تو را تقدیق نمودم و تو گویدیم و بجان در خدمت تو کشیدم خاک قدم تو را بکحل الجواہر مسفرد شتم۔ رسول مرا نوازش فرمودہ

فرمود کہ میں برادر سے منست است و وصی من سخن اور البشیرید از فرمان او تجاوز جائز

ندارید۔۔۔

چند تاریخی عبارات پیش کی گئیں ان کا خلاصہ صرف مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) پیغمبر اسلام ذوالعقوت ذوالعشرہ کے موقع پر اولاد عبدالمطلب کو حکم خدا و دعوت اسلام و دعوت اعانت اسلام دی۔

(۲) حاضرین دعوت ذوالعشرہ نے ہدایت و پیغام پیغمبر اسلام کو منسی میں ادا دیا۔

(۳) علی نے بعمر ۱۳ سال تصدیق رسالت کی اور اعانت پیغمبر اسلام کا وعدہ کیا۔

(۴) پیغمبر اسلام نے تصدیق و وعدہ نصرت کے بعد علی کو اپنا وصی، خلیفہ اور بھائی ہونے کا اعلان عام کیا

استنباط نتائج۔ مورخین عالم عموماً اور مورخین اسلام خصوصاً اس امر کے معترف ہیں کہ

پیغمبر اسلام نے جب دعوت ذوالعشرہ میں قریش کو دعوت اسلام دی۔ اور انہوں نے پیغام پیغمبر اسلام

کو مذاق میں ادا دیا تو علی نے پیغمبر خدا کی صداقت و رسالت کی تصدیق کی اور اس موقع پر پیغمبر اسلام کا

اقتضائے عدالت کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیا صرف شاہ باس بچے شاہ باس کے الفاظ علی کی تصدیق و رسالت

کا بدل بن جاتے۔ نہیں بلکہ یہ الفاظ تمسخر و تضحیک بن جاتے۔

پھر اس موقع اہم پر پیغمبر اسلام کا اقتضائے عدالت کیا ہوتا چاہئے تھا۔ جبکہ شرفاء دروڑ عرب

پیغام کلمہ توحید کو منسی میں ادا رہے تھے۔ تو لغتائے عدالت کیا تھا یہی کہ ان کی مذاق کی بات کو حقانیت

اور اصلیت کا ہمامہ سپنا دیں۔ یہ کام اسی طرح ممکن تھا کہ تصدیق نبوت کرنے والی کمزور آواز کو طاقت

ابدی بخش دیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے اعلان کر دیا کہ علی آج سے تاقیامت میرا بھائی، میرا خلیفہ

میرا وصی ہے۔

یہ جو کچھ ہوا اپنے موقع کے لحاظ سے بے مثل کام ہوا۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے ان

الفاظ نے عملی صورت بھی اختیار کی یا نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کی خدمات کے معاوضہ میں کوئی

صلہ دینے کا وعدہ کرے اور بعد کو جب وقت صلہ آئے تو اس شخص کو محروم کر دے تو اس فعل کو عدالت

کہیں گے یا ظلم! اول تو وعدہ خلافی خود ظلم ہے۔ دوسرے خلاف کام کرنا بھی ظلم ہے۔ تیسرے کسی کی

خدمت کا صلہ نہ دینا بھی ظلم ہے۔

علی نے بلا خوف بیان مجمع اعدائے اسلام میں نصرت پیغمبر اسلام کا اعلان کر دیا۔ یہ تو خدمات علی

تھیں۔ اب ان کا صلہ و معاوضہ بھی پیغمبر اسلام نے فوراً دیا۔ کہ یہ اعلان کر دیا کہ علی میرے بعد میرا

میرا خلیفہ اور وصی ہوگا۔ الفاظ کا بدلہ الفاظ کی صورت میں مل گیا۔ لہذا پیغمبر اسلام کا ایسا فرما دینا مطابق تو انہیں عدالت ہوا۔ اب رہا معاملہ علی معاوضہ کا۔ تو جب علی باہر رسالت کے اٹھانے میں پیغمبر اسلام کی مدد کریں گے تو پیغمبر اسلام بھی علی صورت میں علی کو اپنا وصی و خلیفہ سببی بنا کر ثبوتاً عدالت دیں گے۔

سطور مندرجہ ذیل میں تاریخی عبارات لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ نفس مضمون واضح ہو سکے۔

حیات علی با اختصار و باجمال از ابتدا و تا انتہا، تصدیق رسالت

مذکورہ تاریخی عبارت

نے ظاہر کیا کہ بعمر

(۱) ۱۳ سال علی نے پیغمبر اسلام کی مدد و نصرت و تصدیق کا وعدہ مجمع اشراف مکہ کے سامنے کیا۔

(۲) بعد بعثت رسول علی نے سب سے پہلے تصدیق رسالت و توحید کی۔

تاریخ طبری ۱۰۰ عن زین بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول اللہ صم علی ابن ابی طالب جو شخص پیغمبر اسلام پر سب سے پہلے ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

(۳) علامہ ابو جعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شافعی شیخ البلاء کے استاد اور شیخ تھے لکھتے ہیں۔ زاسوۃ

الرسول ص ۲۵۲ جلد دوم ۱۰۰

ایام مقاطعہ میں مدد رسول

تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام رتین سال شعب ابی

طالب میں پیغمبر اسلام اور نبی ہاشم کا مقید رہنا۔) میں

(۱) خاص کر علی کے سپرد تھی یہ علی الصبح شعب سے نکل کر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکل جاتے

تھے۔ اور وہاں سے جو گہیوں، کھجوریں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھ کر لاتے تھے۔ وہ بھی کبھی یہ

ہیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ بیرونی آبادیوں میں جا کر منع کرتے تھے۔ بسنے

اکثر فاقے گزرتے تھے اور شدت گرسنگی و تشنگی سے گرفتار ان مصیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آچھتی

تھیں۔۔

maablib.org

(ب) سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۶۹ علامہ شبلی نعمانی۔

تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح (درخت کا نام ہے)

کے پتے کھا کر بسر کرتے تھے۔

(۲) **مدد رسول شب ہجرت**

روضۃ الصفاء جلد ۲ ص ۵۵

پیغمبر اسلام کو جب کفار مکہ کا قصد قس معلوم ہوا

سفرت رسول پر کیفیت قضیہ اطلاع یافتہ

علی ابن ابی طالب را فرمود کہ مشرکان قصد
قتل من دارند تو برو و بردمرا پوش و در
نوا بگاہ من تکیہ کن و دل قوی دار کہ پیچ مکرده
بہ تو نہ تواند رسید۔ علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ
عمل نموده بروے کہ پیغمبر در ثواب پوشیدہ
بروش خود کشیدہ در فراش خاص آنحضرت
بغرا غبال تکیہ فرمود۔ و من الناس لیرجع
نفس نفیس تو ذرا فدائے ذات مقدس است
و آیه کریمہ من لیشری نفسہ ابتغاء
مسنات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔
در اں واقعہ نازل باشد۔

تو آپ نے علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ مشرکوں
نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم
جا کر میری خاص چادر اوڑھ کر میرے بستر پر
سو جاؤ اور اطمینان رکھو کہ تم کو کوئی عیبانی نقصان
نہ پہنچے گا۔ علی مرتضیٰ نے مطابق حکم رسول عمل
کیا اور چادر رسول اوڑھ کر نوا بگاہ رسول
میں باطمینان تمام سو گئے اور انہوں نے اس طرح
اپنے کو فدیہ ذات اقدس پیغمبر اسلام کر دیا
اور آیت کریمہ من لیشری۔ لوگوں میں سے
کچھ ایسے بھی ہیں جو رضائے خدا کے حصول کے
لئے اپنے نفس کو بدست خدا فروخت کر دیتے

ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ نازل ہوئی۔

۵ مدور رسول بہ سفر ہجرت
تفسیر در منشور جلد ۲ ص ۲۴ علامہ امام جلال الدین
سیوطی۔

پیغمبر اسلام اور ابو بکر غار میں تین دن تک
ٹھہرے رہے اور عامر بن مہیرہ ان کیلئے
طعام لاتا تھا۔ اور علی اس کھانے کا انتظام
کرتے تھے۔ پھر علی نے تین اونٹ بکرین کے اونٹوں
سے خرید کئے اور ایک رہبر کو گرایہ پر ابھیر کیا
جب تیسری رات کا کچھ حصہ گزر تو علی اونٹوں
اور رہبر کو ساتھ لیکر آئے ایک اونٹ پر رسول
سوار ہوئے اور ایک پر ابو بکر اور مدینہ کی
کی طرف روانہ ہو گئے۔

فمکت ہو و ابو بکر فی الغار ثلاثہ
ایام لیختلف الیہم باطعام عامر
بن مہیر و علی یجہزہم فاشتر و ثلاثہ
ایام من اهل البحرین و استاجروہم
دلیلان فلما کان بعض اللیل من
اللیل الثلاثہ اتاہم علی بالابل و
الدلیل و رکب رسول اللہ و رکب
ابو بکر اخوی فتوجہوا نحو المدینہ
(۶) تاریخ طبری جلد دوم ص ۱۲۴ مصری۔

پیغمبر اسلام نے بوقت روانگی ہجرت علی کو
حکم دیا کہ چارے کے لئے طعام بھیجنا چاہئے

و ارسل ابی اطعام و استاجرنی
دلیلان لدنی بطریق المدینہ

واشترط راحلہ ثم مضى رسول الله
صلعم -

لئے رہبر اچھ کر لینا جو مہکو مدینہ کا راستہ
بتائے اور ہمارے لئے سوار خرید کر لینا اس
کے بعد پیغمبر اسلام روانہ ہو گئے۔

امانات قریش کی ادائیگی

معالم التنزیل صفحہ ۸۳

(۷) وخلف سبامكة حتى يودي عنه الودع التي قبلها..... دار سلو افى
طلبه -

ترجمہ - علی کو رسول نے مکہ میں اپنا قائم مقام کیا۔ تاکہ جو امانتیں لوگوں کی پیغمبر اسلام کے پاس
موجود تھیں ان کو ادا کر دیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کی صداقت و امانت داری پر اعتبار کر کے
لوگ اپنی امانات آپ کے پاس رکھو ادا کرتے تھے۔

مشرکین فریش رسول پر رسول کی چادر اور سوئے ہوئے (علی کی نگرانی کر رہے تھے۔ اور یہ
سمجھ رہے تھے کہ یہی رسول خدا ہیں۔ (یحسبون انه نبی) جب صبح ہوئی تو سب کفار
ادھر متوجہ ہوئے۔ چادر اٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب ہیں۔ پوچھا کہ تمہارے آقا کہاں
گئے؟ فرمایا مجھ کو نہیں معلوم پس وہ سب مشرکین پیغمبر اسلام کے نقش قدم پر روانہ ہوئے
تاکہ ان کی جستجو کر سکیں۔

(۸) علی نے پیغمبر اسلام کیلئے غار میں تین دن طعام کا انتظام کیا۔ پیغمبر اسلام کیسے دو ادنٹ بھی خرید کر حاضر کئے
ایک رہبر کو بھی ساتھ کیا۔ اور ایک صحابی کو بھی ہمراہ کیا۔ اور اہل مکہ کی امانات اہل مکہ کو واپس
کر کے مطابق حکم پیغمبر اسلام خود ہجرت مدینہ اختیار کی۔ اور ایک طولانی سفر پاپیادہ طے کر کے پیغمبر
اسلام کی خدمت میں مقام قبا میں حاضر ہوئے تاکہ وطن سے دور بھی دوران سفر ہجرت پیغمبر اسلام
کی ہر موقع نصرت و اعانت کرتے رہیں۔ اور پیغمبر اسلام نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ جب تک علی ہجرت
کر کے قبا تک نہ پہنچ جائیں آپ مدینہ میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ بغیر ناصر و یاور کے غیر عجبہ قیام خطرناک
تھا۔ ملاحظہ ہو۔

شرح مواہب الدنیہ علامہ عبد الباقی الزرقانی - ص ۲۲۳

علی رات کو سفر کرتے تھے اور دن میں مخفی رہتے
تھے۔ پھر ٹی زمین پہلنے سے علی کے دونوں
پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ پس پیغمبر اسلام نے

وکان علی لیسیر باللیل و یخفی بالنهار و
قد نقبت قدماہ فمستحما لینی
صلعم و دعالم بالشفاء فبرئت

علی کے بیروں کو مسح کیا دنا کی اسی وقت شنا
پانی پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی۔

فی الحال دما اشتکا ہما بعد الیوم

قط۔

پیغمبر اسلام نے مقام قبا میں باختلاف روایات ۱۵ یا ۱۸ دن تک قیام کیا۔ اسی اثنا میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مدینہ میں داخل ہوں کہ اہل مدینہ آپ کی آمد کے بدل مشتاق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تک علی مجھ سے نہ ملجائیں گے اور ہجرت کر کے مجھ تک نہ پہنچ جائیں گے۔ میں مدینہ میں داخل ہونگا اور پیغمبر اسلام کیسے ہی مناسب بھی تھا۔ کیونکہ غیر شہر میں داخل ہونا جبکہ اہل وطن، اقرباء اور تمام عرب آپ کی جان کا دشمن تھا۔ ایسی حالت میں اس شخص کا موجود ہونا ضروری تھا جو نصرت و مدد کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے سکا تھا۔

جب علی قبا میں پہنچ گئے تو علی کو ہمراہ لیکر
کاخیال ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر اسلام بے خوف جان بحالت امن و امان قیام پذیر ہو گئے۔ یہ خیال غلط ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر اسلام کو مکہ سے بھی زیادہ خطرہ جان تھا۔ ہفتوں رات دن جاگنا پڑا ہے۔ اور رسول خدا کی حفاظت کرنی پڑی ہے۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) صحیح نسائی :-

رسول خدا جب مدینہ میں داخل ہوئے تو
راتوں کو جاگ کر صبح کرتے تھے۔

كان رسول الله صلعم اول ما قدم
المدینة لیس من اللیل۔

(۲) مستدرک امام حاکم :-

پیغمبر اسلام جب مدینہ میں داخل ہوئے اور
النصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب لڑ
کو تیار ہو گیا۔ اور متحد ہو گیا۔ اہل اسلام شب
روز مسلح رہتے تھے اور مسلح ہی شب کو لیتے
تھے۔

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول
الله صلعم واصحابه بالمدینة وادھم
الانصار رمتهم العرب عن قوس
واحدہ وکانوا یتیقون الا بالسلام
ولا یضربون الا قیہ۔

دانشور مدینہ سے تاقیم مدینہ علی پہنچنے کے ساتھ رہے اور ہر موقع پر نصرت کرتے رہے۔

غزوہ بدر ۱۔ رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۲ شعبان ۱ ہجرت
اور بیٹے کو ہمراہ لیکر میدان میں آیا اور مبارزہ طلب ہوا۔ لشکر اسلام سے تین

غزوہ بدر

جوانان النصر۔ عوذ و معوذ بن حارث اور عبد اللہ ابن رواحہ مقد بل کو لگے۔ مگر عتبہ نے اسے کہنا

کہ تم ہمارے مقابلے کے اہل نہیں ہو تم تو اپنا کھو بنی ہاشم سے چاہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے با لفاظی تاریخ طبری
داہن ہاشم یہ الفاظ فرمائے۔

۱۱) طبری ص ۳۱۴

تم یا حمزہ بن عبدالمطلب تم یا عبیدہ
بن الحارث بن عبدالمطلب تم یا علی
ابن ابی طالب فلما قاموا دونہم
قالوا من انتم قال عبیدہ، عبیدہ قال
حمزہ، حمزہ قال علی۔ علی قالوا نعم
اکفاء کرام۔
عقبہ نے کہا کہ بیشک آپ معززین عرب ہو اور ہمارے مقابل ہو۔

پیغمبر اسلام نے حکم دیا اٹھو، حمزہ بن عبدالمطلب
اٹھو! عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب۔ اٹھو!
علی ابن ابی طالب۔ یہ جب سب اٹھ کر متقابل
حریف ہوئے تو عقبہ نے پوچھا آپ کون لوگ
ہیں۔ حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں۔ عبیدہ نے
کہا کہ میں عبیدہ ہوں۔ علی نے کہا کہ میں علی ہوں۔

۱۲) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۲۰۴

مبارزان اسلام نے اس آخری عہد میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا اور ان میں سے قریب قریب نصف
تعداد کو اکیلے علی مرتضیٰ نے تہ تیغ کیا۔

۱۳) سیرۃ النبوة سوالہ ارجح المطالب، مولفہ خواجہ عبید اللہ امرتسری :-

اسی طرح حضرت علی ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے یہ ستر تک کہ آپ نے نصف کر قتل کیا اور کچھ مقتول
ستر تھے اور نصف اور مسلمانوں نے قتل کئے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین طلحہ الشافعی نے اپنی

کتاب مطالب الرسول میں اور علامہ محمد بن یوسف النجفی نے کفایۃ الطالب میں بھی بتائی ہے۔

۱۴) سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۲۵۷ غزوہ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی ابن ابی طالب ہیں۔

۱۵) ارجح المطالب مطبوعہ لاہور ص ۵۵۵ منقول از امام دولابی :-

لا ینصرف حتی یفتم عبیہ۔

”علی کسی غزوہ سے اس وقت تک واپس نہیں آئے تھے جب تک اس کو فتح نہ کر لیں۔“

۱۶) روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۷۷ غزوہ بدر :-

شکر دشمن سے روز بدر ستر شخص قتل

انہما جملہ بقولی سی و شش کسیر امرتضی علی

ہوئے تھے اور ان میں سے ۳۶ بہرہ دران

کشت و از مخالفان ہفت و نفر کشتہ شدند۔

عرب کو علی مرتضیٰ نے قتل کیا تھا۔۔۔۔۔

غزوہ بدر پہلا غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ عام افلاس تھا۔ اسلحہ اور سواری بھی بہت کم تھے دشمن مسلح تھے۔ حملہ آور تھے۔ تعداد بھی کئی گن زیادہ تھی۔ ان حالات میں علی مرتضیٰ نے پیغمبر اسلام اور اسلام کی جو مدد کی اور جس طرح اپنی تیرہ سالہ عمر کا وعدہ وفا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۰) غزوہ سولق - ۲ھ میں ابوسفیان بن حرب جنگ بدر سے پسپا ہو کر بھاگا۔ اور اس نے مکہ میں عام اعلان کر دیا کہ کوئی بہادر عرب اپنے سر میں تیل نہ ڈالے، اپنی عورت سے مباشرت نہ کرے جیت تک مقتولین بدر کا انتقام اہل اسلام سے نہ لے۔ ابوسفیان بن حرب دو سو سواروں کو ہمراہ لیکر مکہ سے نکلا۔ پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی دو سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر ان کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ جب ابوسفیان کو حملہ اسلام اور مقابلہ کی خبر پہنچی تو وہ محو اپنے رفقاء کے بھاگ گیا اور سان رسد میں وہ سولق (ستو) ہمراہ لایا تھا تجس فرار کی وجہ سے وہ بوریوں چھوڑ بھاگا۔ اسی سولق کی بوریوں کی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ سولق ہوا ہے۔ علی مرتضیٰ بھی اس غزوہ میں موجود تھے۔۔۔۔۔

(۱۱) غزوہ بنی قیناع - یہودان مدینہ نے پیغمبر اسلام کے ساتھ بد عہدی کی اور اہل اسلام پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پیغمبر اسلام کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے ابولبابہ صحابی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کی علمداری علی مرتضیٰ کو سپرد کی گئی گیارہ روز بنی قیناع کا محاصرہ کیا گیا آخر انہوں نے دروازہ قلعہ کھولا۔ عبداللہ ابن ابی سلول کی سفارش سے ان کی جان بخشی کی گئی۔ اور ان کو حجاز وطن کیا گیا۔ اور ان کے خطرہ سے مرکزہ اسلام مدینہ کو پاک کیا گیا۔

(ب) روضۃ الصفا ص ۸۴ جلد دوم :-

گروہے گفتہ اند کہ علم را بعلی ابن ابی طالب
تفویض فرمودہ۔ از مدینہ بیرون رفتہ۔

مورخین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ
غزوہ بنی قیناع میں پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ

کو علم اسلام سپرد کیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

(۱۲) غزوہ احد ۳ھ :-

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۸۹ :-

ولواء مہاجرہ را کہ بانحضرت انتقصاں داشت بعلی ابن ابی طالب تفویض فرمودہ۔

مہاجرہ بن کا علم فوج جو پیغمبر اسلام کیسے مخصوص تھا۔ وہ علی مرتضیٰ کو پیغمبر اسلام نے سپرد کیا۔

مختصر یہ کہ بروز جنگ احد مشرکوں کی صفوں میں
 لشکر کے سامنے آکر دف بجاتی تھیں اور نقارے
 بجاتی تھیں اور مدد کے مقصودین کا ذکر کر کے
 فوج کو ترغیب جنگ دلاتی تھیں جبکہ وہ
 صفوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اس وقت مسلمانوں
 پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ جو سوار
 تیرا نڈا زوں کے مقابل تھے۔ سب بھاگ
 کھڑے ہوئے۔ طلحہ ابن طلحہ کہ علمدار فوج
 کفار تھا۔ وہ بڑھا اور اس نے مبارز طلب
 کیا۔ شیر میدان جنگ علی مرتضیٰ نے اس کی
 جانب رخ کیا اور ایک وار شمشیر کا اپ کیا
 کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بعد ازاں ابھٹ
 مقابلہ میں آیا علی نے اس کو بھی ٹھکانے لگایا
 اس کے بعد شرح آیا۔ وہ بھی بھینال
 ایک گروہ علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(ب) بالجمہ درال روز زمان مشرکوں پیش
 صفینا آندہ دف می زدند و طبعہا فرد
 کوفتہ و تذکار کشتگان بدر کردہ مردم
 خود را بہ محاربه تحریر می کردند آنگاہ وہ
 عقب صف رفتہ بایستادند و لشکر اسلام
 نہایتیر باران کردند و سواران کہ برابر
 تیرا نہ ازال بودند ہمہ پشت دادند طلحہ
 ابن طلحہ کہ علمدار کفار بود مبارزہ خواست
 شیر بیشہ علی مرتضیٰ
 روئے بد و نہادہ بیک ضرب کہ بر سرش زد
 طلحہ از پائے درآمد
 بعد ازاں ابھٹ بن شہر جبل بای خدمت
 قیام نمود علی مرتضیٰ اور اسیاراں ملحق گردانیدہ
 آنگاہ شرح بن قاصد
 متصدی این گشتہ
 زمرہ گویند کہ علی مرتضیٰ نیز اور را بقتل رسانید

(ج) بروز جنگ احد جب لشکر اسلام کو ہزیمت و شکست فاش ہوئی اور مسلمان بھاگ گئے اور لشکر کفار نے
 باواز بلند اعلان کر دیا کہ محمد قتل ہو گئے تو اس وقت علی مرتضیٰ نے حملوں پر حملے کرنے شروع کئے
 اور پیغمبر اسلام کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر پیغمبر اسلام کو ایک گڑھے میں گرا ہوا پایا۔ علی نے جلد
 پیغمبر اسلام کو اس گڑھے سے باہر نکالا۔ آپ کے زخموں کی مرہم پیٹی کی۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے
 علی سے ذکر کیا :-

روضة الصفا جلد ۲ ص ۹۱ :- (سوال رسول و جواب علی)
 درال حال نظر کر دے علی مرتضیٰ را در پہلو
 خویش ایستادہ دید۔ فرمود کہ ۔ لے
 ہوں ست کہ بدگیران نہ پوستی۔ قدوة
 پیغمبر اسلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو علی کو اپنے
 برابر کھڑا پایا۔ فرمایا کہ اے علی کیوں تم
 دوسرے مفردین کے ساتھ فرار نہ کر گئے

سید الاولیاء نے جواب دیا۔ اے رسول
خدا میرے لئے تو آپ کا نمونہ کافی ہے۔
اور علی نے کہا کیا میں ایمان کے بعد کفر
اختیار کر لیتا۔ اس کے بعد مشرکین نے
رسول پر حملہ کیا۔ رسول نے فرمایا کہ اسے
علیؑ کو ان کے حملہ سے بچاؤ سیدر کر رہے
نے بعد ذوالفقار فوج کفار کو متفرق کر دیا
پھر دوسرا گروہ حملہ آور ہوا۔ علی نے ان کو
کھنٹی مار بھگا یا کسی نے کہا۔ لافتی الاعلیٰ
لا سیف الا ذوالفقار۔

رس، احمد کے خوفناک دن خالد بن ولید
نے گھاٹی سے نکل کر حملہ کیا۔ اور مشرکین سے
کہا کہ اس شخص کو پکڑ لو جس کی تم کو تلاش
ہے۔ مشرکین نے تیر و تیرہ و تلوار سے شہید
حملہ کیا صحابہ رسول سب بھاگ گئے خدا
پنچیر اسلام میں بچے علی اور ابو و جنانہ اور
سہیل بن سنیف کے کوئی باقی نہ رہا اور
پنچیر اسلام پر غشی طاری ہو گئی۔

اس وقت حضرت امیر (علیؑ) کفار سے جنگ کر
رہے تھے۔ ابو و جنانہ و سہیل پنچیر اسلام
سرٹانے کھڑے حفاظت کر رہے تھے۔

رس، محمد ابن اسحاق کہتا ہے کہ روز
احمد علی کے ماتھے سے مندرجہ ذیل افراد

اولیاء جواب داد کہ۔ انٹی بک اسوۃ
..... علی گفت کہ اکسفر بعد الایم
یریں اثنا طائفہ از مشرکین متوجہ حضرت
رسول شدند فرمود کہ یا علی مرا نگاہ دار
سیدر کر کہ لظرب ذوالفقار فوج کفار را
متفرق گردانید باز گروہی دیگر آئند
مصطفی کردہ جناب ولایت مآب باشت
آنسرور ایشان را مندرج ساخت
قاتلے می گفت۔ لافتی الاعلیٰ لاسیف
الا ذوالفقار۔

رس، در ان روز مولانا خالد بن ولید از کمین
گاہ بیرون آمد و نزدیک بلشکر اسد م بانگ
بر مشرکین زد کہ بگریید این شخص را کہ
غالب اور یہ کفار با تیر و تیرہ و شمشیر آئند
سنگ کہ دند اصحاب روئے بگریز نہادند
و در خدمت آنسرور بغیر از امیر المؤمنین
علی و ابو و جنانہ و سہیل بن سنیف و
دیگرے نماند و حالت غشی بر آل حضرت
طاری شدہ۔

در ان زمان حضرت امیر یا کفار مبارزت
می نمود و ابو و جنانہ و سہیل بالائے سر
آن در ایستاده بودند و آنحضرت را
محافظت می نمودند۔

رس، محمد ابن اسحاق گوید کہ چند کس از مشرکان
در روز احمد بدست علی بقتل آمدند یکی

مشرکین قتل ہوئے ۱ طلحہ بن ابی طلحہ ۲
عبداللہ بن ابی جہل ۳ ابن ابوالحکم ۴
ولید بن ابی حذیفہ ۵ اور اس کا بھائی عییل
بن عییل ۶ ہشام بن امیہ ، عمرو بن عبد
جحی ۸ مالک بن بشیر ۹ صواب غلام عبد
الدار مرفوع بن قیس بن سعد نے

اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے علی کی
زبانی سنا کہ فرمایا کہ روز احد سورہ تلوار میں
میرے جسم پر گلیں کہ ان کے اثر سے میں زمین پر
گر پڑا

(ط) جب لشکر اسلام فرار ہو گیا اور کفر کی افواج
مثل امواج دریا کے رسول خدا کی جانب بڑھیں
ان میں سے قریب پچاس سوار جو بنی عبدمناف
سے تھے پیچھے اسلام کے قریب پہنچ گئے صفوان
کے بیٹے عوف اور خالد و ابوالعباد ابوالحمر
اور چودہ دوسرے افراد اولاد ابوسفیان سے
ان سب کو علی مرتضیٰ نے داخل جہنم کیا ۔

طلحہ ابن ابی طلحہ دیکرے پسرش عبداللہ
بن ابی جہل و ابن ابوالحکم و ولید بن ابی
حذیفہ و برادش عییل بن عییل و ہشام بن
امیہ و عمرو بن عبداللہ عممی و مالک بن بشیر
و صواد مولاٹے بنی عبدالدار حافظ ابو
. از مرفوع

بن قیس بن سعد اور از پدر خویش روایت
کر وہ کہ از امیر المومنین علی شنیدم کہ در
روز احد شام نزدیک من رسید چنانچہ
از اشراف من بہا بر من افتادم ۔

رط ، چوں معظم سپاہ اسلام روئے بانہزام
آوردند افواج لشکر کفر مانند موج دریا
متوجہ رسول خدا شدند از انجملہ قریب
پنجاہ سوار از بنی عبدمناف نزدیک بہ
حضرت رسیدہ پسران صفوان عوف و
خالد و ابوالعباد ابوالحمر و شمش
کس دیگر از اولاد ابوسفیان علی مرتضیٰ
این حملہ را بہ خیم تنگ آبدار ہزار البوار
فرستاد ۔

رع ، ص ۹۶ روضۃ الصفاء ۔ ص ۹۶ روضۃ الصفاء ۔

جنگ احد میں ، ستر افراد مسلمان مارے گئے
چار مہاجر اور ۶۶ چھیاسٹھ انصار ۔

در جنگ تنگ احمد بقتاد تن از مسلمانان
بقتل آمدند چہار تن از مہاجران و شصت
دشمن تن از انصار ۔

رف ، تاریخ طبری ص ۲۴۸ ۔

وقائل ابو وجانہ حتی امعن فی الناس و حزن کا بن عبدالمطلب و علی ابن ابی طالب ۔

..... لاشک جینھا۔

ترجمہ: ابو وجانہ نے جنگ کی حتیٰ کہ وہ فوج میں گھس گئے اور ایسے ہی حمزہ ابن عبدالمطلب اور علی ابن ابی طالب مع مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی اور فتح کی شکل نمودار کر دی۔ ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی کفار کی شکست تھی۔

رق - سیرۃ النبی ص ۲۶۱۔

علمداروں کے قتل اور حضرت علی اور حضرت ابو وجانہ کے بے پناہ عملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے بہادر نازتین جو رجز سے دلوں کو ابھار رہے تھے بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع سان ہو گیا۔

ک، ابن ہشام جلد دوم ص ۴۲ مطبوعہ مصر۔

ان عتبہ بن ابی وقاص رضی رسول اللہ ورفعه

ترجمہ: عتبہ ابن ابی وقاص نے پیغمبر اسلام کو روزِ احد زخمی کیا۔ آپ کے سیدھے طرف والی دو وار میں لوٹ گئیں اور نیچے کے منہ میں زخم آیا اور عبد اللہ بن شہاب الزہری نے پہرہ نبی کو زخمی کیا اور ابن قمیہ نے آپ کے منفر پر ضرب شمشیر لگائی کہ مغفراً یعنی کے دو حلقے آپ کے پہرہ میں پوست ہو گئے اور پیغمبر اسلام اس صدمے سے ایک گڑھے میں گر پڑے جن کو ابو عامر نے مسلمانوں کے گرنے کیلئے کھود رکھا تھا۔ فاضل علی ہا بن ابی طالب بید رسول اللہ صلعم ورفعه۔ گڑھے میں گرتے ہی پیغمبر اسلام کا دست مبارک علی مرتضیٰ نے پکڑ لیا اور ان کو اوپر اٹھایا۔ اور طلحہ بن عبد اللہ نے سہارا دیا۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام سیدھے کھڑے ہو گئے۔

د، سیرۃ ابن ہشام:۔

علی مرتضیٰ نے ذوالفقارِ جناب سیدہ کو دی کہ اس کو کفارِ احد کے خون سے صاف کر دیں اور فرمایا:۔

اغسلی عن هذا دمہ فواللہ لقد صدقتی الیوم۔

ترجمہ: اے فاطمہ ذوالفقار سے خونِ کفار کو دھو ڈالو۔ خدا کی قسم میں نے آج اپنے وعدہ نصرت کی تصدیق کامل کر دی۔ پیغمبر اسلام نے علی کا یہ قول سنا اور فوراً اس کی تصدیق فرمائی:۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدقت معک مسہل بن حنیف الانصاری

و ابو وجانہ:۔

ترجمہ: اے علی تم نے بیشک تصدیقِ قول کی جنگ کر کے مگر یقیناً تمہارے ساتھ مسہل بن حنیف

اور ابو دجانہ نے بھی اپنے اقرار نصرت کی تصدیق کر دکھائی۔

علی نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر آواز پیغمبر پر لیدیک کہی تھی اور وعدہ نصرت کیا تھا۔ اس وقت علی کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ آج جنگ اہم میں وعدہ نصرت رسول پورا کر دکھایا۔ اور پیغمبر اسلام نے اقرار فرمایا۔ کہ بیشک علی نے وعدہ نصرت کی تصدیق کر دی ہے۔

(۱۲) غزوہ حمر اہل لاسد۔

لشکر ابوسفیان جب مکہ واپس ہو گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اہم میں تو ہم کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اب ہم کو انتقام لینے بغیر بیٹھا باعث ننگ ہے۔ اور جب تک کہ ہم پیغمبر اسلام اور اسلام کی جڑیں نہ کاٹ ڈالیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اس معاملہ میں بہت کوشش شروع کی اور پیغمبر اسلام کی حکمت نظری کا اقتضاء یہ ہوا کہ رعب لشکر اسلام قلوب کفار پر طاری کر دیا جائے آپ نے جنگ اہم سے واپسی کے دوسرے ہی دن بلال کو حکم دیدیا کہ ندادیدے کہ مسلمان کمر باندھ لیں اور خود لباس فوجی زیب تن کر کے باہر نکلنے لگے۔ اور علی مرتضیٰ کو علمدار فوج بنا دیا اور مقام حمر اہل لاسد تک کوچ کیا۔ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور اس کے رفقاء پیر رعب اسلام سمجھا لیا اور وہ بغیر مقابلہ کے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ فوج دشمن کے دس افراد گرفتار ہوئے۔ شاعر ابو حزرہ بھی انہیں میں تھا۔ ان کو حکم پیغمبر اسلام قتل کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ لوگ فدیہ دیکر جنگ بدر میں رہا کئے گئے تھے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں گے۔ چونکہ انہوں نے خلاف عہد کیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ لہذا واجب القتل قرار پائے۔

تاریخی عبارات ماسبق سے واضح ہو گیا کہ علی مرتضیٰ کو جنگ اہم میں سولہ تواریس لگی تھیں۔ تمام جسم زخمی تھا۔ زخموں میں ٹانگے لگے ہوئے تھے اور آپ نے لشکر اسلام کے فرار کے بعد پیغمبر اسلام کی جان بھی بچائی تھی۔ حفاظت بھی کی تھی اور تنہا شکست اہم کو فتح اہم بنا دیا تھا۔ ان حالات میں واپسی کے دوسرے ہی دن پیغمبر اسلام نے حکم دیدیا کہ پھر غزوہ حمر اہل لاسد پھر دہرائے ہوں۔ اور علمدار فوج بنا دیا اور علی نے یہ سب کام بطیب خاطر اور بخوشی دل انجام دیئے۔ یہی وہ وعدہ طفلی کا ایفا تھا۔ جو دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر علی نے پیغمبر اسلام سے کیا تھا۔

۱۳ فوج اسلام نے سکہ میں قلعہ بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ حالت محاصرہ میں بوقت شب ایک شخص موسوم بہ عروہ بن انیس یا غرور خیمہ رسول کے قریب آیا اور اس نے ایک ترخیمہ رسول پر لگایا۔ خیمہ شکافتہ ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیدیا کہ اس خیمہ کو دوسری جگہ نصب کر دیں۔ اسی اثنا میں اسی شب

پیغمبر اسلام کو اطلاع دینی کہ لشکر میں علی ابن ابی طالب موجود نہیں ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ علی غزور کسی خاص مقصد کیلئے کہیں گئے ہوں گے۔ رات زیادہ گنہ گئی علی واپس نہیں آئے۔ آخر شب میں علی مرتضیٰ حاضر خدمت پیغمبر ہوئے اور اس یہودی موسوم غزور کا سر قدم رسول پر ڈال دیا۔ پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ اے علی یہ کیا واقفہ ہوا ہے۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب غزور نے آپ کے خیمہ کے مراتب گستاخی کی تو میں اس کی تلاش میں رہا۔ شب کو وہ پھر نواہا افراد کو ہمراہ لیکر نکلا تاکہ اہل اسلام میں سے جس کسی کو غافل پائے قتل کر دے۔ میں نے قلعہ کے قریب اس کا انشا کیا۔ جب وہ اپنے (۹) اور فقا کو ہمراہ لیکر نکلا میں نے حملہ کیا اور غزور کا سر قلم کر کے حاضر خدمت کی اگر حکم ہو تو باقی اس کے رفقاء کے سروں کو بھی پیش کر دیا جائے۔ پیغمبر اسلام یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ نے علی کے ہمراہ دس افراد کر دیئے۔ علی نے رفقاء غزور کا تعاقب کیا اور قلعہ پر پایا سب کا سر قلم کر کے در قلعہ پر لٹکا دیا۔ (روضۃ الصفا و مدارج النبوة

۱۳۳۱ ۳۵۶ غزورہ بدر صغریٰ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۱۱

ابوسفیان بن حرب جنگ احد سے واپس گیا۔ مگر اپنی خجالت مٹانے کیلئے اپنے ہوطنوں سے کہا میں نے محمد سے کہہ دیا کہ سال آئندہ استیصال مدینہ و اسلام کرنے کیلئے پھر آؤنگا۔ جب وقت متورہ آیا تو ابوسفیان کی ہمت نہ ہوئی۔ کہ وہ مقابلہ اسلام کیلئے مدینہ پر چڑھائی کرے۔ لہذا اس نے نعیم بن مسعود اشجعی جو بارادہ عمرہ مکہ آیا ہوا تھا سے ملاقات کی اور کہا کہ میں اعلیٰ قسم کے جس ادب بن کی عمر تین سال کی ہوگی تم کو دوں گا۔ تم مدینہ جا کر یہ کہو کہ لشکر قریش بڑی تعداد میں مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ اور لشکر اسلام پر ہمارے عیب طاری کر دو۔ اس سال بڑے مخط سالی کے مہلوگ حملہ نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر تمہارے ایسا کہنے سے ہمارے عیب قائم رہے گا۔ اور لشکر اسلام مدینہ سے باہر نہ آئے گا نعیم حسب وعدہ مدینہ پہنچا اور اس نے لشکر اسلام کو مرعوب اور خوفزدہ کر دیا۔ بالفاظ صاحب روضۃ الصفا۔

سچا پختہ حضرت گمان شد کہ سچکس اختیار آں غزورہ نخواہد نمود۔ پیغمبر اسلام کو گمان ہو گیا کہ کوئی مسلمان بھی اس غزورہ میں شرکت نہ کیے گا۔ عجیب حالت یا اس لشکر اسلام پر چھا گئی۔ مجبور ہو کر پیغمبر اسلام نے فرمایا۔

فرمود ہاں خدایا کہ نفس دور تبند قدرت اوست بیرون رویم اگر چہ احد سے با من موافقت نماید فرمایا اس خدا کی قسم جس کے تپنہ میں میری زبان ہے میں مقابلہ لشکر قریش کیلئے باہر نکلوں گا

اگرچہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص بھی نہ جائے۔

اس کے بعد لشکر اسلام کی ڈھارس بندھی۔ خاص اصحاب نصرت و رفاقت کیسے تیار ہو گئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنا نشان و علم فوج علی مرتضیٰ کے سپرد کیا۔ صاحبِ روفتہ الصفات نے لکھا ہے:-
حضرت مقدس نبوی رایت نصرت خود بہ علی مرتضیٰ دادہ با ہزار و پانصد گس از شجاعان از مدینہ بیرون آمدند۔

پیغمبر اسلام نے اپنے علم کو علی کے سپرد کیا اور پندرہ سو بہادران اسلام روانہ ہوئے۔ ابو سفیان دو ہزار کا لشکر مسلح لیکر مکہ سے نکلا اور وادی الظہران تک آیا۔ اور اپنے رفقاء سے کہا کہ چونکہ اس سال فحط سخت ہے۔ لہذا یہیں سے واپس چلو۔ اہل اسلام سے ان کا مقابلہ نہ ہو سکا اور وہ سب مکہ واپس چلے گئے۔

(۱۵) شہ غزوہ بنی مصطلق۔ عارت بن فرار سردار بنی مصطلق نے۔ لشکر حراثہ سلمہ بشمار صحیح کیا

اور مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا تو آپ نے لشکر اسلام کو ترتیب دیا اور علم لشکر مہاجرین علی ابن ابی طالب کو دیا اور علم انصار سعد بن عبادہ کے سپرد کیا جنگ ہوئی اور فتح اسلام کی ہوئی۔ اس غزوہ میں بھی علی کے ذمہ اہم ترین خدمت جنگ تھی۔ اور وہ علمداری فوج اسلام تھی

(۱۶) دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست در پریشالی و در ماندگی یا! (سعدی)

دوستان ہم نوالہ تو بہت طلبتے ہیں۔ مگر دوستان صادق کا وجود بہت کم ہے۔ علی پیغمبر اسلام کی

نصرت و مدد کا وعدہ بچھڑا۔ ۳ سال بوقت دعوت ذوالعشیرہ گزر چکے تھے۔ یہ مدد اگر میدانِ رزم

ہی میں ہوتی تو ناقص رہتی۔ مدد و نصرت کامل تو وہ ہے جو رزم و بزم دونوں مواقع پر کی جائے

مندرجہ ذیل واقع کوئی واقعہ رزم نہیں ہے۔ مگر معاملہ اہم ہے۔ ناموس پیغمبر کا معاملہ ہے لہذا

علی نے اس موقع پر بھی بطور خاص پیغمبر اسلام کی مدد کی ہے۔

نصرت رسول (واقعہ انک) شہ کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام جب غزوہ بنی مصطلق

سے واپس ہو رہے تھے۔ کہ اٹھنے راہ میں لڑو جو

رسول عائشہ عقب لشکر میں رہ گئیں اور تا صبح تنہا اس صحرا میں سوئی رہیں۔ صبح کو صفوان

بن معطل سلمی وہاں پہنچا۔ اس نے عائشہ کو وہاں تنہا دیکھا۔ تو کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون زبان پر

جاری کیا۔ صفوان کی آواز سے عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ صفوان نے زوجہ نبی کو اپنے ناقہ پر بٹھایا

اور لشکر اسلام تک جو قریب مدینہ پہنچ چکا تھا۔ پہنچا دیا۔

عبداللہ ابن ابی سول سرگروہ منافقین اور حسان بن ثابت و مسطح بن ثاقہ وغیرہ نے شکوک
انک ظاہر کئے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں زوجہ نبی کے متعلق مشہور ہو گئیں۔ طہینہ پہنچ کر پیغمبر
ہ اسلام نے گوشہ عزلت اختیار فرمایا۔ اور سخت ملول و رنجیدہ رہنے لگے۔ اور منافقین اور
بعض مسلمین نے اس واقعہ انک کو داستانِ رنگیں بنا دیا۔

پیغمبر اسلام کی ناموس کا معاملہ تھا۔ اور رسوائی و بدنامی عام ہو چکی تھی۔ مشکل کشائے دو بہان
علی مرتضیٰ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر اسلام سے وجہ ملال دریافت فرمائی
پیغمبر اسلام نے وجہ غم و اندوہ کو بیان فرمایا۔ علی نے پیغمبر اسلام کی مدد اور نصرت اس موقع پر
اس طرح کی کہ پیغمبر اسلام کو اطمینان خاطر حاصل ہو گیا۔
ملاحظہ فرمائیے روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۔

۱۱، علی ابن ابی طالب در آمد حضرت
مقدس نبوی کلام سابق را اعادہ فرمود
علی مرتضیٰ گفت کہ این حدیث افترا و بہتان
دار جملہ اکاذیب منافقان است۔
علی ابن ابی طالب داخل بارگاہ نبوت ہوئے
تو پیغمبر اسلام نے واقعہ سابق کو بیان فرمایا
علی نے عرض کیا اے خدا کے رسول یہ ذکر
و بیان صرف منافقین کا سچوٹ اور بہتان ہے

اس کے بعد علی نے عرض کیا کہ میرے اس قول کی تصدیق اور تائید اس واقعہ سے ہوئی کہ
میں ایک دن آپ کے ساتھ باجماعت نماز میں مشغول تھا کہ آپ نے دوران نماز اپنی نعلیں کو
اپنے پاؤں سے اتار دیا۔ اور ہم نے بھی اپنا ہوتا اتار دیا۔ جب آپ نے نماز سے فراغت پائی
تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے پیروں سے جوتا کیوں اتار دیا؟ ہم نے عرض کیا
کہ آپ کی پیروی و تاسی میں ایسا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ "تعالیٰ نماز میں جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول اللہ آپ کی
نعلیں بیرون نماز ہیں۔"

لہذا جب خدا کے قدیر و توانا آپ کو پیروں کے جوتے کے بارے میں خبردار رکھا کرتا
ہے تو پھر وہ آپ کی زوجہ کے اس معاملہ اہم کے بارہ میں کیونکر خبردار نہ کرے گا۔ آپ
کامل اطمینان رکھیں خداوند عالم ضرور پاکدامنی عاشرہ کو ظاہر فرما دے گا۔
پیغمبر اسلام علی کے اس قول سے مطمئن ہوئے اور مسرور ہوئے اور آپ مکان عائشہ کی طرف
تشریف لے گئے ممالانکہ آپ نے ایک ماہ سے نماز عائشہ میں سہانا اور بات کرنا بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد پاکدامنی عائشہ کی تصدیق آیت قرآنی نے کی۔

(۱۷) نصرت رسول بواقعه جنگ خندق

غزوہ خندق یا احزاب تاریخ اسلام کا مشہور

ترین واقعہ ہے۔ اس سے اس موقع پر تفصیل

کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصراً اتنا لکھا جاتا ہے کہ اس واقعہ تاریخ کے پیر و اور اس جنگ کے فاتح اعظم علی ابن ابی طالب تھے۔ اور آپ نے سب وعدہ طغی اس موقع پر بھی پیغمبر اسلام کی نصرت و دین اسلام کی حمایت اعلیٰ انداز میں ادا کی مختصراً چند سوالہ بات تاریخی ملاحظہ ہوں۔

(۱) شکر کفار عرب نے جب مدینہ کو گھیر لیا اور مجبور ہو کر قوت مقابلہ نہ دیکھتے ہوئے پیغمبر اسلام نے گردِ مدینہ خندق عمیق کھودی اور کھدائی تو علی نے اس خندق کے کھودنے میں سب سے زیادہ کار نمایاں کیا۔۔۔۔

(۲) جب عمرو ابن عبدود جو عرب کا مشہور بہادر ترین جنگجو تھا مع چند دیگر بہادران عرب کے خندق کے پار آگیا اور اس نے پیغمبر رسول پر نیزہ مار کر کہا کہ کیا اسلام میں کوئی مرد نہیں ہے جو میرے مقابلہ کو آئے تو اس کے ایسے طنزیہ کلام کو بھی شکر اسلام مضمن کر گیا۔ تو ایسے اہم نازک ترین موقع پر علی نے پیغمبر اسلام سے اجازت جنگ لی اور شدید جنگ کے بعد عمرو ابن عبدود کا سر کاٹ کر اپنے اقدس نبوی پر ڈال دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مسطور مندرجہ میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) روضة الصفا جلد دوم واقعہ غزوہ خندق

جب علی خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئے تو

ابو بکر و عمر نے اسے پیشانی علی کا بوسہ

لیا۔ اور پیغمبر اسلام نے علی کی شان میں

حدیث فرمائی۔ علی کی جنگ بروز جنگ خندق

میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے

افضل ہے۔

پہوں امیر المؤمنین علی بخدمت رسول آمد

ابو بکر و عمر بر شواستند و سر اور ابو سہ

دادند۔

رسول اللہ صلعم در شان اسد اللہ فرمود

مبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال

امتی الی یوم القیامہ

(۲) جنگ خندق میں حملہ آور فوج کی تعداد (۳۴) سو بیس ہزار تھی۔ اور اس نے مدینہ کو گھیر لیا تھا اور مدینہ

اور اہل اسلام کے فنا کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر علی ابن ابی طالب کی تنہا ہوا نمرودی دشمنیت

نصرت سے فتح اسلام کو حاصل ہوئی۔

۲۳ ذیقعدہ ۵ھ کو جنگ خندق فتح ہوئی

(۱۸) نصرت رسول بہ غزوہ بنی قریظہ

۲۴ روز بقیعہ کو پیغمبر اسلام مدینہ پہنچے۔ اس کے بعد فوراً ہی پیغمبر اسلام سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے اور فوج کو حکم دیدیا۔

(۱۸) اور کبویا خیل اللہ۔ اسے گروہ خدا سوار ہو جاؤ۔ حکم کی دیر بھٹی مجاہدین اسلام پھر کمریں کس کر تیار ہو گئے

پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو علمدار و سردار لشکر اسلام بنا کر فوج اسلامی کے ساتھ آگے بھیج دیا اور بقیعہ فوج اسلامی کو ہمراہ لیکر آپ بعد کو روانہ ہوئے۔ علی جب بنی قریظہ کے قلعوں کے پاس پہنچے

تو آپ نے علم اسلام کو نصب کر دیا۔ ایک مہینہ تک قلعہ بنی قریظہ کا محاصرہ رہا۔ (طبری)

آخر بنی قریظہ کو ان کی شہزادوں کا بدلہ دیا گیا اور ان کو مطابق حکم سعد بن معاذ قتل کر دیا گیا۔

(۱۹) روضۃ الصفا جلد دوم واقعہ بنی قریظہ۔

پیغمبر اسلام نے علی کو بلا کر علم اسلامی انکو عطا فرمایا

اور ایک لشکر مہاجرین کو ساتھ کر دیا۔ اور پہلے

روانہ کر دیا۔ بعد کو اصحاب عظام کو گروہ

درگروہ علی کے عقب میں روانہ کیا۔

جب علی مرتضیٰ قلعہ بنی قریظہ کے سامنے پہنچے

تو آپ نے علم اسلام کو زمین پر نصب کر دیا۔

رسول خدا نے فرمایا کہ ایک مناسب جگہ خندق

کھودیں اور بنی قریظہ کے افراد کو گروہ گروہ

اسامہ کے گھر سے لائے تھے اور علی مرتضیٰ اور

زبیر مطابق حکم رسول انکی گردن مارتے تھے۔

۶ھ میں پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی سعد

دیگر قبائل کو جمع کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ

اہل خیبر کی مدد کریں اور منفق ہو کہ مدینہ پہ حملہ آور ہوں۔ پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو علم

اسلام دیکر روانہ فرمایا۔ اور سو افراد لشکر اسلامی کے ہمراہ کئے۔ علی ابن ابی طالب نے یکایک بنو

سعد پہ حملہ کیا۔ وہ بھاگ گئے اور کثیر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ علی نے خمس نکال کر باقی

اموال کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔

صاحب روضۃ الصفا نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔

و علی ابن ابی طالب را طبیبہ لوار ایدست

اور داد با طائفہ از مہاجرین ان در مقدمہ

فرستاد و صحابہ عظام را فوج از عقب

اور روانہ ساخت۔

(۲۰) چو علی مرتضیٰ بیائے قلعہ بنی قریظہ رسید

علم را بر زمین نصب کرد

(۲۱) رسول خدا فرمود تا در موضع مناسب خندق

کنند و فوج از خانہ اسامہ بیرون آورده

علی مرتضیٰ و زبیر بفرمودہ حضرت رسول

بضرب اعناق ایشان پمداختند۔

(۱۹) نصرت رسول بموقعہم بنی سعد

۱۱۔ علی ابن ابی طالب را با صد کس یقیناً بنی سعد کہ بجانب فدک بودند فرستاد
پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو ایک سو سپاہی دیکر یقیناً بنی سعد جو جانب فدک رہتے تھے کی طرف
بھیج دیا۔۔۔

۲۰۔ نصرت اسلام بہ موقع صلح حدیبیہ تحریر عہد نامہ
دعوت ذوالعشیرہ میں علی
نے نصرت و حمایت پیغمبر اسلام

کا اعلان کر دیا تھا اور تصدیق تو حید و رسالت کی تھی عہد و پیمان پر باقی رہنا اصل مردانگی ہے۔
صلح حدیبیہ کے موقع پر ایسا وقت آ گیا کہ اس عہد و پیمان میں نقص واقع ہونے کا امکان پیدا ہو گیا
اگر اس موقع پر علی کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو ضرور اس سے نقص عہد عمل میں آجاتا۔ موقع کی
نزاکت اور اہمیت ملاحظہ ہو

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۲۲

پیغمبر اسلام عمرہ خانہ کعبہ کیلئے تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ مانع ہوئے آخر نوبت صلح نامہ تک
پہنچی پیغمبر اسلام کی جانب سے عہد نامہ لکھا گیا۔ اس عہد نامہ میں لکھا گیا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۲۳

(۱) رسول اللہ فرمود کہ اے علی بنو ابی طالب کہ
بسم اللہ اللہم هذا ما قضی علیہ
محمد رسول اللہ و علی آئمہ انوشتر
(۲) سہیل گفت ما اعتراف بہ رسالت تو
نہ اہم۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی لکھو شہادت

کہ میں ہوں اے خدا تیرے نام سے۔ یہ معاہدہ

کیا گیا من جانب محمد رسول اللہ کے۔ علی نے

اس عبارت کو لکھ دیا۔

رب سہیل بن عمرو نے اعتراف من کیا کہ اے محمد

ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔

(۱) پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی لفظ رسول

کو مٹا دو اور اسکی جگہ ابن عبد اللہ لکھ دو

جب پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو لفظ رسول کے

مٹا دیے کا حکم دیا تو علی نے عرض کیا خدا کی

قسم میں لفظ رسالت کو نہیں مٹاؤں گا۔

(۲) سہیل بن عمرو نے کہا اے علی لفظ

(۱) رسول فرمود اے علی رسول را حکم سائے

دیجائے دے بنو ابی طالب کہ ابن عبد اللہ

پہنچا تو حضرت رسول مرتضیٰ علی را ابجد

لفظ رسول اللہ امر فرمود علی گفت لا واللہ

من لفظ رسالت تو را محو نگردد انم۔

(۲) سہیل بن عمرو گفت اے علی رسول

اللہ را محو کن والا من از میں مصالحت

رسول اللہ کو مشادہ درنہ میں اس صلحنامہ پر
راضی نہیں ہوں۔ اور اس سے بیزار ہوں۔ علی
نے کاغذ صلحنامہ کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا
اور ارادہ کیا کہ اپنی تلوار بنیام سے باہر کھینچ لیں
پنچیر اسلام نے فرمایا اے علی سہیل کو چھوڑ دو
رس، امیر المؤمنین علی نے عرض کیا یا رسول
اللہ آپ کی تعظیم اور آپ کا احترام مجھ کو مانع

بیزارم و امیر المؤمنین صلحنامہ آزد دست
انداختہ میل کرد کہ شمشیر از غلاف بیرون
آورد حضرت رسول فرمود بگذار اے علی
رس، امیر المؤمنین علی گفت یا رسول اللہ مراعات
و تعظیم تو مانع آید کہ این کلمہ محو کنم بالجملہ
حضرت مصطفیٰ صحیفہ را گرفت و لفظ رسول
را محو فرمود۔

ہے کہ میں لفظ رسول کو مشادوں۔ آخر کار پنچیر اسلام نے صحیفہ اپنے ہاتھ میں لیا اور لفظ رسول کو
مشادیا۔

بادی النظر میں معاملہ معمولی ہے کہ پنچیر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ محمد کے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کر دیا
جائے بات کچھ دشوار نہ تھی۔ اگر بجائے علی کے کسی دوسرے صحابی کو ایسا حکم دیا جاتا تو بیشک وہ یہ عمل کرتا کہ لفظ رسول
کو محمد کے ساتھ سے مشادہ تیار ہوتا بھی یہی چاہیے تھا کہ ہر حالت میں پنچیر اسلام کا حکم قابل عمل ہی تھا۔ مگر علی کیلئے یہ
کام ناممکن تھا۔ کیونکہ تعظیم رسول اور تعظیم قرآن یہ تھی کہ خلاف معاہدہ نہ کیا جائے۔ علی پنچیر اسلام سے مودت و محبت
ذوالعشرہ پر عہد و پیمانہ کر چکے تھے۔ کہ وہ رسول خدا کی تادم آخر نصرت و حمایت کریں گے۔ اگر آج لفظ رسول اللہ
کو محمد کے نام سے محو کر دیتے تو پھر عہد نصرت ہی ختم ہو جاتا۔ بلکہ یہ فعل علی بجائے نصرت کے منافی نصرت ہوتا
علی نے مودبانہ خدمت پنچیر اسلام میں عرض کیا۔ کہ اگر آپ کا پاس و احترام نہ ہوتا۔ تو تعمیل ارشاد کر دیتا ہوتا
تھی اور معقول تھی۔ پنچیر اسلام کو بھی غالباً یاد آگیا ہو گا کہ علی تو بچہ ۱۳ تیرہ سال بموقع دعوت ذوالعشرہ
پر عہد و پیمانہ کر چکے ہیں۔ کہ وہ رسول خدا کی تادم آخر نصرت کریں گے۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اپنے ہی زبان و قلم سے اپنے عہد کو توڑ دیں۔ لہذا موقع کی نزاکت و اہمیت کو خیال
میں لاتے ہوئے اور عذر علی کو قابل قبول سمجھتے ہوئے پنچیر اسلام نے اپنے دست مبارک سے ہی لفظ رسول اللہ
کو محمد کے ساتھ سے مشادہ کیا۔ اور اس طرح سہیل بن عمرو نما تیندہ صلح حدیبیہ کی شہ طہ کو پورا کر دیا۔

نصرت اسلام جنگ پنچیر اسلام

غزوہ پنچیر اسلام کے تمام غزوات میں سے غزوات
اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو

مندرجہ ذیل تاریخی عبارات سے ہو گا۔

لیکن ریزانہ پیغمبر اسلام علم اسلام کو کسی
ایک صحابی کو دیکھ کر جنگ کیسے روانہ فرماتے
تھے۔ مگر چونکہ وہ قلعہ نہایت مستحکم اور مسلح
تھا۔ مگر کسی صحابی کو اس پر فتح حاصل نہ
ہوتی تھی اس قول کی تائید اس واقعے سے
ہوتی ہے کہ ایک دن فاروق اعظم عمر ابن
خطاب جنگ کیلئے نکلے علم اٹھایا اور فوج
اسلامی کو ساتھ لیا۔ اور قلعہ مشہد کین پر
حملہ کیا ہر چند کوشش کی۔ مگر فتح نصیب
نہ ہوئی۔ دوسرے دن صدیق اکبر ابو بکر بن
تھامہ علم اسلام کو ہاتھ میں لیکر اور لشکر اسلام
کو ہمراہ لیکر حملہ آور ہوئے سخت جنگ
فریقین میں ہوتی رہی۔ مگر مقصد حاصل نہ
ہوا۔ اور پھر واپس آگئے تیسرے دن عمر
ابن خطاب بار دیگر لشکر اسلام کو ہمراہ
لیکے محصورین قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ ایک
مرتبہ بہت کوشش کی مگر مثل سابق ہے
نہیں مرام واپس آگئے۔

ب۔ جب پیغمبر اسلام اپنے خیمے سے باہر
تشریف لائے تو فرمایا۔ علی ابن ابی طالب
کہاں ہیں۔ اصحاب نے بر طرف سے شور مچایا
کہ علی کی آنکھوں میں اتنا درد ہے کہ وہ اپنی
پشت پا کو بھی دیکھنے سے محذور ہیں۔
پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس
لایا جائے۔ لوگ علی کا ہاتھ پکڑ کر خدمت پیغمبر

روا۔ لیکن ہر روز..... رایت نصرت
آیت بدست کیے از اصحاب دادہ بکنگ
می فرستاد و چون آن قلعہ بود در غایت
حصانت و نہایت رصانت زیادہ کار
اندیشی رفت و از مویذات زیر انتقال
آنکہ روز سے فاروق اعظم مقصدی امر محار
گشت و علم برداشته با طائفہ از صحابیان
بیضہ اسلام پائے قلعہ اہل شکر و
ظلام رفت و ہر چند دست و پائے زد ہر
فتح در آئینہ مراد روئے نمود۔ در روز دیگر
صدیق اکبر رایت برگزیدہ با جمیع از شہداء
بمقتلہ اہل ضلال شتافت و محاربات عظیم
در میان فریقین واقع شدہ بحصول مقصود
باز گشت و نوبت سیوم عمر ابن الخطاب
باز مرہ از اصحاب روئے بہ جنگ محصوران
قلعہ فموص آوردہ کوشش بسیار نمود
بدستور سابق مراجعت فرمود۔

اب، ہوں حضرت مصطفیٰ از خیمہ مقدس بیرون
آمد۔ فرمود علی ابن ابی طالب در کجا است
مردم از ہر طرف آواز بہ آوردند کہ چشم او چنان
درد میکند کہ پشت پائے نمود غمی بنیہ فرمان
داد کہ اورا بیاورید دست علی را اگر فتنہ حاضر
ساختہ حضرت سردار ابرار ان مبارک پوش
نہادہ آپ دمان مبارک در چشم انشا کنند
..... بعد از ان علی از رحمت

میں لائے۔ آپ نے علی کے سر کو اپنے زانو مبارک
 پر رکھا اور اپنا لعاب دہن علی کی آنکھوں میں
 ڈالا۔ اس کے بعد علی کو آشوب چشم سے نجات
 مل گئی۔ یہ علی صحیحاً ہو گئے تو پیغمبر اسلام
 نے نشان شکر اسلام علی کو عطا فرمایا اور
 حکم دیا کہ اے علی اس وقت تک واپس نہ آنا
 جب تک کہ قلعہ قموص وغیرہ فتح نہ ہو جائیں
 (ح) علی آگے بڑھے کچھ راستہ چلے قلعہ
 قموص کے سامنے پہنچ کر سنگریزوں کے
 ایک ٹیلہ پر علم اسلامی کو نصب کر دیا۔
 قلعہ قموص سے سب سے پہلے جو شخص نکلا وہ
 حارث برادر مرہب تھا۔ اس نے مسلمانوں کو
 شہید کیا اور جنگ شروع کر دی امیر المومنین
 علی نے حارث کی جانب تو جہ کی اور ایک دار
 شمشیر میں اس کو جہنم داخل کر دیا۔
 مرہب نے جب اپنے بھائی کے قتل کی خبر
 سنی تو اس نے سلاح جنگ اپنے اور شجاعان
 عرب کو ہمراہ لیکر اپنے بھائی کا انتقام لینے
 کی غرض سے قلعہ کے دروازہ سے باہر آیا
 مرہب ایک جنگجو بلند قد اور تنومند تھا اس
 کے نیزہ کی سنان تین من وزنی تھی اور وہ
 جنگ و شجاعت میں اہل خیبر میں لاثانی تھا۔
 (د) مرہب نے چاہا کہ علی پر تلوار مارے۔
 مگر علی نے پیشدستی کر کے ذوالفقار کا وار
 اس ملعون کے سر پر کیا۔ ذوالفقار اس کے

در چشم امین شد و چوں علی مرتضیٰ علی از بلیہ
 رہد نملہ صی یافت لراست باد داد و فرمود
 التفات مکن تا آن زمان کہ تداے عز و علا
 خیبر را بہ دست تو مفتوح گردانند.....
 (ح) علی مرتضیٰ قدم در راہ ہنار و نزدیک حصن
 قموص رسیدہ و تودہ از سنگ نیزہ فرود
 بستن کسیکہ از حصن حصین با فوج خویش
 بجنگ بیرون آمد۔ عارث پودری برادر مرہب
 بود و حرب آغاز کردہ مسلمانان را شہید
 گردانید امیر المومنین علی متوجہ عارث شدہ
 بیک ضرب تیغ اورا بدوزخ رسانید۔ مرہب
 چوں بہ کشتہ شدن برادر خویش واقف
 شد با طائفہ از اہل شجاعت سلاح پوشیدہ
 بکین برادر پائے از دروازہ حصار بیرون
 ہنار و مرہب مبارزہ سے بود بالا بدستہ و
 تنومند کہ سنان نیزہ او س من وزن داشت
 و در شجاعت و مبارزت و مردم خیبر نظیر
 نداشت.....
 (د) مرہب خواست کہ تیغ با امیر المومنین علی زند
 امیر پیشدستی نمودہ ذوالفقار بہ سراں
 ملعون نابکار فرود آورد چنانچہ از سر و خود
 و دستارش گزشتہ بدند نہائے اور رسید
 (د) امیر المومنین از یہ صورت بغایت خشمناک
 شد و خود را بدر حصار قموص رسانید و در
 آہنین حصار را بہ کند سپر خویش ساخت۔

بالجملہ چوں اہل قوم مردم سائر قلاع خیبر
چیناں امر غریب از امیر المؤمنین حمید شاہدہ
کردند فریاد الامان بہ آوردند علی ابن ابی
طالب بعد از نخست حضرت رسالت ایشان
را الامان داد۔

سراور خود اور پگڑی سے گذر کر اس کے
دانتوں تک پہنچ گئی۔ ایک شخص نے گھات
سے نکل کر علی پر حملہ کیا کہ سپر ہاتھ سے گر گئی
علی اس صورت سے غضبناک ہوئے اور آپ
ور قلعہ پر پہنچے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کو
اکھاڑ کر اپنی سپر نہالیا۔ اہل خیبر و قموں نے
جب علی کی یہ طاقت دیکھی۔ فریاد الامان
کرنے لگے علی ابن ابی طالب نے پیغمبر اسلام
سے اجازت لیکر ان کو امام دیدی۔

(س) چوں خبر فتح خیبر بسمع ہمالیوں حضرت رسول
رسید بغایت مسرور گشت و در حین توجہ
علی بکھلا ز مت از خیمہ با استقبال او قدم
مبارک بریں ہنارد و دے را در کنار گرفته
ہر دو چشمش ہو سید و فرمود۔

(س) پیغمبر اسلام نے جب فتح خیبر سے اطلاع
پائی تو بہت مسرور ہوئے۔ اور جب علی خدمت
رسول میں حاضر ہوئے تو پیغمبر در شیمہ تک
استقبال کیلئے آئے۔ علی کو گلے لگا یادوں
آنکھوں کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ اے علی مجھ کو قابل شکر گزار ہی خبر اور تمہاری قابل تذکرہ
سچی کی اطلاع پہنچی ہے۔ یقیناً اللہ تم سے راضی ہوا اور میں بھی تم سے راضی ہوا۔

قد بلغنی بنا الشکور و سحبت المذکور
قد رضی اللہ عنک و رضیت انا
عنک۔

جو تاریخی واقعات سطور بالا میں لکھے گئے ہیں۔ وہ اتنے مشہور اور متواتر ہیں کہ کتب احادیث
اور کتب تاریخ میں بلا اختلاف درج ہیں۔ اسلئے مزید حوالہ حیات پیش ناظرین نہیں کئے گئے۔ بہر حال
غزوہ خیبر کے بہرہ صرف علی ابن ابی طالب قرار پاتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام نے علی کے بارہ میں جو حدیث
بیان فرمائی ہے وہ اس کی مؤید ہے۔

معارض النبوة۔ ملامحین ہرودی وقائع سہ
(ترجمہ) وروضۃ الصفحہ جلد ۲ ص ۱۳۵۔

(۲۲) نصرت اسلام واقعہ فدک

مقصد اقصیٰ میں یہ عبارت موجود ہے کہ
بعض کا قول ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم
نے حوالی خیبر میں علی کو بھیجا اور مصالحو
(فدک) علی کے ہاتھ پہ واقعہ ہوا۔

در مقصد اقصیٰ میں عبارت مذکورہ است
بعضے گویند کہ حضرت رسول خدا صلعم بسوئے
خیبر امیر المؤمنین علی را فرستاد و مصالحہ
بردست امیر واقع شد بہ آل ہنج کہ حضرت

امیر قصر ایشان نکلند و حوالہ اطوار بنوا ہوں
انہاں رسول باشد ۔

اس طور پیکر علی ان کو قتل نہ کریں اور علاقہ
فدک خاص پیغمبر اسلام کا حق و ملکیت ہو ۔

علاقہ فدک جو خاص خاصہ پیغمبر اسلام قرار پایا اس کے حصول کی تمام کوششیں صرف علی ابن ابی طالب
سے ہی کی گئی ہیں ۔ لہذا یہ واقعہ بھی نصرت رسول کے تحت دست پر ہوتا ضروری تھا ۔

سیرت النبی علیہ السلام
جلد اول ص ۳۶۸

نصرت اسلام واقعہ غزوہ دادی القرئی

(۱) پیغمبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی القرئی کا رخ کیا ۔ لیکن لڑنا مقصود نہ تھا مگر یہود
پہلے سے تیار تھے ۔ انہوں نے فوراً تیراندازی شروع کر دی ۔ آنحضرت صلعم کا حمل آپ کا غلام ترم
اتنا بڑا تھا کہ ایک تیر آیا اور وہ جہاں جت ہوئے ۔ مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے
لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے ۔

وقد استقبلتنا یہود بالرمی ولہم لکن علی تعجیۃ ۔

یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلانے لگے اور ہم تیار نہ تھے ۔ بہر حال جنگ شروع ہوئی ۔ لیکن تھوڑے روز
کے بعد یہود نے سپردالری اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہو گئی ۔

(۲) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۳۵ :-

مشرکین میں سے ایک شخص صفوں جنگ سے
باہر آیا اور اس نے اپنا مقابل طلب کیا ۔
زیر نے تیغ تیز سے اس کو پارہ پارہ کر دیا ۔
دوسرے نے ہرات کی اور میدان میں آیا
علی اسکے مقابل گئے اور اسے داخل جہنم کیا ۔ اور
ابو وجانہ نے دو شخصوں کو قتل کیا دادی
القرئی کی جنگ میں مخالفین کے گیارہ افراد قتل ہوئے
دوسرے دن جب سورج طلوع ہوا تو وہ شقی
منافق یہودی موقعہ پا کر بھاگ نکلے اور اہل
کثیر اہل اسلام کے ماتھ لگا ۔

شخصے از مشرکان از صف بیرون آمدہ
مبارزہ طلبید نہیر یہ تیغ تیز پیکر اور ایندہ ریزہ
کرد
دیگر ہرات نمودہ در میدان آمد علی در برابر
اور رفتہ ہم اور ابیضیل رسانید و دوس
دیگر ابو وجانہ بقتل آورد و راں روز
یازدہ نفر از مخالفان بقتل آمدند
اہل شفاق و نفاق راہ یافتہ
روئے بگریز نہادند و غنیمتے مسکاثر بدست
اہل اسلام افتاد ۔

یہ دو مورخین اسلام کی عبارات سے واضح ہوا کہ غزوہ دادی القرئی میں صفوں جنگ ہر دو جانب

آراستہ میں باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور اس جنگ میں علی ابن ابی طالب موجود تھے۔ اس غزوہ میں کئی لاکھ افراد و محالوں میں سے قتل ہوئے۔ وہ گوزہ ہرنے قتل کیا و د کو ابو و بجانہ نے قتل کیا باقی سات افراد کو سیاق و سباق قرنیہ عبارت بتا ہے کہ علی نے قتل کیا۔ کیونکہ بعد کو علی مرتضیٰ میدان جنگ میں برسر پیکار تھے۔ اگر بغرض محالی ایسا نہیں ہے۔ تو بھی بقول صاحب روضۃ الصفا علی اس غزوہ میں شریک ہی تھے اور آپ نے ایک دشمن اسلام کو قتل ہی کیا۔ اور یہی مقصد ہے کہ سب وعدہ دعوت ذوالعشرہ علی نے ہر موقع پر نصرت اسلام کی ہے۔

۲۳ نصرت اسلام بموقع ذات السلاسل

اس سیرت کے تفصیلی حالات پہلے صفحہ سطور بالا میں مطالعہ کیجئے۔

اس موقع پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ یہ سیرت خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور حکیم پیغمبر اسلام اس سیرت میں دفع دشمنان اسلام کیسے علی مامور کئے گئے اور علی کامیاب واپس آئے۔ اور پیغمبر اسلام نے خود اقرار فرمایا کہ خدا نے علی کے ذریعہ میری نصرت فرمائی ہے۔ ملائکہ ہوتاریخی عبارات۔

(۱) حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۹۸

پس آن شیر بیشہ شجاعت برآں گرگان
 وادی صنادت حملہ کرد و دلیران ایثاں را
 بر خاک ہلاک انداخت و فرزندان ایثاں
 را اسیر کرد و اموال ایثاں را متصرف شد
 و بجانب مدینہ روانہ شد و پوں بشارت
 فتح بحضرت رسالت رسید باوجہ صحابہ
 متوجہ استقبال آنحضرت شدند دور یک
 فرسخ مدینہ مقارن آن نور شید و بروج رسالت
 و ماہ فلک امامت و ولایت واقع شد
 حضرت رسول ہوائے مبارک غبار اندھیرہ
 سعادتمند زوج قبول پاک کرد میان دو
 دیدہ آن نور دیدہ خود را بوسید و گریست
 و فرمود کہ یا علی خدا را شکر و کرم کہ بازو

پس شیر بیشہ شجاعت علی مرتضیٰ نے ان دشمنان
 اسلام و گمراہان پر حملہ کیا۔ ان کے بہادروں
 کو قتل کیا اور ان کے فرزندان کو قید کر لیا
 ان کے اموال کو قبضہ میں کر لیا۔ اور جانب
 مدینہ روانہ ہوئے۔ جب خبر بشارت فتح
 ذات السلاسل پیغمبر اسلام کو پہنچی تو آپ
 صحابہ کو ہمراہ لیکر علی کے استقبال کیلئے روانہ
 ہوئے اور ایک فرسخ پر جا کر شمس رسالت و
 قرآمت کا قرآن السعدین ہوا۔ پیغمبر اسلام
 نے علی کے چہرے سے گرد راہ کو خود صاف
 کیا۔ اور علی کی دونوں آنکھوں کے درمیان
 میں بوسہ دیا۔ اور اس کے بعد پیغمبر اسلام
 فرط محبت سے رونے لگے۔ اور فرمایا۔

مرا بتو محکم گردانید و پشت مرا بتو قوی گردانید
 (۲) منقول است کہ حضرت امیر صد و بست نفر
 ایشان را بدست تنی پرست خو بقتل رسانید۔
 قوی کیا ہے۔ (۲) تاریخوں میں نقل کیا گیا ہے کہ اس جنگ سلاسل میں علی نے اپنے ماتر
 سے ۱۲۰ ایک سو بیس کافروں کو داخل جہنم کیا۔

ناظرین کو معلوم ہوا کہ سہ ماہیہ واقعہ اور یہ جنگ بھی علی کے مانتھوں پر فتح ہوئی ہے۔ اور پیغمبر اسلام
 نے اس جنگ علی کو اتنی اہمیت دی ہے کہ بعد بخر فتح آپ خود ایک فرسخ تک مدینہ سے باہر استقبال علی
 کیسے گئے ہیں۔ اور علی کو اپنا قوت بازو اور علی کو اپنے لئے نصرت خدا کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے
 زیادہ اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ علی نے ہر موقع مشکل میں نصرت پیغمبر اسلام کی ہے۔ اور اپنے وعدہ نصرت
 بموقع دعوت ذوالعشرہ کو باحسن و بآہ پورا کیا ہے۔ اس واقعہ کی شہادت خدا نے بھی سورہ والہاء
 میں دی ہے۔

روضۃ الصفا جلد ۱۲۲ ص ۱۲۲

۲۵ نصرت اسلام فتح مکہ

(۱) وسہ راہت بیاراست علیہ السلام الغالب علی ابن
 ابی طالب داشت درایتی نہیر بن عوام
 و دیگرے لسعد بن وقاص اختصا من
 یافتہ بود

پیغمبر اسلام جب فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ
 ہوئے۔ تو آپ نے تین علم سجاے ایک
 علم علی مرتضیٰ کے ماتھ میں دیا دوسرا
 نہیر کو اور تیسرا علم سعد بن وقاص کو عطا فرمایا

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۲۴

بوقت داخلہ مکہ عثمان بن عثمان اور عبد
 الرحمن عوف نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا
 کہ اے خدا کے رسول ہم سعد کی طرف سے
 مطمئن نہیں ہیں۔ شاید کہ وہ قریش سے
 لڑ جائے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ۔
 قیس بن سعد اپنے باپ سے علم کو
 لئے۔

عثمان بن عثمان و عبد الرحمن عوف گفتند
 کہ یا رسول اللہ انہ سعد امین نیستیم مبادا
 کہ بقریش آسید رسانند۔ رسول اللہ فرمود
 کہ قیس بن سعد لو را از پدر خود بستاند
 در بعضی روایات آید کہ آنحضرت فرمود
 کہ علی مرتضیٰ لو را از سعد بن عبادہ
 بگرفت۔

بعض روایات میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے سود سے علم کو لے لیا تھا۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا تو علی مرتضیٰ نے ہبل ربت اور اساف اور ناملہ کو تورا دیا۔

(۳) مشکلہ - تو لے آنکہ حضرت رسالت

امیر المؤمنین علی را فرمود تا ہبل را بنیداشت
و اساف و ناملہ بشکت۔

(۴) صحیح واقعہ تاریخی ہے کہ چند بت کعبہ میں

بلند بلند نصب تھے۔ ان بتوں تک ہاتھ نہیں

پہنچ سکتا تھا۔ رسول خدا اور علی مرتضیٰ جب

کعبہ میں داخل ہوئے تو ان بتوں کو دیکھا علی

نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا۔ کہ یا رسول

اللہ آپ میری پشت پر سوار ہو جائیں۔

اور ان بتوں کو تورا دیں۔ پیغمبر اسلام نے

فرمایا کہ اے علی تم بار نبوت کے اٹھانے کی

طاقت نہیں رکھتے ہو۔ بلکہ تم میری پشت

پر سوار ہو کر۔ بتوں کو تورا دو۔ علی نے مطابق

حکم عمل کیا۔ جب علی پیغمبر اسلام کے شانوں

پر سوار تھے۔ تو پیغمبر اسلام نے علی سے

سوال کیا کہ اے علی اپنے کو کیسا پاتے ہو؟

علی نے جواب دیا کہ میں اس وقت پردہ

ہائے غیب کو اٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔ اور

میں ساقی عرش تک پہنچ چکا ہوں۔ اور اس

وقت ہر شے میرے قبضہ قدرت میں ہے

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے علی اب تمہارا

مطلوب تم کو حاصل ہو گیا۔ علی نے عرض کیا

اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو مخلوق

کافی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میں چاہوں تو اپنے

(۴) بصحت رسیدہ کہتے چند بزرگ درموضع

چند بلند بفتادہ بودند کہ دست با ہنہمی

رسید۔ حضرت رسول و علی مرتضیٰ چون

بخانہ کعبہ آمدہ آں بتاں را دیدند علی عرض

رسانید کہ یا رسول اللہ پائے مبارک برکتف

من نہ و ایں بتاں را فرود آور حضرت مقدس

نبوی فرمود کہ یا علی تورا طاقت ثقل نبوت

نیست تو پائے برکتف من نہ و بایں امر

اشتغال نما علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ عمل

نمودہ و در انجین کہ پائے علی برکتف

رسول اللہ بود آنحضرت ازو سے سوال

فرمود کہ اے علی خود را چگونہ میبانی گفت

یا رسول اللہ چنان می بینم کہ جب مرتفع

شدہ و سر من بساق عرش رسید و بہر چہ

دست دراز می کنم در پنجہ تصرف من می آید

آن سرور فرمود کہ اے علی رسیدی با پنجہ

مطلوب تو بود۔ علی گفت آن خدا کہ تورا

بحق خلق فرستادہ کہ چنان می بینم خود را

کہ اگر خواہم دست با سماں تو انم رسانید

گویند چوں علی بتاں را نہ میں انداخت خود

را از دوش آنحضرت بہ زمین افگندہ تیسے

مانتوں کو آسمانوں تک پہنچا دوں۔
مورخین کہتے ہیں کہ علی نے جب بتوں کو توڑ
کر فراغت حاصل کر لی تو اپنے اپنے کو
پشت رسول سے نیچے گرا دیا اور آپ ہنسے
لگے۔ پیغمبر اسلام نے وجہ تبسم پوچھی تو علی
نے کہا کہ میں اسلئے ہنسا کہ میں نے اپنے کو اتنی

فرمود آنحضرت آن موجب خندہ پر سید
جو اب داد کہ حبتہ آنکہ توش را از جائے
بلند انداختم والھے بمن نہ رسید حضرت
نبوی فرمود کہ اے علی چگونہ الم بتورسد
کہ محمد تو را برداشتم بود و جبرئیل فرود
آورد۔

بڑی بلند جگہ سے زمین پر گرایا۔ مگر میرے جسم کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ
اے علی تم کو کیونکہ تکلیف پہنچ سکتی تھی کہ تم کو بلند کرنے والا محمد تھا اور تم کو اتارنے والا جبرئیل
تھا۔۔۔۔

رمواہب لدینہ امام قسطلانی ۲ زرقانی ۳ مسند مناقب امام احمد بن
حنبل ۴ خصائص امام نسائی ۵ جمال الدین محدث شیرازی ،

(۵) ابن ہشام ص ۲۱ طبری ط ۱۶۳ روضۃ الاحباب ص ۲۶ اسوۃ الرسول ص ۱۶۴ جلد دوم۔

فقال رسول صلعم یعنی ابن ابی طالب
ادركه فنخذ الراية منه فكن انت الذي
تدخل بها۔
داخندہ مکہ کے وقت پیغمبر اسلام نے علی سے
فرمایا اے علی سجد سے علم اسلام لے لو اور
اس علم کو لیکر شہر مکہ میں داخل ہو۔

خلاصہ عبارات تاریخی۔

(۱) فتح مکہ میں علمدار لشکر اسلام پیغمبر اسلام نے علی کو بنایا۔

(۲) خانہ کعبہ کے بتوں کو علی نے توڑا اور دوش پیغمبر پر حکم پیغمبر سوار ہو کر بت شکنی فرمائی۔

(۳) پیغمبر اسلام نے بت شکنی کے بعد علی سے فرمایا کہ اے علی اب تمہارا مطلوب حاصل ہو گیا۔ یعنی ولایت
حقہ کے منجانب خدا تم مالک ہو گئے۔

غزوه حنین شرح

اس غزوه کے تاریخی حالات ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کی اہمیت
کا اندازہ کیجئے اور پھر نصرت اسلام اور وعدہ علی ابن ابی

طالب کا ایفا ملاحظہ کیجئے۔

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۵۲۔

مختصر یہ کہ تیس ہزار دشمنان اسلام پیغمبر

بالجملہ سزا ہزار مرد بر محاربت حضرت مقدس

(۲) نبوی اتفاق نمودند۔ چوں حضرت مقدس
نبوی از توبہ مخالفان آگاہی یافت ...
بہ روایتی باشندہ ہزار رصے بجنین
نہاد ...

(۳) گویند صدیق البرجد از ملاحظہ کثرت
شکر اسلام امروز گفت ما از قلت سپاہ
مغلوب نہ خواہم شد۔ بالجملہ این حدیث
را حضرت مقدس نبوی شنیدہ مکروہ داشت
و خطا عز و علا بواسطہ این سخن در میدان
حال شکر اسلام را منہزم گردانید۔
(۴) پیغمبر تعجیب سپاہ اسلام برداشتہ ...
لوائے دیگر بعلی مرتضی سپرد۔

(۵) انہزام سپاہ اسلام، بمرتبہ رسید
کہ بیش از معدودے چند پیش حضرت
رسول مانند از جملہ دلاوران کہ ثبات
قدم نمودند علی بود و عباس و عبد اللہ
مسعود و ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب
و اولاد جعفر و ربیعہ و پسران عباس قثم
و فضل و اسامہ بن زید و برادرش و برادر
مادر او ام ابیمن۔

(۵) شکر اسلام ایسا بجاگا کہ پیغمبر اسلام کے
پاس چند حضرات کے علاوہ کوئی نہ رہا جو
سہاورد کہ خدمت پیغمبر میں تھے ان میں علی
دوم عباس سوم عبد اللہ ابن مسعود
چہارم ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب
پنجم اولاد جعفر۔ ربیعہ پسران عباس قثم
و فضل و اسامہ اس کے بھائی اس کی ماں
کا بھائی۔

(۶) امیر المومنین علی بموجب فرمان یک کف
خاک پر گرفتہ بسرور عالمیاں داد ...
و آئیہ کریمہ و مارمیت از رمیت و لکن
اللہ رمی و لیسلی المومنین منہ بلا حسناط
ناظر باین قصہ است۔

(۶) جب لشکر دشمن کی طرف کنگریاں پھینکی
چاہیں تو علی نے ایک مٹھی مٹی پیغمبر اسلام کو
اٹھا کر دی اور آئیہ کریمہ و مارمیت اور

(۷) دروادی جنین شخصے از مشرکان ابو
سہرول نام بر اشترے سوار روئے بہ

مسلمانان بناد -

پس کس از مبارزان عرب پائے در معرکہ

او نہ بنادے - ایں ابو سہرول از تہور و

غرور ریزے می خواند و مبارزے می طلبید

اصحاب نصرت انتساب در محاربه او توقف

می نمودند کہ ناگاہ شیر بیشہ سجاد ابن عم

مصطفیٰ متوجہ ابو سہرول شد و بزخم تیغ

آبدار دمار از روزگار مدبر خاکسار بہ

آورد

و ہفتاد کس از مخالفان بدوزخ رفتند

و ہوازن و ثقیف باقیہ جبے روئے

از معرکہ بر تافتند - درال روز شش

ہزار بردہ و بیست و چہار ہزار شتر و

چہل ہزار اوقیہ نقرہ و زیادہ از چہل ہزار

گوسفند بدست ارباب توحید و عرفان

افتاد -

ریت الخ اسی واقعہ کی تقدیق کرتی ہے

(۷) جنگ جنین کے دن میدان جنگ

میں ایک شخص ابو سہرول نامی مسلمانوں پر

حملہ آور ہوا - وہ شخص اتنا بہادر تھا کہ

عرب کا کوئی بہادر اس کے مقابلہ کی تاب

نہ لاسکتا تھا - ابو سہرول نے بانداز غرور

و تہور ریزہ پڑھنا شروع کیا اور اپنا مقابل

لشکر اسلام سے طلب کیا - اصحاب پیغمبر

اسلام اس کے مقابلہ سے جی چرارہے تھے

کہ دیکھا ایک شیر بیشہ جنگ بردار محمد مصطفیٰ

علی مرتضیٰ ابو سہرول کی طرف بچھٹے اور شیر

آبدار کے پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام

کر دیا - جنگ جنین میں - ستر افراد مشرکین

کے مارے گئے باقی میدان سے بھاگ نکلے

اس روز چھ ہزار غلام، چوبیس ہزار اونٹ

چالیس ہزار اوقیہ چاندی، چالیس ہزار

سے زیادہ بکریاں اہل اسلام کو بطور مال

غنمت کے حاصل ہوئیں -

(۸) علامہ شبلی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فتح کے بجائے دہلہ اول میں مطلع صاف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفتائے

خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہیں تھا - حضرت ابو قتادہ جو شریک جنگ تھے کا بیان ہے کہ

اس اثناء میں میں نے حضرت عمر کو دیکھا - میں نے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ فضلے

النبی یہی تھی -

صحیح بخاری میں ہے فادبر و احتیٰ بقی وحدہ سب لوگ نکل گئے (بھاگ گئے) اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے - تیروں کامینہ برس رہا تھا - اور بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں مگر ایک

پیکر مقدس پا برجا تھا۔

(۹) کنز العمال :-

ابن عساکر نے حسین ابن علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا بروز جنگ حنین جو لوگ پیغمبر اسلام کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں عباس و علی ابن ابی طالب ابو سفیان بن عمارت اور عقیل ابن ابی طالب ، عبد اللہ ابن زبیر ابن العوام اور اسامہ بن زید بن عمارت تھے۔

اخرج ابن عساکر عن حسین ابن علی قال کان من ثبت مع رسول اللہ صلعم یوم حنین العباس و علی ابن ابی طالب و ابو سفیان بن عمارت و عقیل ابن ابی طالب و عبد اللہ بن زبیر و زبیر ابن العوام و اسامہ بن زید بن عمارت۔

(۱۰) طبری و ابن ہشام ۱۶۶ ص :-

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہم پر اس وقت قوم ہوازن کا علمدار سخت حملے کر رہا تھا اور جو جو نقصان وہ کر رہا تھا۔ وہ سبکو معلوم تھا۔ کہ اتنے میں علی مرتضیٰ اس پر چبھے اور ایک انصاری بھی چلا۔ علی مرتضیٰ نے اس کے اونٹ کی بچلی ٹانگیں کاٹ دیں وہ آگے سبکا مرد انصاری نے ایک شمشیر کیا جس کو نصف ٹانگیں کٹ گئیں کہہ کر پھر تو اہل اسلام میں بہادری پیدا ہو گئی اور فوج مخالف میں بھگدڑ پڑ گئی۔ پھر یہ دیکھا گیا کہ پیغمبر اسلام کے سامنے سب دشمن مقتدر رس بستہ کھڑے ہوئے ہیں

عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال بنی اذ لك الرجیل من هوازن صاحب الریة علی حملة لیضع ما لیضع اذ هولاء علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہ ورجل من الا انصار یرید انہ قتال فیا تیبہ علی ابن ابی طالب مرد خلفہ فضرب عرقوبی الحمل موقع علی عجزہ و وثب الا انصاری علی الرجل فضر به ضربتہ۔ اظن قدمہ بنصف ساقہ فانجحف عن رجلہ واجتله الناس فواللہ ما رجعت راجعتہ الناس من حزن یمینہم حتی وجد

الاساری متکفین عند رسول اللہ

صلعم -

مندرجہ بالا تاریخی عبارات سے واضح ہو گیا کہ جنگ حنین لمجاظ تعداد لشکر دشمن و مجاہدانہ بہت اہم جنگ تھی۔ بارہ ہزار یا سولہ ہزار مسلمان مقابلہ نہ لاکر مشرکین سے بھاگ گئے تھے۔ مرن پڑے افراد حفاظت پیغمبر اسلام کر رہے تھے اور پیغمبر اسلام خود حق تھا تھا حمد پہ حملہ کر رہے تھے۔ علی مرتضیٰ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ پیغمبر اسلام نے اس جنگ میں علی مرتضیٰ کو علمدار فوج بنایا پھر علی نے ہی علمدار فوج دشمن ابو جبرول کو قتل کیا اور علی کے اس بہادرانہ کارنامہ کا یہ اثر ہوا کہ فوج دشمن بھاگ گئی بعد فوج اسلام واپس آگئی تو ان مفروزین مشرکین کو گرفتار کیا گیا۔ اور اہل اسلام کو مال کثیر غنیمت حنین سے حاصل ہوا۔

اس جنگ میں بھی نمایاں خدمات علی ابن ابی طالب ہی کی نظر آتی ہیں۔ علی نے دعوت ذوالعشرہ میں پیغمبر اسلام سے جو وعدہ نصرت کیا تھا۔ اس کو اعلیٰ طریقہ پر پورا کیا ہے۔

(۲۷) واقعہ طائف

واقعات غزوہ طائف سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ علی ابن ابی طالب نے اس غزوہ میں کتنی اہم خدمات اسلام انجام

دی ہیں اور کتنے مکمل طریقہ سے اپنے وعدہ دعوت ذوالعشرہ کو وفا کیا ہے۔ تاریخی واقعات و عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) پر تو اس خبر پر پیشگاہ ضمیر انور تاقیہ
خاطر خطیر حضرت کہ منظر آیات رحمت
بود مائل برآن شد کہ برآں لواچی عبور
فرمودہ آل قلعہ را فتح نماید چوں ای
عزیمت نصیمیم یاقت رایت فتح آیت
لعلی ابن ابی طالب ارزانی داشتہ
ابو عبیدہ جراح با خالد بن ولید با ہزار
مرد رزم مقدمہ شکر ساخت۔

(روضۃ العفا جلد دوم صفحہ ۱۵۵)

(۲) و در مدت محاصرہ کہ بقولے سجدہ روز

محاصرہ طائف بقولے ۱۸ شمارہ دن اور

بطور ہر اول کے آگے بیچ دیا۔

بقولے چالیس دن جاری رہا اور اس
اشنا میں سخت لڑائیاں ہوتی رہیں۔
بہت سے اصحاب زخمی بھی ہوئے اور
بارہ اصحاب شہید بھی ہو گئے۔

حیب طائف کا محاصرہ جاری تھا تو پیغمبر
اسلام نے علی مرتضیٰ کو نامزد کیا کہ وہ
اطراف و نواحی طائف میں جائیں اور اپنے
مہراہ اصحاب کی ایک جماعت بھی لیتے
جائیں اور جہاں کہیں بتوں کو دیکھیں تو
ڈالیں۔ علی مطابق حکم رسول شکر گاہ
سے باہر چلے گئے اثنائے راہ میں قبیلہ
خشعم کے بہادروں سے مقابلہ ہو گیا۔
اور انہیں کا ایک بہادر جس کو اپنی طاقت
پر ناز تھا جاہر آیا اور اس نے اپنا مقابل
شکر اسلام سے طلب کیا۔ شکر اسلام میں
سے کسی کو اس کے مقابل جانے کی جرأت
نہ ہوئی۔ آخر کار علی مرتضیٰ نے اس کے
مقابلہ کا ارادہ کیا۔ اگرچہ ابو العاص
بن ربیع (داماد رسول) نے منع کیا
اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ شکر کی
موجودگی میں خود سردار شکر ابتداء
میں مقابلہ کو چلا جائے۔ مگر علی اس کے
رد کرنے سے نہ رکے۔ بلکہ فرمایا کہ اے
ابو العاص اگر میں قتل ہو جاؤں تو فوج
اسلام کا سردار میں نے تجھ کو بنایا ہے

و برداشتے پہل روز جنگہائے عظیم
التفاق افتاد و بسیارے از اصحاب
مجرد و شند و دوازده نفر از انجماعت
شربت شہادت چشتیند۔

(۳) در ایام محاصرہ طائف حضرت مقدس
بنوی مرتضیٰ علی را با جمیع از اصحاب نامزد
فرمود کہ در اطراف آن دیار سیر
فرمایند و ہر جتے را کہ یابند بشکنند و جتے
علی بموجب فرمودہ از لشکر گاہ بیرون
رفتہ در راہ طائف از دلاوران قبیلہ
خشعم باور رسیدند و شخصے از مخالفان
کہ بہ قوت تنوش اعتماد داشت از میان
قوم بیرون آمد مبارزہ طلبید و بیح کس از
اہل اسلام یارائے آن نمود کہ باں
مشرک در مقام مقابلہ آید عاقبت
علی ابن ابی طالب آہنگ محار بہ او
کرد و ہر چند ابو العاص بن ربیع کہ داماد
رسول اللہ بود گفت کہ سزاوار نیست
کہ امیر شکر باوجود دیگر اہل ابتداء جنگ
کنند امیر المؤمنین از منع او متمنع نہ شدہ
فرمود کہ دیگرے نمی رود و اگر کشتہ شوم
باید کہ تو بریں لشکر امیر باشی آنگاہ امیر المؤمنین
علی قدم در میدان نہاد و در برابر آن
غدار آمد و بہ زخم شمشیر آبدار او را
بدار البوار فرستاد و بتان ہوازن

و ثقیف کہ دریا نواحی یافت سمر را
 شکست و رسول بر در حسین طائف
 انتظار قدم اورا می کشید چون سرد
 اولیاء ازاں کار فراغت یافت بمعبر
 بجایوں رسید چشم مبارک خاتم الانبیاء
 کہ بروے افتاد تکبیر گفت و باد مخلوتے
 رفتہ راز گفتن آغاز نہاد جابر گوید کہ
 در ایام خلوت نبی و دلی عمر آیدہ گفت
 یا رسول اللہ با علی راز می گوئی -
 آنحضرت گفت ما نتجیتہ و لکن
 اللہ انتجی یعنی من بخود باور راز گفتم
 خدا تعالی باور راز گفت - فاروق از
 گفتار خویش پشیمان شدہ باز گشت

پھر علی نے میدان جنگ کا رخ کیا اور اس
 بہادر کے مقابلہ میں جاکر اس کا کام تمام
 کر دیا اور ہوازن و ثقیف کے ان تمام
 بتوں کو جو اطراف طائف میں تھے توڑ
 ڈالا - پیغمبر اسلام قلعہ طائف پر آمد علی
 کا انتظار فرما رہے تھے - جب سردار
 الاولیاء علی نے اس کام سے فراغت حاصل
 کر لی اور شکر اسلام میں واپس آئے
 اور پیغمبر اسلام کی نظر چہرہ علی پر پڑی
 تو آپ نے تکبیر کہی اور پھر علی کو خلوت
 میں لےجا کر راز کہنا شروع کر دیئے -
 جابر کہتے ہیں کہ عمر آئے اور کہا یا رسول خدا راز
 کہتے ہو فرمایا میں نہیں بلکہ خدا راز علی سے کہتا ہے

(۴) نیابہ المودۃ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ بمبئی ص ۸۸

جب خلوت نبی و علی کو زیادہ طول ہو گیا تو صحابہ
 کے ایک گروہ کو یہ فعل رسول ناپسند ہوا ان میں
 سے ایک نے کہا کہ آج تو رسول خدا نے اپنے

دلائل بخواہ حتی کس قوم من
 اصحابہ ذلک فقال قائل منهم
 لقد طال بخوی معہ ابن عمہ -

ابن عم کے ساتھ بہت دیر تک راز کی باتیں کی ہیں -

(۵) معارج النبوة ملاحظین لاہوری

جب نبی و علی باہم سرگوشی کر رہے تھے
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول خدا
 سے کہا یا رسول اللہ آپ علی سے راز
 کہہ رہے ہیں اور ان کے ساتھ تخلیہ میں
 ہیں - اس وقت پیغمبر اسلام نے عمر سے
 کہا - میں علی سے راز نہیں کہہ رہا ہوں

در ہنگام خلوت و مشاورت نبی با علی
 امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ با
 حضرت رسول گفت یا رسول اللہ با علی
 راز می گوئی و بادے خلوت می کنی -
 آنحضرت صلعم ارشاد فرمود - ما
 انتجیتہ و لکن اللہ انتجی -

یعنی من با درازی گویم بلکہ خدا تعالیٰ باد
بلکہ خدا تعالیٰ اعلیٰ سے راز کہہ رہا ہے۔
رازی گوید۔

استیاط نتائج :-

(۱) غزوہ طائف میں علمدار لشکر اسلام علی تھے۔

(۲) محاصرہ طائف تقریباً چالیس روز رہا اور مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مگر بے سود اور اس غزوہ میں
بہت سے اصحاب رسول زخمی ہوئے اور بارہ افراد شہید ہوئے۔

(۳) اثناء محاصرہ طائف میں پیغمبر اسلام نے علی کو مامور کیا کہ اطراف طائف کے بتخانوں اور تلوں کو
سمار کر دیں۔ چنانچہ علی نے بتوں کو توڑ ڈالا۔ قبیلہ بنی نضیر سے جنگ کی اور سردار قبیلہ کو قتل کر دیا۔

(۴) نواحی طائف کے بتخانوں کو مسمار کر کے جب علی واپس آئے تو پیغمبر اسلام ان کے منظر سے دیکھتے
ہی پیغمبر اسلام نے تکبیر کہی اور تھلیبہ میں طولانی گفتگو کی اور تادیب راز کی باتیں فرماتے رہے۔

(۵) جب عمر فاروق نے پیغمبر اسلام کو اتنی طولانی راز گوئی سے ٹوکا تو آپ نے فرمایا کہ میں علی سے
راز نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ خدا خود علی سے راز کہہ رہا ہے۔

واقعات غزوہ طائف جو شہہ میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت
کے حامل ہیں۔ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد سے پہلی سنی تبلیغ اسلام دعوت ذوالعشرہ تھی۔ اور سب
سے آخری غزوہ بلحاظ حقیقی معنویت کے غزوہ طائف قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اس میں پیغمبر اسلام غزوہ
تبوک پر تشریف لے گئے ہیں۔

پیغمبر اسلام مدبر عالم اور بہترین سیاست دان تھے۔ لہذا آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ تبوک میں
جنگ کی نوبت نہ آئے گی۔ اور بغیر جنگ واپسی ہوگی۔ لہذا آپ مجاہد اعظم علی مرتضیٰ کو اپنے ہمراہ نہ
لے گئے۔ اور یہی واقعہ بھی ہوا کہ تبوک میں جنگ نہیں ہوئی۔ گویا اس لحاظ سے حیات نبوی کا آخری جہاد
غزوہ طائف قرار پاتا ہے۔ ابتداء حیات نبوت دعوت ذوالعشرہ اور اختتام حیات نبوت غزوہ طائف تھا
محاصرہ طائف کے دوران پیغمبر اسلام نے علی کو نواحی طائف کے بتخانوں کے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ
علی نے بتخانوں کو توڑ ڈالا۔ جب علی مرتضیٰ بت شکنی کے بعد واپس آئے تو پیغمبر اسلام نے علی کو دیکھ کر تکبیر کہی
اور پھر تادیب خلوت میں راز کہنا شروع کر دیے۔

آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پیغمبر اسلام نے وہ کیا کیا راز کی باتیں کی تھیں جو اتنی طویل تھیں کہ اصحاب محمد
کو اعتراض کا موقع ملا۔ اور ان سے عبرت نہ ہو سکا۔

میں نے خدمات علی اور واقعات نصرت اسلام کو باب عدالت پیغمبر اسلام میں درج کیا ہے۔ لہذا میں آج ان راز ہائے سرسبز کو بیان کئے دیتا ہوں۔ اور قرینہ کلام اور سیاق عبارات تاریخی میرے قول کی تائید کرے گا۔

پیغمبر اسلام عادل کامل تھے۔ عادل ہمیشہ خدمات کا کامل صلہ دیتا ہے۔ اور ایفاء وعدہ لوازم قوانین عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ جو آج میری نصرت کا وعدہ کرے گا وہ میرا ذریعہ، میرا خلیفہ، میرا جانشین ہوگا۔ جب شرفائے عرب نے پیغمبر اسلام کی اس تقریر کو سنا تھا تو ان لوگوں نے ابوطالب پر طنز کیا تھا۔ کہ اے ابوطالب اب تم اپنے بیٹے کی اطاعت کیا کرو۔ یہ طنز کرتے ہوئے زعمائے عرب منتشر ہو گئے تھے۔ اس بھرے مجمع میں جس شخص نے وعدہ نصرت اسلام و وعدہ نصرت رسول کیا تھا وہ علی مرتضیٰ تھے۔ وہ وعدہ سگہ بعثت کا تھا۔ اور آج اس وعدہ کو ۱۸ اٹھارہ سال کی مدت ہو چکی تھی۔ وہ ابتدائے اسلام کا دور تھا۔ اور آج تکمیل اسلام کا دور ہے وہ صرف وعدہ وزارت کا وقت تھا۔ اور آج ایفاء عہد کا وقت ہے۔ اس وقت صرف الفاظ کا محدود دائرہ اس وعدہ کا حامل تھا۔ اور آج کائنات کا نامہ نامے علی سے گونج رہی ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام کا بحیثیت عادل کامل کیا فریضہ تھا۔ صرف یہی نا؟ جو پیغمبر اسلام نے کر کے دکھایا۔

پیغمبر اسلام نے علی سے تادم راز کی باتیں کیں۔ اصحاب کو ناگوار ہوا۔ آخر عمر فاروق نے پوچھ ہی لیا کہ یا رسول اللہ اتنی دیر تھلیہ اور اپنے ابن عم سے راز کی باتیں؟؟؟
پیغمبر اسلام نے جواب دیا کہ یہ راز میں علی سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ خدا علی سے راز کی باتیں کر رہا ہے۔ پیغمبر اسلام کے لئے زور دار اور پر معنی الفاظ ظاہر کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر اسلام آج تھلیہ میں اپنے وعدہ سابقہ کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اور علی کو تھلیہ میں انعامات خداوندی اسرار الہی احکامات ربانی علوم سبحانی اور کل وہ علوم و اسرار جو لوازم نبوت ہیں علی کو سپرد کر رہے ہیں۔ اور حقیقی معنی میں علی کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں۔

اگر خلافت الہیہ صرف دنیوی شہنشاہی ہوتی تو یقیناً پیغمبر اسلام دربار عام کر کے خلافت علی کا اعلان فرمادیتے۔ مگر خلافت الہیہ مخصوص علوم الہیہ اور امانات خداوندی کی وراثت کا کام ہے۔ لہذا آج پیغمبر اسلام نے علی کو بعد ختم وعدہ نصرت و بعد تکمیل حدود نصرت اپنا قائم مقام حقیقی بنا دیا۔ اور پیغمبر اسلام کیلئے یہ ضروری تھا۔ ورنہ عدالت و ایفاء وعدہ پیغمبر اسلام کی تکمیل سرگرم نہ ہوتی۔ علی نے بعمر ۳۳ سال جو وعدہ نصرت کیا اس کو اپنے سر و سر کی بازی لگا کر پورا کر دکھایا۔ اور ۲۳ سال مسلسل بروقت پیغمبر اسلام کی

جان کی سپر بنے رہے۔ دین پیغمبر کی حفاظت فرماتے رہے۔ اور آخر خاتم النبیین کے دین کی تکمیل کی سند لسان قدرت سے حاصل کر لی۔ اور اس سند تکمیل اسلام (اکملت لکم دینکم الخ آیت) کے حصول کے بعد بھی اگر پیغمبر اسلام اپنے حسب وعدہ علی کو اپنی وزارت و خلافت و ہاشمی عطا نہ فرماتے تو ہرگز آپ کا دامن نبوت گھمٹے رنگارنگ عدالت سے مزین نہ رہتا۔ اور آپ کی عدالت میں نقص عہد شکنی آشکار ہو جاتا۔ جو منافی قوانین عدالت ہے۔

مورخین و محدثین اور واضعین احادیث نے بحث خلافت علی کو مختلف رنگ دیے ہیں اور اس طرح ملت اسلامیہ کے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ حالانکہ اہل اسلام و امت اسلامیہ دامن عدالت پیغمبر اسلام کو بے داغ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو اقرار کرنا پڑے گا کہ دعوت ذوالعشرہ کا وعدہ نصرت اور وعدہ وزارت پورا ہونا ہی عدالت پیغمبر اسلام کو ثابت کر سکتا ہے۔ اور کردار نبوت کو بے عیب قرار دے سکتا ہے اور اس وعدہ کی خلاف ورزی دامن النسخیت و نبوت و عدالت پیغمبر اسلام کو داغدار کرتی ہے۔

پیغمبر اسلام نے تو بحیثیت انسان کامل اپنے لمحات حیات کی ہر جنبش سے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ انسان کامل اور نمونہ کامل ہیں۔ اب رہی ان کی امت وہ جس رنگ میں چاہے ان کے کردار کو پیش کرے۔ میں نے اس موقع پر صرف وہ پہلو عدالت پیغمبر اسلام کا پیش کیا ہے۔ جو علوم باطنی در بانی کی وراثت سے متعلق ہے آئندہ واقعات لکھ کر ظاہری طور پر بھی ایفائے عہد پیغمبر اسلام کو واضح کر دوں گا۔ اور یہ بتاؤں گا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ کو ظاہری و باطنی دونوں صورتوں میں واضح کر دیا ہے۔

ابن ہشام ص ۳۶ جلد ۳ مصری۔

نصرت علی، غزوہ تبوک

ان رسول اللہ صلعم امرا اصحابہ

(۱) بالتمہیوا الغز و العروم واخبرہم انما یرید السردم۔

پیغمبر اسلام صلعم نے اصحاب کو رومیوں سے جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ اور یہ حکم لوگوں کو عین شدت کی تنگدستی گرمی و قحط و بلا کے زمانہ میں دیا گیا نیز ایسی فصل و وقت میں کہ ان کے خرمے پک رہے تھے۔ اور تمام لوگ اپنے پھلوں اور ان کے سایوں میں آرام و مقام کرنا پسند کرتے تھے۔ اور ایسی حالت خاص میں گھر سے باہر نکلنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور پیغمبر اسلام کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ حکم غزوہ کے اظہار کے وقت اصل مقام کے خلاف دوسرے مقام کی طرف جانے کی لوگوں کو اطلاع دیتے تھے۔ اس لئے کہ دشمن کو آپ کے نقل و حرکت کی اطلاع نہ ہو۔ بخلاف اس دستور کے غزوہ تبوک میں آپ نے ابتدا ہی سے صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ کا قصد ہے۔ اس لئے کہ سفر کی دوری گرمی کی تیزی

اور بے سرو سامانی اور تنگ حالی کی کیفیت ان پر پوشیدہ نہ رہے۔

(۲) امام نسائی بحوالہ تاریخ احمدی ص ۴۹ ۲ مستدرک امام حاکم منقول اندارج المطالب ص ۵۱۵۔

عن سعد قال خرج رسول الله صلعم في غزوة تبوك وخلف عليا.....

لابی بعدی -

سعد (ابن ابی وقاص) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم غزوہ تبوک کے قصد سے روانہ ہوئے تو آپ نے علی کو مدینہ میں چھوڑا علی کہنے لگے یا رسول اللہ کیا آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو۔ ان تکون منی بمنزلت ہارون من موسی الا انہ لابی بعدی۔ کہ تم میرے لئے اس منزلت پر ہو۔ جس منزلت پر موسیٰ کیلئے ہارون تھے سو اسے اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔

(۳) روضۃ الاسحاب محدث شیرازی ص ۴۸۴۔

بصحت رسیدہ کہ چوں پیغمبر صلعم غزم بیرون رفتن کرد علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ را در اہل خود خلیفہ گردانید..... بجا آمدید۔

صحیح روایات سے واضح ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے (غزوہ تبوک میں) باہر جانے کا قصد کیا تو علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کیا۔ علی نے عرض کیا کہ میں آج تک کسی غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہا ہوں۔ پھر مجھ کو کیوں چھوڑا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسی الا انہ لابی بعدی۔ اے علی کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسے ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی سو اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

یہ فرما کر آپ نے اپنے ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے ابن ابی طالب کو تم سب پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ تم سب اس کی ہدایت کو سنا کر وہ (فرمانبرداری اور بیجا اور بیاد) اس کی فرمانبرداری کیا کرو۔

(۴) ترجمہ فارسی تاریخ طبری جلد چہارم (غزائے تبوک)

چوں حضرت رسول صلعم متوجہ تبوک شد

جب پیغمبر اسلام تبوک کی طرف روانہ ہوئے

..... و علی بن ابی طالب رضی

تو آپ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اللہ عنہ را فرمود کہ تو بعدینہ ہی باشی و خانہ مرا

سے فرمایا کہ تم مدینہ میں رہو اور میرے گھر میں

حاضر باش و پوں پیغامبر خدا صلعم یک منزل
پیشتر برفت منافقان گفتند پیغمبر صلعم علی
رضی اللہ عنہ را در مدینہ از بہر آن باز داشت
کہ بردل گراں گرفتار امیر المؤمنین بود دیگر
سلاح برگرفت و از عقب برفت و گفت
یا رسول اللہ منافقان چنین می گویند فرمود
کہ دروغ می گویند ترا بجائے خویش شتم
و بخانمان خویش بنشاندم و این نامہ تو
سپر و دم و تو بمن بچنانی کہ نارون موسی
علیہ السلام را بود۔ پوں ازاں منزل دیگر
رفتند امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بانہ
مدینہ فرستاد۔

رہو۔ جب پیغمبر اسلام ایک منزل سفر کر چکے
تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ پیغمبر صلعم نے
علی کو مدینہ میں اسلئے چھوڑا ہے کہ آپ علی سے
کبیدہ خاطر ہیں۔ اور امیر المؤمنین علی نے
دوسرے دن سلاح جنگ زیب تن کئے
اور عقب میں روانہ ہوئے اور خدمت پیغمبر
اسلام میں پہنچ کر عرض کیا کہ منافقین ایسے کہتے
ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ وہ جھوٹ کہتے
ہیں۔ میں نے تم کو بجائے اپنے رکھا ہے اور
اپنے اہل و عیال کا نگہبان بنایا ہے۔ اور
ان سب کو تمہارے سپرد کیلئے اور تم میرے
لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کیلئے نارون تھے

جب دوسری منزل پر پہنچے تو پیغمبر اسلام نے علی کو علی کو مدینہ واپس کر دیا۔

پیغمبر اسلام کا غزوہ تبوک کیلئے جانا اور سخت گرمی اور

شدید ترین حالات میں تیس ہزار لشکر کو صحوبات سفر

استباط نتائج غزوہ تبوک

پہلے آمادہ کر کے ہمراہ لے جانا اس میں صد نامصالح ملکی قومی و سیاسی و مذہبی مضمر تھے جنکا بیان
سبب طوالت ہے۔ مگر ابتداء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ تبوک میں جنگ کی نوبت نہ
آئے گی۔ جب علی نے عرض کیا کہ میں ہر غزوہ میں ہر کاب رسالت رہا ہوں۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم
میرے عیال پر میرے قائم مقام ہو۔ یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ رسول کو معلوم تھا کہ غزوہ تبوک میں اس مجاہد
اعظم کی ضرورت پیش نہ آئے گی اور علی کا ایک منزل دور پہنچ کر پیغمبر اسلام سے ملنا اور ہمراہی کا ارادہ
ظاہر کرنا بتاتا ہے کہ علی اپنے وعدہ نصرت بمقتور دعوت ذوالعشیرہ کی تکمیل چاہتے تھے۔ اور اپنے قول و فعل
سے ثابت فرما رہے تھے کہ میں حسب وعدہ ہر موقع سفر و حضر رزم و بزم میں نصرت خدا و رسول کے
کیلئے حاضر ہوں۔ مگر پیغمبر اسلام نے علی کو واپس کر دیا

واقعه مذکور سے صرف اتنا ہی واضح نہیں ہوا۔ بلکہ لشکر ہزار اسلام و نیز کل مسلمین مدینہ و
مکہ و نواحی عرب کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے اہل و عیال پر اپنا خلیفہ علی کو مقرر کیا ہے۔

حتیٰ کہ اپنی ازواج کو حکم دیدیا ہے کہ وہ حکم علی کی اطاعت کریں۔ گویا پیغمبر اسلام اس مخصوص داہم موقع پر امت کو بتا رہے تھے کہ میرا قائم مقام بنماؤ دین و دنیا کے کون ہے۔ جب علی منافقین کے طعنہ سے مسلح ہو کر نہایت پیغمبر اسلام میں پہنچے اور اپنا ارادہ لے کر ظاہر فرمایا۔ تو پیغمبر اسلام نے تیس ہزار لشکر اسلام کی موجودگی میں فرمایا کہ اے علی تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ سے نارون کو تھی۔ نارون نبی ہوئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔۔۔

پیغمبر اسلام نے اعلانِ خلافت علی و وزارت علی کو ایسے اہم موقع پر ظاہر کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ غزوہ محاصرہ طائف کے بعد سے سلسلہ غزوات تو ختم ہو چکا تھا۔ اور علی مسلسل اٹھارہ سال تک نصرت اسلام کرتے رہے تھے۔ اب تکمیل و عدہ نصرت کے بعد پیغمبر اسلام پر لازم تھا کہ وہ اپنے وعدہ وزارت و خلافت کی تکمیل کرتے اور اس کے منوانے کیلئے بہترین تدابیر اختیار فرماتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے پہلی مرتبہ تو موقع محاصرہ طائف تا دیر راز لکھنے کی اور مخصوص اصحاب کے اعتراض کا جواب معقول بھی دیدیا۔ اور دوسرا موقع بہترین انداز میں پیغمبر اسلام نے جنگ تبوک میں اختیار فرمایا۔ اور آخر تیس ہزار اور بقولے ۳۰ تین ہزار (روضۃ الصفا ص ۱۶۱) لشکر کے سامنے اعلان کر دیا کہ مجھے علی کی وہی نسبت ہے جو نارون کو موسیٰ سے تھی۔ پیغمبر اسلام نے ایسا کیوں کیا؟ صرف اسی لئے کہ ایقان و وعدہ عین عدالت ہے اور عادل کامل کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو باحسن و بجا پورا کرے۔ پیغمبر اسلام کے اس فعل میں حکمت نظری و حکمت عملی و نیز عدالت کاملہ کا نمونہ ملتا ہے۔

(۲۸) نصرت اسلام سورہ برات

صحیح ترمذی امام نسائی :-

مالک بن انس سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے سورہ برات دیکر ابو بکر کو بھیجا پھر ان کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ اس کو سوائے میرے اہل بیت کے کوئی اور آدمی نہیں پہنچا سکتا پھر علی کو بلا یا اور سورہ برات انکو عطا کر دی

اصل قصہ یہ ہے کہ ابو بکر بلا نزاع اس سال امیر مچ گئے اور سورہ برات پیغمبر اسلام نے

(۱) عن انس بن مالك قال بعث النبي صلعم ببراة مع ابو بكر ثم دعا فقال لا ينبغي لاحد ان يبلغ هذا الارجل من اهل بيته فاعطاه اياها۔

(۲) انالته الخفاشاه ولى الله صاحب :- اصل قصہ آنت کہ ابو بکر بلا نزاع امیر مچ بود و سورہ برات اول بدست حضرت صدیق

دادہ بودند بعد از آن جبرئیل فرود آمد کہ
 آنرا بدست مرتضیٰ باید فرستاد و آخر ج
 الترمذی عن انس بن مالک قال بعث النبی
 صلعم ببیراۃ مع ابوبکر ثم دعاہ فقال
 لا ینبغی لاحد ان ینبغ هذا الا
 رجل من اہلی فداہ علیا -
 فاعطاہ ایاہا -
 بجز اس شخص کے جو میری اہلیت سے ہو۔ پھر علی کو بلا یا اور سورہ برأت ان کو دیدی۔

(۳) مدارج النبوة شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی :-

چوں ابوبکر صدیق از مسجد فدوا لخلیفہ احرام
 بستہ رواں شد
 روز پنج ہر مردم بخوان -
 پیغام یا آپ کہہ سکتے ہیں یا علی اور ایک روایت میں ہے کہ یادہ شخص جو آپ سے ہو۔ کیونکہ عہد کرنا
 یا توڑنا اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو یا وہ شخص جو اس کا توثیق یا قریب ہو یا سنکر
 رسول خدا صلعم نے علی کو حکم دیا کہ وہ ابوبکر کے عقب میں روانہ ہوں ان سے وہ سورہ لیس
 اور حج کے دن لوگوں کو سنادیں۔

(۴) سیرۃ النبی شبلی :-

حضرت علی کھڑے ہوئے سورہ برأت کی پالیسی آپتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک
 خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ نہ کوئی برہمنہ اب حج کر سکے گا۔ اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے
 تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینہ کے بعد ٹوٹ جائیں گے :-

(۵) قرآن - سورہ برأت :-

بواءة من اللہ ورسولہ الی الذین
 عاہدتم من المشرکین ؕ

اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ
 کیا تھا (بوجہ عہد شکنی) خدا اور رسول پر اکال کی

کوئی ذمہ داری نہیں ہے یعنی وہ معاہدہ خدا اور رسول توڑتے ہیں۔

(۶) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۶۶ واقعات سورہ برأت :-

(۱) صدیق اکبر بامارت سید نفازا صاحب
 موسوم سائنتہ فرمان داد کہ بکہ رود
 و مطلقاً مناسب حج یا مزد و از او اٹل
 سورہ برأت تا پہل آئیہ بر مردم خواند و ابو بکر
 از موضع ذوالحلیفہ اہرام بستہ بوجوب
 فرمودہ ردال شد مقارن اس حال جبرئیل
 فرود آمدہ پیغام حضرت عزت بانسرد
 رسانید کہ باید بچکیس تبلیغ رسالت نکند
 الا تو یا علی و برولتے تو یا مردے کہ
 از تو باشد و چون امیر المؤمنین علی از میان
 قوم و عشیرت بز یادتی قربت و قرابت
 بر رسول اللہ اختصاص داشت آنسرد
 جناب ولایت مآب را از کیفیت واقعہ
 آگاہ ساخت۔ فرمود کہ از عقب ابو بکر
 بر دو اداتل سورہ برأت را از دوسے بتان
 و در موسم حج بر مردم بخوان و اس چہار
 حکم مطلق رسان۔
 یکے آنکہ در بہشت نیاید مگر نفسے کہ بخلیہ
 ایمان مستحلی بود۔
 دوم آنکہ بیچ بر منہ طواف کعبہ نکند۔
 سوم آنکہ بعد از اہمال بچکیس از ارباب
 شرک و ضلال حج نگذارد۔
 چہارم آنکہ کفار و مشرکوں ہر کہ عمدتاً وقت
 بخدا در رسول داشتہ باشد تا انقضاء
 آل وقت بر عہد خود ثابت باشد و اگر عہد

ابو بکر صدیق تین سو افراد پر امیر بنائے گئے
 اور حکم رسول مکہ روانہ ہوئے۔ اور ان کو
 حکم دیا گیا کہ وہ مکہ جا کر آداب حج سے لوگوں
 کو آگاہ کریں اور سورہ برأت کی ابتدائی
 چالیس آیات لوگوں کو سنائیں۔ ابو بکر
 مقام ذوالحلیفہ سے اہرام باندھ کر مطابق
 حکم رسول روانہ ہوئے۔ فوراً ہی اس کے
 بعد جبرئیل امیں نازل ہوئے اور پیغام خدا
 رسول خدا کو پہنچایا۔ کہ کوئی شخص تبلیغ
 رسالت نہیں کر سکتا۔ تم یا علی کر سکتے ہو یا بروایت
 وہ شخص کر سکتا ہے جو تم سے ہو۔ چونکہ علی بلحاظ خاندان
 و عظمت رسول اللہ کے بہت قریب تھے رسول خدا نے
 مآب علی کو واقعہ سے آگاہ فرمایا اور حکم دیا
 کہ ابو بکر کے پیچھے جائیں اور سورہ برأت
 کی ابتدائی آیات ابو بکر سے لے لیں اور ایام
 حج میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور
 یہ چار حکم بھی لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں۔
 یکم۔ یہ کہ جنت میں بجز مومن کے دوسرا
 داخل نہیں ہو سکتا۔
 دوم یہ کہ کو بر منہ طواف کعبہ نہیں کر
 سکتا ہے۔
 سوم یہ کہ اس سال کے بعد کوئی کافر یا مشرک
 حج ادا نہیں کر سکتا ہے۔
 چہارم۔ یہ کہ جس نے خدا و رسول سے
 کوئی معاہدہ موافقت کیا ہے وہ اس سے

کے ختم ہونے تک اس معاہدہ پر قائم رہ
سکتا ہے۔ اگر اس کا معاہدہ معینہ وقت
کیلئے نہیں ہے تو چار ماہ تک وہ امان میں
رہے گا بعد ازاں اگر وہ مسلمان نہ ہو تو اس کا خون
و مال مسلمانوں کیلئے معاف ہے۔

(۲) علی بن ابی طالب پر سورہ بقرہ کی آیت
نے علی سے پوچھا کہ امیر منکر آتے ہو یا مامور
علی نے کہا کہ مامور ہوں۔ لیکن سورہ بقرہ
کی ابتدائی آیات مجھ کو دیدے۔ حکم رسول اللہ
ی صادر ہوا ہے کہ میں ان آیات کو لوگوں
کو سناؤں اور ان چار کلمات کا اعلان کر دوں
صدق نے ان کلمات کو علی کے سپرد کر دیا
(۳) جب علی مکہ پہنچے تو اپنے تلوار طینچلی
اور کہا کہ خدا کی قسم کہ جو برہمنہ طوف کرے گا
اسکا سر قلم کر دوں گا۔

(۴) جب ابو بکر و علی مدینہ واپس آگئے تو
ابو بکر نے رسول خدا سے پوچھا۔ یا رسول اللہ
مجھ سے کیا فعل صادر ہو گیا کہ مجھ کو سورہ
بقرہ کی تلاوت و قرأت سے روک دیا گیا۔
رسول خدا نے فرمایا کہ اے ابو بکر تم سے کوئی
خطا سرزد نہیں ہوئی۔
لیکن جبریل آگئے اور کہا کہ یہ کار رسالت
دوسرا نہیں کر سکتا ہے تم خود کرو یا وہ
کرے جو تم سے ہو۔

(۵) دوسری روایت ہے کہ ابو بکر راستہ

اور موصل بنو ہاشم چار ماہ در امان باشد
بعد القضاۃ اس مدت اگر مسلمان نشود
خون و مال او بدرگردد۔

(۲) ۱۶۶

علی بن ابی طالب نے حضرت سوارہ پر سید ابوبکر
انور سے پوچھا کہ امیر آمدہ یا مامور ہوا
داؤد کہ مامورم لیکن اوائل سورہ بقرہ را
بمن وہ کہ فرمان واجب الاذعان نہیں
صادر شدہ کہ ان آیات را من برخلائق
تخاتم و این کلمات را بسمع مردم رسانم
صدق نے آیات بقرہ تسلیم مرتضیٰ نمودہ

(۳) چون امیر المؤمنین علی بن ابی طالب
بر کشید و گفت بخدا سوگند کہ بیچ برہمنہ
طوفان کنند مگر آنکہ اورا بیع تاویب کنم

(۴) چون بحدیثہ مراجعت نمودند ابو بکر از ان

سردور ہو سید کہ بار رسول اللہ از من
چہ صادر شد کہ مرا از قرأت سورہ
بقرہ منع کردی۔ حضرت فرمود کہ اے
ابو بکر، بیچ امرے از تو لو ہوو نیامدہ۔

..... اما جبرئیل آمدہ و
گفت کہ باداٹے اس کار قیام نماید الا
تو یا کسی کہ از تو باشد۔

(۵) ابو بکر از راہ برگشتہ بنزد رسول آمدہ
بعرض رسانید کہ

انک املتقن لا یطالت الاعناق

فیه الیٰ فنیما تو جہت تر و دینی
 عندہ مالی انزل فی قرآن فقل البنی
 لا ولا کن الامین حبط الی عن
 اللہ عزوجل کا اندر کا تودی الا
 انت اور رحل منک و علیٰ منی و هو
 اخی و وصی و وارثی و خلیفتی فی الہی
 و امتی من بعدی تقیضنی دینی و
 ینجز و علیٰ لایودی الیٰ علیٰ -

سے ہی پلٹ آئے اور رسول سے عرض کیا
 آپ نے مجھ کو آرزو میں رکھا۔ اس کام کیلئے
 جس کے باعث لوگ مجھ کو بہ نظر شک و شکوتے
 جب میں نے ارادہ کیا کہ تکمیل کروں تو آپ نے
 اس کام سے مجھ کو واپس بلا لیا۔ میرے
 بارہ میں قرآن میں کیا نازل ہوا جو ایسا کیا
 گیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔
 مگر یہ کہ جبرئیل میرے پاس نازل ہوئے
 اور کہا حکم خدا ہے کہ وہ امانت تم خود سنبھالو۔ یا وہ جو تم سے ہو۔ اور مجھ سے میرے بھائی علی
 ہیں اور وارث میرے ال و امت میں میرے بعد ہونگے۔ اور میرے قرضوں کو ادا کریں گے
 اور میرے وعدوں کو پورا کریں گے۔ کوئی ان کا رمانے مفوضہ کو بجز علی کے ادا نہیں کر
 سکتا ہے۔

استنباط تاریخ و خلاصہ - پیغمبر اسلام نے ۹ھ میں ابو بکر کو امیر جماع بنا کر بھیجا اور سورہ
 (۱) برأت کی تبلیغ کا بھی حکم دیا
 (۲) پیغمبر اسلام پر وحی آئی اور جبرئیل نے اگر حکم خدا سنایا کہ تبلیغ رسالت تم کر سکتے ہو یا وہ شخص جو
 تم سے ہو۔
 (۳) پیغمبر اسلام نے حکم خدا کے بموجب علی کو ابو بکر کے پیچھے روانہ کیا اور علی نے ابو بکر سے سورہ برأت
 لے لی۔۔۔

(۴) مکہ پہنچ کر علی نے حاضرین و اجتماع مکہ پر سورہ برأت کی تبلیغ کی اور تلوار نیام سے کھینچ کر کھڑے
 ہو گئے کہ کوئی شخص حکم خدا و رسول کی نافرمانی نہ کر سکے
 (۵) پیغمبر اسلام نے چار احکام کے سننے کا بھی علی کو حکم دیا تھا۔ وہ احکام اہل مکہ و اجتماع خانہ کعبہ کیلئے
 سخت ترین احکامات تھے۔ کیونکہ وہ ان کو ان کے رسوم مذہبی سے روکتے تھے۔
 (۶) پیغمبر اسلام نے جواب ابو بکر علی کی خلافت و رسالت کا اعلان کر دیا۔ بغور دیکھا جائے تو ہر صاحب
 فہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ایام حج کے لاتعداد مجمع کفار و مشرکین میں جا کر سابقہ معاہدوں کو یکدم
 منسوخ کر دینا و نیز مشرکین عرب کو ان کے مراسم مذہبی سے روک دینا معمولی کام نہ تھا۔ اگر ان احکام

کا پہنچانے والا ایسا آدمی ہوتا جس کی شجاعت کا سکہ اہل عرب پر نہ بیٹھا ہوتا۔ یا اس کی خدا پرستی یا استعداد علمی کو کل اہل عرب تسلیم نہ کر چکے ہوتے تو پشم زدن میں ایسے سخت احکام دینے والے کی بوٹی بوٹی قبائل عرب میں تقسیم ہو جاتی ایسے عظیم الشان کثیر التعداد مذہبی اجتماعوں میں حکومتیں دب کر احکام صادر کرتی ہیں اور آج تک ایسا ہی ہورہا ہے کہ اس عہد جاہلیت و سفالی و خون ریزی میں شخص واحد کا ایسے سخت احکام نافذ کرنا اور مجمع عام میں تلوار بلند کر کے کہہ دینا کہ جو ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔۔

آج کل تو مشین گن اور اعلیٰ آلات حرب کا زمانہ ہے۔ پھر حکومتیں ایسے سخت اقدام سے بچ چکی ہیں۔ مگر چونکہ شجاعت علی نے بہادران عرب کی گردنوں کو سترنگوں کر دیا تھا۔ لہذا کسی کو جواب دینے کا یارا نہ ہو سکا اور احکام اسلام کی تبلیغ کا حقہ ہو گئی۔ جو آج تک اسی شان و شوکت سے باقی ہے۔

درحقیقت یہ خدمت علی کے ذمہ بہت اہم کی گئی تھی۔ اور بلحاظ خطرہ جان سابقہ کل واقعہ جہاں سپاری سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ مگر چونکہ علی دعوت ذوالعشرہ میں نصرت اسلام کا وعدہ کر چکے تھے لہذا علی نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

جب ابوبکر و علی خدمت پیغمبر اسلام میں واپس آ گئے اور ابوبکر نے پیغمبر اسلام سے اپنی حق تلفی کا اظہار کیا تو پیغمبر اسلام نے ان کو وہ جواب دیا جو پیغمبر اسلام کی عدالت و نبوت اور انسانیت و ایفائے عہد کا فرق تھا۔ پیغمبر اسلام نے یہ حد تک کے واقعات کو نظر میں رکھتے ہوئے اور خدمات علی کو پرکھتے ہوئے اور اسلام کی آخری خدمت کو بھی بذریعہ علی مکمل دیکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے ابوبکر یا درکھو علی مجھ سے ہے اور میرا بھائی ہے۔ وہ میرا وصی ہے۔ وہ میرا وارث ہے، وہ میرا خلیفہ ہے۔ میری امت کیلئے میرے بعد میرے قرضوں کو بیباق کرے گا۔ میرے وعدوں کو پورا کرے گا۔

اس موقع خاص پر پیغمبر اسلام نے جو کچھ علی کیلئے فرمایا وہ درحقیقت عدالت و ایفائے عہد نبوی کا مقتضایہ تھا۔ زبان زد خلائق ہے کہ وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے۔ ابتدائے اسلام میں پیغمبر اسلام نے علی سے وعدہ کیا تھا۔ اگر تکمیل دین اسلام کے وقت پیغمبر اسلام علی کی خدمات کا صلہ و معاوضہ نہ دیتے تو مصرعہ مذکور کا مفہوم پیغمبر اسلام پر بھی عاید ہو جاتا۔ مگر جس نے مکارم اخلاق اور ایفائے عہد کے بہترین نمونے قائم کئے ہوں اور جس کی سیرت ہی آئینہ مکارم اخلاق ہو۔ وہ بھلا کیونکر ایفائے عہد نہ کرتا۔ بہر حال یہ مسائل تاریخی بھی نگاہ ناظرین سے گزر گئے۔ اب آئندہ کے تاریخی حالات پیش کر کے عدالت پیغمبر اسلام پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

تاریخی حالات ملاحظہ کیجئے :-

(۳۰) نصر اسلام تبلیغ اسلام یمن

(۱) شبلی نعمانی سیرت النبی میں لکھتے ہیں :-
 (۱) یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلعم نے شہر میں ان کو دعوت اسلام دینے کیلئے خالد بن ولید کو بھیجا۔ خالد ۶ چھ مہینے تک ان کو دعوت دیتے تھے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرت صلعم نے خالد کو بلا بھیجا۔ حضرت علی نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلعم کا نام مبارک پڑھ کر سنایا۔ اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا حضرت علی نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں پہنچادی۔ تو آنحضرت صلعم نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا السلام علی الہمدان۔

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم :-

دریں سال حضرت مصطفیٰ علی مرتضیٰ را مقرر کر دے کہ بجانب یمن رود و در زمان داد کہ در مقام قبا لشکر گاہ سازد
 و از اہل شجاعت سسی صد نفر ملازم او گردانیدہ، فرمود اے علی تو را فرستام و بر منارتت در یخ می خورم
 در آوان و دواع با علی فرمود :-

۳۰ھ میں پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو مقرر کیا کہ وہ جانب یمن جائیں اور حکم دیا کہ مقام قبا میں لشکر گاہ بنائیں اور تین سو بہادران عرب کو ہمراہ کر دیا اور فرمایا۔ میں تم کو یمن بھیج رہا ہوں۔ مگر تمہاری جدائی کا مجھ کو غم ہے۔ علی کو رخصت کرتے وقت فرمایا اے علی۔ اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت سلا دے گا۔ تو تمہارے لئے وہ بہتر ہے۔ ہر اس چیز سے جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔

واللہم لان یمدی اللہ علی یدیک
 رجل واحد اخیرتک مما طلعت
 علیہ الشمس و غربت

(۳) ب۔ بعد از اہل امیر المؤمنین علی قدم در میدان

بہار مسلمان گشتہ۔

لگے تو علی نے میدان جنگ میں قدم رکھا۔ اور علی نے بیس دشمنان اسلام کو قتل کر دیا تو باقی جماعت بھاگ نکلی۔ علی نے آگے بڑھ کر پھر دغظ و نصیحت کی اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔

ج۔ بیدہ بن الحصیب گوید کہ چوں بخدمت سید کائنات دوست ترویشتم۔

ج۔ علی نے مال خمس میں سے ایک کینزلی تھی اس پر بیدہ نے اعتراض کیا جب بیدہ فوت

پیغمبر میں حاضر ہوا تو اسے واقعہ جاریہ پیغمبر اسلام سے بیان اسلام نے پوچھا بریدہ! کیا علی کو دشمن رکھتے ہو بریدہ نے کہا جاناں۔ رسول نے فرمایا علی کو دشمن نہ رکھو اور اگر ان سے محبت ہے تو اس محبت میں امتنا نہ کرو کہ علی تنہا مال خمس میں اس کثیر سے زیادہ ہے..... پیغمبر اسلام کا چہرہ و غصہ سے سرف ہو گیا اور فرمایا کہ علی کے بارہ میں گمان بند کرو میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے کسی میں ہوں اس شخص کا ولی علی ہے۔ بریدہ کہتا ہے کہ اس کے بعد میں علی کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔

صلاحہ استنباط نتائج۔ فتح یمن کیلئے پیغمبر اسلام نے پہلے خالد بن ولید کو مامور کیا مگر باوجود چھ ماہ قیام میں ۱۔ دستی و کوشش کے خالد اہل یمن کو مطیع نہ کر سکے۔ پیغمبر اسلام نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنی مفارقت علی پر ۲۔ اظہار افہام کیا دعائیں دیں اور فرمایا کہ اہل یمن کا ایک شخص ہی علی کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائے گا تو علی کیلئے دنیا و مافیہا کی کل اشیاء ۳۔ سے بہتر ہوگا۔ یمن پہنچ کر اول علی نے وعظ و پند سے کام لیا مگر جب یہاں یمن متقابلہ پر آگئے تو علی نے ان پر حملہ کر کے ۴۔ ان کے بیس افراد کو قتل کر دیا۔ اور باقی مسلمان ہو گئے۔ بریدہ بن العاصیب علی کو دشمن رکھتا تھا اسے علی کی شکایت پیغمبر اسلام سے کی پیغمبر اسلام شکایت کو سنتے ہی برابر دشت ہو گئے اور عام اعلان کر دیا کہ علی مجھ سے کسی میں علی ہی ہوں۔ ۵۔ علی میرے بعد امت کا حاکم ہے۔ بریدہ نے اپنے گناہ (نفرت و دشمنی علی سے) تو بہی۔

ان واقعات تاریخی سے بھی ثابت ہوا کہ علی نے نصرت اسلام حسب وعدہ دعوت ذوالعشیرہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور پیغمبر اسلام نے حسب وعدہ ولایت و خلافت و امارت علی کا اعلان کر کے اپنی عدالت کاملہ کا نمونہ پیش فرمایا۔

واقعہ نصرت اسلام واقعہ بنی زبید | واقعہ تبوک کے بعد عمر وی بن معدی کرب الزبیدی مدینہ آیا پیغمبر اسلام کی خدمت میں باریاب ہوا پیغمبر اسلام نے روز قیامت کے حالات بیان فرمائے

عمر و مسلمان ہو گیا اور اسکے کچھ ہم قوم بھی مسلمان ہو گئے۔ اسی اثناء میں عمرو نے اپنے باپ کے قاتل ابی اشعث الحشعی کو دیکھا اور اسکے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھی اس نے قاتل ابی اشعث کا گریبان پکڑ لیا اور خدمت پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ عہد جاہلیت کے تقاضاں کو اسلام نے ختم کر دیا ہے لہذا تم باپ کا انتقام اس سے نہیں لے سکتے ہو عمرو کو یہ سن کر طیش آیا اور وہ مرتد ہو گیا اور اپنے شہر کو واپس چلا گیا۔ اثنائے راہ میں عمرو نے جماعت بنی عمار بن کعب کو لوٹا اور اپنی قوم سے جا ملا۔

پیغمبر اسلام کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے علی ابن ابی طالب کو گروہ مہاجرین پر سردار مقرر کر کے بنی زبید کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا یہ بنی زبید عمر کے ہم قبیلہ تھے اور اسی وقت خالد بن ولید کو بھی ایک جماعت اعراب کی تہدید کیلئے بھیجا اور حکم نبوی صادر ہوا کہ جب یہ ہر دو لشکر باہم طیس تو ہر دو لشکروں کا سردار علی ابن ابی طالب کو سمجھا جائے۔ علی نے اپنے لشکر کا مقدمہ پیش خالد بن سعید کو قرار دیا۔ اور خالد بن ولید نے ابو موسیٰ اشعری کو مقدمہ لشکر بنایا۔ یہ ہر دو لشکر اپنے مقابلہ کیلئے روانہ ہو گئے لگے بڑھ کر خالد بن ولید نے اپنے لشکر کے دو حصے کئے۔ ایک گروہ کو یمن روانہ کیا اور دوسرے کو بنو زبید قبیلہ عمرو کی جانب روانہ کیا جب علی رضی اللہ عنہ کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک قاصد کے ذریعہ خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ میں جبکہ تم کو میرا حکم

ملے اسی جگہ ٹھہر جاؤ۔ قاصد نے خالد کو مطلع کیا۔ مگر خالد بن ولید نے حکم علی کی مطلق پرواہ نہ کی تو علی رضی نے خالد بن سعید کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خالد بن ولید کے عقب میں جائے اور جہاں خالد بن ولید کو پائے وہیں روک لے حتیٰ کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ خالد بن سعید نے حسب حکم علی تعمیل کی۔ جب علی وہاں پہنچے تو آپ نے خالد بن ولید کو ڈانٹا۔ اور سخت دست کھا کہ کیوں میرے حکم کی خلاف ورزی کی گئی۔

اس کے بعد علی رضی نے قبیلہ عمرو بن معدی کرب کا رخ کیا۔ عمرو کے اہل قبیلہ نے کہا کہ اے عمرو! اب جو ان قریشی سر پر آ پہنچا ہے اور وہ تم سے خراج لینا چاہتا ہے۔ عمرو نے مغرورانہ انداز میں کہا کہ اس کو آنے دو جب وہ مجھ کو دیکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مقابلہ کس سے ہے۔ فریقین کی افواج صف بستہ ہو گئیں عمرو خود میدان جنگ میں آ گیا اور مبارزہ طلب کیا۔ علی رضی نے اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا تو خالد بن سعید نے دست بستہ عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ مجھ کو اجازت جنگ مرحمت فرمائیں تاکہ میں اس کی گستاخی کا مزا اس کو چکھاؤں علی نے کہا اے خالد بن سعید اگر تم میری اطاعت و پیروی کو اپنے اور واجب جانتے ہو تو تم خود اپنی جگہ پر رہو۔ تاکہ میں عمرو کا مقابلہ کر دوں۔

خالد خاموش ہو گیا اور علی میدان جنگ میں عمرو کے مقابلہ میں آگئے اور آپ نے آتے ہی ایک نعرہ شیرانہ کیا۔ عمرو نے جیسے ہی نعرہ علی کو سنا سنتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۶۹ کی عبارت یہ ہے۔

”امیر در برابر عمرو آمدہ بانگے برود عمرو و بجزد استماع آواز جناب ولایت مآب رے بہر میت آورد و سپاہ نصرت انتساب تیغ در مخالفان بہادہ برادر و برادر زادہ عمرو را کشتند۔“

عمرو کے بھاگتے ہی سپاہ اسلامی نے فوج مخالف کا صفایا شروع کر دیا۔ علی رضی نے حکم دیا کہ مفردین میں سے جو پلٹ کر آئے اور مسلمان ہو جائے اس کو امان دی جائے۔ علی رضی واپس تشریف لے آئے اور خالد بن سعید کو اسی مقام پر چھوڑ آئے۔ عمرو خدمت خالد بن سعید میں آیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ اور اس نے درخواست کی کہ اس کے زین و فرزند کو غلامی سے آزاد کیا جائے۔ خالد بن سعید نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔

(۳۲) نصرت اسلام سر یہ وادی الرمل

تبوک کی واپسی کے بعد پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ وادی الرمل میں لشکر کین جمع ہو رہا ہے کہ

وہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں۔ پیغمبر اسلام نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو ان لشکر کو

دفع کرے، اصحاب صفہ میں سے ایک گروہ نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے ابو بکر بن ابوقحافہ کو طلب کیا اور اس لشکر پر اہم بنایا بشکر اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ جب لشکر اسلام وادی رمل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس وادی میں تناور درخت اور اونچے ٹیلے اور پتھروں کی چٹانیں بکثرت ہیں۔ اور راستہ سخت دشوار ہے۔ لشکر کو گزند و شواہر تھا۔ کہ اٹنے میں لشکر دشمن نے گھات سے نکل کر پتھروں اور درختوں کی آگ لیکر مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا بہت سے مسلمان شہید ہو گئے باقی بھاگ کھٹے ہوئے۔

شکر اسلام نے خدمت پیغمبر اسلام میں پورا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے اکی مرتبہ عمر ابن الخطاب کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو روانہ کیا۔ مگر وہاں پہنچ کر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور کچھ مسلمان قتل ہوئے۔ اور باقی بھاگ کر واپس آگئے۔ اسی اثناء میں عمر ابن العاص عاقر خدمت ہوا۔ اور اس نے درخواست کی مجھ کو اجازت جہاد دی جائے۔ میں دشمن کے مکر و حیلہ کا جواب دے سکوں گا۔ پیغمبر اسلام نے عمر ابن العاص کی درخواست کو منظور کر لیا اور لشکر کثیر دیکر روانہ کیا۔ لشکر چھ دن پہنچا مگر دشمنوں نے اس مرتبہ بھی مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور باقی بھاگ کر واپس آگئے۔ پیغمبر اسلام کو بہت افسوس ہوا۔ اور اکی آپ نے علی ابن ابیطالب کو طلب فرمایا۔ اور ہر سہ سال قبلہ اشراں فوج کو حکم دیا کہ وہ بھی علی کی ماتحتی میں جائیں۔ اور کامیابی لشکر اسلام کو دیکھیں۔

علی ابن ابی طالب لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر اس انداز سے روانہ ہوئے کہ آپ نے وادی رمل کا مشہور و معروف راستہ ترک کر دیا اور عراق و عرب کا راستہ اختیار کیا۔ آپ تمام رات سفر کرتے تھے اور دن کو راستہ سے ہٹ کر کہیں آرام کرتے تھے۔ جب لشکر اسلام قریب وادی رمل پہنچا تو آپ نے حکم دیا کہ سب اہل لشکر خاموش رہیں شور و ہنگامہ نہ کریں۔ جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے لشکر کو حملہ دیدیا اور خود بھی حملہ کر دیا اور دشمنوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور چشم زدن میں فوج دشمن کا صفایا کر دیا۔ خداوند

نصرت پیغمبر اسلام تدفین و تجہیز رسول

عالم نے اپنے جیب کو بزبان بیرشل
بذریعہ سورہ والعاویات خوشخبری سنائی

ناظرین کتاب اول واقعات تاریخی مطاب فرمائیں تاکہ استنباط نتائج میں صحیح نتیجہ برآمد ہو سکے۔

۱) اربع المطالب ص ۳۳۲ جلد ۲ بحوالہ امام فخر الدین رازی و امام دارقطنی۔

ہم المؤمنین عائشہ سے ہدایت ہم کہ جب

عن ام المومنین عائشہ قالت لما

رسول خدائی دفات کا وقت قریب آیا تو۔

حضرت رسول اللہ الموت قال

فرمایا کہ میرے جیب کو بلاؤ۔ میں نے ابو بکر کو

ادعوا لی حبیبی فدعوت لہ ابابکر

بلا لیا۔ آپ نے ابو بکر کو دیکھا۔ اور پھر سر
تکیہ پر رکھ لیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو
بلاؤ۔ پھر میں نے عمر فاروق کو بلا لیا۔ پھر
آپ نے عمر کو دیکھا پھر اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا
پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ۔ اب کی
میں نے کہا کہ تمہارا بھرا بھوتم علی کو کیوں
نہیں بلاتے ہو۔ خدا کی قسم بجز علی کے
رسول کسی دوسرے کو نہیں بلا رہے ہیں جب
علی کو دیکھا تو آپ نے اس چادر کو جو آپ
اڑھے ہوئے تھے اٹھایا اور علی کو اس کے اندر لے لیا۔ آپ علی کو سینے سے چمٹائے رہے۔
حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی اور آپ کا ہاتھ علی پر رکھا رہا۔

فَنظَرَ إِلَيْهِمْ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ
ادْعُوا لِي حَبِيبِي فَدَعَوْتُ لَهُ عُمَرَ
فَنظَرَ إِلَيْهِمْ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ - فَقَالَ
ادْعُوا لِي حَبِيبِي فَقُلْتُ وَيَكْفِيكُمْ ادْعُوا لِي
عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ فَوَافَقَهُ مَا يَرِيدُ
غَيْرَهُ فَلَمَّا رَأَاهُ أَخْرَجَهُ مِنَ الثَّوْبِ
الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ ثُمَّ ادْخَلَهُ فِيهِ
فَلَمْ يَزَلْ لِي تَحْتَهُ حَتَّى قَبِضَ وَوَدَّاهُ
عَلَيْهِ -

(۲) طبقات ابن سعد :-

(۳) عن علي بن الحسين قال قبض
رسول الله صلعم وراسه في
حجر علي -

علی ابن الحسین سے منقول ہے کہ جب وقت
پیغمبر اسلام نے وفات پائی تو آپ کا سر
علی کی گود میں تھا۔

ب - اسی کتاب میں ابو غطفان سے
روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ ابن عباس
سے پوچھا کہ آیا آپ نے دیکھا تھا۔ کہ
وقت وفات رسول خدا کا سر کس کی
گود میں تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ جب
رسول خدا نے وفات پائی تو آپ علی
کے سینہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اور
علی ہی نے ان کو غسل دیا۔

(ب) عن أبي غطفان قال سئدت
ابن عباس اذ ابيت رسول الله
توفى وراسه في حجر احد قال توفى
رسول الله صلعم وهو المستند الى
صدر علي قلت فان عروة حدثني
عن عائشة انها توفى رسول الله
صلعم بين سحري ونخري فقال
ابن عباس تعقل والله لتوفى
رسول الله وهو مستند الى
صدر علي وهو الذي غسله

(۱۲) خصائص میں امام نسائی لکھتے ہیں :-

عن ام سلمہ قالت والذی تحلفت
بہ ام سلمی ان اقرب الناس عہداً
یرسل اللہ علی قالت لما کان عدو
قبض رسول اللہ فارسل اللہ رسول
اللہ صلعم قالت واظنہ قال بئس
فی حاجۃ فجعل یقول جاء علی

ثلاث مرات ، فجاء قبل طلوع الشمس
فلما جاء عرفنا انه الیہ حاجۃ
فخرجنا من البیت وكننا عند
رسول اللہ صلعم یومئذ
فی بیت عائشہ وكنت فی آخر
من خراج من البیت ثم جلست
من وراء الباب فكنت ادناهم
الی الباب فمكب علی علی فکان آخر
الناس بہ عہداً فمفضل یسارہ
دینا جیداً واللفظ حدیث المستدرک
فجعل یسارہ دینا جیداً ثم قبض
صلعم

(۱۳) سیرۃ النبی شبلی نعمانی :-

تجھیز و تکفین کی خدمت خاص اغراء واقارب نے انجام دی فضل ابن عباس اور اسار نے پڑھ کیہ
اور حضرت علی نے غسل دیا چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا
چاہتا تھا اس لئے حضرت علی نے اندر سے کواڑ بند کر لئے تھے حضرت علی نے جسم
سبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔

(۱۵) طبقات ابن سعد :-

۱۰۳۔ المؤمنین ۱۱ سلم سے مروی ہے اور وہ
بجلف کہتی ہیں بوقت رسول قرین ترین مردم
علی ابن ابی طالب تھے۔ جس دن رسول کا
انتقال ہوا اس کی صبح کو آپ نے فرمایا کہ
علی کو جاؤ مہینہ شاید کسی کام کیلئے باہر بھیجا
تھا۔ اور یہاں تک وہ نہ آئے کئی بار پوچھا
کہ علی آئے؟ تے میں علی آگئے۔ تم نے خیال
کیا کہ غالباً رسول خدا کو علی سے کوئی خاص
محبت ہے خانہ عائشہ سے باہر نکل آئے
اور میں سب کے بعد نکل کر دوسری خورتوں
کی نسبت دروازے سے بالکل قریب بیٹھی
میں نے دیکھا کہ علی نے اپنا سر رسول خدا کی
جانب جھکا دیا۔ اور پیچھا سلام علی سے لفظ
سرگوشی رازہ کی باتیں کرتے رہے۔ پس علی ہی
وہ شخص ہیں جو رسول کے پاس آخر وقت
تک موجود رہے۔ و نیز متذکرہ حاکم میں
ہے کہ رسول اللہ وقت وفات علی سے رازہ
کی باتیں کہتے رہے۔

maulib.org

علی سے روایت ہے کہ فرمایا کہ نبی کو رسول
اللہ نے وصیت کی ہے کہ میرے سوا کوئی
دوسرا شخص آپ کو غسل نہ دے کیونکہ

عن علی قال اوصانی النبی صلعم ان لا
یغسلہ احد غیری فانہ لایری
عورتی احد الا طہیت عیناہ

جو آپ کو برہنہ دیکھے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔

(۶) تاریخ ابن ہشام جلد سوم ص ۶۰۳

میت پیغمبر اسلام کو علی اپنے سینے سے لگا
ہوئے تھے۔ اور عباس و فضل و قثم کو روٹ
دلاتے تھے۔ اور اسامہ بن زید اور شقران
پیغمبر اسلام کے غلام میت پر پانی ڈالتے تھے
اور علی ابن ابی طالب میت رسول کو غسل دیتے تھے

فاسدۃ علی ابن ابی طالب علی صدقہ
وکان العباس و الفضل و قثم یقبلونہ
معہ وکان اسامہ بن زید و شقران
مولاء ھما اللذان یصبان الماء
علیہ و علی یغسلہ

(۷) روضۃ الاحباب ص ۵۶۵

علی رضی اللہ عنہما جہہ مبارک رسول کو
جانب کھڑے ہوئے اور کہا۔ اے پیغمبر گرامی
اور میں پروردگامی سلام و رحمت و برکات حق
تعالیٰ آپ پر ہوں۔ اے خدائے بزرگ ہم گواہی
دیتے ہیں کہ محمد نے ہم تک وہ سب پہنچا دیا
جو ان پر تیری طرف سے نازل کیا گیا تھا۔ اور
امت کو کامل و غلط و نصیحت پہنچائی۔ خداوند
ہم کو ان کی پیروی کی توفیق دے اور روز
قیامت ہم کو محمد کے ساتھ ہمنام محشر فرما
لوگوں نے آمین کہا۔

علی رضی اللہ عنہما جہہ مبارک رسول کو
دگفت اے پیغمبر گرامی و دین پروردگامی سلام
و رحمت و برکات حق تعالیٰ بہ تو باد بار خدایا
ما گواہی میدہم کہ دے رہا نید آنچه ہرے
نازل شدہ دست و نصیحت و موغظت بجا
آوردہ و در ماہ خدا جہاد کردہ تا غیر نکر دانید
حق تعالیٰ دین خود را بار خدایا مارا الز آل حملہ
گرداں کہ پیردان باشیم کہ بدے نازل
شودہ میان ما و در روز قیامت جمع کن
مردم آمین گفتہ

(۸) سیرۃ النبی میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

جسم مبارک رسول کو حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے قبر
میں اتارا۔

تاریخ ابن ہشام میں دفن رسول کے بارہ میں یہ عبارت ہے :-

ابن اسحاق کہتے ہیں وہ لوگ جو پیغمبر اسلام
صلعم کی قبر میں ترسے وہ علی بن ابی طالب
فضل بن عباس رثم بن عباس و شقران
آنحضرت کے غلام تھے۔

۹) قال ابن اسحاق وكان الذين نزلوا
في قبر رسول الله صلى الله عليه و
آله وسلم علي بن ابی طالب و الفضل
بن عباس و رثم بن عباس و شقران
مولى رسول الله صلعم۔

(۱۰) علامہ دہلوی لکھتے ہیں یہ

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول
اللہ نے فرمایا۔ اے علی تم مجھ کو غسل دو گے
میرے قرض کو ادا کر دو گے اور جو کچھ میرے
ذمہ ہے اسے ادا کر دو گے۔ مجھے میری قبر میں
اتار دو گے اور دنیا و آخرت میں میرے علمبردار
ہوئے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال
رسول الله صلعم يا علي انت تغسل
بعثتي و تؤدى ديني و توارثني في
حضرتي و لقي بدمتي و انت صاحب
لوائى انى الدنيا و الآخرة۔

(۱۱) روضة الصفا جلد دوم ص ۱۸۰

عمر کے عہد خلافت میں کعب الانخبار نے
عمر سے سوال کیا کہ اے عمر پیغمبر اسلام
آخری وقت کیا کلمہ زبان پر جاری کیا تھا؟
عمر نے جواب دیا کہ علی ابن ابی طالب سے
پوچھو کعب نے علی سے پوچھا علی نے کہا۔
وقت آخر رسول میرے سینہ پر تکیہ کئے ہوئے
تھے اور اپنا سر میرے شانہ پر لگائے ہوئے
تھے۔ تو فرمایا الصلوة الصلوة۔ کعب
نے کہا کہ وقت آخر انبیاء کی وصیت ہی
ہوتی ہے۔ اور وہ اسی پر مامور ہوتے ہیں
علی کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام یہ الفاظ فرما رہے
تھے اور ان کے دہن سے لعاب اڑ کر مجھ
پر گر رہا تھا۔ کہ یکایک ان کا حال متغیر ہو گیا

در ایام خلافت عمر کعب الانخبار از دے
استفسار نمود کہ یا عمر رسول در آخرت
بکدام کلمہ تسکلم شد عمر جواب داد کہ از علی
ابن ابی طالب سوال کن۔ کعب از علی پرسید
اد گفت در زمانہ آنحضرت بر سینہ من
تکیہ کردہ بود و سر بر دوش نهادہ فرمود
الصلوة الصلوة کعب گفت کہ آخرین عہد
و وصیت انبیاء این باشد و بایں مامور اند
بعثت ایشان بریں باشد علی گوید کہ رسول
اللہ اس سخن می فرمود و آب دہان مبارکش
بمن می رسید کہ ناگاہ حال او متغیر یافتہ
و محفل آن نداشتم کہ اورا بدال حال بہ منیم
لاجرم عباس را گفتم مراد ریاب عباس

نزدیک آمدہ باتفاق یکدیگر آنسرور ابرہہ
مجد کو ان کا یہ حال دیکھتے کتاب نہ ہو سکی
میں نے مجبوراً عباس سے کہا کہ میرے پاس

آؤ عباس نزدیک آئے اور ہم دونوں نے ملکر پیغمبر اسلام کو بستر پر لٹا دیا۔

(۲) روضة الصفا مطبوعہ بمبئی :-

اس وقت ابو بکر نے الفاظ تعزیت و تسلی
اہل بیت رسول سے کہے اور کہا کہ پیغمبر اسلام
کے غسل میت و کفن و دفن کا انتظام آپ
لوگوں کے متعلق ہے۔ اور ابو بکر خود عمر اور
ابو عبیدہ تہاج کو ہمراہ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ
کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے

سنا کہ امراء انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں
اور چاہتے ہیں کہ معاملہ خلافت کو طے کریں۔

بنا۔ علی از سیر رحمہ اللہ نے بین کیلے کہ جب
ابو بکر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔

زس کے بعد علی و عباس و فضل و قثم اولاد
عباس اور اسامہ بن زید اور صالح عقب

بہ شقران آزاد کردہ غلام رسول۔ اس طرح
ان کے علاوہ مردوں میں دوسرا شخص نہ تھا

ج۔ روایت ہے کہ علی نے میت پیغمبر کی آنکھ
میں نمکا دیکھ تو آپ نے اس تنکے کو اپنی زبان

کا نوک سے نکالا۔

د۔ پیغمبر اسلام کو بعد غسل و تکفین کے تابوت
میں رکھ کر کافی دیر تک ایک تنہا گھر میں رکھا

تاکہ ملائکہ نماز جنازہ پڑھ لیں۔ یہ کام بوجہ
وصیت پیغمبر کیا گیا۔ امیر المؤمنین علی نے صحابہ

(۱) آنکا ابو بکر ہر اسم تعزیت و تسلیہ اہل بیت

پر داغہ گفت امر غسل و تکفین و تجنیز و تدفین
آنحضرت متعلق با شہادت و خود با عمر ابو عبیدہ

تہاج بجانب سقیفہ بنی ساعدہ شرافت درال
حین شنید کہ اعیان انصار در سقیفہ مجتمع

شده اند و میخواستند کہ امر خلافت را قرار
دہند۔

(ب) ذکر کیفیت غسل تکفین آنحضرت :-

علم سیر رحمہ اللہ آردہ اند کہ چون ابو بکر
بسقیفہ بنی ساعدہ رفت۔

اہلہ انزال علی و عباس و فضل و قثم اولاد
عباس و اسامہ بن زید و صالح آزاد کردہ

حضرت رسالت کہ شقران لقب داشت دوران
خانہ از مردان غیر انصار دیکھے نبود۔

(ج) روایت آنکہ علی در چشم مبارک رسول خدا
نماز کے دید آنرا بنہاں بیرون آورد۔

(د) آنحضرت بعد از غسل و تکفین بسدر بیتنا
در خانہ دتے تنہا گذاشتند تا ملائکہ برسے

نماز گزارند و اس صلوات بنا بد وصیت
آنسرور بود۔

امیر المؤمنین علی با صحابہ خطاب فرمود کہ در

بالا آمد و خاک را سپرا کنند - بعد قبر سے باہر آئے۔ اور قبر کو مٹی مٹی گئی

(۱۶) ص ۳۶

- پیغمبر صلعم سے روز مانده بود در روز و نہ
چهارشنبه آنحضرت را بخاک دفن کردند
پیغمبر اسلام کی میت تین دن پڑی رہی اور
بدھ کے دن پیغمبر کو دفن کیا گیا۔
- خلاصہ عبارات تاریخی :- (۱) وقت آخر پیغمبر اسلام نے علی کو بار بار بلایا اور جب علی آئے
(۱) تو اپنی چادر میں لپیٹ کر تادیر سہ گوشی و راز کی باتیں کیں۔
(۲) وقت وفات پیغمبر اسلام کا سر علی کی گود میں بھی تھا اور رسول علی کے سینہ سے تکیہ لگائے ہوئے بھی
تھے۔۔۔

- (۳) بعد وفات علی نے میت پیغمبر اسلام کو سینہ سے لگالیا تھا اور آپ تنہا غسل میت دے رہے تھے۔ اور
صرف عباس اور فضیل و قثم و شقران کو روٹھ دلاتے اور پانی لانے کی خورمات پر مامور تھے۔
(۴) بعد وفات رسول مکینین آنحضرت علی نے کیا اور سب سے پہلے علی نے نماز جنازہ پڑھی۔
(۵) بوقت نماز جنازہ علی نے تصدیق رسالت باحسن الفاظ ادا کی۔
(۶) پیغمبر اسلام کو قبر میں علی نے اتارا اور قبر رسول سے سب سے آخر میں لکھے۔
(۷) انصار و اصحاب کبار برائے مشورت و تعیین خلیفہ سفینہ بنی ساعدہ چلے گئے تھے اور ۲۴ یا ۲۸
گھنٹہ کے بعد واپس آئے۔

سطور بالا میں میں نے ۷ تاریخی مواقع پیش کئے جو اپنی نوعیت اور تاریخ اسلام کے اعتبار سے اہم
ترین واقعات ہیں۔ یوں تو علی کی فن زندگی اور مہد تامل خدمت و نصرت رسول میں صرف ہوئی ہے۔ اور کسی مورخ
کی طاقت نہیں ہے کہ وہ خدمات علی کو شمار کر کے محدود کر سکے۔ مگر تاریخ اسلام کے کارنامے جو اب میں دین اسلام
قائم کرتے ہیں۔ وہ نمونہ پیش کئے گئے۔ اور اہل اسلام کی مستند و قدیم کتب تاریخ و حدیث کو بحیثیت
شابد و گواہ پیش کیا گیا ہے۔

آدم برسر مطلب بسلسلہ حجۃ الوداع

مذکورہ تفصیلی بیان تحت عنوان عدالت

پیغمبر اسلام ہوقعہ حجۃ الوداع کیا گیا دعوت

ذوالعشرہ حکم خالق یکتا کی گئی تھی۔ حکم خدا پیغمبر اسلام کیسے ہوا تھا۔ آیہ انذار عشرتک الاقرین۔ اسے رسول
اپنے قرابت رکھنے والوں کو ڈراڈ اور ہدایت کرو۔ پیغمبر اسلام تعمیل حکم خدا کیسے تیار ہو گئے اور آپ نے ہاتھ
دہوہ دعوت اتر باد کا انتظام کیا۔ تین دن مسلسل اعیان مکہ آئے۔ مگر پیغمبر اسلام کی تصدیق نہ کی بلکہ تضحیک

کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔ آخر علی نے تصدیق تو حید خدا و رسالت ختم الوسل کی۔ اور پیغمبر اسلام کی خدمت میں عرض کیا۔

انی احد تھم ستادار مصہم عینا
واعظہم بطناداحمشہم ساقا
میں حاضرین جلسہ میں سب سے زیادہ کم سن
ہوں۔ میری آنکھیں آشوب زدہ ہیں۔ میرا
پیش بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں کمزور ہیں۔
مگر اے خدا کے نبی میں آپ کی نصرت کیلئے تیار ہوں۔ اور آپ کا ذریعہ تبلیغ رسالت کیلئے
میں بننا چاہتا ہوں۔

علی کا سن بوقت وعدہ نصرت صرف ۱۳ سال کا تھا اور حسم کے لحاظ سے بھی آپ کمزور تھے۔ مگر جب علی
نے خاتم النبیین کی تکذیب کرتے ہوئے اعیان قریش کو دیکھا تو بوجہ جوش ایمانی دردِ حافی کے آپ جمع میں کھڑے
ہو گئے۔ اور وعدہ نصرت بھی کیا اور کھلے ہوئے الفاظ میں نہ یہ خاتم النبیین بننے کا اعلان بھی کر دیا۔ بہادران
عرب اداعیان قریش کا مجمع تھا۔ اور وہ سب بہتے گئے اور طنز کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ پیغمبر اسلام نے
اعلان رسالت کر دیا۔ اور شجاعانہ انداز میں اعلان کھدے تو حید خدا کرنا شروع کیا۔ اعزاد اور اقربانے ساتھ
چھوڑ دیا۔ یگانے بیگانے بن گئے۔ ہم قوم و ہم قبیلہ جان کے دشمن ہو گئے۔ ہم وطن خون کے پیاسے
ہو گئے۔ قتل کی تدبیریں ہونے لگیں۔ راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ سر پر کوڑے پھینکے گئے
بہر حال ابنائے وطن نے وہ سب کچھ کیا تو پیغمبر اسلام کی تباہی اور بربادی لینے کیلئے وہ دکر سکتے تھے
مگر ہر موقع پر علی سایہ کی طرح پیغمبر اسلام کے ساتھ رہے۔ اور علی کے باپ اور پیغمبر اسلام کے چچا
سردار قریش ابو طالب ہر موقع پر سینہ سپر رہے۔

سلور مندرجہ و عبارات تاریخی مذکورہ کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تبلیغ دین
اسلام کی خاطر پیغمبر اسلام نے کیا کیا مصائب جھیے۔ اور کیسی کیسی ناقابل برداشت سختیاں برداشت
کیں۔ اور ہر موقع پر علی ابن ابی طالب نے حق نصرت پیغمبر اسلام کس خوبی اور کس جان سپاری سے
ادا کیا۔ سخت سے سخت موقع اور اہم سے اہم تر غزوات میں علی ہمیشہ آگے رہے۔ اور اپنی
جان کو پیغمبر اسلام پر قربان کر دینا ہی اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اصحاب پیغمبر اسلام
دابل شکر اسلام ہمیشہ پیغمبر اسلام سے صبر خدمات کے طالب رہے۔

پیغمبر اسلام افراد شکر اسلام کو وہ سب کچھ تقسیم کر دیتے تھے۔ جو بطور مال غنیمت غزوات سے
ملتا تھا۔ مگر اپنا اور علی کا حصہ مولفۃ القلوب یادیر مسلمانوں پر تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی اور کسی موقع

پہلی نے مال دنیا و جاہ دنیا کی طلب نہیں کی۔ اور کبھی اپنی ان جاہ نثار یوں کا صلہ و معاوضہ پیغمبر اسلام سے نہ چاہا۔ اور کبھی کسی موقع پر عذر ناقہ و بے سرو سامانی نہیں کیا۔ گویا علی فتنانی الحمد و فتنانی الرضا محمد ہو گئے تھے۔ مقصد عین پیغمبر اسلام کا تبیح و توحید تھا۔ اور پیغمبر اسلام کے اس مقصد عینی کے بارے کے شریک علی تھے۔

کوئی مورخ نہیں بتا سکتا کہ علی نے کسی موقع پر بھی خود کسی عہدہ یا مال کی خواہش کی ہو۔ علی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علی مراتب و فضائل نبوی کو جانتے تھے۔ علی عدالت و ایقانہ عہد پیغمبر اسلام سے واقف تھے۔ علی دعوت ذوالعشرہ میں بعمر ۱۳ سال پیغمبر اسلام سے وعدہ نعت اسلام کر چکے تھے۔ لہذا اب تو علی کا یہی کام تھا۔ کہ وہ حق نصرت ادا کرنے ہی کو اپنا صلہ و معاوضہ سمجھتے ہیں اب رہا ایقانہ عہد پیغمبر اسلام اور اقتضائے عدالت نبوی۔ تو یہ خود پیغمبر اسلام کا قرینہ اخلاقی تھا وہ جب چاہیں اپنے وعدہ کا اعلان فرمائیں۔ علی کو ایسے پیغمبر اسلام میں دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ جہاں اسے ذنی علی کی ہوتی وہیں سلسلہ نصرت میں رخنہ و شکوک پڑ جاتا۔ اور یہ رخنہ پڑ جانا ہی خلاف معاہدہ ہو جاتا۔ علی کا سراپا اطاعت رہنا علی کے عہد اقرار نصرت کا آئینہ دار تھا۔

علی محبتہ اطاعت بنکر رضائے نبوی کو حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ منشاء ربانی و تبیح احکام قرآنی کی تکمیل ہو گئی۔ اور سلسلہ عنوانات ختم ہو گیا۔ رعب اسلام و حقیقت اسلام کا پیمانہ دور دور ہو گیا۔ اور اسلام دین اسلام کی اشاعت کا حق ہو چکی۔ زبان قدرت نے بھی کہہ دیا۔ لا اکرہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی اب دین میں کوئی امر موجب کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ ہدایت گمراہی و ضلالت سے علیحدہ ہو چکی ہے باطل باطل ہو گیا اور حق حق بنکر ظاہر ہو چکا۔ پیغمبر اسلام کو اب حکم تھا ہوا کہ۔

اے محبوب و حبیب تیرا اقرار کنین بلا علی پر شافی ہے۔ ارجع الی ربک و اضیع مرضیہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف پلٹ آ ایسی حالت میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے پیغمبر اسلام کو سند کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور دعوت نامہ برائے حضور ہی رب الارباب مل گیا۔ لہذا اب کو اپنا وعدہ یاد آیا کہ۔ دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر میں نے اپنی وزارت و خلافت اور وراثت کسی کو دینے کا اعلان کیا تھا۔ اور اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے اقرار نصرت پر اعلان وزارت کیا تھا۔ پیغمبر اسلام کے الفاظ یہ تھے۔

فقال ان هذا شیء ووصی و خلیفتی فیکرموا سمعوا المر و اطیعوا۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ یتیا یہ علی میرا بھائی، میرا وصی، میرا خلیفہ تم پر ہے اس کی بات سنا اور اس کی

اطاعت کرو۔

جس وقت پیغمبر اسلام نے علی سے وعدہ خلافت و وصایت دیا تھا۔ اس وقت پیغمبر اسلام کی شخصیت انفرادی تھی۔ آپ کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر تھا۔ نہ اصحاب تھے نہ دولت تھی نہ حکومت تھی یہ کچھ بھی نہ تھا۔ مگر پیغمبر اسلام دین الہی کی ترقی۔ دین اسلام کی منازل ارتقا کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لہذا آپ نے علی سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تم کو آئندہ وزیر اور وصی و خلیفہ بنا دوں گا بلکہ جیسے ہی علی نے وعدہ نصرت کیا اسی وقت پیغمبر اسلام نے خلافت و وزارت علی کا اعلان کر دیا۔ اور اس اعلان کے ساتھ حکم عام دیا کہ علی کا حکم سنو اور علی کا حکم مانو۔ کیونکہ میں نے آج ہی سے تم پر اس کو حاکم بنا دیا۔ یہ تو پیغمبر اسلام نے علی کو وہ صلہ دیا جو اس وقت کے لحاظ سے مطابق قانون عدالت تھا۔ مگر عملی طریقہ پر علی کو اس وقت کامل معاوضہ و صلہ ملنا چاہئے جب علی اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں۔

سلسلہ میں پیغمبر اسلام اپنے مقصد بخت کو کامل کر چکے۔ اب آخری فریضہ خداوندی یعنی حج بیت اللہ باقی رہ گیا۔ چنانچہ سلسلہ میں آپ نے حج خانہ خدا سے بھی فراغت پائی۔ اور آپ بڑے جاہ و شہم و شان و شوکت سے مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اب دوسری صورتیں ممکن تھیں۔ اول تو یہ کہ پیغمبر اسلام مدینہ جا کر مطابق اپنے وعدہ کے علی کی وزارت و خلافت کا اعلان کر دیتے۔ تو اس صورت میں صرف اہل مدینہ ہی کو معلوم ہوتا۔ اور ممکن ہے کہ اہل مدینہ یہ کہتے کہ صرف مدینہ والوں ہی کیلئے پیغمبر اسلام نے علی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ علی کی وزارت و خلافت کا دنیا کے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ آپ مکہ میں بعد ختم حج اعلان خلافت علی کر دیتے تو بھی اسلئے نامناسب تھا کہ ارکان و مناسک حج میں اعلان خلافت و وزارت شامل ہو جاتا۔ جو آئندہ صدیوں میں مشتبہ ہو کر نہ معلوم رکن حج بن جاتا یا نامعلوم کیا کچھ ہو جاتا۔ لہذا عبادت خداوندی اور مناسک حج سے اس کو الگ ہی رکھنا تھا۔ علاوہ بریں یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ سمجھتے کہ پیغمبر اسلام نے صرف امسال حج کیلئے ہی اور صرف حاجیوں کے اوپر ہی علی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور دنیا کے اسلام سے خلافت علی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام اکثر و بیشتر اپنی غیبت میں اہل مدینہ پر اپنا خلیفہ بنا دیا کرتے تھے۔ وہی صورت اس موقع پر پیدا ہو جاتی۔ اور علی پیغمبر اسلام کے خلیفہ و وزیر تمام اہل اسلام کیلئے قرار نہ پاتے۔

اور اگر پیغمبر اسلام علی کی خلافت کو مقامی کر دیتے تو تو عدالت کا ملہ پیغمبر اسلام کے خلاف تھا۔ کیونکہ علی نے وعدہ نصرت اس وقت کیا تھا جبکہ اسلام صرف سینہ رسول میں تھا۔ اور اہل دنیا پر اس کا کوئی

اثر نہ تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام کی عدالت کا اقتضا صحیح ہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ علی کو اپنا خلیفہ و وزیر اس وقت تک کیلئے بنائیں جب تک آپ خاتم النبیین اور رسول رب العالمین ہیں۔

حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے اعلان وزارت و خلافت علی کا وہ موقع محل پسند کیا۔ جس سے بہتر ناممکن تھا۔ وہ وقت و ایسی حجتہ الوداع کا وقت تھا۔ چونکہ مسئلہ اہم ہے اور اختلافی ہے۔ لہذا آپ تاریخی شواہد اور تاریخی حالات ملاحظہ فرمائیں۔ اور خود فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام نے حجتہ الوداع کے موقع پر اعلان خلافت علی کر کے۔ تو انہیں عدالت کا ملہ کی تکمیل کی ہے۔ اور حاکم عادل نبی عادل کی عدالت کا یہی اقتضا تھا۔

(۱) تاریخ طبری جلد چہارم مترجمہ
فارسی ص ۴۳۱

سنتہ فروری سنہ ذی الحجہ مطابق تاریخی حالات
حجتہ الوداع و اعلان ولایت علی باقتضاء عدالت نبوی

مترجمہ

پیغمبر اسلام صیب حجتہ الوداع کو تشریف
لیگئے تو تمام شہروں کے اشراف و مہاجرین
و انصار آپ کے ہمراہ تھے۔ قربانی کیلئے
بکثرت شتر آپ کے ساتھ تھے۔ پیغمبر اسلام
نے علی کو بخران بھیج دیا تھا علی بخران سے
احرام باندھ کر مکہ آئے تمام اہل عرب
واقف ہو گئے کہ پیغمبر اسلام حج کیلئے آئے
ہیں۔ تمام اہل عرب اطراف و جوانب سے
جمع ہو گئے اور بکثرت لوگ جمع ہو گئے
کہ اس کے مثل کبھی اتنا اجتماع نہیں دیکھا
گیا تھا۔ خدا نے یہ آیت نازل
کی کہ آج تمہارا دین کامل ہو گیا۔ میں نے
اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور میں
تمہارے دین اسلام سے راضی و خوشنود ہوا
یہ سال و ہجرت بخراں پیغمبر اسلام کا آخری غزوہ

(۱) رسول خدا صلعم بحجتہ الوداع شد و
اشراف مہاجر و انصار بلاد ہمراہ بودند
و بجهت ہدی اشتران بسیار با خود میروند
و امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ را بہ بخران
فرستاد و اذ انہ بخران احرام گرفتہ بکہ
آمد و مجموع اعراب آگاہ شدند کہ پیغمبر صلعم
بج آمدہ است و مجموع اعراب از اطراف
و جوانب جمع شدند و خلق بسیار گرد آمدند
کہ ہرگز مثل آن بیچس ندیدہ بود۔

..... خدائے عزوجل آیت
فرستاد۔ قولہ و عزوجل۔ الیوم
اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم

نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً
ابن سال و ہجرت بخراں غزوہ نا
غزوہ تبوک بود

تبوک تھا۔

(۲) سیرۃ البنی علامہ شبلی

اس سورہ اذا جاء نصر اللہ الخ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا۔ اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول سیاسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ بہر حال ذلیقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم بارگاہ حج مدہ تشریف لے جا رہے ہیں۔

(۳) تاریخ ابن ہشام

ان رسول اللہ صلعم کان بعث
علیہا الی انجرات
وخر رسول اللہ صلعم عنہ
پنجم اسلام نے علی کو بچھو لینا کہ
بھیجا تھا جب وہ وہاں سے لوٹ کر آئے تو
احرام باندھے ہوئے پنجم اسلام سے مکہ

میں ملاقات کی

پنجم اسلام نے فرمایا۔ جاؤ علی طواف کر کے اپنے دوستوں کی طرح تم بھی احرام کھو لو۔ جناب امیر نے گزارش کی ہم نے احرام باندھتے وقت دعا کی تھی کہ اے خدا جس طرح تیرا نبی، تیرا بندہ تیرا رسول احرام کھولے گا اسی طرح میں اپنا احرام کھولوں گا۔

پنجم اسلام نے علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس قربانی ہے۔ علی نے عرض کیا نہیں ہے۔ پس پنجم اسلام نے علی کو اپنی قربانی میں شریک کر لیا۔ اور علی بدستور سابق پنجم اسلام کے سامنے احرام باندھے رہے تھے کہ پنجم اسلام نے حج سے فارغ ہو کر علی کی جانب سے بھی قربانی دی۔

(۴) صحیح مسلم کی عبارت کا ترجمہ :-

عن جابر قال قال رسول اللہ فاکلامن لمحہا وشرہا من عرفہا

جابر سے روایت ہے کہ پنجم اسلام نے اپنے دست مبارک سے ترسٹھا اونٹ قربانی کئے ان کے علاوہ جس قدر کہ قربانی کیئے اونٹ باقی رہ گئے تھے۔ ان کی قربانی کیئے علی کو حکم دیا اور برچھا دیا اور ان کو اپنی قربانی میں شریک کیا۔ پھر ہر ایک اونٹ میں سے تھوڑا سا گوشت کاٹنے کا حکم دیا۔ پس وہ ایک ٹانڈی میں پکوا کر دونوں صاحبوں نبی و علی نے کھایا۔ اور اس کا شوربا پیا۔۔۔

(۵) محمد بن بشاب زہری جنہوں نے سب سے اول حکیم عمر بن عبدالعزیز اس حدیث کو مدون کیا ہے۔
 لکھتے ہیں (بحوالہ ارجع المصائب، ص ۵۱۳)

انما خص علی بذلک دون اقرارہ و اہلہ
 لقریۃ فکانہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
 فعل بنفسہ۔
 پیغمبر اسلام نے اپنے تمام اقربا اور ازواج
 کے سوا علی کو اس قربانی کیسے بوجہ ان کی
 قربت قریبہ کے مخصوص فرمایا ہے اسلئے

کہ علی کا قربانی کرنا خود پیغمبر اسلام کا قربانی کرنا تھا۔

(۶) سیرۃ النبی جلد اول :

راہ میں ایک مقام خم پڑا جو حفص سے تین میل پہلے یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے
 ہیں آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔۔۔

اما بعد الا ایہا الناس فاما انا بستر شک
 ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک
 فیکم الثقلین ادلیہما کتاب اللہ فیہ
 الہدی والنور فخذوا کتاب اللہ و
 استمسکوا بہ و اہل بیتی اذکرکم اللہ
 فی اہل بیتی۔
 حمد و ثنا کے بعد اسے لوگوں میں بھی بشرہ ہوں
 ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور
 مجھے قبول کرنا پڑے (موت) میں تمہارے
 درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔
 ان میں پہلے خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت
 اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے

پکڑ لو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدا کو یاد
 دلاتا ہوں۔۔۔

آخری جملہ آپ نے تین بار مکرر فرمایا (مسلم) یہ صحیح مسلم (منذ قب حضرت علی) کی روایت ہے۔ اس کی
 مسند امام حنبل، ترمذی، طبرانی، طبری، اور ترمذی وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔ جن میں
 حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولاه فعلی مولاه اللہم
 والی من ولایہ و عادی من عادیہ
 جن کا میں مولا ہوں پس ان کا علی بھی مولا
 ہے۔ اے خدا تو ولی بن اس کا جو علی کو مولا

سمجھے اور اے خدا تو دشمن رکھ اسکو جو علی کو دشمن رکھے۔

(۷) امام نسائی احمد بن حنبل و ترمذی و صحیح مسلم کی مشترک عبارات :-

عن زید بن ارقم قال لما حج رسول اللہ خلفتمونی فی کتاب اللہ

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپس ہوئے تو غدیر خم پر مقام کیا جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔ اس روز ماہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ تھی۔ لوگوں سے حضرت نے فرمایا اے لوگو! مجھ سے پوچھا جائے گا کہ آیا میں تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کیا مملوک گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور نصیحت کرنے کا حق ادا فرما دیا ہے۔ اور مملوک گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور آپ خدا کے رسول برحق ہیں۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا میں تمہاری گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں تم میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک کیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت ہیں۔ خدائے مہربان خبر دینے والے نے مجھے خبر دی ہے کہ جب تک وہ دونوں توفیق (کوثر) پر وارد نہ ہوں گے ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے میرے توفیق کی وسعت اتنی ہے جتنی لبر سے صفارین، اس کے پیالے ستاروں کی پگنتی کے برابر ہیں۔ تحقیق کہ خدا تم سے پوچھنے والا ہے کہ تم نے میرے بعد خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

(۸۱) مستد امام احمد بن حنبل میں درج ہے

عن البراء بن عازب قال كنا مع رسول الله في سفر فنزلنا بعد يوم خم فنادى منا والصلوة بجامحهم وكسبهم الرسول الله صلعم تحت شجرتين منضلي الظهر اتخذ بيد علي رضي الله تعالى عنه فقال اللهم تعلمون اني اولى بالمومنين عن انفسهم قالوا بلى قال اللهم تعلمون اني اولى لكل مؤمن من نفسه قالوا بلى فقال من كنت مولاه فعلي مولاه

براء بن عازب سے مروی ہے کہ مملوک پیغمبر اسلام کے ساتھ سفر میں تھے۔ جب غدیر خم میں وارد ہوئے تو منادی نے صلوة جامعہ کی ندادی اور پیغمبر اسلام کیلئے ذرخشوں کے نیچے کی زمین صاف کی گئی۔ پیغمبر اسلام نے نماز ظہر باجماعت پڑھی۔ اس کے بعد علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے کہا اے لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین کیلئے ان کے نفوس سے ادا ہوں۔ سب نے کہا کہ بیشک پھر آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں ہر

اللهم وال من والاه و عاد من عاداه
 فقلقيہ عمر ابن خطاب بعد ذلك
 قتله - سياتي يا بني طالب
 اصحت وامسيت مولاه كل
 مومن ومومنة -
 ہے۔ الہی ولی بن تو اس کا جس کا مولانا علی ہے۔ اور دشمن بن اس کا جو علی کو دشمن
 رکھے اس کے بعد عمر علی سے ہے اور کہا اے علی مبارک ہو تم کو کہ آج تم ہر مومن و مومنہ
 کے مولانا ہو گئے۔

(۹) سیرۃ الامین والمامون علامہ علی بن برہان الدین شافعی (منقول از اربع المطالب لادب)

دکان الرسول نشر صلعم عمائمہ
 تسمی السحاب کساها علی ابن ابی
 طالب بجدیر خم۔
 پیغمبر اسلام کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب
 تھا۔ پیغمبر اسلام نے وہ عمامہ بہ در غدیر
 خم علی کے سر پر باندھا۔

(۱۰) مشترک مضمون بالفاظ مختلفہ۔ مستدرک حاکم۔ خصائص نسائی۔ صواعق محرقة۔ روضة
 الصفا جلد دوم ابن حجر مکی ص ۱۷۱۔ روضة الاحباب۔

یہ روایتی درال راہ (در سفر حج الوداع
 صد و چہارہ ہزار کس ملازم رکاب نلک
 فرسا بودند۔
 ایک روایت میں ہے کہ سفر حج الوداع
 میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ ایک لاکھ چودہ ہزار
 اصحاب تھے۔

(۱۱) ج ۲۷۔ بعد از قطع منازل بجدیر خم
 کہ از نواحی حنفہ است رسیدہ درال
 مرحلہ نزول فرمود و درال موضع نماز
 پیشین گذارده روسے باصحاب آورد
 فرمود است اولی بالمومنین من الفسہم
 آیا نیستم من اولی بمومنان از نفہائے
 ایشان و بقولے فرمود کہ گویا مرا العالم
 بقا استدعا نمودند و من اجابت کردم
 پیغمبر اسلام مکہ سے واپسی پر بعد قطع
 منازل مقام غدیر خم پر پہنچے یہ غدیر خم
 حنفہ کے قریب ہے۔ آپ اس منزل
 پر ٹھہر گئے۔ یہیں آپ نے نماز ظہر ادا
 کی اس کے بعد آپ نے اصحاب کو مخاطب
 فرمایا۔ اور فرمایا کہ کیا میں مومنین کی
 جانوں سے زیادہ ان کا مالک نہیں ہوں
 اور بقولے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا نے

معلوم تھا ہاں کہ من در میان شما دو امر عظیم
 می گذارم کیے از دیگرے اعظم است قرآن
 و اہل بیت من میں پیدا کہ بعد از من بیگوند و
 بچہ کیفیت باں دو امر سلوک خواہد کرد و
 رعایت آل دو امر بچہ نوع بچا خواہد
 آورد و آل دو امر از ہم متفرق نخواہد گشت
 تا در کنار تو من کوثر کہ بمن رسند بعد از آل
 نبیان معجزہ بیان گذرانید کہ بدرستی کہ خدا
 تعالیٰ مولائے منت مست و من مولائے
 مومنان آنگاہ دست علی را گرفتہ فرمود
 من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم و آل
 من و لاه و عادی من عاداتہ و انخذل من
 خذلہ و انصر من نصرہ و دار الحق معہ
 حیث کان
 و در خیمہ خاص بہ نشست و فرمود کہ امیر المومنین
 علی در خیمہ دیگر نشستید بعد از آل طبقات
 خلائق را امر کرد کہ بخیمہ علی رفتند و زبان بہ
 تہنیت آنحضرت گشادند و چون مردم
 ازین امر فارغ شدند امہات بفرمودہ نواب
 کائنات تردد علی رفتہ اورا تہنیت گفتند
 از جملہ اصحاب عمر ابن الخطاب گفت نوشا
 حال تو اے علی کہ صبا ج کہدی مولائے من
 و مولائے جمیع مومنین -
 علی کو مبارک باد و ولایت دیں اور جب مرد مبارک کباد دے چکے تو اپنے خود ازواج نبی کو خود پیغمبر
 اسلام نے حکم دیا کہ وہ علی کو مبارک کباد دیں - امہات المومنین نے بھی علی کو مبارک کباد پیش کی

قدیر کی جانب سے دعوت نامہ آچکا ہے۔
 اور میں نے قبول کر لیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا
 چاہیے کہ میں تمہارے درمیان دو امر عظیم
 چھوڑے جاتا ہوں ایک دوسرے کے زیادہ
 عظیم ہے۔ ایک قرآن ہے دوسرا میرے
 اہل بیت۔ دیکھو تم لوگ میرے بعد کس طرح
 ان دونوں چیزوں کے ساتھ سلوک کرتے
 ہو اور وہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے
 جدا نہ ہونگی حتیٰ کہ میرے پاس تو من کوثر
 پر پہنچ جائیں گی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا
 میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں
 اس کے بعد علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ من
 کنت مولاه۔ میں جس کا مولا ہوں پس اس
 کا علی مولا ہے۔ اے خدا جو علی کو اپنا مولا
 سمجھے تو بھی اس کا ولی بن اور جو علی کو دشمن
 رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔ اے خدا جو
 علی کو چھوڑ دے اس کو تو بھی چھوڑ دے۔
 اور جو علی کی نصرت کرے اس کی تو بھی نصرت
 کر اور حق کو اس طرف موروںے حدھر علی
 مڑے۔ اس کے بعد
 پیغمبر اسلام ایک خیمہ میں تشریف فرما ہوئے
 اور دوسرے خیمہ میں علی کو بٹھایا۔ اس کے
 بعد تمام اصحاب کو حکم دیا کہ خیمہ علی میں جا کر
 علی کو مبارک باد دے چکے تو اپنے خود ازواج نبی کو خود پیغمبر
 اسلام نے حکم دیا کہ وہ علی کو مبارک کباد دیں۔ امہات المومنین نے بھی علی کو مبارک کباد پیش کی

منجملہ اصحاب کے عمر ابن خطاب بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی ان الفاظ میں مبارکباد دی۔
اے علی خوش حال آپ کا کہ آپ میرے اور تمام مومنین کے مولا ہو گئے۔

تاسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم صفحہ ۹۶۔

جب پیغمبر اسلام نے خطبہ غدیرہ کو ختم کیا اور
خلافت و امامت علی پر نص فرمادی تو آپ
نے حکم دیا کہ حاضرین غائب کو سنا دے تاکہ

یہ پیغام رسالت تا قیامت باقی رہے اور
لوگ جان لیں کہ جو کہ خلافت علی ہے واسطہ
نہ تسلیم کر لے گا آتش جہنم سے نجات نہ پائے گا
اس وقت میدان غدیر خم میں ایک لاکھ بیس
ہزار افراد موجود تھے۔ یک بارگی بیک آواز
سب نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ہم نے سنا۔ ہم نے تسلیم کر لیا
اور اطاعت کی حکم خدا اور رسول کی بدولت

بہ زبان و باعضا۔ پس جبرئیل نازل ہوئے
اور یہ آیت لائے۔ آج کافر تمہارے دین
سے مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو
اور روز قیامت سے ڈرو آج میں نے تمہارے
لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ میں نے

اپنی نعمات تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے
میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔ پس شاعر
در بار رسالت حسان ثابت ایک جملے بلند
گئے اور مسلمانوں نے اشتیاق کھم کیے کہ وہیں بلند

ان کے نبی نے یوم غدیرہ ندادی اور رسول کی
آواز کو سننے والے ہیں۔

چوں رسول خدا خطبہ غدیرہ را بپائے برد
خلافت و امامت علی را منصوص داشت و
فرمان کرد کہ حاضرین غائب کو سنا دے تاکہ

اسی ابلاغ تا قیامت برد و مردمان با نہ
دانند کہ ہر کس خلافت علی را بپا واسطہ
تقریر نہ پدید آتش دوزخ نہ پدیدرس
ہنگام آن جماعت کہ یکصد و بیست ہزار
تن بشمار می رفت بہ یکبارگی با یک برداشتند
یا رسول اللہ۔ سمعنا و اطعنا علی امر
اللہ و امر رسولہ بقلوبنا و الئنا و
ایدینا۔

و جبرئیل فرود شد و اس آیت مبارک بیاورد
الیوم بیئس الذین کفروا من دینکم
فلا یخشوہم و انخشبون الیوم اکملت
لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت
لکم الاسلام دینا۔

پس حسان ثابت (شاعر در بار رسول) بہراند
زمینے افراتختہ صعود داد و مسلمانان اصغرائے
کلمات ادبا گرون کشیدند و او ابن شعرا
نشاہ کرد۔

نیاد یوم غدیرہ بنیہم
تخیم و اسمع بالرسول منادیا

اور فرمایا کون تمہارا مولا اور دلی ہے۔ ان لوگوں نے جو اس موقع پر دشمنی نہیں کرتے تھے۔ کہا۔ (۳) تمہارا خدا مولا ہے اور تم ہمارے دلی ہو اور ہرگز ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس بارہ میں سرکشی کرے (۴) پھر فرمایا کہ اے علی کھڑے ہو جاؤ پس یقیناً میں نے تم کو اپنے بعد کیلئے نامی اور امام نصب کیا۔ پس مخصوص کیا سارے عالم میں علی کو اور موسوم کیا ذریعہ واخی نام سے۔ روز غدیر رسول نے کہا جبکہ میں مولا ہوں پس اسکا علی مولا ہے۔ پس تم لوگ اس کے سچے دوست و پیروند۔ اس کے بعد رسول نے وعائی اسے خدا دوست رکھا سو تو علی کا دوست ہے اور تو علی کا دشمن ہو اسکو دشمن رکھ۔

جب حسان ثابت نے دربار رسول میں شان علی میں یہ قصیدہ پڑھا۔ تو پیغمبر اسلام نے خوش ہو کر فرمایا۔ اے حسان روح القدس تمہاری تائید کرے کہ تم نے اپنی زبان سے ہماری تائید کی ہے۔

علامہ ابن واضح نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بروایت صحیحہ ثانیہ و صریحہ آیت اکملت لکم دینکم قرآن کی آخری آیت ہے۔ اور اس کا نزول غدیر خم میں ہوا ہے

حافظ ابن مردویہ و قطب البونعیم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب

وقال بمن مولا کم و ولیکم
 فقالوا ولم یبدوا هناك التعادیا
 إلیک مولاه وانت ولینا
 ولین تجدن منلک الیوم عاصیا
 فقالہ قسویا علی فامسحی
 رضیتک من بعدی المداوہ لیا
 فخص بہادون البر میتہ کلہا
 علیا وسماءہ الوزیرا المواخیا
 فمن کنت مولاه فہو ولیہ
 فکلوا لوالہ اتباع صدق موالیا
 هناك دعا اللہم وال ولیہ
 وکن للذی عادی علیا معادیا
 چوں حسان این شعر قرائت کر دے رسول خدا فرمود۔

لا تزل یا حسان مویدا بروح القدس
 وما نصرتنا بدینا نث۔

خوش ہو کر فرمایا۔ اے حسان روح القدس تمہاری تائید کرے کہ تم نے اپنی زبان سے ہماری تائید کی ہے۔

وقال ابن واضح فی تاریخہ وقد قبل
 انہ آخر ما نزل علیہ الیوم اکملت
 لکم دینکم الایتہ وہی روایت
 الصحیحہ الثانیہ لصریحہ وکان
 نزولہا بغدیر خم۔

۱۳۱۔ واخرج ابن مردویہ و البونعیم
 عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت

آیت یا ایہا رسول الخ - (اے رسول پیچاد
جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا
گیا ہے) نازل ہوئی تو جناب رسالت مآب
نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں کنت مولا و علی
مولاہ (تو میں مولا یا حاکم ہوں اس کا حاکم
یا مولا علی ہے)۔ اے خدا دوست رکھ
اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو

هذه الآية يا ايها رسول بلغ ما
انزل اليك من ربك الخ اخذ النبي
صلعم بيد علي فقال من كنت مولا
فعلي مولاة اللهم وال من والاه
وعاد من عاداه فنزلت اليوم
الممكت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي
ورضيت لكم الاسلام ديناً -
جو علی کو دشمن رکھے۔

پس اس ارشاد نبوی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ ایوم اکملت لکم الخ لہم نے تمہارے دین کو
مکمل کیا تم پر انہی نے نعمت کو تمام کیا۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

خلاصہ و استنباط بیان - مندرجہ بالا تاریخی عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) ۱۰ سالہ میں پیغمبر اسلام نے قصد حجہ الوداع فرمایا اور آپ تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو ہمراہ
لیکر شریک حج ہوئے۔

(۲) بموقع حج پیغمبر اسلام نے علی کو ضرورتاً کسی کام کیلئے مدینہ سے باہر بھیجا تھا۔ جب علی مکہ آکر شریک حج ہوئے
تو پیغمبر اب ہم نے اپنی نیت احرام پر علی کو باقی رکھا اور علی کی جانب سے خود اپنے مال سے قربانی دی
اور پھر خود علی نے اپنی اپنی قربانی کا گوشت ٹانڈی میں پکا کر خود ہی دونوں حضرات نے ساتھ کھایا
(۳) حج سے واپسی پر پیغمبر اسلام نے مقام غدیر خم میں قیام کیا اور نماز ظہر کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار صحاب
کے سامنے خطبہ دیا۔ اور اس میں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کے تحسک کا حکم دیا۔

(۴) پیغمبر اسلام نے بروز غدیر خم اپنا عمامہ موسوم بہ "سحاب" علی کے سر پہ باندھا۔

(۵) پیغمبر اسلام نے غدیر خم میں علی کو علی الاعلان اپنا خلیفہ وصی اور مومنین کا حاکم مثل اپنے بنایا۔

(۶) پیغمبر اسلام نے علی کو اپنا حاکم ماننے والوں کیلئے دعلے تیرگی اور علی کے دشمنوں کیلئے بد عادی۔

(۷) پیغمبر اسلام نے مقام غدیر خم میں قیام کیا اور ایک خیمہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور دوسرے

خیمہ میں علی کو ولایت خلافت پر متمکن کر کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ علی کو خلافت کی مبارکباد دیں۔

(۸) پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ تمام اصحاب علی کو مبارکباد دے چکے۔ تو آپ نے اپنی ازواج کو حکم دیا کہ وہ

بھی علی کو مبارکباد پیش کریں۔

(۹) پیغمبر اسلام جب علی کو اپنا خلیفہ و وصی مقرر کر چکے تو خدا نے تکمیل دین اسلام کی سند پیغمبر اسلام کو عطا فرمادی اور جسیر شل آیت الیوم اکملت لکم دینکم لیسر نازل ہوئے۔

(۱۰) ۱۳ ر فی الحجہ ۱۰ کو پیغمبر اسلام نے غدیر خم میں علی کو اپنا خلیفہ و وصی بنایا اور مدینہ واپس ہو کر کچھ دن کے بعد آپ علیل ہو گئے۔ اور بقولے ۱۲ ر زیح الاول سالہ یا بقولے ۲۸ ر صفر سالہ وفات پائی۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام احد و اسی حج صرف ۷۳ یا ۷۴ دن زندہ رہے۔ اور اس موت میں بھی تقریباً ۱۲ دن بیمار رہے ان حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے ناظرین غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ بموقع دعوت ذوالعشرہ جو بعثت کے تیسرے سال ہوا تھا کا ایفاء اس وقت کیا جبکہ تبلیغ دین اسلام کی تکمیل ہو چکی اور قرآن پاک کامل نازل ہو چکا۔ احکام ربانی و قرآنی انسانوں کو باحسن و جود پہنچ چکے۔ قاعدہ تو یہی ہے کہ ہر اجرت کا یہ مفوضہ کے اہتمام کے بعد دیکھتی ہے اور شرط ایلط و وعدہ کے پورا ہونے کے بعد ہی معاوضہ و صلہ دیا جاتا ہے۔ یا ایفاء عہد کیا جاتا ہے۔ اہل اہل اہل اہل نظر اس موقعہ اور ان حالات کو پیش نظر رکھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ جب علی نے اپنا وعدہ نصرت پورا کر دیا جس کی مثال تاریخ عالم نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ کبھی آئندہ قیامت تک پیش کر سکتی ہے۔ تو پیغمبر اسلام کا بلحاظ عادل کامل ہونے کے کیا فریضہ تھا۔ یہی کہ علی کو وعدہ حور و قصور پر رسالت کر دیا جاتا۔؟

خیر علی تو اپنے صلہ و معاوضہ کو طلب نہ کرتے۔ وہ تو ہمہ تن رضائے رسول تھے مگر تو انہیں عدالت کے جاننے والے اور حالات پیغمبر اسلام میں خلاف عدالت ایک فعل دیکھنے والے اور مورخین و عقلا و حکماء زمانہ انحال پیغمبر اسلام و اخلاق پیغمبر اسلام کو کس نظر سے دیکھتے۔ اگر پیغمبر اسلام بعد ختم کاہر نبوت و رسالت اور بعد تکمیل دین اسلام علی کی خدمات کا حسب وعدہ صلہ نہ دیتے اور ایفاء عہد نہ کرتے تو یہ دامن خاتم النبیین و دامن عدالت سید المرسلین پر ایک بد نما داغ رہ جاتا۔ الکریم ادا وعدہ وفا۔ کریم اور صاحب بزرگی تو وہی ہے کہ جب وعدہ کرے تو وفا کرے۔

مذکورہ چند جملے تو صرف بعض ناہنم مورخین و محدثین اسلام کیسے جو ابالکھدیے گئے کہ شاید ان کے دماغ میں کس قسم کا اعتراض خطور کرے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کامل انسان تھے۔ ان میں تمام صفات کمالیہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ مجسمہ اخلاق تھے۔ ان کی تمام حرکات سکناات نمونہ اخلاق تھیں۔ ان کا ہر قول اور ہر فعل میزان حکمت و قوانین عدالت پر موزوں تھا۔

چنانچہ آپ نے غزوہ تبوک کے بعد ہی سمجھ لیا تھا کہ علی نے اپنے وعدہ نصرت اسلام کو باحسن و جود

پورا کر دیا ہے۔ اور غزوہ تبوک کے بعد اب علی کی اہم خدمات کی چنداں ضرورت پیش نہ آئے گی۔ لہذا اپنے حسب موقعہ اور حسب ضرورت خلافت و وصایت و امامت علی کا اعلان شروع کر دیا۔

(۱) سورہ برأت ابو بکر بن قحافہ کو نہ بیکہ بھیجا۔ مگر راستہ سے ان کو واپس بلا کر سورہ برأت علی کو دیدی اور استفسار ابو بکر پر صاف صاف کہہ دیا کہ یہ کار تبلیغ رسالت میں کر سکتا ہوں یا جو مجھ سے ہو۔ اور علی مجھ سے ہے۔ لہذا علی میرے کار تبلیغ و رسالت میں میرا شریک ہے۔

(۲) حجۃ الوداع میں علی کو اپنی نیت احرام میں شامل کیا۔ اپنی قربانی میں شریک کیا۔ اور اپنے معینہ قربانی کے اونٹوں کو بدست علی نحر کرایا۔ اور پھر گوشت قربانی کو ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ اور اصحاب و حجاج کو دکھا دیا کہ نبی و علی سب پر فضیلت رکھتے ہیں۔

(۳) پیغمبر اسلام نے بوقت وفات تین مرتبہ اپنے تیب کو بلایا۔ مدد و بار و دوسرے اشخاص کو پیغمبر اسلام کے پاس بھیج دیا گیا۔ مگر پیغمبر اسلام نے سکوت اختیار کیا۔ آخر میں جب علی آئے تو پیغمبر اسلام نے علی کو اپنی چادر میں لے لیا اور تادیر راز کی باتیں کیں اور آغوش علی ہی میں تھے کہ درجہ وصال حق پر فائز ہوئے۔

(۴) پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم میں تو علی کو اپنی مسند خلافت و امامت و مصیبت ہی پر بٹھادیا اور باقاعدہ اصحاب و انزواج سے مبارکباد دلوائی۔

(۵) عدالت رسول - پیغمبر اسلام نے تیب دیکھا کہ بعض دنیا پرست و طالب جاہ افراد خلافت علی کو پسند نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے آخری وقت ظلم و دوات و کاغذ طلب کیا تاکہ بطور وصیت کے خلافت علی پر دستاویزی شہادت قائم کر دیں۔

پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عدالت کا ملکہ نبوی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے علی کی خدمات اور نصرتوں کی قیمت جو کچھ مقرر کی تھی وہ اپنی قیامت اور خلافت و وزارت تھی۔ اگر اس موقعہ پر پیغمبر اسلام صرف زبانی اعلان فرمادیتے اور جماعت کی زبان بندی نہ کرتے اور معاملہ کو مستحکم نہ کرتے تو تکمیل قوانین عدالت و ایفاء عہد میں نقص واقع ہو جاتا۔ لہذا آپ نے اپنے بعد کیسے تحریر کو ضروری سمجھا ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ احمدی ص ۹۷ حبانہ طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ (معجم کبیر)

ردی الطبرانی عن عمر قال لما مرض النبی
طبرانی نے عمر سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام
صلعم قال ادعوا لی بالصبحفہ و درواة
نے بحالت مرض فرمایا کہ کاغذ دیوات وغیر

میرے پاس سے آؤ تاکہ میں ایک ایسا کتبہ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ رمدہ کسی نے اس حکم کی تعمیل نہ کی، کچھ عورتوں نے پردہ کے اندر سے اصحاب سے کہا کہ کیا تم لوگ رسول خدا کا ارشاد نہیں سنتے ہو، عمر نے ان عورتوں کو جواب دیا کہ تمہاری مثال صدیوں سے ابھی تک ہے کہ پیغمبر کی بیماری میں روتی ہو اور بوقت صحت ان کی گردن پر سوار ہوتی ہو۔ یہ سن کر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ان عورتوں سے تم معترف نہ ہو یہ تم سے پھر بھی بہتر میں۔

الکتب کتاباً لا تفضلوا بعدہ ابد اقل
المنوۃ من وراء الستار لا تسمعون
ما یقول رسول اللہ صلعم فقلت انکن
صوا حیاتی یوسف اذا مرض رسول
اللہ عصرین اعیینکن واذا صح رکتین
عنقہ فقال رسول اللہ دعوهن فا
فهن خیرا منکم۔

(۲) صحیح مسلم ر تاریخ احمدی ص ۱۰۰

صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول خدا کا وقت استعفاء ہوا تو دولت مند بنوت میں عمر ابن خطاب و دیگر اصحاب جمع تھے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ آؤ میں تمہارے لئے کچھ بطور وصیت لکھ دوں تاکہ بعد ازاں تم گمراہ نہ ہو۔ عمر بے کہ پیغمبر غلبہ مرض اور شدت دور کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اس بات پر حاضرین میں تبصرہ ہو گیا۔ بعض کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ تاکہ پیغمبر اسلام جو پاپا ہیں تمہارے لئے تحریر فرماویں۔ اور بعض لوگ عمر کے تہذیبان تھے۔ جب بہت شور اور اختلاف ہونے لگا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میرے پاس سے دور ہو۔

واخرج مسلم عن عبید اللہ عن ابن
عباس قال لما حضر رسول اللہ صلعم
وفی بیت رجال فیہم عمر ابن خطاب
قال النبی صلعم علم کتبکم کتاباً لا تفضلون
بعدہ فقال عمر ان رسول اللہ قد غلب
علیہ الوجع وعندکم القرآن حبیبنا
کتاب اللہ فاختلفنا هل البیت فا
نتمصوا منهم من یقول قرأوا کتب
نکم رسول اللہ کتاباً لم تفضلوا بعدہ و
منہم من یقول ما قال عمر فلما اکثر
الخط والاختلاف عند رسول اللہ
صلعم قال رسول اللہ قوموا عنی قال
عبید اللہ فکان ابن عباس یقول ان
الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول
اللہ صلعم و بین ان یکتب لہم ذلک

الکتاب من اختلافهم وتعظيهم۔
ابن عباس کہتے ہیں کہ بہت بڑی مصیبت ہو گئی
یہ واقعہ کہ پیغمبر اسلام کے لکھنے میں حائل ہوا کہ آپ امت کیلئے کچھ نہ لکھ سکے۔

(۳) صحیح بخاری۔

داخر ج البخاری عن سعید بن جبیر
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ
قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم یکی حتی
خنضب دمعہ الحصبہ فقال اشتد
برسول اللہ صلعم وجعل یوم الخمیس
فقال ایستونی بکتاب الکتب لکم کتاباً
لن تظلو العبد الا ابدانتم زعوا ولا
ینبغی عند بنی تنزیع ذقواو ہجر رسول
اللہ صلعم قال دعونی فانذی انہ فنیہ
خیر امّا تر دعونی الیم۔

صحیح بخاری میں سعید بن جبیر سے مروی ہے
کہ کہا عبد اللہ ابن عباس نے آہ پنجشنبہ کا
دن کیسا دن تھا۔ اور یہ کہ بکرا اتنا روئے کہ
جو سنگریزے اسجکھ پڑے تھے۔ ان کے
آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ بعد ازاں کہنے لگے
کہ بروز پنجشنبہ پیغمبر اسلام کے در و در میں
شدت ہوئی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے
کتابت کا سامان دو۔ تاکہ میں تمہارے لئے
کچھ بطور وصیت لکھ دوں جس سے تم لوگ
میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس بات پر لوگوں

نے نزاع اور اختلاف کیا۔ حالانکہ نبی کے پاس حجر انہ کرنا چاہیے لوگوں نے کہا رسول اللہ ہدیہ ان
بک رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔ میں جس حالت میں ہوں وہ تمہاری
حالت سے بہتر ہے۔

(۴) واخر ج احمد بن حنبل فی المسند
مسم فی صحیحہ من سعید بن جبیر عن
ابن عباس انہ نذ یوم الخمیس ثم جعل
تسیل وموعہ حتی رأیت علی خدیہ
کالتھانظام اللؤلؤ قال قال رسول اللہ
صلعم ف یقال حجس الرجل اذا ہڈی
رفتح الباری شرح صحیح بخاری
باختلاف الفاظ وہ مطلب واحد کتاب ملل و
مغل شہستانی (روضۃ الاحباب)

مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم میں بروایت
سعید بن جبیر مروی ہے کہ عبد اللہ ابن عباس
یہ کہہ کر کہ بروز پنجشنبہ کیسا دن تھا اتنا روئے
کہ موتیوں کی لڑی کی طرح ان کے رخساروں پر
آنسو جاری ہو گئے۔ بعد ازاں کہا کہ پنجشنبہ
وہ دن تھا جب رسول خدا نے فرمایا کہ مجھے
سامان کتابت دو تاکہ میں وصیت لکھ دوں
جس سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ مگر بعض لوگوں
نے کہہ دیا کہ پیغمبر ہدیہ ان بک رہے ہیں۔

تاریخ اسلام و احادیث محدثین معتبر کو آپ نے مطالعہ فرمایا پیغمبر اسلام نے صرف زبانی اعلان خلافت و وصایت و امامت علی نہیں فرمایا بلکہ علیؑ پر دیکھ کر فری طرح فریاد کیا کہ دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر میں نے جو وعدہ بعیوض نصرت علی و خدمات علی کیا تھا۔ اس کو پورا کر دیا۔ اور کوئی پہلو ایسا نہ چھوڑا جو اس معاملہ کی تکمیل میں نقص و تقصیر کو ظاہر کرتا۔

بعض اصحاب نے علی سے کہا کہ پیغمبر اسلام کا آخری وقت ہے۔ تم کیوں اپنے لئے کوئی وصیت نہیں لکھواتے۔ علی نے فرمایا کہ میں ہرگز مال دنیا کی طلب پیغمبر اسلام سے نہیں کروں گا۔ علی کا مطلب یہ تھا کہ میں نے بعہد طفلی پیغمبر اسلام سے وعدہ نصرت اسلام کیا تھا۔ اور جس کی تکمیل باحسن و جود میں نے اپنے عمل سے کی ہے۔ اس سے خدا اور اس کا عادل نبی واقف ہے لہذا وہ حسب وعدہ میری خدمات کا صلہ مجھ کو دے گا۔ علی کے الفاظ یہ تھے کہ میں پیغمبر اسلام سے مال دنیا کی طلب ہرگز نہ کروں گا۔ آپ نے ایسا اسلئے فرمایا کہ دولت باقی و ایمانی و روحانی یعنی خلافت و وصایت باطنی تو علی کو پیغمبر اسلام سپرد کر دی تھی اور ولایت و وصایت علوم کا وارث حقیقی تو علی کو بنا ہی چکے تھے۔ پھر اگر وہ علی کو خلافت ظاہری یعنی حکومت و بادشاہی دنیوی نہ بھی دیتے تو بھی پیغمبر اسلام کا ایفاء عہد کامل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ پیغمبر اسلام نے علی سے خلافت و وزارت کا وعدہ کیا تھا۔ تو خلافت تو باطنی اور روحانی بصورت ولایت مطلقہ ہو سکتی تھی۔ مگر وزارت کا اطلاق معاملات امت کی کارگروٹی پر ہو سکتا ہے۔

لہذا آپ نے علی کو ظاہری و باطنی ہر دو صورتوں میں اپنا خلیفہ و وصی، وزیر مقرر فرمایا۔ بعض افراد نے علی سے کہا کہ پیغمبر اسلام سے اپنے بارہ میں کوئی وصیت لکھوا لو۔ اس کا جواب تاریخی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔

روضة الصفاء جلد دوم ص ۱۷۱

- (۱) در ایام مرض موت رسول اللہ و زے
- پیغمبر اسلام کے مرض الموت کے زمانہ میں ایک
- علی از پیش آنسور بیرون آمد اصحاب
- دن علی پیغمبر اسلام کے پاس سے باہر آئے
- باو گفتند کہ یا ابوالحسن حال رسول اللہ
- اصحاب نے علی سے کہا کہ اے ابوالحسن پیغمبر
- امروزہ بر چہ وجہ است۔ جواب داد کہ
- اسلام کا حال آج کس طرح ہے۔ علی نے جواب
- شکر خدا کہ بر وجہ حسن است۔ عباس
- دیا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ ہر طرح بہتر ہے۔ عباس
- دست علی لا اگر فتنہ آہستہ باد گفت کہ بعد
- نے علی کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے کہا کہ بعد تین
- ان سے روز پیغمبر بخوار رحمت رب العالمین
- دن کے رسول کی وفات ہو جائیگی کیونکہ میں

واعلیٰ می شود چون علامت مرگ او مشاهده
 می کنیم اکنون مصلحت آنکه تدریس و تفسیر
 که امر خلافت بعد از ازاں سرد و ریکه مفوض
 خواهد بود اگر ازاں باشد فیہا والا اگر ازاں
 دیگرے باشد مارا باو سفارش نماید۔ علی
 ازیں معنی سرد باز زده خواهد بود کہ اگر حالا
 مارا دریں خلافت دخل نہ دہند دیگرے برگز
 بجائے سرد بخیا سو گند کہ من ازاں حضرت این
 سوال کنیم و دنیا طلب نمایم۔

علامات موت دیکھ رہا ہوں۔ اب مصلحت
 یہ ہے کہ ان کے پاس جا کر ہم دریافت
 کریں کہ امر خلافت ان کے بعد کس کو سپرد
 ہوگا۔ اگر ہم کو سپرد کیا گیا تو فیہا ورنہ اگر
 کسی دوسرے کو خلافت دی گئی تو پیغمبر ہماری
 سفارش اس شخص سے کریں۔ علی نے اس
 بات کو سن کر منہ پھیر لیا۔ اور جواب دیا کہ
 اگر اس وقت امر خلافت میں ہم کو دخل نہ
 دیا تو پھر ہم کو کبھی خلافت نہ ملے گی۔ خدا

کی قسم کہ میں پیغمبر اسلام سے یہ سوال نہ کروں گا اور طلب دنیا نہ کروں گا۔

اس عبارت تاریخی سے کئی امور واضح ہوئے۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت سی موضوع ہے۔ کیونکہ
 عباس اور علی دونوں جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام نے باقاعدہ غدیر خم میں علی کو اپنا خلیفہ و وصی بنایا ہے
 اب امر خلافت کے بارے میں پیغمبر اسلام سے وقت ترع سوال کرنا ہی فعل عبث تھا۔ دوسرے علی کا یہ
 کہنا کہ اگر میں اس وقت سوال خلافت کروں گا اور اگر اس وقت پیغمبر اسلام نے ہمکو خلافت سے محروم کر دیا
 تو پھر ہمیشہ کیلئے ہم محروم ہو جائیں گے بھی بے معنی و لاف یعنی کلام ہے کیونکہ آخری کلام میں علی خود کہہ رہے ہیں
 کہ میں پیغمبر اسلام سے مال دنیا کی طلب ہرگز نہ کروں گا۔ ادھر تو یہ کہا جا رہا ہے کہ میں مال دنیا کی طلب نہ کروں گا
 اور ادھر یہ خیال و جہش ہے کہ کہیں ہمیشہ کیلئے ہم حق خلافت سے محروم نہ ہو جائیں۔

دو اعداد ایک ہی قول میں واضح حدیث و روایت نے جمع کر دیئے ہیں۔ مگر مجھ کو تو صرف
 اتنا بتانا ہے کہ علی پیغمبر اسلام کو عادل کامل سمجھتے تھے۔ اور وہ مطمئن تھے کہ دربار خاتم النبیین سے
 جو صلہ خدمات بھی ملے گا۔ وہی علی کیلئے کافی ہے۔ لہذا آپ نے اصحاب سے صاف الفاظ میں منع کر دیا
 کہ وہ طلب دنیا پیغمبر اسلام سے نہ کریں گے۔

بہر حال پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ خلافت و وزارت کو تادم آخر پورا کر دیا۔ اور اس طرح تو ان
 وفا اور عدالت کے اعلیٰ نمونے اہل عالم کے سامنے پیش کر دیئے۔ یہی وہ کردار پیغمبر اسلام ہے۔ جو آپ
 کو انسان کامل اور عادل کامل قرار دیتا ہے۔ اور ذات پیغمبر اسلام کو اہل عالم کیلئے تاقیامت
 نمونہ عمل بنا دیتا ہے۔

عدالت واقعہ دہشتم عمار یاسر کا فیصلہ

درد مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر کی بنیاد پڑی
تو تمام اصحاب اور خود پیغمبر اسلام تعمیر مسجد میں مصروف
ہو گئے۔ ملا عمار یاسر ایک وقت دو دوائیں سرس

پراٹھاتے تھے اور ایک اپنی جانب سے لار دو سری پیغمبر اسلام کی جانب سے اسی اثناء میں دیکھا گیا کہ ایک صحابی
عثمان بن مظعون جو نفاست پسند بزرگ تھے۔ اتفاق سے کسی مٹی اٹھانے والے سے کچھ لگا کر ان کے لباس
میں بھر گیا۔ انہوں نے اپنے لباس کی طرف نظر کی کہ لباس گارے سے خراب ہو گیا یا نہیں۔ علی مرتضیٰ نے دیکھ
لیا اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

لا یستوی من لعمر المساجد۔ بداء ب فیہا قاتما وقاعدا

ومن یری عن التراب حائذا

اس کا کوئی ہمسر نہیں جو مسجد بناتا ہے۔ اس ارادے سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجلائے
اور خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔

عمار یاسر نے یہ شعر یاد کر لیا اور پڑھنے لگے عثمان بن مظعون کو برا لگا۔ اور عمار یاسر سے کہنے لگے کہ میں
تمہاری تعریف کو خوب سمجھتا ہوں ان کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا ایک ڈنڈا تھا عمار یاسر کو دکھا کر
کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریف کو نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر مار دوں گا۔ پیغمبر اسلام نے عثمان کا
یہ کہنا سن لیا سخت برہم ہوئے۔ یہ دیکھ کر لوگ عمار یاسر سے کہنے لگے کہ دیکھو پیغمبر اسلام تم سے خفا ہو گئے
قریب ہے کہ تمہاری شان میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو جائے۔ عمار نے جواب دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں
میں آپ کے غصہ پر بھی راضی ہوں۔ پھر عمار یاسر نے پیغمبر اسلام سے فریاد کی یا رسول اللہ آپ کے اصحاب میرے
پیچھے پڑ گئے ہیں۔!

پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ عمار نے عرض کیا کہ وہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں
آپ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دوائیں لاد دیتے ہیں۔ یہ سن کر پیغمبر اسلام نے عمار کا ہاتھ تھام
لیا۔ بنیاد مسجد کا طواف کروایا۔ اور اپنے ہاتھوں سے ان کی گردن جھاڑی اور ارشاد فرمایا:

یا ابن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہ کریں گے تم کو تو ایک فرقہ باغیہ قتل کرے گا۔ (زرقانی ابن ہشام)

محدث شیرازی۔ بحوالہ اسو۔ جلد ۲ صفحہ ۳۲۸۔

پیغمبر اسلام نے اس موقع پر اپنے ایک صحابی کی حمایت کی۔ دلجوئی کی۔ دیگر اصحاب کی بھی دلشکنی
ہونے دی۔ کیونکہ فرقہ باغیہ سے علیحدہ کر کے جنتی قرار دے دیا۔ عمار یاسر کے ساتھ مساوات و عدالت

کا سلوک کیا کہ عمار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر انتہائی دوستانہ اندازہ میں طواف بنیاد مسجد کروایا تاکہ تمام اصحاب جو بنیاد مسجد میں کھودنے میں مصروف ہیں مرتبہ و وقار و شان عمار یا سر سے واقف ہو جائیں اور پیغمبر اسلام کی نگاہ منزلت عمار کو اندازہ کر لیں اس کے بعد عمار کو یہ بھی بتا دیا کہ تم حق پر ہو گے اور تمہارا قاتل خدا و رسول کا باغی و جہنی ہو گا۔

پیغمبر اسلام کا یہ سلوک عادلانہ انتہائی حفظ مراتب، خود داری و مرتبہ شناسی کے اعلیٰ نمونے پیش

کرتا ہے۔

عدالت واقعہ صد و بیستم واقعہ قتل خضرمی

سیرۃ النبی علامہ شبلی منقول اسوۃ الرسول جلد دوم
صفحہ ۳۶۵۔

آنحضرت صلعم نے ۲ ہجری میں رجب میں اس وقت جب غارت کارواں کی خبر مشہور تھی (عبداللہ بن حبش صحابی کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بلخ نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک شبانہ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ نے عبداللہ کو ایک خط دیکر روانہ کیا اور فرمادیا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا۔ عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں عقیقہ کرو۔ اور صرف قریش کے حال کا پتہ لگاؤ اور مجھ کو اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی شام سے تجارت کا مال لیکر آتے تھے۔ سامنے سے نکلے عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص عمر بن عبداللہ الخضرمی مارا گیا۔ دو شخص گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔

عبداللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں بھی پیش کیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا۔ صحابہ نے عبداللہ سے ناراض ہو کر کہا:

صنعتہم ما لم تو مروا بہ وقاتلتم فی شہر الحرام ولم تو مروا بالقتال۔ طبری صفحہ ۱۲۷۵
عبداللہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور تم ماہ حرام میں لڑے۔ حالانکہ اس مہینہ رجب میں تم کو لڑنے کا حکم نہیں تھا۔

عمر بن الخضرمی جو مقتول ہوا وہ عبداللہ خضرمی کا بیٹا تھا۔ عرب کا رئیس اعظم تھا۔ عبدالطلب کے بعد ریاست اسی کو حاصل ہونی تھی۔

واقعہ مذکور سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے عبداللہ بن حبش کو بارہ افراد دیکر اسے بھیجا تھا کہ وہ دشمن کے ارادوں سے واقف رہیں۔ یہ فعل پیغمبر اسلام کا احتیاطی تدابیر اور حکمت عملی پر دلالت کرتا ہے

مگر عبداللہ نے عمر ابن الخطابؓ کو قتل کر دیا اور اس کا سامان لوٹ لیا۔ اگرچہ عمر دشمن اسلام تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس کے قتل پر اظہارِ ناراضگی کیا اور مالِ غنیمت کو قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اور عبداللہ کو پیغمبر اسلام اور اصحابِ پیغمبر اسلام نے زبرد تو بیخ کی۔ یہ سب افعالِ پیغمبر اسلام کی عدالت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

عدالت واقعہ صدو مشتم اعلان قصاص از ذات خود

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۵۳ :-

پیغمبر اسلام کی عدالتِ شدید کو تقریباً اٹھ روز گزر چکے تھے۔ آپ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ نقل و حرکت دشوار تھی۔ پیغمبر اسلام نے ایک ماتھ علی کے کاندھے پر رکھا اور دوسرا ماتھ فضل کے شانہ پر رکھ کر مسجد میں جانے کا ارادہ کیا۔ حالت یہ تھی کہ آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے پاؤں اٹھانا دشوار تھا۔ عباس سامنے چل رہے تھے۔ سستی کہ آپ مسجد میں تشریف لے آئے اور مسجد کے پہلے زینہ پر ہی بیٹھ گئے آپ کے سر پٹی بندھی ہوئی تھی مسلمان جوق در جوق آگے اور عورتیں جواں لورمی اور بچیاں جمع ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک بلیغ و فیصح اور طولانی خطبہ بیان کیا۔ اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا :-

(۱) اے لوگو! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اب میرے دنیا سے سفرِ آخرت کا وقت آ گیا ہے جس کسی کا مجھ پر حق ہو وہ مجھ سے لے لے۔

۲ - اگر کسی کو میں نے کوئی ضرب لگائی ہو۔ تو وہ بھی مجھ سے بدلہ لے لے

۳ - اگر میں نے کسی کا کوئی مال و سامان لیا ہو تو میرا مال مو جو ہے وہ لے لے۔ وہ ذرہ نہ ذرے کہ میں کوئی مزا حمت کر دوں گا۔ کیونکہ بدلہ و مقصاص لینا میری عادت کے خلاف ہے۔

۴ - میں اس کو دوست رکھتا ہوں جو مجھ سے اپنا حق وصول کرے یا میرے لئے اس کو جائز قرار دیدے۔ تاکہ میں اپنے پروردگار سے بحالتِ طیب نفس ملاقات کروں۔

اسی اثناء میں ایک شخص صحیح صحیح میں سے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ میرے تین درم آپ کے ذمہ باقی ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں تیری ہرگز تکذیب نہ کروں گا تو اتنا بتادے کہ وہ تین درم مجھ تک کیسے پہنچے اس شخص نے عرض کیا کہ ایک دن ایک مسکین نے آپ سے سوال کیا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں وہ درم مسکین کو دیدوں۔ میں نے دیدیے۔ پیغمبر اسلام نے فضل سے فرمایا کہ اس کو وہ درم دیدے۔۔۔

اس کے بعد پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا کسی کا کوئی حق میرے ذمہ ہے تو وہ بیان کرے۔ کیونکہ میں رسوائی عیب سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی رسوائی سہل ہے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے مال غنیمت میں سے تین درم خیانت کر لئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا کہ مجبوری و معذوری لاسحق ہو گئی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ اے فضل اس شخص سے وہ درم لے لو۔

اس کے بعد مجسمہ رحمت و پیکر اخلاق نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے کوئی خطا و گناہ کیا ہو وہ آج بیان کر دے تاکہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کر دوں۔ ایک شخص نے مجمع کے سامنے اقرار کیا کہ میں جھوٹا اور منافق ہوں اور ایسی کوئی برائی نہیں ہے جو مجھ سے سرزد نہ ہوتی ہو۔ عمر اس خطا بھی موجود تھی انہوں نے اس شخص سے کہا کہ اے شخص تو نے یہ اقرار کر کے اپنے کو رسوا و بدنام کیا (پیغمبر فرمود فیضت دنیا آسان ترست) پیغمبر نے فرمایا کہ دنیا کی رسوائی عیب کی رسوائی سے آسان تر ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام نے درگاہ خداوندی میں اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور یوں دعا کی :-
بار الہما اس شخص کو صدق اور راستی اور ایمان عطا فرما اور اس کو بدی سے نیکی کی طرف مائل کر دے۔

اگر کسی انسان نے از مہد تا المہد سبالت محکومی یا سبالت شہنشاہی و حکومت اپنے معاملات ذاتی، معاملات قوم و مہاسیہ، معاملات رعایا و ملازمین و متعلقین و لواحقین سمیلا و

عدالت واقعہ صد و نہم ادائے حقوق والدین و اولاد

کامل برتی ہے اور اس کے دامن عدالت پر ذرہ بھر بھی ظلم کا دھبہ نہیں آیا ہے۔ مگر پھر بھی اگر اس عادل کامل نے اپنے عیال و اولاد اور والدین کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں تو گویا اس نے اس سے پہلے جو بھی کچھ حقوق رعایا و برابرا ادا کئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی شہرت ناموری اور استحکام حکومت کا ڈھونگ رچایا تھا اور ان کارنامے عدالت کو اپنے لئے ذریعہ شہرت بنایا تھا۔ لیکن حقیقت میں اس کے دل میں جو ہر عدالت مطلق موجود نہیں ہے۔ حاکم عادل لاکھوں گروہوں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک عادلانہ کرتا رہے۔ مگر اس کی اولاد فاقہ سے ہو۔ اس کی ازواج مصیبت و افلاس میں مبتلا ہوں۔ اس کی زندگی میں اس کی اولاد در بدر خاک بسردانہ دانہ کی طلب میں سرگرداں رہتی ہو اور اس شہنشاہ عادل کے مرنے کے بعد اس کی اولاد بیابانی و غیرہ بوجہ غربت و افلاس در بدر دست سوال دراز کرتی پھرتی ہو اور سبالت تنگ دستی و منکس زندگی کے دل گذارتی ہو تو اس حاکم عادل اور شہنشاہ عادل کو اہل عالم اور ارباب تاریخ ہرگز عادل نہیں

سمجھیں گے اور نہ علم الاخلاق کے جاننے والے بلحاظ اخلاق کے اس کو ہرست صاحبان اخلاق میں شمار کریں گے۔

جب یہ کلیہ و قاعدہ مسلم موجود ہے تو اب بھلو یہ دیکھنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے والدین اور مرنے والے دن اور اولاد کے کیا کیا حقوق ادا کئے اور ان کے ساتھ بلحاظ عادل کامل کیا کیا حسن سلوک ادا فرمایا۔ جہاں اس کتاب میں ازواج نبی کا ذکر کیا گیا ہے وہ تہ عیسیٰ طور پر لکھا گیا ہے کہ آپ کا سلوک ہر روز کیلئے عادلانہ اور مساویانہ تھا۔ کبھی کسی زویہ کو یہ موقع نہ ملا کہ وہ اکیلے دوسرے پر پیغمبر اسلام کی تہ عیسیٰ کو ثابت کر کے یا شکوہ و شکایت کر کے۔

لباس، خوراک، فطری تعلقات، مکان، حسن سلوک، بے تاؤ، دلجوئی، نگہداشت، پاس عزت و حفاظت ناموس ہر ایک معاملہ میں ازواج کے ساتھ پیغمبر اسلام کا سلوک مساویانہ و عادلانہ تھا۔۔۔

پیغمبر اسلام کے والد بزرگوار کا انتقال اس وقت ہو چکا تھا جب آپ شکم مادر میں آٹھ ماہ کے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اس وقت انتقال فرمایا جب آپ کی عمر تقریباً چھ سال کی تھی۔ اور حیات مادر گرامی میں پیغمبر اسلام حلیمہ سعدیہ کے ساتھ رہتے تھے۔ لہذا حقوق والدین کے ادا کرنے و سلوک عادلانہ کا موقعی پیغمبر اسلام کو نہیں ملا۔

دین اسلام نے حقوق انسانی کے ادا کرنے کے دو مواقع معین کئے ہیں۔ اول بحالت حیات دوسرے بعد ممات۔ اسلام حیات بعد ممات کا قائل ہے۔ اور روز حشر و نشر و حساب یوم قیامت کا اعتقاد بھی دین اسلام میں موجود ہے۔ لہذا اگر کسی شخص کو اپنے والدین یا اقربا یا مومنین کی خدمت و ادائے حقوق کا موقع اس کی زندگی میں نہ ملے تو وہ اس کے مرنے کے بعد بھی حقوق خاص کو ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً دعائے مغفرت، ایصالِ ثواب، ذکر خیر وغیرہ پیغمبر اسلام نے اپنے والدین کے حقوق بعد ممات کو بہترین طریقہ پر ادا فرمایا۔ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی، ایصالِ ثواب بھی کیا اور ذکر خیر بھی کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ عبارات مگر باختصار۔ چونکہ یہ تفصیل یہ واقعات ابواب سابقہ میں لکھے جا چکے ہیں۔

حقوق والدہ - طبقات ابن سعد ص ۳۳۰

(۱) فلما مر رسول الله صلعم في عمرة المدينية..... رحمتها

عمرہ مدینہ کے بعد جب پیغمبر اسلام مقام ابوا پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے خدا کی طرف سے مجاز و مازون کیا گیا ہوں۔ قال ان الله قد اذن لمحمد في زيارة

قبر امہ یہ فرما کر آپ مادر گرامی کی قبر پر تشریف لیگئے اور ان کا ذکر خیر کرتے رہے اور گریہ فرمایا۔ آپ کے رونے پر اصحاب اور مسلمان بھی رونے لگے۔

اصحاب نے سب گریہ و ریاضت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ماں کی محبت و شفقت یاد آگئیں اور میں بے اختیار رونے لگا۔

حقوقِ مادرِ رضاعیِ حلیمہ سعدیہ

طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۰۰

استاذت امرتہ علی النبی فقعدت الیہ

(۱) اس عورت نے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا (حلیمہ) نے آپ سے ملنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دی وہ جیسے ہی آپ کے سامنے آئی پیغمبر اسلام میری ماں میری ماں کہتے ہوئے دوڑ پڑے اور فوراً رداٹے مبارک دوش مطہر سے اتار کر بچا دی اور اس پر حلیمہ کو بٹھایا۔

(ب) قدمت حلیمہ علی رسول اللہ والنصرت الی اہلہا۔

حلیمہ خدمت پیغمبر اسلام میں اس وقت حاضر ہوئیں جب پیغمبر اسلام کا عقد خدیجہ سے ہو چکا تھا۔ حلیمہ نے قحط پڑنے اور اپنے مولشیوں کے مرجانے کی خبر پیغمبر اسلام کو دی۔ پیغمبر اسلام نے حلیمہ کو پالیس بکریاں اور پالیس اونٹ موہودنح کے عطا فرمائے اور حلیمہ ان مولشیوں کو لیکر اپنے وطن و قبیلہ میں چلی گئیں۔

واقعہ ۱۱ عدالتِ حقوقِ خواہرِ رضاعی

قبیلہ بنی سعد گرفتار ہو کر خدمت پیغمبر اسلام میں پیش ہوا۔ مسلمان شیمان کے ساتھ بے سختی پیش آئے

تو شیمان نے فریاد کی کہ اے مسلمانو! میں تمہارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔ مسلمانوں نے شیمان کو پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کیا۔ پیغمبر اسلام نے شیمان سے پوچھا کہ اچھا تم کوئی علامت ایسی بتاؤ جو تمہارے قول کی تصدیق کرے۔ اس نے علامت بتائی پیغمبر اسلام نے فوراً اپنی رداٹے پاک زمین پر بچا دی اور شیمان کو اس پر بٹھایا اور بہت کچھ انعام و اکرام کیا۔ اور فرمایا کہ مجھ کو تمہاری محبت و عزت ہر طرح سے منظور ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ اور اگر چاہو تو میں تم کو تمہارے قبیلہ میں بھیج دوں شیمان نے کہا کہ مجھ کو میرے قبیلہ میں بھیج دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے ایک غلام اور ایک کینز عطا فرمائی اور شیمان کو ان کے قبیلہ میں واپس کر دیا۔

واقعہ ۱۱۱ عدالتِ حقوقِ جدِ امجد

پیغمبر اسلام نے والدین کے سایہ عاطفت میں تو پرورش نہیں پائی مگر جدِ امجد رسول عبدالمطلب نے آپ کو

پرورش فرمایا۔ اور جب پیغمبر اسلام کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب نے بھی وفات پائی۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو وصیت فرمائی کہ وہ محمد کی کفالت و تربیت کریں اور ہر ممکن حفاظت اس امّا خدا کی کرتے رہیں۔

(۱) طبقات ابن سعد ص ۵۷

بأنه رسول الله يومئذ يبكي خلف سريه
عبدالمطلب -
پیغمبر اسلام جنازہ عبدالمطلب کے پیچھے
روتے ہوئے جا رہے تھے

یہ وقت وفات عبدالمطلب پیغمبر اسلام کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ آٹھ سال کی عمر کا بچہ کیا خدمت کر سکتا تھا۔ صرف اتنا ہی ناکہ وہ اپنے دادا کو یاد کر کے روئے اور آخری خدمت مشاہدت جنازہ کر لے۔ پیغمبر اسلام نے یہ دونوں خدمات ادا کیں اور ہمیشہ عبدالمطلب اور اپنے والدین کا ذکر خیر کیا۔ اور ان کے حق میں مغفرت کی دعائیں کیں۔

واقعہ ۱۱۳ عدالت حقوق مرنی ابوطالب

طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۷
کان ابی طالب یحبہ شدیداً

..... بصب بہا البشیء قط -

ابی طالب محمد سے بچہ محبت کرتے تھے۔ اتنی محبت وہ اپنی کسی اولاد سے بھی نہیں کرتے تھے۔ جب تک پیغمبر اسلام کو اپنے پہلو میں نہ سلا لیتے تھے۔ اس وقت تک خود نہیں سوتے تھے اور جب کہیں باہر جاتے تھے تو اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ اور جو خیر محمد کو رنج پہنچاتی تھی وہ ابوطالب کو بھی رنج پہنچاتی تھی۔ خدمات ابوطالب کا ذکر صفحات سابقہ میں کیا گیا ہے۔ درحقیقت ابوطالب ہی کی وہ ذات تھی جن کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے نونہالی اسلام پروان پڑھا۔ اور اس نے اپنے سایہ میں عالمین کو لے لیا اور جو تا قیامت سرسبز دہانہ رہے گا۔

maablib.org

(۱) اسنی المطالب ص ۶۲ مطبوعہ دہلی -

یا عم ما اسرع ما وجدت فقدك
کہہ کر ابوطالب کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ اے چچا آپ کے بعد مجھ پر آنے والی مصیبت کتنی
جلد اپنی -

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۷۷ ذکر فوت ابوطالب و موت خدیجہ

(۱) حضرت مقدس نبوی با بیان ابوطالب امیر دار - ابوطالب کے اس کلام کے بعد پیغمبر اسلام کو

امید ہو گئی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں گے
 تو آپ نے فرمایا اے چچا اس کلمہ کو آپ پر
 لیجئے تاکہ روز قیامت اس کلمہ کے ذریعہ
 میں آپ کی شفاعت کر سکوں۔ ابوطالب نے
 جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ملامت
 قریش کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ وقت
 مرگ ہو جو خوف جان مسلمان ہوا ہے تو
 میں آپ کی خاطر یہ کلمہ پڑھ لیتا اور تمہاری
 آنکھیں روشن اور تمہارے دل کو خوش کر
 دیتا۔ اس کے بعد ہی ابوطالب کی حالت بگڑ
 گئی اور انہوں نے زبان کو حرکت دی اور کچھ
 کہنا شروع کیا۔ عباس نے ان کے دہن
 سے کان لگا دیئے۔ پھر سر اٹھایا اور پیغمبر
 اسلام سے فرمایا۔ اے بھتیجے ابوطالب وہی
 الفاظ کہہ رہے ہیں جن کے کہنے کا تم نے حکم
 دیا تھا محمد بن اسحاق اور اہل سیر میں معتد اور مستند ہیں کہ جب پیغمبر اسلام
 نے ابوطالب پر کلمہ پیش کیا تو اول تو انہوں نے انکار کیا لیکن بعد کو آہستہ سے اقرار کیا جیسا
 کہ عباس نے سنا۔

فرمود کہ اے عم آل کلمہ را تو بگو تا فرود اے
 قیامت تو را بوسیلہ آل شفاعت کنم ابوطالب
 جواب داد کہ بخداے کہ اگر نہ اندیشہ از ملامت
 قریش بود وطن مردم کہ من از بیم مرگ ایمان
 آوردم از برائے خاطر تو این کلمہ می گفتم و دل
 تو را خرم و چشم تو را روشن می گردانیدم آنگاہ
 حال دے تغیر یافتہ زبان در دہان بنیانید
 و چیزے می گفت عباس گوش نزدیک دہان
 ابوطالب بردہ سر برد آورد و با پیغمبر گفت
 اے برادر زادہ من آنکہ تو بگفتن آل امر فرمودی
 می گوید محمد بن اسحاق کہ از کبار مورخین و
 اہل سیر است روایت کردہ کہ در اہل زمان
 کہ حضرت رسالت پناہ عرض کلمہ تو حمید را
 برد ابوطالب کردہ اول ابانمود اما در آخر
 آہستہ گفت چنانچہ عباس شنید۔

دیا تھا محمد بن اسحاق اور اہل سیر میں معتد اور مستند ہیں کہ جب پیغمبر اسلام
 نے ابوطالب پر کلمہ پیش کیا تو اول تو انہوں نے انکار کیا لیکن بعد کو آہستہ سے اقرار کیا جیسا
 کہ عباس نے سنا۔

منقول ہے کہ پیغمبر اسلام ابوطالب کے جنازہ
 کے آگے آگے جا رہے تھے اور زبان سے کہہ
 رہے تھے۔ اے چچا آپ نے میرے ساتھ صلہ
 رحم کو پورا کیا۔ اور میرے ساتھ نیکیاں کیں
 خدا آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ بعثت
 کے دسویں سال ابوطالب کی وفات ہوئی۔

اور پیغمبر اسلام کو وفات ابوطالب کا سخت مد

رب، منقول است کہ پیغمبر پیش جنازہ ابوطالبی
 رفت وہی گفت ای عم صلہ رحم بجا آوردی
 و نیکیو شہا کردی جنہا کہ اللہ خیر الجزاء...
 در سال دہم از بعثت ابوطالب فوت شدہ
 و اندوہے عظیم ازین جہتہ بر ضمیر انور حضرت
 رسول استیلا یافت۔

(ج) و در اہل سال (شعبہ) ہنوز رسم جنازہ

ہوا اور دسویں سال بعثت تک نماز میت
 فرض نہیں ہوئی تھی۔ اور صاحب مستقصی
 کی مخالفت میں یہ کلام ہے کہ پیغمبر اسلام نے
 بعد وفات ابوطالب علی سے کہا نماز میت
 نہ پڑھائی جائے۔

(د) پیغمبر اسلام وقت نزع ابوطالب ان
 کی بالین پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے کہ
 اے چچا خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ عہد
 طفلی میں آپ نے میری کفالت و پرورش کی
 اور عہد جوانی میں میری مدد اور حفاظت
 کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ اے چچا میری
 مدد فرمائیے ایک کلمہ کہنے میں تاکہ میں اس
 کے ذریعہ خدا سے روز قیامت آپ کی شفاعت
 کر سکوں۔ ابوطالب نے پوچھا کہ وہ کلمہ کونسا
 ہے۔ پیغمبر نے فرمایا کہہو لا الہ الا اللہ وحدہ
 لا شریک لہ۔ ابوطالب نے کہا کہ میں بخوبی
 جانتا ہوں کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ خدا کی
 قسم اگر مجھ کو نہ خوف ہوتا کہ میرے بعد لوگ
 تم کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارا
 چچا ڈر گیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں
 کو روشن کرتا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے
 ”تم نے مجھ کو دعوت حق دی ہے اور میں
 جانتا ہوں کہ تم مجھ کو نیک نصیحت کر رہے ہو
 ہو۔ یقیناً تم سچے ہو اور اپنے کار رسالت
 میں امین ہو۔ بیشک تم نے ایسا دین ظاہر

و نماز میت فرض شدہ بود و این سخن خلاف
 صاحب مستقصی است کہ پیغمبر هنگام فوت
 ابوطالب علی را فرمود کہ ولا تغفل علیہ
 (د) ص ۵۵۔ پس آنحضرت بر بالین او را ابو
 طالب نشستہ فرمود۔ اے عم خدا تو
 را جزائے خیر دے کہ در وقت صغیر سن مرا
 کفالت نمودی و در سن کبیر حصانت بجا آوردی
 بعد از آن فرمود اے عم مرا یاری نما بگفتن
 یک کلمہ تا شفاعت کنم باں وسیلہ نزد خدا
 عزوجل در روز قیامت ابوطالب پرسید
 کہ آن کلمہ کدام است۔ پیغمبر فرمود کہ بگو
 لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ ابو
 طالب گفت بہ تحقیق میدانم کہ تو نیک خواہ
 منی واللہ کہ اگر نہ خوف آن داشتم کہ ترا
 سرزنش نمایند بعد از من و گویند عم تو رسید
 ہر آئینہ چشم تو را بگفتن این کلمہ روشن می
 گردانیدم و در این باب این ابیات خواندہ
 و دعوتی و علی انک لنا صمعی
 و لقد صدقت و کنت فیہا امینا
 اظہرت دینا قد علمت بانہ
 من خیر ادیان البریۃ دینا
 لولا الملامۃ اخذانی دینہ
 و حدیثی سمحاً بذالک مبینا
 قریش چوں ابیات شنیدند از ابوطالب
 فریاد برداروند کہ از ملت پدران خود

عبدالمطلب و ہاشم و عبدالمناف پر میگرددی
جواب داد کہ ابوطالب بر ملت اشیاخ خود
کیا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ عالم میں سب
سے اچھا دین ہے۔ اگر مجھ کو خوف ملامت
نہ ہوتا دین کے اختیار کرنے میں تو جو کچھ
می رود -

میں دبی زبان سے کہہ رہا ہوں وہ صاف کہتا -
جب قریش نے ابوطالب کی زبان سے اشعار
سنے تو انہوں نے فریاد کی کہ اے ابوطالب تم اپنے
آبا و اجداد عبدالمطلب و ہاشم و عبدالمناف
کے دین سے پھر گئے ہو۔ جواب دیا کہ ابوطالب
اپنے بزرگوں کے دین پر مڑتا ہے۔

(س) و بعد از فوت او چند روز در خانہ نشین
طلب آمرزش و استغفار مینمود

پیغمبر اسلام ابوطالب کی وفات کے بعد چند
روز گھر میں خانہ نشین ہو گئے تھے اور ابوطالب
کیلئے طلب استغفار و بخشش کرتے رہے

ط - ابوطالب نے اپنی حالت مرض موت میں
نبی ہاشم کو جمع کیا اور کہا اے نبی ہاشم تم خدا
کے منتخب ہو۔ عرب کا دل ہو تم خدا کا گروہ

ہو اور عرب کا سر ہو۔ تم میں سے وہ پیدا
ہوا ہے جو تمام اہل عرب کا سردار ہے اور
جو بہترین شجاع ہے۔ تم ہر کمال کے مالک

ہو اور ہر شرف کے پانے والے ہو۔
تم کو تمام ان لوگوں پر فضیلت حاصل ہے
اور تم ان کی مشکلات میں ان کا وسیلہ ہو

اس کے بعد فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں
کہ محمد کی پیروی کرو اور مدد کرو جو قریش
کا امین اور عرب کا صدیق ہے۔ اور وہ -

ایسا پیغمبر لایا ہے۔ کہ دل اس کو قبول کرتا ہے
اور زبان اس کی تصدیق کرتی ہے۔ خدا کی
حکم کو مان لیا ہے اور اس کی

(ط) کہ ابوطالب در مرض موت نبی ہاشم را جمع
آوردہ گفت یا نبی ہاشم انتم صفوف اللہ
و قلب العرب و انتم حزب اللہ و اس
العرب منکم سید المطاع و منکم المقدم

الشجاع لم تلیو کو انصیباً ما ثرا الا اختر
تموہ و لا شرفا الا ادرکتمو لا فلکم علی
الناس تفضل و لہم الیکم الوسیلۃ

بعد از ان فرمود
کہ شمارا وصیت می کنم بتابعیت و معاونت
محمد کہ امین قریش است و صدیق عرب

ست و وے بامرے آندہ است کہ جہاں
قبول آں کردہ بصدق و لسان قائل شدہ
نجد اسو گند کہ من آں چنامی بینم کہ اشرف

آفاق و مستضعفین اطراف دعوت اور امتنا
و ابابت نمودہ اند۔
قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ اشرف دنیا اور ضعیف دنیا نے اس کے حکم کو مان لیا ہے اور اس کی
پیروی قبول کرنا ہے۔

اے بنی ہاشم محمد کے قریب ہو جاؤ اور اپنی جان
 بدو تقرب جوئید و بنفس و مال اور معاوت
 نمایند - فقال و کونوالہ و لامانی حزبه
 حماة و الله يسالك احد مسلكه الا
 رشد و لا باخذ احد بيهديه الا
 سعد فوالله لو كانت لي موت في اجل
 تاخير ولكني فوالله لو اني ولد نعت عنه
 الا و اهي -

کہتا اور ان سے ہر مصیبت کو دور کرتا ۔

(۳) کتاب مناقب آل ابی طالب جلد اول ص ۳۳۰

ترجمہ اصل عبارت :-

ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ ایک روز پیغمبر اسلام بازار فزی المجازہ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور
 اور دعوت و اعلانِ حق میں مصروف تھے۔ اور عباس ابن عبدالمطلب قریب ہی کھڑے ہوئے تھے اور
 پیغمبر اسلام کی تقریر کو سن رہے تھے۔ کہ اثنائے کلام میں عباس نے کہا۔ کہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ
 اے محمد تم جھوٹے ہو۔ اس کے بعد عباس ابو ایوب کے پاس گئے اور اس سے دا قوہ تقریر کو بیان کیا
 تو وہ بھی عباس کے ہمراہ آگیا۔ اور یہ دونوں بازار مجازہ میں با آواز بلند صدا دیتے جا رہے تھے۔
 اے ہمارے بھائیو یہ محمد کذاب ہے دیکھو کہیں تم کو تمہارے دین سے گمراہ نہ کر دے۔ ابو ایوب انصاری
 کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے طلبِ اعانت کی۔ اور پھر ابو طالب ابو ایوب
 اور عباس کے پاس آئے اور کہا۔

تم دونوں کیا کہتے ہو کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھوں کو توڑ دیا جائے اور تم کو اس بد کلامی کی سزا دی
 جائے اس کے بعد کے جملے ابو طالب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

ص ۳۳ :- و الله انه لصادق القيل

تم انشا ابو طالب -

انت الامين امين الله لا كذب

و الصادق القول لا لهو و لعب

خدا کی قسم محمد صادق القول ہیں۔ پھر ابو طالب

نے یہ اشعار فی البدیہہ کہے :-

اے محمد تم امین ہو بلکہ خدا کی طرف سے امین ہو

اس میں مطلق جھوٹ نہیں ہے۔ تم صادق القول ہو

انت الرسول الله نعلمه
 اور یہود و نصاریٰ سے دور رہو۔ تم خوب
 علیک تنزل من ذی العزۃ الکتب
 جانتے ہیں کہ تم خدا کے رسول ہو اور اے
 محمد تم پر صاحب عزت خدا کی طرف سے کتاب و وحی نازل ہوتی ہے۔

(۴) صفحہ ۳۶: جب پیغمبر اسلام اور خاندان نبی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محبوس ہونا پڑا ہے۔ اور
 قریش مکہ شیک لخت نبی ہاشم سے معاملات و تعاون باہمی کو ترک کر دیا ہے۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ
 ایک دن ابو طالب نے چالیس مرد نبی ہاشم کے کافر و مسلم کو جمع کیا اور ایک نظم پڑھ کر ان کو مخاطب
 کیا اس نظم کا پہلا شعر مندرج ہے۔

الم تعلموا اننا وجدنا محمداً
 کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے محمد کو نبی
 نبیا کو سنی خطی اول الکتب!
 پایا جس طرح موسیٰ نبی تھے سزا کا ذکر کتب آسمانی میں
 لکھا ہوا ہے۔

خلاصہ: مندرجہ بالا عبارات تاریخی کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابو طالب پیغمبر اسلام کے چچا نے پیغمبر اسلام کی خدمت و نصرت اس طرح کی کہ مورخین اسلام معترف ہیں
 کہ اگر وہ ایسی نصرت و حمایت نہ کرتے تو دین اسلام پر وہاں نہ پڑھتا۔

(۲) جب پیغمبر اسلام کی عمر آٹھ سال کی تھی تو پیغمبر اسلام کے جد امجد عبدالمطلب نے وفات پائی۔ اور
 وقت وفات محمد کو ابو طالب کے سپرد کیا۔ سنہ بعثت کے دسویں سال ابو طالب نے وفات پائی
 چالیس سال کی عمر میں پیغمبر اسلام نے کار تبلیغ اسلام شروع کیا اور اسی سال آپ کی بعثت ہوئی۔
 اس حساب سے ابو طالب نے تقریباً بیالیس سال نصرت پیغمبر اسلام کی اور سخت ترین مواقع پر سینہ
 سپر ہے۔

(۳) پیغمبر اسلام نے ابو طالب کے وقت وفات چاہا کہ اقرار کلمہ تو حید لے لیں۔ تو بقول عباس بن عبدالمطلب
 ابو طالب نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔ اور محمد ابن اسحاق معتبر راوی احادیث کا بھی یہی
 فیصلہ ہے کہ ابو طالب نے اقرار کلمہ تو حید کیا۔

(۴) نماز جنازہ بعثت رسول کے دسویں سال تک یعنی وقت وفات ابو طالب و خدیجہ تک فرض نہیں
 ہوئی تھی۔ لہذا محض محدثین و مورخین کا یہ لکھنا کہ پیغمبر اسلام نے علی سے کہا کہ میت ابو طالب پر
 نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے غلط ہے۔

(۵) پیغمبر اسلام کے جواب میں ابو طالب کے اشعار عقیدت اسلام پڑھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ ابو طالب

نے ابتدائے اسلام ہی میں کلمہ توحید پڑھ لیا تھا۔ وہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

انت رسول اللہ نعلمہ - عليك تنزل من ذی العزۃ الکتب

ہم جانتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور تم پر رب العزت کی طرف سے کتاب نازل ہوئی ہے۔

یہ شعر بخوبی واضح کرتا ہے و نیز قرآن و سیاق عبارات تاریخی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب اپنی

ابتدائی زندگی اور ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ظاہر لفظاً آپ نے اسلئے اظہارِ اسلام

نہیں کیا تھا کہ پیغمبر اسلام کی نصرت و حمایت کا پہلو کمزور پڑ جائے گا۔ اور مشرکین قریش مثل عبد

کے ابوطالب کے بھی جانی دشمن ہو جائیں گے۔ اور ابوطالب کو جو موقع نصرت موصول ہے وہ نہیں

رہے گا۔ چنانچہ ابوطالب نے پیغمبر اسلام سے ایک موقع پر کہا۔ اے بھتیجے اگر محمد کو یہ خوف نہ ہوتا

کہ میرے بعد لوگ تم کو آزار دیں گے اور طنز کریں گے کہ تمہارا چچا موت سے ڈر گیا۔ اور ڈر کر مسلمان

ہو گیا تو میں ضرور علی الاعلان کلمہ توحید کو پڑھ لیتا۔ چنانچہ ابوطالب نے اس مصرعہ میں اس طرف

اشارہ کیا ہے۔ کہ وحدانی مسمیٰ عبد اللہ ہینا۔ اور یہ میں دبی زبان سے اب کہہ رہا ہوں

اس وقت میں کھلے الفاظ میں علی الاعلان کہتا۔

(۶) بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ ابوطالب کافر تھے۔ یہ معاملہ دو صورتیں رکھتا ہے۔ ایک تو فرضی اور

مجھوٹی حدیث بنانے والوں کا اس میں بڑا ناتھ ہے۔ دوسرے بعض مورخین کی کم بصیرتی ہے کہ انہوں

نے سلا بعد نسل کتب تاریخ اسلامی کو نقل کرنا ہی تاریخ نویسی کا مقصد سمجھا اور ہر غلط اور جھوٹ

واقعہ کو بھی درج کر دیا۔ اور دوسرے افراد معتبر و غیر معتبر کا امتیاز بھی نہ رکھا۔

کتاب مناقب کے صفحہ ۳۶ پر ابوطالب کا یہ شعر درج ہے۔ کہ آپ نے اشراف بنی ہاشم کی موجودگی

میں سب کو سنایا ہے۔

الم تعلموا اما وجدنا محمداً نبیاً کمو سى خطنی اول الکتب

اے نبی ہاشم کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد کو نبی پایا جیسے موسیٰ نبی تھے جبکہ ذکر کتب آسمانی میں

لکھا ہوا ہے۔

جو پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی سب سے زیادہ نصرت کرے۔ جو نبوت کو آغوشِ حفاظت میں

پرورش کرے جو اپنی اولاد کو پیغمبر اسلام پر فلا ہونے کا حکم دے۔ جو علی کو پیغمبر اسلام کے ساتھ نماز پڑھنے

کا حکم دے اور بحالت نماز دیکھ کر مسرور ہو۔ جو اپنے آخری وقت میں بقول مورخین کلمہ توحید زبان

پر جاری کرے۔ جو قریش کے ہنگامہ کرنے اور کہنے پر کہ ابوطالب اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گیا

کہے کہ میں تو اپنے بزرگوں کے دین پر دنیا سے جا رہا ہوں۔ جو آخری شعر میں صاف صاف کہے کہ ہم محمد کو مثل
 موسیٰ نبی برحق جانتے ہیں اور ان کو صاحب کتاب بھی مانتے ہیں۔ ایسے انسان کو بعض کم فہم اور کم ایمان
 مورخین و محدثین اسلام کافر کہیں۔ اس سے زیادہ تاریخ اسلام اور مورخین اسلام کی کم نگاہی اور کیا ہوگی
 بعض مورخین کو اشتباہ بھی ہوا۔ وہ یہ کہ ابو طالب نے اپنے وقت آخر کہا کہ میں اپنے بزرگوں کے دین پر
 مرتا ہوں تو مسلم یہ سمجھے کہ ابو طالب کے بزرگ بھی ان کے بزرگوں کی مانند کافر تھے لہذا ابو طالب بحالت کفر فوت
 ہو گئے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام کا پورا خاندان بجز چند کے آدم سے عبدالمطلب اور عبد اللہ ابن
 عبدالمطلب تک مومن موحداور مسلم تھا۔

اس معاملہ کی تلاش کتب احادیث و تاریخ میں نہ کیجئے ورنہ الجھن اور بڑھیلی میں آپ کو سہل طریقہ
 بتائے دیتا ہوں جو آپ اور ہر معقول پسند انسان تسلیم کر لیگا۔

کعبہ مرکز اسلام تقابایت خانہ۔ اگر مرکز اسلام تھا تو اس کے متولی مسلمان تھے اور اگر کعبہ مرکز کفر
 تھا کہ اس میں ۳۶۵ بت نصب تھے۔ تو اس کے متولی کافر اور بت پرست تھے۔

تاریخ اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کعبہ خانہ خدا ہے نہ کہ خانہ اہنام۔ کعبہ دو پیغمبروں کی تعمیر کردہ
 عمارت ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے ملکر بنایا ہے۔ ان دونوں پیغمبروں نے بعد تکمیل عمارت
 کعبہ دعا بھی کی ہے کہ اے خدا اس گھر کو ہم نے تیرے نام سے منسوب کیا ہے تو اس کو پاک و پاکیزہ رکھنا۔
 خدا نے بھی اپنے نبیوں کو حکم دیا تھا کہ اے ابراہیم و اسمعیل میرے گھر کو ہر نجاست سے پاک کر دو تاکہ رکوع کرنے
 والے اور سجدہ کرنے والے اس میں رکوع و سجدہ بجالاتے رہیں۔ ان حالات میں کعبہ کی ابتدا اسلام سے
 ہوتی ہے۔ اور کعبہ مرکز اسلام قرار پاتا ہے۔ ابراہیم و اسمعیل کے بعد ان کی اولاد نسل عبدالمطلب
 تک متولی خانہ کعبہ رہی۔ تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ ابراہیم سے عبدالمطلب تک خانہ کعبہ کافروں کے قبضہ میں
 رہا یا مسلمانوں کے قبضہ میں۔ اگر کہا جائے گا کہ کعبہ میں بتوں کی خدائی تھی یہ بھلا مرکز اسلام کیسے ہو سکتا ہے۔
 تو آپ کو تاریخ بتائے گی کہ ابراہیم ہی نے ایک بار اسی خانہ کعبہ سے بتوں کو توڑ کر نکالا تھا۔ اور خانہ کعبہ کو ظاہر
 کر دیا تھا۔ مگر غاصبان خدائی نے پھر کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر متولیان خانہ کعبہ موحداور خدا پرست رہے اور
 اولاد ابراہیم سے کبھی اس کی تولیت چھینی نہ جاسکی جب ان مومنین کو موقع ملا خدا کے گھر سے بتوں کو نکال
 دیا اس کے علاوہ مسلمانوں کے اطمینان کیلئے قرآنی ثبوت پیش کیا جاتا ہے وہ خود فیصلہ کریں۔

جب ابراہیم نے خانہ کعبہ کو مسمار و برباد کرنا چاہا ہے اور ابراہیم شکر کثیر اور مانعتیوں کی فوج لیکر
 خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا ہے تو یقیناً خانہ کعبہ میں ۳۶۵ بت نصب تھے۔ اب اگر خانہ مرکز کفر تھا تو خدا کو

خانہ کعبہ کی حفاظت نہ کرنی چاہئے تھی۔ اور ابراہیمؑ کے لشکر اور پانچویں کو ابا بیلوں کے لشکر سے فنا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور اگر خانہ کعبہ اس وقت بھی مرکز اسلام تھا تو بیشک خدا کو اس کی حفاظت کرنی چاہئے تھی۔ خدا نے حفاظت کی اور ابراہیمؑ کو معہ لشکر کے برباد کر دیا۔

اگر خدا خانہ کعبہ کی حفاظت ایسی حالت میں کر سکتا ہے کہ خانہ کعبہ میں ۳۶۵ بت موجود ہوں اور پھر بھی اس کی خدائی میں سبہ نہیں لگتا۔ تو پھر خاندان ابراہیمؑ جو عبدالمطلب تک اس وقت پہنچتا تھا۔ کیونکہ مسلمان اور موحّد نہیں ہو سکتا ہے۔ اہل اسلام و اہل ایمان اور صاحبانِ بصارت و بصیرت کا یہ عقیدہ ہے کہ خانہ کعبہ ابتدائے تعمیر سے ہی مرکز اسلام ہے اور اس کے متولی ہمیشہ مسلمان رہے ہیں اور آج تک مسلمان ہیں اور تا قیامت مسلمان رہیں گے۔ ابوطالب کا مشرکین قریش کے جواب میں یہ کہنا کہ میں اپنے بزرگوں کے دین پر مڑتا ہوں بالکل درست ہے۔

عبد اللہ پدربزرگوار محمد مسلمان تھے۔ عبدالمطلب مسلمان تھے، ہاشم مسلمان تھے۔ خدا نے اپنی امانت نور محمدی کو جن اصحاب میں رکھا وہ مسلمان تھے۔ چنانچہ قرآن نے بھی اس معاملہ کی شہادت پیش کی ہے۔
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي الْأَسْجِدِ الَّذِينَ اسْمِعُوا لَكُمْ قَوْلَ رَسُولِهِمْ أَنَّ اتَّقُوا اللَّهَ عَسَىٰ تَتَّقُونَ
ساحدین ہی میں منتقل کرتے رہے۔ بہر حال ابوطالب سب سے پہلے مسلمان تھے اور محافظ اسلام اور حامی پیغمبر اسلام تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عدالت پیغمبر اسلام کا مقصدا کیا ہوا۔ اور پیغمبر اسلام نے اس محسن اسلام کا بدلہ وصلہ نیکی کیا دیا۔ ملاحظہ ہو:-

(۱) پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے وقت آخر انتہائی سجدہ دی کا سلوک کیا اور کلمہ توحید کی دعوت دی۔ اور لحد دعوت کلمہ توحید شفاعتِ انجروی کا وعدہ فرمایا۔

(۲) لحد وفات ابوطالب پیغمبر اسلام نے تین دن مسلسل ان کا سوگ منایا اور آپ خانہ نشین رہ کر ابوطالب کیلئے دعائے مغفرت میں مشغول رہے۔

(۳) پیغمبر اسلام نے جنازہ ابوطالب کی تکفین و تدفین کا انتظام ان کے بیٹے علی کے ماتحتوں کرایا۔

(۴) پیغمبر اسلام خود بہ نفس نفیس جنازہ ابوطالب کے آگے آگے چلتے رہے اور ان کا ذکر خیر کرتے رہے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے رہے۔

(۵) سال وفات ابوطالب کا نام پیغمبر اسلام نے عام الحزن رکھ کر تاریخ اسلام میں ان کی یادگار قائم کر دی۔ تاکہ تاقیامت مسلمانانِ عالم خدمات و احسانات ابی طالب کو یاد رکھ سکیں۔

(۶) پیغمبر اسلام نے اپنی طفلی سے تا عمر پچاس سال کا ذکر کیا۔ اور بتایا کہ اس دوران میں میری کفالت میری پرورش، میری حفاظت با حسن و جود ابو طالب نے کی ہے۔

(۷) پیغمبر اسلام نے ابو طالب کے فرزند علی کو اپنی کفالت میں لیا۔ اور ان کی کفالت پرورش تعلیم و تربیت کو اپنے ذمہ لیا۔ اور علی کو ایسا بنا دیا جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

(۸) پیغمبر اسلام نے ابو طالب کے فرزند علی کو اپنی اکلوتی لڑکی زینب کی دیکھی اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا اور اپنے علوم روحانی کا ان کو وارث بنا دیا۔ اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو اپنی امت پر فرض کر دیا۔

نتیجہ - درحقیقت پیغمبر اسلام پر ابو طالب کے لاتعداد حقوق تھے اور علی ابن ابی طالب نے اولاد سے لایا بیہ کے اعتبار سے ان لاتعداد حقوق میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی ایسی خدمات انجام دیں جن کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ اگر ان حالات کے پیش نظر پیغمبر اسلام ان حقوق ابو طالب کو ادا نہ کرتے تو یہ سراسر ظلم کے مترادف ہوتا۔ اور دامن عصمت نبوت ظلم سے پاک ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے حقوق ابو طالب کا صلہ و معاوضہ ابو طالب اور اولاد ابو طالب کو ادا دیا ہے جو لمحاظ معاوضہ کسی طرح کم نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اگر بغور مطالعہ کتب تاریخ اسلام کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ پیغمبر اسلام کے احسانات کا پلہ خدمات ابو طالب کے مقابلہ میں بھاری ہے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ ہر شخص اپنی وسعت و استطاعت کے بموجب ہی صلہ و معاوضہ دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام مالک کائنات تھے۔ لہذا آپ نے آل ابو طالب کو ایسی منتخب چیزیں عطا فرمائیں جن کی نظیر کائنات میں ملنا ناممکن ہے۔ اور یہ سب اس لئے کیا گیا کہ عدالت پیغمبر اسلام اسی کی مقتضی تھی اور اصول اسلام اسی پر منحصر و مبنی ہے۔

ہل جزاء الاحسان الا الاحسان خداوند قدیر کا معین کردہ قانون ہے۔

عدالت واقعہ ۱۱۳ ہجری و محاصرہ طائف | فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف ایک طائف

رہ گیا تھا جس نے اطاعت اسلام قبول نہیں

کی تھی۔ پیغمبر اسلام نے قلعہ طائف کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد محاصرہ ترک کر دیا۔ مگر محاصرہ ایک رئیس قبیلہ تھے۔ اہل طائف پر مسلط رہے آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ فتح طائف کا مفصل حال صفحات سابقہ میں لکھا جا چکا ہے۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

مغربین شعبہ ثقفی نے خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہو کر خبر دی کہ صحرا نے اس کی پھوپھی کو اپنے

قبضہ میں رکھ پھر اسے پیغمبر اسلام نے صخر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پہوپی کو اس کے گھر پہنچا دو۔
چنانچہ صخر نے مغیرہ کی پہوپی کو واپس کر دیا۔

بادی النظر میں ہونا تو یہ پابئی تھا کہ صخر کے دباؤ سے اہل طائف نے اطاعتِ اسلام قبول کی تھی۔
اور صخر کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ مگر چونکہ اہل طائف مسلمان ہو چکے تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے وہ حکم
صخر کیسے اور مغیرہ کیسے مناسب سمجھا۔ جو مطابق قانون عدالت تھا۔ اور اس معاملہ میں صخر کی خوشنودی
و نارا فتنگی کا قطعاً لحاظ نہیں رکھا۔

عدالت واقعہ ۱۱۴ صخر و بنو سلیم

واقعہ مذکورہ کے بعد ہی بنو سلیم حاضر خدمت پیغمبر
اسلام ہوئے اور عرض کیا کہ جس زمانہ میں ہم کافر
تھے صخر نے ہمارے ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہم کو ہمارا چشمہ واپس دلایا جائے
پیغمبر اسلام نے فوراً صخر کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ
اے صخر جب کوئی قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ لہذا تم بنو سلیم
کا چشمہ ان کو واپس کر دو۔

صخر نے حکم کی تعمیل کی اور چشمہ بنو سلیم کو واپس کر دیا۔ اس معاملہ سے بھی واضح ہوا کہ مقام عدالت
میں پیغمبر اسلام بیگانہ و لیگانہ کا مطلق پاس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو مطابق قوانین عدالت امر ہوتا تھا اس
کو پورا کر دیتے تھے۔

عدالت واقعہ ۱۱۵ بنی قینقاع

سال دوم ہجرت کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے حبیب مدینہ کو ہجرت فرمائی
تھی تو بنی قینقاع نے پیغمبر اسلام سے ایک معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں پر
حملہ نہ کریں گے۔ اور ان کے دشمن کی طرف ذاری و حمایت نہ کریں گے۔ بلکہ دشمن اسلام کے مقابلہ میں
دین اسلام کی حمایت کریں گے۔ اسی اثناء میں ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی کسی ضرورت
سے بازار بنی قینقاع میں ایک زرگر کی دوکان میں بیٹھی تھی۔ پیچھے سے ایک یہودی آیا اور اس نے تمسخر
و شرارت کرتے ہوئے اس مسلمہ کا لباس جانب پشت سے پھاڑ ڈالا اور وہ عورت بہ بہنہ ہو گئی اتفاق سے اس
وقت ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا۔ اس کو غیرت و غصہ آگیا اس نے لپک کر اس یہودی کو پتھر لیا اور
اس کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا بازار بنی قینقاع میں غوغا ہو گیا۔ صدنا یہودی صبح ہو گئے اور اس مسلمان
کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کی خبر پیغمبر اسلام کو ہوئی تو آپ نے یہودیوں کے ذی اثر سرداروں کو طلب فرمایا
اور فرمایا کہ تم نے کیوں عہد شکنی کی اور خلاف معاہدہ کیا۔ تم فلا سے ڈرو اور سوچو کہ قریش کو خدا نے شکست

دی تم کو بھی حقیر کر دیکھا میں خدا کا پیغمبر ہوں میری بات کا یقین کر دو۔ یاد رکھو میری بات سچ ہو کر رہتی ہے۔
میں صادق القول ہوں۔

ایشال گفتند اے محمد مارا ایم مدہ و از جنگ
قریش و غلبہ بر ایشال فریفتہ مشو دامن مباح
باقی رزم دادی کہ قانون حرب ندانستند
اگر ای کار با ما افتد طریق محاربت و ساز
مضاربت خواہی دانست این گفتند بہ
خواستند دامن بر افشانند۔

سروران بنی قیناع نے کہا اے محمد تم کو نہ
ڈراؤ اور قریش پر غلبہ پانے اور جنگ پر
گھمنڈ نہ کرو اور بے خوف نہ رہو تم نے ایسی
قوم سے جنگ کی تھی جو جنگ اور شمشیر زنی
کے قانون و قاعدوں سے ناواقف تھے۔
اگر تم سے تم کو مقابلہ کرنا ہو گا تو تم کو معلوم ہو
جائے گا کہ کیونکہ جنگ کرتے ہیں۔ اور تلوار چلا

(ناسخ التواریخ جلد ۱ ص ۱۲۷)

ہیں۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

بنی قیناع یہودی تھے۔ مدینہ سے متصل تھے۔ دشمن رسول و اسلام تھے۔ پھر انہوں نے خلاف معاہدہ
کیا تھا۔ ان کے ہی آدمی کی زیادتی تھی۔ کہ ایک مسلمان عورت کو عریاں کر دیا۔ اور سجدہ کو ایک مسلمان کو قتل بھی
کر دیا۔ ان تمام زیادتیوں کے باوجود بھی بنی قیناع قائل دشمنانہ نہ ہوئے اور پیغمبر اسلام کو دھمکیاں دینے
لگے اور گستاخیاں کرنے لگے۔ مگر آپ پیغمبر اسلام کی رواداری، صلح جوئی اور نیک دلی ملاحظہ فرمائیے کہ ان
زیادتیوں کے باوجود بھی مطابق قوانین عدالت ان کو ان کا معاہدہ یاد دلارہے ہیں۔ اور خود اس پر عمل کر
رہے ہیں۔ اور ان کے اتنے مظالم کو درگزر کرنے کو تیار ہیں۔ معاہدہ پر قائم رہنا، معاہدہ کی پابندی کرنا
اور دشمن کو موقعہ فرصت غور و نیاسب قوانین عدالت کی پابندی ہے۔

پیغمبر اسلام کی جگہ اگر کوئی دوسرا باختیار انسان ہوتا۔ تو ان گستاخیوں زباں درازیوں اور عیب شکنی
کی سزاوری دیتا۔ مگر مجسمہ اخلاق اور سپر عدالت سے ایسا کیونکر ممکن تھا۔

عدالت واقعہ ۱۱۶ رسفارش اسامہ بن زید | ایک عورت نے جو قبیلہ مخزوم کی تھی چوری
کی قریش کی عزت و وقار کے اعتبار سے

لوگوں نے کوشش شروع کی کہ معاملہ دب جائے اور وہ چور عورت پر ہی کر دی جائے۔ لوگ اسامہ بن زید
کے پاس آئے یہ سب جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام اسامہ کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ لہذا ان کا خیال تھا کہ پیغمبر
اسلام اسامہ کی سفارش کو رد نہ کریں گے اسامہ نے خدمت پیغمبر اسلام میں اس عورت کی سفارش کر دی۔
پیغمبر اسلام سنتے ہی بگڑ گئے اور آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔

بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ و برباد ہو گئے کہ وہ غربا پر جرم کی حد جاری کرتے تھے اور امرایکے
در گذر کرتے اور ان کو معاف کر دیتے تھے۔ اس دن سارقہ پر حد جاری کی گئی۔

عدالت واقعہ ۱۱۷ دیت قتل یہودی

اور اس زمین کو مجاہدین اسلام پر تقسیم کر دیا

کیا تو عبداللہ بن سہل اپنے نخلستان میں اپنا حصہ (بٹائی) لینے گئے مخیضہ ان کے چھیرے بجائی بھی ان
کے ساتھ تھے۔ عبداللہ ایک کوچہ سے گذر رہے تھے کہ کسی یہودی نے ان کو قتل کر دیا اور ان کی لاش کو ایک
گڑھے میں ڈال دیا۔ مخیضہ نے اگر پیغمبر اسلام سے استغاثہ کیا۔ پیغمبر اسلام نے مخیضہ سے پوچھا۔ کیا تم قسم
کھا کر کہہ سکتے ہو کہ عبداللہ کو یہودی نے قتل کیا ہے۔ مخیضہ نے عرض کیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔
مگر وہاں بجز یہودیوں کے دوسرا کوئی نہیں رہتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ تو اچھا یہودیوں سے علف
لیا جائے۔ مخیضہ نے عرض کیا کہ وہ کافر ہیں۔ ان کی قسم کا اعتبار ہی کیا ہے۔ وہ تو صدنا سبھوئی قسمیں کھا
سکتے ہیں۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ یہودیوں سے باز پرس نہ کی جائے اور عبداللہ کا خون بہا بیت
المال سے ادا کر دیا جائے۔

چونکہ مخیضہ عینی شہادت نہ دے سکے علاوہ یہیں علف بھی نہیں اٹھا سکے اور نہ اس پر راضی ہوئے
کہ یہودیوں سے ہی علف لے لیا جائے۔ بس وہ تو یہ چاہتے تھے کہ عبداللہ کا قصاص یہودیوں سے لے لیا
جائے۔ مگر ایسا قصاص لینا قانون عدالت کے خلاف تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام نے مخیضہ کی خوشی و ناخوشی کی
قدرا پر واہ نہیں کی اور یہودیوں سے باز پرس نہ کرتے ہوئے عبداللہ کا خون بہا بیت المال سے دلوادیا۔
اور اس طرح خون ناحق عبداللہ کا بدلہ و معاوضہ بھی اس کے درشہ کو مل گیا اور مخیضہ کی اشک شوئی ہو گئی
اور معاملہ بھی مطابق قوانین عدالت طے ہو گیا۔

عدالت واقعہ ۱۱۸

ماخوذ از اسوۃ الرسول

طارق محاذی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع
ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینے کو روانہ ہوئے۔ شہر کے باہر پہنچ کر قیام کیا۔ زنانی سواری بھی
ساتھ تھی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید پوش آئے اور سلام کیا۔ ہم نے جواب سلام دیا۔ ہمارے ساتھ
سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اس کی قیمت پوچھی ہم نے بتایا کہ اس کی قیمت اتنی مقدار کھجوریں ہونگی۔ اس سفید
پوش نے کوئی عذر نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی اور وہ شخص مہار شتر پکر کر شہر کی طرف روانہ ہوا حتی کہ
نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم لوگوں کو اب خیال آیا کہ قیمت اور اونٹ دونوں ہمارے گئے۔ کیونکہ ہم لوگ

اس مرد سفید پوش کو پہچانتے بھی نہ تھے ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا۔ محل نشین خاتون نے کہا کہ تم مطہین رہو۔ ہم نے کسی کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن نہیں دیکھا ہے ایسا انسان دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ محمد نے تمہارے لئے طعام شب اور اتنی ٹھہریں بھیجی ہیں۔ یہ کھجوریں قیمت شتر تھیں۔ دوسرے دن ہم لوگ مدینہ میں داخل ہوئے پیغمبر اسلام خلیفہ دے رہے تھے اصحاب کا اجتماع تھا۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک مرد انصاری نے کھڑے ہو کر پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ قبیلہ بنی ثعلبہ سے ہیں۔ اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے معاوضہ و بدلہ میں ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم بھی ان میں کا ایک آدمی قتل کر دیں پیغمبر اسلام نے جواب دیا۔

”باپ کا بدلہ و قصاص میٹے سے نہیں لیا جاسکتا ہے۔“

عدالت واقعہ ۱۱۹

سرق ایک صحابی تھے انہوں نے ایک بدو سے اونٹ خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ ہو سکی بدوان کو پکڑ کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں لایا اور واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر اسلام نے سرق کو حکم دیا کہ قیمت شتر ادا کر دو۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا پیغمبر اسلام نے بدو سے کہا کہ تم سرق کو بازار لے جا کر فروخت کر لو۔ بدوان کو بازار لے گیا ایک شخص نے سرق کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۰

ماخوذ اسوۃ الرسول :-

ابو حدرا سلمیٰ ایک صحابی تھے ان پر ایک یہودی کا کچھ قرض تھا۔ مگر ان کے پاس بجز لباس جسم کے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پیغمبر اسلام جنگ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ ابو حدرا نے اس یہودی سے کچھ مہلت طلب کی۔ لیکن وہ نہ مانا اور انکو پکڑ کر خدمت پیغمبر اسلام میں لے آیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کا قرضہ ادا کر دو انہوں نے عذر کیا۔ آپ نے مکہ فرمایا۔ انہوں نے پھر سختی کی یا رسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید خدا مجھ کو دماغ سے کچھ دیدے تو میں قرضہ ادا کر دوں گا۔ پیغمبر اسلام نے پھر حکم دیا تو آخر اپنا ہمد اس یہودی کو قرضہ میں دیدیا۔ اور اپنے عمامہ کو کھول کر کمر کے گرد لپیٹ لیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۱

اسلام سے پہلے یہودان بنو نضیر بنی قریظہ میں عزت و شرافت خاندانی کی ایک عجیب و غریب عداوت تھی کوئی قریظی کسی نضیری کو قتل کرتا تھا تو قصاص میں وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ماتھے سے مارا جاتا تھا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر نما مقرر تھی۔ عہد اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو یہ مقدمہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش ہوا آپ نے تورات

کے آئین کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا حکم قضا میں جاری فرمایا۔

عدالت واقعہ ۱۲۲

ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا ایک شخص منہ کے بل آپ پر لڑھکیا دست مبارک میں تیلی کی لکڑی تھی آپ نے اس کو مٹھو کا دیا۔ اتفاقاً لکڑی کا سر اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی آپ نے فوراً اس شخص سے فرمایا کہ تم مجھ سے اس کا قضا منے لو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا (ماخوذ اسوۃ الرسول) مذکورہ چند واقعات تاریخی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے کبھی مقام عدالت میں نہ اپنے گروہ کا لحاظ کیا نہ اپنے قبیلہ کا پاس کیا نہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم کا لحاظ کیا اور نہ مقام قضا میں اپنی ذات کا پاس کیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۳ عدالت بین الناس

اسلام خصال و حسن خلق اسوۃ رسول ص ۱۰۰

چہارم۔ جبریر ابن عبد اللہ کا بیان ہے

کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے مجھے دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔

(ب) آپ اکثر اوقات متفکر بنا کرتے تھے۔ زیادہ تر خاموش رہتے تھے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے آپ کا ایک ایک فقرہ اور لفظ صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ اٹھاتے اور پھیلی کارخ بدل دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے بات کرنے میں مسرت کی کیفیت طاری ہو جاتی تو آنکھیں میچھی ہو جاتیں ہنستے بہت کم تھے۔ مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی۔ کبھی مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ دل وہی اور تسکین کے انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ فقرات پر معنی ہوتے تھے۔ اور مختصر کلمات میں آپ کے بہت سے معانی و مطالب ہوتے تھے۔ آپ کا کلام و بیان حق و باطل میں فرق و تمیز بنانے والا ہوتا تھا۔ آپ کا کلام فضول الفاظ اور تعویذات سے بالکل پاک و منزه ہوتا تھا۔ اور خلاف مقصد کوئی کلام نہیں ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں آپ کے اسوۃ حسنہ کی تفصیل ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ (اسوۃ جلد ۳ ص ۱۰۰)

محمد صلعم مطیع کو بشارت پہنچاتے۔ گنہگاروں کو عذاب سے ڈراتے۔ بخیروں کی پناہ تھے۔ خدا کے رسول اور بندہ تھے۔ حملہ کار و بارہ کو خدا پر چھوڑ دینے والے بزرگ تھے۔ آپ نہ درشت نہ تھے اور نہ درشت گو آپ کبھی چیخ کر نہیں بولتے تھے۔ بدی کا بدلہ ویسا ہی نہیں لیتے تھے۔ معافی طلب کرنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے۔ گنہگاروں کو بخش دیتے تھے۔ آپ کا فرض منصبی مذاہب کی کمی کو درست کر دینا تھا۔ آپ کی تعلیم اندھوں کو آنکھ اور بہروں کو کان دینا تھا۔ آپ غافل دلوں کے پردہ اٹھا دیتے تھے۔ آپ ہر خوبی سے آراستہ

جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف۔ سکون ان کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت ہے، ان کی معرفت سراپا راستی، ان کی ملت اور ہدایت رہنمائے نطق ہے۔ وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے گنہگاروں کو رفعت دینے والے، مجہولوں کو نامور کر دینے والے۔ قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا و دولت مندی سے بدل دینے والے تھے (بحوالہ رحمت اللعالمین)

امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں :-

محمد صلعم مولشی کو خود چارہ دیتے تھے۔ اونٹ کو آپ باندھتے تھے۔ گھر میں بھاڑ و خود دیتے تھے۔ بکری خود دودھ لیتے تھے۔ خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ بازار سے خود جا کر سودا لاتے تھے۔ ہر ادنیٰ اعلیٰ خورد و بردگ کو سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ بو کوئی ساتھ ہو جاتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر چلا کرتے۔ غلام و آقا، ترکی و حبشی میں ذرا فرق نہ فرماتے تھے رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی فقیر شخص دعوت کیلئے کہتا قبول فرما لیتے۔ جو کچھ سامنے رکھ دیا جانا اُسے بر غبت کھاتے تھے۔ رات کے کھانے میں صبح کیلئے اور صبح کے کھانے میں شام کیلئے اٹھانہ رکھتے تھے۔ کم خوراک، کریم الطبع اور کثادہ رو تھے۔ مگر بہت ہنستے نہ تھے۔ سپرہ متفکر رہتا تھا۔ مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع تھے۔ جس میں دنائت نہ تھی۔ باہیت تھے۔ جس میں درستی نہ تھی۔ سخی تھے مگر مسرف نہ تھے ہر ایک پر رحم و شفقت فرمایا کرتے تھے کسی سے کچھ طمع نہیں رکھتے تھے۔ سر مبارک کو ہمیشہ جھکاٹے رہتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں پیغمبر اسلام صلعم اپنے کنبہ والوں اور خادموں پر زیادہ مہربان تھے انہوں نے دس سال تک خدمت کی اس مدت میں ان کو آٹ تک نہ کی زبان مبارک پر کبھی کوئی فحش لفظ نہیں آیا۔ کسی پر لعنت نہیں کی نہ دوسروں کی آزار دی اور اذیت رسانی پر برابر صبر فرماتے تھے۔ خلق خدا پر ہمیشہ رحم فرماتے تھے۔ آپ کے دست و زبان سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستگی کی طرف نہایت توجہ فرماتے تھے۔ ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی سلطنت کی طرف ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔

شفائے قاضی عیاض میں ہے :-

پیغمبر اسلام صلعم کے انصاف کے مقابلہ میں قریب و بعید آپ کے نزدیک برابر تھے۔ مساکین سے محبت فرماتے تھے۔ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھتے اور کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہیں جانتے تھے۔ اپنے پاس بیٹھے والوں کی تالیف قلوب فرماتے تھے۔ جاہلوں کی سرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے۔ جب تک کہ وہی خود نہ چلا

صحابہ کے کمال محبت فرماتے تھے۔ زمین پر بیٹھ جلتے اپنے بوتلے میں آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے لباس میں پیوند لگا لیتے۔ دشمن اور کافر سے بھی یہ کشاوہ پیشانی ملا کرتے (خدمت اموات) مدینہ میں ورود کے بعد آپ کا یہ معمول رہا کہ جب کسی مسلم کو حالت نزع میں پایا تو آپ اس کے سرمانے بیٹھے رہے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہتے۔ اس کے مرنے کے بعد اسکی تکفین و تدفین میں شرکت فرماتے۔ جب بوجہ کثرت تعداد اہل اسلام یہ امر وجہ تعددِ جہ ہو گیا تو یہ معمول رہا کہ مسلمان کی میت کو بعد تکفین کے خدمت پیغمبر اسلام میں لایا جاتا تھا اور آپ اس پر نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔

عیادت - مریضوں کی عیادت کا بہت شغف تھا۔ مریض کی خبر پا کر دور دور تک عیادت کیلئے تشریف لے جاتے اور مریض سے الفاظ تسکین و تسلی کہتے۔ ایک بار ایک بدو مدینہ میں آکر بیمار ہو گیا۔ حسب عادت اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس پر شفقت فرماتے ہوئے کلمات تسکین فرمانے لگے۔ بدو مریض کی شدت میں گھبرا کر بولا۔

آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ خیریت ہے۔ یہاں وہ شدید تپ سے کہ بخیر گور سمجھنا کئے جانے والی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ”ایسا نہ کہہ خدا شاخنی ہے۔“ (سیرت النبی باسناد بخاری و مسند حنفی)

عدالت واقعہ ۱۲ شہادت

حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۳۲

اکثر لوگ اپنے بچوں کو پیغمبر اسلام کی خدمت میں لاتے تھے کہ آپ ان کا نام رکھ دیں اور ان کے لئے دعا فرمائیں آپ اس بچہ کو آغوش میں لے لیتے دامن پر سجالتے تاکہ اس کے والدین کا اعزاز ہو۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچے آپ کے دامن پر پیشاب کر دیتے اور صحابہ شور مچاتے آپ فرماتے کہ بچے کو پیشاب کر لینے دو اس کا پیشاب قطع نہ کرو۔ بچہ جب پورا پیشاب کر لیتا تو آپ اس بچہ کیلئے دعا فرماتے اس کا نام رکھ دیتے۔ اس کے بعد آپ پانی سے اپنے دامن کو پاک کر لیتے تھے۔

عدالت واقعہ ۱۲۵ ایثار

ایک عورت نے پیغمبر اسلام کو ایک چادر تحفہ دی آپ کو چادر کی ضرورت بھی تھی آپ نے وہ چادر قبول کر لی۔ ایک صاحب نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ چادر کسی اچھی ہے۔ آپ نے وہ چادر اپنے دوش سے اتار کر ان کو دیدی جب وہ صاحب چادر لیکر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت کو چادر کی ضرورت تھی۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔ میں نے تو برکت کیلئے چادر لی ہے کہ مجھ کو اس چادر کا کفن دیا جائے۔

عدالت واقعہ ۱۲۶ اشارہ

سہ میں یہود ان بنی نضیر میں سے محرق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغات - مشیب ، صالحہ ، دلال ،

حسینی ، سرقہ ، اعوان ، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت پیغمبر اسلام کے نام وصیت کر دیے پیغمبر اسلام نے ان سب کو خیرات کر دیا ۔

عدالت واقعہ ۱۲۷ احتیاط بہ قصاص ما عزا سلمی

ما عزا سلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے

تھے۔ لیکن فوراً مسجد میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا ہے۔ آپ نے منہ پھیر لیا وہ دوسری سمت آئے آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اقرار زنا کرتے آپ بار بار منہ پھیر لیتے۔ بالآخر آپ نے فرمایا تمہیں جنون تو نہیں ہو گیا ہے۔ بولے نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ بولے ہاں۔ آپ نے فرمایا تم نے صرف ماتھ لگایا ہو گا۔ وہ بولے نہیں مجامعت کی ہے۔ آتمہ مجبور ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیا جائے۔

شفقت بہ اموات عدالت ۱۲۸ اسوۃ الرسول جلد ۲ ص ۱۱۲ :-

میدان بدر سے جب حملہ آور غنیمت والیں چلا گیا تو پیغمبر اسلام میدان جنگ میں خود تشریف لائے۔ اور اپنے جانین کی لاشوں کو دفن کر آیا۔ اور آپ نے جہاں کسی مقتول کی لاش کو پایا اس کو دفن کر دیا۔ میت تو میت استخوان ٹائے افتادہ کے ساتھ بھی ہی عمل کیا جاتا تھا۔ مشرکین کے مقتول کی تعداد زیادہ تھی لہذا ایک کتواں کھرد کر سب کو اس میں دفن کر دیا گیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۹ شفقت بہ ابو حذیفہ ابن ہشام ص ۲۳ طبع مصر :-

ما بعد رسول اللہ صلعم
دقالہ خیرا - پیغمبر اسلام نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو لاکر کنوئیں میں جمع کریں تو عقبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پر کھنچتے ہوئے لائے تو ابو حذیفہ کو باپ کے لاشہ کو اس حال سے لاتے ہوئے دیکھ کر ملال ہوا۔ پیغمبر اسلام نے اس کے سپرہ سے آثار سوزن و ملال کو معلوم کر لیا۔ اور فرمایا کہ اے ابو حذیفہ کیا تم کو اپنے باپ کی طرف سے کچھ دل میں خیال آیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے جیسے ہی یہ سوال کیا۔ ابو حذیفہ نے ہوش عقیدت میں جواب دیا۔

یا رسول خدا کی قسم اسلام کی طرف سے مجھ کو ذرہ بھر بھی شک نہیں۔ لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے

کہ میرا باپ صاحب رائے، متملل اور صاحب آداب و کمال تھا۔ اور اس کے ان صفات کی وجہ سے مجھ کو ہمیشہ قوی امید تھی کہ وہ اسلام کی خوبوں کو سمجھ کر مشرف بر اسلام ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید میں نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام سے مشرف نہ ہونے کی وجہ سے آخر ان کی حالت کیا ہوئی اور یہ اس کے کافر مرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے ابو حذیفہ کیلئے دعائے خیر کی اور اس کو کلمات خیر سے یاد دہاؤ فرمایا۔

عدالت واقعہ ۱۳

صحیح بخاری پارہ ۲۸ باب الدیات :-

النس بن مالک نے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی نے بوجہ سہر میں زیور کے ایک لڑکی کا سرد پتھروں کے بیچ میں کر کے کچل دیا تھا۔ اس لڑکی سے پوچھا کہ یہ تیرے ساتھ کس شخص نے لیا کیا ز اور چند لوگوں کے نام اس کے سامنے لئے گئے (فلاں نے یا فلاں نے یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اقرار کیا۔ اس یہودی کو خدمت پیغمبر اسلام میں لایا گیا اور وہ وہیں رہنا آخر اس نے اقرار کیا تو اس کا سر بھی پتھر سے کچلا گیا۔

عدالت مکافات واقعہ ۱۳۱

ہجرت کے پہلے سال جب زید بن عارضہ اور ابو رافع جو پیغمبر اسلام کے آزاد کردہ تھے۔ فاطمہ زہرا، ام کلثوم اور

سودا بنت زمعہ، اسامہ بن زید اور ام ایمن کو مدینہ لائے تو پیغمبر اسلام نے بطور صلہ و انعام کے زید بن عارضہ اور ابو رافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ عطا کئے۔

عدالت تسلیم، واقعہ ۱۳۲

ہم بھی تسلیم کی تو ڈالیں گے۔ بے نیازی تری عادت ہی سہی (غالب) ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ :-

اجناس فضائل تو تحت فضیلت عدالت میں انکو لکھا گیا اور اس معیار پر حالات پیغمبر اسلام کو پیش کیا گیا۔ فضیلت عدالت کے تحت ایک فضیلت تسلیم بھی ہے۔ تسلیم کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے تمام قوائے ظاہری و باطنی اور تمام جذبات، احساسات و خواہشات نالوج مرضی خالق مطلق بنا دے اور اسکی زندگی کا ہر لمحہ طلب رضائے خدائے قدیر کیلئے وقف ہو جائے اور اس کے مزاج اور اس کی طبیعت پر بار نہ ہوتے پائے۔

پیغمبر اسلام کے تاریخی حالات پیش کئے گئے اور جلد سوم کتاب اخلاق محمد میں بھی پیش ناظرین کئے جائیں گے۔ ناظرین خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ طلب رضائے خدائے قدیر کیلئے وقف تھا۔ آپ نے اپنی ذات یا اولاد کیلئے کچھ بھی باقی نہ رکھا۔ اور کبھی رضائے خدائے مقابلہ میں۔ اپنی عزت ذات و اولاد کو عزت نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ خدایا عادل ہے اور محسنین کے احسان کو ضائع نہیں کرتا

بلکہ کم از کم دس گنا زیادہ کر کے احسان کا بدلہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ خدائے قدیر نے جب دیکھ لیا کہ ہمارے حبیب محمد (صلعم) نے ہماری خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ تو اس مالک الملک نے اپنے حبیب کو شہرہ سنا یا (۱) ورفعتالك ذکرک (قرآن) کے محمد اے ہمارے حبیب (ہم نے تمہارے ذکر کو بلند اور ارفع کیا، (۲) ولسوف يعطيك ربك فترضى (قرآن) اے محمد! تمہارا رب تم کو اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (مطلب یہ ہے کہ خدا محمد کو اتنا عطا کرے گا جو اس کی طاقت و قدرت میں ہے اور محمد کے دامن و وسعت بشری میں گنجائش ہے۔

در حقیقت خدا کا وعدہ سچا ٹھہرا اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ خدائے قدیر نے محمد و آل محمد کو کائنات کا مالک و متصرف بنایا ہے۔

میں چند واقعات باب عدالت کے تحت تسلیم کے تاریخ سے پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ عدالت کے بارہ میں مزید مختصر چند سطریں لکھی جائیں۔ تاکہ عوام کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ عدالت صرف حقوق انسانی کے ادا کرنے ہی پر منحصر ہے۔ بلکہ حقیقت عدالت بخوبی واضح ہو جائے۔ تاکہ تسلیم و رضا و پیغمبر اسلام کے سمجھنے میں وقت و دشواری نہ ہو۔

(۱) اخلاق جلالی ص ۱۲۲ لمعہ مفتوم و اقسام عدالت۔

ارسطو طالیس تقسیم آں (عدالت) بہر سہ قسم بخوردہ۔ یکے آنچه اقدام بان حجت اداے حق عبودیت حق تعالیٰ باشد۔

دوم آنچه متعلق است بمشارکت یا بی نوع۔

سوم آنچه قیام بان برائے اداے حقوق اسلاف باشد۔

ترجمہ :- ارسطو نے عدالت کو تین قسمیں بتایا ہے۔ اول خدائے تعالیٰ کے حقوق کو یہ حیثیت عبودیت ادا کرنا۔

دوم بی نوع انسان کے حقوق کو ادا کرنا۔ سوم اسلاف و آباد و اجداد کے حقوق کو ادا کرنا۔

(۲) پیغمبر اسلام صلعم در تعریف عدالت فرمودہ۔ عدالت، التعظیم لامر اللہ و الشفقتہ علی خلق اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ :- پیغمبر اسلام نے عدالت کی جامع تعریف فرمائی ہے۔ عدالت یہ ہے کہ احکام خدا کی تعظیم کی جائے اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

میں نے قسم دوم و سوم کو بہ تفصیل ابواب کتاب ہذا میں درج کیا ہے اور قسم سوم یعنی حقوق خداوندی

کی ادائیگی کو باب معرفت و عبادت میں بتفصیل لکھا ہے۔ مگر چونکہ باب عدالت میں ایک فضیلت تسلیم
ورضا بھی ہے۔ لہذا مختصراً و نمونہً چند واقعات لکھے جلتے ہیں۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۱ | (۱) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۲ بیان اخلاق حمیدہ۔

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک

کا آخری عشرہ داخل ہوتا تھا۔ تو پیغمبر اسلام عبادت خدا کیلئے کمر بستہ ہو جلتے تھے اور ازواج سے کنار
کشی فرمالتے تھے۔ اور راتوں کو تمام رات بیدار رہتے تھے۔ اور بجز عبادت الہی کے دوسرا کام نہیں کرتے
تھے۔۔۔

۲۲۷ مسجد میں لشمینہ کا ایک نیمہ نصب کر دیا جاتا تھا۔ شبانہ روز بحالت اعتکاف و
عبادت مصروف رہتے تھے۔ جب بوجہ غزوہ بدر کے جو رمضان المبارک میں واقع ہوا تھا۔ آپ کو اعتکاف
رمضان کا موقع نہیں ملا تو آپ نے دوسرے سال رمضان المبارک میں بیس یوم کا اعتکاف کیا۔ اور
شبانہ روز دس طواف خانہ کعبہ کے بجالتے تھے۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۲ | ص ۱۲۷۔ ابو سعید خدری عبادت پیغمبر اسلام

کیلئے حاضر ہوئے۔ پیغمبر اسلام کو شدید تپ تھی ابو

سعید نے لحاف پر اپنا ماتھہ رکھا۔ شدت تپ کا احساس کیا اور کہا۔ یا رسول اللہ آپ کو شدید تپ
ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اہل بیت کی آزمائش شدید ہوتی ہے اور ہمارے لئے ثواب بھی مضاعف
ہوتا ہے۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۳ | پیغمبر اسلام طلبِ رخصائے خدا میں ہمہ وقت مصروف رہتے

تھے اور بحد طاقت بشری مشقت برداشت فرماتے تھے۔

اور اپنی ذات کو خالق لیگانہ کیلئے مطلقاً وقف کر دیا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ شب کو وضو کا پانی اپنے سرمانے رکھتے تھے اور کچھ دیر سو جلتے تھے۔ پھر
بیدار ہو کر آسمان کی طرف نظر کرتے تھے اور سورۃ آل عمران کی آخری آیات کو تلاوت فرماتے تھے
پھر مسواک کر کے وضو کر کے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ اور رکوع و سجود کو طول دیتے تھے۔
اور اتنا طول سجدہ کو دیتے تھے۔ کہ گویا آج شب سر کو سجدہ سے نہ اٹھائیں گے۔ پھر بستر پر لیٹ
کر سو جاتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر بیدار ہو جاتے تھے۔ پھر آسمان کو دیکھتے۔ اور آیات مذکورہ
کو تلاوت فرماتے پھر مسواک کرتے اور وضو کرتے پھر چار رکعت نماز ادا کرتے۔ پھر بستر پر لیٹ جاتے

اور کچھ دیر سو جاتے اور پھر بیدار ہو جاتے حتیٰ کہ نافذ صبح کو ادا کرتے۔ اس کے بعد مسجد کو تشریف لے جاتے تھے۔۔۔

تسلیم (عدالت) واقعہ ۱۳۴

ص ۲۲۸ - پیغمبر اسلام کی خوراک جو کی روٹی تھی آپ

کا علاوہ نہ رہتا تھا اور بس۔ پیغمبر ایک دن اصحاب کے ساتھ

کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ راہ میں منزلہ پر ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا دیکھا جس کے کان کٹے ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں کون اس بزدغالہ مردہ کو ایک درم میں خریدنے کو تیار ہے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ ہم اس کو کسی قیمت پر لیتے کو تیار نہیں ہیں اور مفت بھی نہ لیں گے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ واللہ دنیا میرے نزدیک اس بزدغالہ مردہ سے بھی زیادہ بے قدر ہے۔

(عدالت) تسلیم واقعہ ۱۳۵

ایک صحابی خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ

ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور اس چٹائی کے

نشانات جسم پر پڑ گئے ہیں اور آپ کے سرمانے لیف خرم کا تکیہ رکھا ہے۔ جس کے نشان رخسار مبارک

پر پڑ گئے ہیں۔ صحابی نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول۔ شانانِ عجم و روم رشیم اور دنیا پر موتے ہیں

آپ کیوں ایسے سخت بستر پر سوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں خدا کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔

مجھ کو دنیا سے کیا سروکار ہے۔ دنیا کی مثال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جیسے ایک سوار کسی درخت کے

سایہ میں ٹھہرے اور جب سایہ درخت نہ رہے تو وہ شخص سامان چھوڑ کر وہاں سے چلا جائے۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۶

معتبر روایت ہے کہ پیغمبر اسلام روزانہ ستر بار استنجا

پڑھتے تھے حالانکہ بے گناہ تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

آتوب الی اللہ۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۷

پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک صحابی کچھ رطب لایا۔ آپ

نے خادم سے کہا کہ گھر میں جا کر کوئی طرف لے آئے۔ خادم

اندھ گیا اور واپس آیا اور کہا کہ کوئی طرف طباق وغیرہ نہیں ہے۔ آپ نے کپڑے سے زمین کو صاف کیا اور

کہا کہ رطب یا خرمہ کو زمین پر ڈال دے۔ اور فرمایا کہ اس ذات اقدس کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ قدرت

میں میری جان ہے کہ اگر دنیا خدا کے نزدیک پریشہ کے برابر بھی قابل اعتبار ہوتی تو وہ کسی کافر و منافق کو ایک

گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۸

علی مرتضیٰ سے زیادہ کون واقف حالات نبوی تھا۔

علی نے ہنجر البلاغت میں پیغمبر اسلام کے متعلق فرمایا ہے۔

حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۳۱۔

تم لوگوں کو پیغمبر اسلام کی پیروی اور تاسی کرنے کیلئے یہی کافی ہے اور دنیا کی مذمت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ پیغمبر اسلام نے دنیا کو ترک کر دیا۔ اور دنیا ان کو میسر نہ ہوئی ان کے غیروں کو حاصل ہوئی۔ اور آپ نے دنیا کو درہم و درہم و شکستہ کر دیا۔ اور دنیا کی طرف نظر تک نہ کی اور آپ کا دامن ہر ایک شخص کے دامن سے زیادہ خالی رہا آپ کا شکم طعام دنیا سے ہمیشہ خالی رہا۔ خدا نے قدر نے محمد کو مالک دنیا بنانا چاہا اور دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی۔ مگر آپ نے دنیا کو قبول نہ کیا کیونکہ خدا دنیا کو دشمن رکھتا ہے۔ لہذا آپ نے بھی دنیا کو دشمن رکھا۔ چونکہ خدا نے دنیا کو حقیر سمجھا ہے لہذا آپ نے بھی دنیا کو حقیر سمجھا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حال تھا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور غلاموں کی مانند دو زانو بیٹھتے تھے اپنے نعلین اور لباس کو خود پیوند لگا لیتے تھے اور بغیر زین کے خچر پر سوار ہوتے تھے اور اپنے ساتھ سوار ہی پر دوسرے کو رولف بنا لیتے تھے۔ آپ نے ایک بار کسی زوجہ کے مکان پر تصویر دار پردہ دیکھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اس پردہ کو دروازہ سے ہٹا دو تاکہ زینت دنیا میری نظروں کے سامنے نہ آئے۔

علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے دنیا سے مطلق منہ موڑ لیا تھا۔ یا یہ کہ آپ نے کبھی دنیا کو اپنے دل میں جگہ ہی نہ دی تھی۔ بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ آپ نے اہل بیت کے ہمراہ گرسنہ رہتے تھے اور آخر دنیا سے گرسنہ ہی گئے اور اپنی ذات کیلئے پتھر پر پتھر نہ رکھا یعنی مکان نہ بنایا۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۹ | امام حسین نے فرمایا کہ جب پیغمبر اسلام درگاہ خدا میں ہاتھ اٹھاتے تھے تو تصرع و زاری کرتے تھے اور اپنی انگلیوں

کو حرکت دیتے تھے۔ جیسے کہ کوئی سائل کچھ طلب کرتا ہو۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۰ | امام زین العابدین نے فرمایا کہ بعدا محمد رسول خدا عبادت میں اسقدر تعب و مشقت برداشت

کرتے تھے کہ پیروں پر درم آجاتا تھا۔ ایک بار لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا نے تو آپ کے لگے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ کیوں اسقدر مشقت عبادت برداشت کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ۔ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔؟

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۱ | امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ پیغمبر اسلام کبھی قسم نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ جب قسم کی ضرورت ہوتی تو فرماتے۔

لاواستغفر اللہ - نہیں میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں -

بعض خصائص پیغمبر اسلام برائے حصول رخصائے خدا -

(ا) خادم حبیب چکی چلانے سے تنگ جاتا تھا - تو پیغمبر اسلام خود اس کی مدد فرماتے تھے -

(ب) حاضرین کی موجودگی میں تکبیر نہیں لگاتے تھے -

(ج) اپنے اہل و عیال کی خدمت خود کرتے تھے -

(د) آزاد و غلام تو بھی دعوت کرتا تھا قبول فرماتے تھے -

(ر) کم از کم مقدار تحفہ و ہدیہ بھی قبول فرماتے تھے -

(س) معاملات دنیوی کے بارہ میں کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے - صرف کاروائی خدا میں غضب و غصہ کرتے تھے -

(ص) شدت گرسنگی (فاقہ) میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے - چادر بھینی و جیبہ شمیمی پہنتے تھے - اکثر

لباس سفید ہوتا تھا - سر پر عمامہ (گپڑی) باندھتے تھے - جمعہ کو لباس نوان کے لئے مخصوص تھا

اپنا لباس کہنہ بھی عطا کر دیتے تھے اور سوال رد نہیں کرتے تھے -

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۲۲

یہ بات مشہور تھی کہ پیغمبر اسلام کسی کا سوال رد نہیں کرتے ہیں

ایک بار ایک عورت نے اپنے لڑکے کو خدمت پیغمبر اسلام میں

بھیجا - اور اس سے کہہ دیا کہ پیغمبر سے سوال کرو - اگر وہ جواب دیں کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے -

تو یہ کہنا کہ اپنا کرتہ مجھ کو دیدو -

چنانچہ وہ لڑکا آیا اور پیغمبر اسلام سے سوال کیا - پیغمبر نے معذرت چاہی - لڑکے نے مطابق اشارہ

والدہ پیغمبر اسلام سے آپ کا پیرا من طلب کیا - پیغمبر اسلام نے اپنا پیرا من اس کو دیدیا - اور خود ایک

تہمند باندھ لی - اور بوسہ پیرا من نہ ہونے کے مسجد نہ جاسکے - خدائے قدیر نے جب اپنے حبیب محمد

صلعم کی یہ عادت تسلیم و رضادیکھی تو بذریعہ جبرئیل حکم بھیجا -

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل لبسط فتعبد ملوما محسورا -

(قرآن) اے محمد اپنے ہاتھ کو اپنی گردن میں نہ باندھو کہ کسی کو کچھ نہ بخشو اور نہ اپنے ہاتھ کو ایسا کھولو کہ

جو کچھ پاس ہے وہ سب بخش دو اور خود ملامت کردہ شدہ عریاں بیٹھو - (مطلب یہ ہے کہ سخاوت

و ایشار میں راہ اعتدال اختیار کرو)

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۲۳

ایک دن ابوذر اور سلمان فارسی دو اصحاب پیغمبر اسلام کی

تلاش میں آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ مسجد قبا کی جانب تشریف لیگئے ہیں۔ یہ دونوں صحابی مسجد قبا کی جانب روانہ ہو گئے۔ اٹھائے راہ میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام ایک درخت کے نیچے سجدہ خالق میں سر بسجود میں یہ دونوں صحابی تا دیر منتظر رہے۔ آخر انہوں نے خیال کیا کہ آپ سو گئے ہیں۔ قریب جا کر چاٹا کہ بیدار کر دیں کہ اتنے میں پیغمبر اسلام نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا کہ تم سمجھے کہ میں سو رہا ہوں۔ مگر میں تمہارے آنے سے مطلع ہوں۔ اور میں تمہاری گفتگو سن رہا تھا۔ اور یاد رکھو کہ خدا نے پیغمبر کو ان کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا۔ اور مجھ کو ہر سیاہ و سفید پر اور زبان عربی میں مبعوث فرمایا۔ صحیبات الغلوب (تسلیم، واقعہ ۱۴۳) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام ناقلاً شب کو استادہ پر تھے۔ اور اس طرح کہ کبھی ایک پاؤں کو اٹھا لیتے اور جب ٹھک جاتے تو دوسرے پاؤں کو اٹھا لیتے تھے۔ حتیٰ کہ پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔ خدا نے قدیر نے اپنے جیب کی یہ تسلیم

در خدا دیکھی تو بذریعہ ملک یہ پیغام محبت سنایا۔
 طہ ما انزلنا علیک القرآن لتشتقی۔

اے طیب و طاہر۔ ہادی خلق میں نے قرآن آپ پر اسلئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپ اپنے کو تعب و مشقت میں ڈالیں۔

تسلیم و رضا واقعہ ۱۴۵ ص ۲۰۲ - امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایک روز پیغمبر اسلام اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کے گھر آئے۔ دیکھا کہ بیٹی کھلی پیس رہی ہے اور ایک موٹا کپڑا جس سے اونٹ کی سھول بناتے ہیں اوڑھے ہوئے ہے۔ آپ اب دیدہ ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ دنیا کی تلخی (مصائب) برداشت کرو تا کہ آخرت کی نعمات کی مستحق ہو سکو اس پر خدا تعالیٰ کی جانب سے یہ پیغام محبت آیا۔

و لئلا تحزونة خیر لک من الالوی - و لک سوف یعطیک ربک فتراضی -

یقیناً آخرت بہتر ہے تیرے لئے دنیا سے اور تیرا رب تجھ کو اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔
 تسلیم و رضا واقعہ ۱۴۶ پیغمبر اسلام نے سترہ نبوت ماہ شوال میں طائف کی طرف ہجرت کی تقریباً دس دن یا بروایتے پچاس روز طائف میں قیام کیا

اور چاٹا کہ اہل طائف کو تبلیغ تو حیدر بانی کا درس دیں۔

مگر اہل طائف نے نہایت ظالمانہ سلوک کیا جو معضل البواب سابقہ میں تحریر کیا گیا ہے اور پیغمبر اسلام طائف میں انتہائی بے بسی و بیکسی کی حالت میں رہے۔ اور آخر لوگوں کے ظلم و جور و تمسخر سے

عاجز ہو کر ایک انگور کے باغ میں پناہ لی۔ اس وقت عالم یاس اور بے بسی میں درگاہ خداوندی میں ان الفاظ میں مناجات کی۔ اس مناجات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تسلیم و رضا کا بہترین مظاہرہ فرمایا ہے۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ضَعْفَ قُوَّتِي وَقَلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ أَنْتَ الرَّحِيمُ الرَّحِيمُ
 أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي إِلَهِي مَنْ تَكَلَّمْتُ إِلَيْكَ لَعْنَتِي وَإِنْ تَجَلَّسْتُ
 أَوْ إِلَى عَدُوِّ مَمْلَكَتِهِ أَمْرِي أَنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُرِي بَالِي وَلَا كُنْتُ عَاقِبَتَكَ
 حَيًّا وَسِعَ لِي أَعْوَدُ مَنُورٌ وَجِهَتِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَنْ يُنَزِّلَ بِي غَضَبَكَ أَوْ يَجْعَلَ عَلَيَّ سَعَطَكَ لَكَ الْعَبْدِي
 حَتَّى تَرْضَى وَلَا أَهْوَى وَلَا تَوْتَةَ إِلَّا بِكَ۔

ترجمہ :- یا اللہ میں تیری درگاہ میں فریاد کرتا ہوں اور تجھ سے عرضداشت کرتا ہوں کہ میری قوت ضعیف ہے اور راہ تدبیر میرے لئے مسدود ہے۔ اور لوگوں کی نگاہ میں میں سبک و حقیر ہوں۔ اور تو سبب رحم کرنے والوں نے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اسے خدا تو رب اور مالک و یاد ہے ان لوگوں کا جو کمزور اور ضعیف کر دیئے گئے ہیں۔ اور تو میرا رب اور مددگار ہے۔ جیکہ تو نے مجھ کو سپرد کر دیا ہے مقام بعید میں جہاں مجھ سے بہ سختی و تہمتی لوگ پیش آتے ہیں۔ یا ان دشمنوں کو کہ مالک بن گئے ہیں میرے معاملات کے۔

اگر ان تمام حالات کی موجودگی اور تمام مصائب کے ہوتے ہوئے تیرا غضب اور ناراضگی مجھ سے نہیں ہے بلکہ تیری رضا ہے تو مجھ کو ان تمام مصائب کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ تیری عاقبت اور عطا کردہ سکون میرے لئے زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔

میں پناہ پاتا ہوں تجھ سے تیرے اس نوز کے وسیلہ سے کہ جس کے ذریعہ تو نے ظلمات اور تاریکیوں کو روشن بنا دیا اور بہتر بنا دیا معاملہ دنیا و دین کو۔

اگر تیرا غضب نازل ہو اور تیرا غصہ و ناراضگی ہو تو تجھ کو عتاب کا حق حاصل ہے اور میں تیرا ہوں سزاگاہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ اور اسے خدا بجز تیرے کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام کا ہر لمحہ حیات از مہد تا المحدثا القوانین عدالت کا آئینہ دار ہے۔ ہر قول ہر فعل، ہر عمل ہر معاملہ ہر معاہدہ، بلکہ آپ کی ہر حرکت اور ہر سکون قوانین عدالت کے مطابق تھا۔ آپ کی حیات پاک اور اجد و فوات کسی دشمن یا دوست کو اس اعتراض کا موقع نہیں ملا کہ آپ کا کوئی فعل بھی خلاف عدالت ہوا ہو۔ میں نے چند واقعات تاریخی پیش کئے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام کی ذات اقدس بحیثیت ایک انسان کے کامل ترین افراد عالم ہے مذاہب عالم کے پیشوا صفات و مکارم اخلاق کے حامل ہیں۔ مگر ہر کمال حسب طرح ذات محمد مصطفیٰ میں بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔ وہ کسی روبرو عالم پیشوا کے مذاہب عالم میں موجود نہیں تھا۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ انسان اعلیٰ معیار انسانیت پر پہنچنے کیلئے اپنے سامنے کامل ترین نمونہ ہی رکھ کر منازل ارتقاء انسانی کو طے کر سکتا ہے۔ کیونکہ ناقص نمونہ دیکھ کر عمل کرنے والے بھی ناقص ہی بن سکتے ہیں اور کامل نمونہ عمل پر عمل کرنے والے کامل الصفات انسان ہو سکتے ہیں۔ انسانی منزل ارتقاء محدود تصور سے بھی بالاتر ہے۔ لہذا اس کو ایسے ہی کامل نمونہ کی ضرورت ہے جو لامحدود صفات کاملہ کا حامل ہو۔ اس نظریہ کے بموجب اگر تاریخ عالم کے صفحات کی سچان بین کی جائے گی تو پیغمبر اسلام سے بہتر شخصیت نمونہ عمل انسانی بننے کیلئے نہیں پائی جائے گی۔

یہی وہ ذات ہے جس میں تمام صفات کمالیہ یکجا پائی جاتی ہیں۔ حکماء نے مکارم اخلاق با صفات کمالیہ انسانی کا حصر صرف ان مکارم چہارگانہ میں کیا ہے۔ حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت میں نے مذکورہ ابواب میں ان ہر چہارگانہ صفات کا تذکرہ باسناد کتب تاریخی کیا ہے۔ اور بلحاظ بشریت و کمال بشریت ہر عمل و فعل و قول پیغمبر اسلام کو پیش کیا ہے۔ صاحبان انصاف و نظر بعین تسلیم کریں گے کہ ذات پیغمبر اسلام عالم انسانیت کیلئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ اور یہی وہ منارہ ہدایت ہے کہ جس کی روشنی ازل تا ابد باقی رہے گی اور بنی نوع انسان کو فلاح دین و دنیا سے بہرہ اندوز کرتی رہے گی۔

اگرچہ ان فضائل چہارگانہ ہی میں تمام فضائل اوصاف انسانیت جمع ہیں۔ چونکہ یہ تفصیل نمونہ حیات کاملہ پیغمبر اسلام کو پیش کرنا مقصود ہے لہذا ان مکارم اخلاق کی اقسام ضروریہ کو بھی مطابق حالات تاریخی پیش کیا جاتا ہے اور حیات پیغمبر اسلام کے تاریخی شواہد پیش کر کے یہ ثابت کیا جائے گا۔ کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ ہر اس صفت سے موصوف تھا۔ جو ایک انسان کامل اور نمونہ کامل کیلئے ضروری ہے دیگر ابواب جلد سوم کتاب انسان کامل میں ملاحظہ فرمائیے۔

تقسیم ابواب کتاب اخلاق محمد پر سر حصص

حصہ اول

باب حکمت (نظری و عملی)

ذکا ، سرعت فہم ، صفائے ذہن ، سہولت تعلم ، حسن تعقل ، تحفظ ، تذکرہ ،

باب شجاعت

کبر نفس ، نجبت ، علو ہمت ، ثبات ، علم ، سکون ، شہامت ، تحمل ، تواضع ، حیثیت ، رقت ،

حصہ دوم

باب عفت

سیاء ، رفق ، حسن بدی ، مسامت ، دعت ، صبر ، قناعت ، وقار ، حریت ، سخا -

باب عدالت

صداقت ، الفت ، وقار ، شفقت ، صلہ رحم ، مکافات ، حسن شرکت ، حسن قضاء ، تودد ، تسلیم ، توکل ، عبادت ،

maablib.org

حصہ سوم

باب العلم

علم البیات و معرفت ، تدبیر منزل ، سیاست مدن ، طرز حکومت ، تعلیم اخلاق ، علم ، خاندان ،

فهرست مضامین

السان کامل یا اخلاق محمد حصه دوم

نمبر شمار	مضامین	صفحه	نمبر شمار	مضامین	صفحه
۱	باب عفت و حیاء	۵	۲۰	عفت و اقدوس نزد هم قناعت	۳۱
۲	تعریف عفت به الفاظ حکماء	۵	۲۱	عفت رصبر، و اقدوس مقدم	۳۲
۳	واقعه اول عفت و حیاء لعبر رضاعت	۹	۲۲	عفت و اقدوس هشتم رصبر و تقاریر	۳۲
۴	عفت و اقدوس دوم خطبه حدیقه	۱۳	۲۳	عفت و اقدوس نوزدهم حسن بدی و تقاریر	۳۲
۵	عفت و اقدوس سوم فضائل	۲۰	۲۴	عفت و اقدوس بیستم، صبر و نیل	۳۳
۶	عفت و اقدوس چهارم قناعت	۲۲	۲۵	عفت و اقدوس بیست و یکم صبر و نیل	۳۳
۷	عفت قناعت و اقدوس پنجم	۲۳	۲۶	عفت و اقدوس بیست و دوم عفو	۳۳
۸	عفت و اقدوس قرصن خواه	۲۳	۲۷	عفت و اقدوس بیست و سوم عفو	۳۵
۹	عفت رصبر و اقدوس هشتم	۲۵	۲۸	عفت و اقدوس بیست و چهارم جامع الصفات	۳۵
۱۰	عفت (ورع) و اقدوس نهم	۲۵	۲۹	عفت و اقدوس بیست و پنجم قناعت	۳۶
۱۱	عفت (سخا) و اقدوس دهم	۲۶	۳۰	عفت و اقدوس بیست و ششم	۳۶
۱۲	عفت (قناعت) و اقدوس یازدهم	۲۶	۳۱	عفت و اقدوس بیست و هفتم	۳۶
۱۳	عفت (قناعت)، و اقدوس دهم	۲۷	۳۲	عفت و اقدوس بیست و هشتم تقاریر	۳۶
۱۴	عفت و اقدوس یازدهم (ورع)	۲۷	۳۳	عفت و اقدوس بیست و نهم عفو	۳۷
۱۵	عفت (ورع) و اقدوس دوازدهم	۲۷	۳۴	عفت و اقدوس سی و یکم (ورع)	۳۸
۱۶	عفت (مسامحت) و اقدوس سیزدهم	۳۰	۳۵	عفت و اقدوس سی و دوم صبر و قناعت	۳۸
۱۷	عفت (صبر و علم) و اقدوس چهاردهم	۳۰	۳۶	عفت و اقدوس سی و سوم مسامحت و	۳۸
۱۸	عفت (سخاوت) و اقدوس پانزدهم	۳۰	۳۷	اجتناب ردائیل	
۱۹	عفت (سخاوت)، لعبر، سال	۳۱	۳۸	عفت و اقدوس سی و سوم (مروت)	۳۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۳۸	عفت و حیا واقعہ سی و چہارم	۳۹	۴۱	عفت یہ تعدد ازواج کیوں؟ دفع اعتراض	۹۶
۳۹	عفت واقعہ سی و پنجم و قار	۳۹	۴۲	تعدد ازواج کی تائید بزبان مفکر برطانیہ	۱۰۵
۴۰	عفت واقعہ سی و ششم، قناعت مواسبات	۳۹	۴۳	مشہد طلاق	۱۰۷
۴۱	عفت واقعہ سی و ہفتم، صبر و قناعت	۴۰	۴۴	طلاق و پیغمبر اسلام	۱۱۰
۴۲	عفت واقعہ سی و ہشتم سخاوت و ایثار	۴۱	باب عدالت		
۴۳	عفت واقعہ سی و نہم مسادات بین النساء	۴۱	۴۵	تعریف فضیلت عدالت	۱۲۰
	کا ثبوت		قرآن کریم و اقوال علماء		
۴۴	عفت لفضائل اخلاقی	۴۱	۴۶	عدالت واقعہ اول عہد رضاعت	۱۲۴
۴۵	عفت عفو	۴۱	۴۷	عدالت واقعہ دوم بعمر ۴ سال	۱۲۶
۴۶	استنباط نتائج واقعات مذکورہ	۴۲	۴۸	عدالت واقعہ سوم سلوک بہ حلیم	۱۲۷
۴۷	عفت واقعہ سی و ہشتم تعدد ازواج	۴۲	۴۹	عدالت واقعہ چہارم صلہ رحم	۱۲۸
۴۸	ایک اعتراض کا جواب	۵۲	۵۰	عدالت واقعہ پنجم صلہ رحم بہ شیمانیت حلیمہ	۱۲۸
۴۹	ازواج ندیکہ بنت خویلد (عقد)	۵۳	۵۱	عدالت صلہ رحم بہ عم رضاعی	۱۳۰
۵۰	عفت عقد عائشہ رضی	۵۶	۵۲	عدالت واقعہ ششم صلہ رحم زیارت قبر مادر	۱۳۳
۵۱	عدالت عقد حفصہ رضی	۶۱	گراہی		
۵۲	عفت عقد زینب رضی	۶۵	۶۳	عدالت واقعہ ہفتم، حسن شرکت	۱۳۴
۵۳	عفت عقد ام سلمہ رضی	۶۷	۶۴	عدالت واقعہ ہشتم (لقب امین)	۱۳۵
۵۴	عفت زینب بنت جحش رضی	۶۹	۶۵	عدالت واقعہ نہم تربیت علی	۱۳۵
۵۵	حالات زید رضی	۷۲	۶۶	عدالت واقعہ دہم حسن شرکت	۱۳۹
۵۶	عقد جویریہ رضی	۷۹	نصب حجر اسود		
۵۷	عفت عقد ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی	۸۴	۷۷	عدالت واقعہ یازدہم مکافات	۱۴۲
۵۸	عفت عقد صفیہ رضی	۸۸	واقعہ اسلام عمر ابن خطاب		
۵۹	عفت عقد ریحانہ رضی	۹۳	۷۸	عدالت، صداقت، امانت	۱۴۹
۶۰	عفت عقد مسیونہ رضی	۹۳	۷۹	عدالت واقعہ دوازدہم تقسیم غنائم	۱۵۱

نمبر شمار	مضامین	صفحه	نمبر شمار	مضامین	صفحه
۸۰	عدالت احکام جهاد و شفقت	۱۵۲	۱۰۲	عدالت شفقت سلوک به اهل سفر	۱۹۴
۸۱	عدالت و ناد شفقت	۱۵۵	۱۰۳	عدالت شفقت به عوام	۱۹۵
۸۲	عدالت واقع پاتردم و فاد مساوات	۱۵۶	۱۰۴	عدالت شفقت به رفقات سفر	۱۹۶
۸۳	عدالت واقع شانزدم سید عبداللہ	۱۵۸	۱۰۵	عدالت حسن قضا، صلہ رحم	۱۹۷
۸۴	عدالت واقع مقدم تقسیم اموال غنیمت	۱۶۲		تسلیم حسن شرکت و توکل	
۸۵	عدالت واقع سیزدهم	۱۶۳	۱۰۶	عدالت سلوک به الوطالب	۱۹۸
۸۶	عدالت مساوات	۱۶۵	۱۰۷	عدالت تسلیم و توکل واقع شعب	۲۰۰
۸۷	عدالت واقع سواد	۱۶۶		الوطالب	
۸۸	عدالت بموقعه غزوه بدر	۱۶۷	۱۰۸	عدالت مکافات و صلہ رحم الوطالب	۲۰۹
۸۹	واقعہ لبت و دوم اسیران بدر	۱۶۸	۱۰۹	عدالت صلہ رحم مکافات	۲۱۳
۹۰	عدالت واقع لبت و سوم فدیه اسیران	۱۷۰	۱۱۰	عدالت مکافات حسن قضا صلہ رحم	۲۱۷
۹۱	عدالت واقع لبت و چهارم سلوک بدر		۱۱۱	عدالت بموقعه سفر ہجرت	۲۲۱
	عبداللہ ابن ابی سلول	۱۷۴	۱۱۲	عدالت واقع چہل و دوم حسن شرکت	
۹۲	عدالت واقع لبت و پنجم سلوک بدر			مکافات	۲۲۵
	ابن عمر	۱۷۵	۱۱۳	عدالت واقع چہل و سوم حسن قضا	۲۲۶
۹۳	عدالت واقع لبت و ششم تقسیم اموال بدر	۱۷۷	۱۱۴	عدالت واقع چہل و چهارم قیام قباء	۲۲۷
۹۴	عدالت واقع لبت و ہفتم	۱۷۹	۱۱۵	کیفیت ہجرت رسول	۲۲۹
۹۵	عدالت واقع لبت و ہشتم عدالت بہ ازواج	۱۷۹	۱۱۶	عدالت واقع چہل و پنجم اخوت	۲۳۲
۹۶	عدالت واقع لبت و نهم غنائم	۱۸۲	۱۱۷	عدالت واقع چہل و ششم (سلمان فارسی)	۲۳۳
۹۷	عدالت واقع سی ام سلوک بہ خادمان	۱۸۴	۱۱۸	عدالت واقع چہل و ہفتم	۲۳۵
۹۸	عدالت واقع سی و یکم سلوک بہ فاطمہ	۱۸۵	۱۱۹	عدالت واقع چہل و ہشتم	۲۳۶
۹۹	" " " " و دوم	۱۸۶	۱۲۰	عدالت واقع چہل و نهم	۲۳۷
۱۰۰	عدالت مکافات	۱۹۲	۱۲۱	عدالت النعام معاذ و معوذ	۲۳۷
۱۰۱	عدالت حسن شرکت	۱۹۳	۱۲۲	عدالت واقع پنجاہ و یکم	۲۳۸

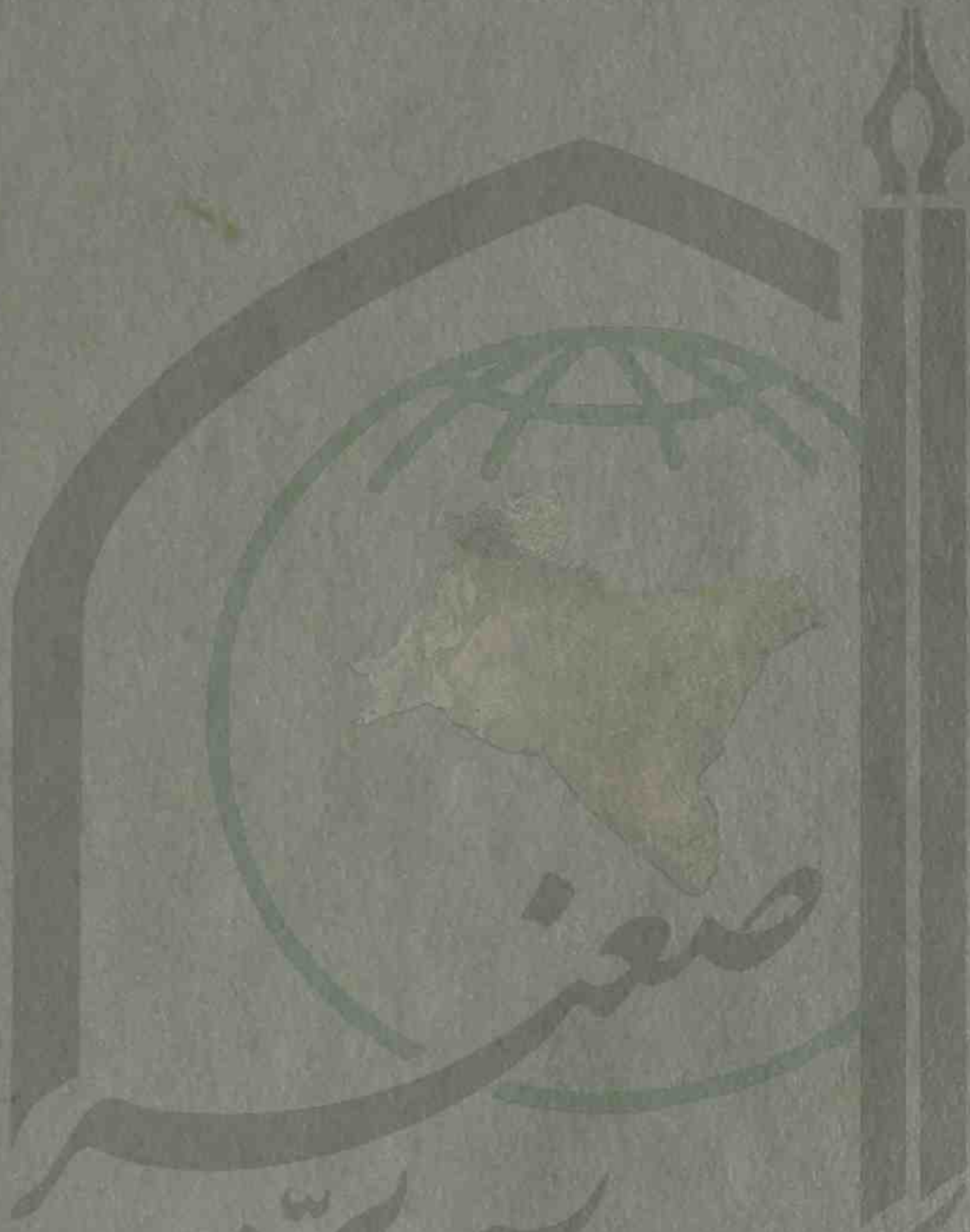
نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۲۳	عدالت واقعہ پتجاہ دودم	۲۴۰	۱۴۳	عدالت واقعہ ۲۲، واقعہ جاسوس دیگر	۲۸۸
۱۲۴	عدالت واقعہ پتجاہ دوسوم مکافات	۲۴۳	۱۴۳	عدالت واقعہ ۲۳، حالات عامر	۲۹۰
	واقعہ عمیر بن وہب		۱۴۵	عدالت ۲۴، شفقت بہ اصحاب	۲۹۱
۱۲۵	عدالت واقعہ پتجاہ و چہارم حسن قضاء		۱۴۶	عدالت واقعہ ۲۵، معاملہ اہل خیبر	۲۹۱
	مکافات		۱۴۷	عدالت واقعہ ۲۶، ، ، ،	۲۹۷
۱۲۶	عدالت واقعہ پتجاہ و پنجم	۲۴۸	۱۴۸	عدالت واقعہ ۲۷، معاملہ زینب بنت	۲۹۸
۱۲۷	عدالت واقعہ پتجاہ و ششم سفر خندق	۲۵۰		حارث	
۱۲۸	عدالت واقعہ ۵۷ ایشار	۲۵۲	۱۴۹	عدالت واقعہ ۲۸، معاملہ عبد بن سہیل	۳۰۰
۱۲۹	عدالت واقعہ ۵۸ مہاجرہ و انصار	۲۵۶	۱۵۰	عدالت واقعہ ۲۹، تقسیم غنائم خیبر	۳۰۱
۱۳۰	عدالت واقعہ ۵۹ خدمات علی و		۱۵۰	عدالت واقعہ ۸۰، معاملہ مذک	۳۰۲
	انعام نبی		۱۵۱	عدالت واقعہ ۸۱، واقعات عمارہ	۳۱۰
۱۳۱	عدالت واقعہ ۶۰ واقعہ بنی قریظہ	۲۶۵	۱۵۲	عدالت واقعہ ۸۲، قتل عامر	۳۱۱
۱۳۲	عدالت واقعہ ۶۱ واقعہ حنی بن خطاب	۲۷۱	۱۵۳	عدالت واقعہ ۸۳، ایفاء عہد و استقام	
۱۳۳	عدالت واقعہ ۶۲ واقعہ عجیب	۲۷۵		خزاعہ قریش سے	
۱۳۴	عدالت واقعہ ۶۳ شفقت و صلہ رحم	۲۷۶	۱۵۴	عدالت واقعہ ۸۴، فتح مکہ و عام معافی	۳۱۵
۱۳۵	عدالت واقعہ ۶۴ واقعہ اسیری اصحاب	۲۷۷	۱۵۵	عدالت واقعہ ۸۵، توطن مدینہ	۳۱۷
۱۳۶	عدالت واقعہ ابو جندل مکافات	۲۷۹	۱۵۶	عدالت واقعہ ۸۶، حکم قتل اعدا دین	۳۱۹
۱۳۷	عدالت واقعہ ۶۶ لفظ رسول پر		۱۵۷	عدالت واقعہ ۸۷، واقعہ عبد اللہ بن سعد	۳۱۹
	سلیم بن عمر کا اعتراض		۱۵۸	عدالت واقعہ ۸۸، واقعہ مورث بن نصیر	۳۲۱
۱۳۸	عدالت واقعہ ۶۷ شتر بھری	۲۸۲	۱۵۹	عدالت واقعہ ۸۹، مقبیس بن سیاہ	۳۲۲
۱۳۹	عدالت واقعہ ۶۸ واقعہ ابو بصیر	۲۸۳	۱۶۰	عدالت واقعہ ۹۰، حبار بن اسود	۳۲۲
۱۴۰	عدالت واقعہ ۶۹ شفقت و حسن قضاء	۲۸۵	۱۶۱	عدالت واقعہ ۹۱، صفوان بن امیہ	۳۲۳
۱۴۱	عدالت واقعہ ۷۰ پہودی و مسلم کا معاملہ	۲۸۶	۱۶۲	عدالت واقعہ ۹۲، کعب بن زبیر	۳۲۴
۱۴۲	عدالت واقعہ ۷۱ واقعہ جاسوس غزوہ خیبر	۲۸۷	۱۶۳	عدالت واقعہ ۹۳، عبد اللہ بن الزبیر	۳۲۴

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۶۰	۱۸۷ مہم نبی سعد	۳۲۲	۹۴ عدالت و عارث بن الطالع
۳۶۱	۱۸۸ صلح حدیبیہ	۳۲۵	۹۵ معاہدہ وحشی قاتل حمزہ
۳۶۲	۱۸۹ غزوہ خیبر	۳۲۶	۹۶ معاہدہ عکرمہ بن ابی جہل
۳۶۵	۱۹۰ فدک	۳۲۷	۹۷ ہندمار معاویہ
۳۶۶	۱۹۱ غزوہ داد القرئی	۳۲۸	۹۸ معاہدہ قرنیہ کینز
۳۶۷	۱۹۲ ذات السلاسل	۳۲۹	۹۹ حرمت و عظمت حرم کعبہ
۳۶۸	۱۹۳ فتح مکہ	۳۳۱	۱۰۰ واقعہ خالد بن خزیمہ
۳۷۰	۱۹۴ غزوہ مہین	۳۳۲	۱۰۱ صلح رجم واقعہ اسماء بنت
۳۷۲	۱۹۵ واقعہ طائف		سارث
۳۷۹	۱۹۶ غزوہ تبوک	۳۳۳	۱۰۲ معاہدہ تازیانہ
۳۸۲	۱۹۷ تبلیغ سورہ برأت	۳۳۵	۱۰۳ تقسیم اموال حنین
۳۸۸	۱۹۸ تبلیغ اسلام بہین	۳۳۸	۱۰۴ قبیلہ ہوازن
۳۸۹	۱۹۹ واقعہ نبی زبید	۳۴۰	۱۰۵ رجم مہدیہ عامریہ
۳۹۰	۲۰۰ وادی رمل	۳۴۱	۱۰۶ صلح خدمات علی
۳۹۱	۲۰۱ تکفین و تدفین رسول	۳۴۲	۱۰۷ دعوت نورا الحیرہ و علی کا وعدہ نعت
۳۹۸	۲۰۲ واقعہ حجۃ الوداع	۳۴۵	۱۰۸ تصدیق رسالت
۴۰۲	۲۰۳ اعلان امامت ولایت علی	۳۴۷	ایام مقابلہ
۴۱۷	۲۰۴ عمار یا سر کا فیصلہ	۳۴۸	سجرت
۴۱۸	۲۰۵ عدالت ، قتل خضرمی	۳۴۹	سفر ہجرت
۴۱۹	۲۰۶ عدالت ، قصاص ذات خود	۳۵۰	ادائیگی امانات رسول
۴۲۰	۲۰۷ حقوق والدین و اولاد (عدالت)	۳۵۱	غزوہ بدر
۴۲۲	۲۰۸ عدالت ، خواہر رضاعی	۳۵۲	واقعہ افک
۴۲۳	۲۰۹ عدالت ، حقوق مرئی	۳۵۳	غزوہ خندق
۴۳۲	۲۱۰ عدالت واقعہ صخر و محاصرہ طائف	۳۵۴	نبی قریظہ

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۱۱	عدالت واقعہ ۱۱۲ صخر و بنو سلیم	۲۳۳	۲۳۰	عدالت واقعہ تسلیم ۱۳۲	۲۲۳
۲۱۲	عدالت واقعہ ۱۱۵ بنی قینقاع کی شرارت	۲۳۳	۲۳۱	عدالت تسلیم ۱۳۳	"
۲۱۳	عدالت واقعہ ۱۱۶ رد سفارش سامر بن زید	۲۳۴	۲۳۲	عدالت تسلیم ۱۳۴	"
۲۱۴	عدالت واقعہ ۱۱۷ دیت قتل یہودی	۲۳۵	۲۳۳	عدالت ۱۳۵	۲۲۲
۲۱۵	عدالت واقعہ ۱۱۸ بعیوض قیمت شتر سرق کا کلبنا	۲۳۶	۲۳۴	عدالت ۱۳۶	"
۲۱۶	عدالت واقعہ ۱۱۹	۲۳۶	۲۳۵	عدالت ۱۳۷	"
۲۱۷	عدالت واقعہ ۱۱۹ ابو حدر اسلمی	۲۳۶	۲۳۶	عدالت ۱۳۸	"
۲۱۸	عدالت واقعہ ۱۲۰ معاملہ بنی قریظہ و بنی لہف	"	۲۳۷	عدالت ۱۳۹	"
۲۱۹	عدالت واقعہ ۱۲۱ قصاص ذات خود	۲۳۷	۲۳۸	عدالت ۱۴۰	"
۲۲۰	عدالت بین الناس واقعہ ۱۲۲	"	۲۳۹	عدالت ۱۴۱ عبادت	۲۲۵
۲۲۱	عدالت (اطفال نوازی)	۲۳۹	۲۴۰	عدالت ۱۴۲ عبادت	"
۲۲۲	عدالت واقعہ ۱۲۳ اشار	"	۲۴۱	عدالت ۱۴۳ خصائل	"
۲۲۳	عدالت واقعہ باغات کی خیرات	۲۴۰	۲۴۲	عدالت ۱۴۴ اشار	۲۲۶
۲۲۴	عدالت واقعہ ۱۲۴ احتیاط بہ قصاص	"	۲۴۳	عدالت ۱۴۵ عبادت	۲۲۶
۲۲۵	عدالت واقعہ ۱۲۵ سلوک بہ اموات	"	۲۴۴	عدالت ۱۴۶ عبادت	۲۲۷
۲۲۶	عدالت واقعہ ۱۲۸ ابو حذیفہ	"	۲۴۵	عدالت ۱۴۷ شفقت فاطمہ	"
۲۲۷	عدالت ۱۲۹ قصاص قاتل دختر	۲۴۱	۲۴۶	عدالت ۱۴۸ مناجات	"
۲۲۸	عدالت واقعہ ۱۳۰ حق الخدمت صحابی	۲۴۳			
۲۲۹	عدالت ۱۳۱ تسلیم و رضا	"			

دعائے مصنف

اے خدا اہل دنیا کو ہدایت کر کہ وہ پیغمبر اسلام کی سیرت کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں۔ اور اے خدا اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیرے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے اسوہ حسنہ پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کریں اور تمام باہمی تفرقوں کو ترک کر کے واحدت مسلم بن جائیں۔ اور اہل عالم کیلئے بہترین راہ نمائیت ہوں۔ حسین



MAAB 1431

مركز احیاء التراث
اسلامیہ

maablib.org



maablib.org